

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188306

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۲ / ن ا Accession No. ۲۴۲۲

Author ارس، ج ا ج د گ ت ا

Title تاریخ اہل الہند

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلہ کتب جامعہ اسلامیہ

تاریخ انگلستان

جلد اول

جان پچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ
انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجم

قاضی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔

رکن سرشہ تالیف و ترجمہ

جامعہ عثمانیہ

۱۳۳۶ھ بمطابق ۱۹۱۹ء

مطبعہ دارالکتاب لاہور

یہ کتاب میکسن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے؛

مُقَدِّمَةٌ



دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تحصیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند سببی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے جاپان پر یہی گزری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔ جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطع تعلق کر کے تنہا اور الگ تھلک نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھے رہتے ہیں جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح یونان کا اثر روم اور دیگر اقوام یورپ پر پڑا جس طرح عرب نے عجم کو اور عجم نے عرب کو اپنا فیض پہنچایا جس طرح اسلام نے یورپ میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

”دنئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے“

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم ہڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت اور ایج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی ادھوری، کم مایہ اور ادنیٰ ہوں گی۔ اُس وقت قوم کی بڑی حدت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کہیں گے، جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کہیں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف و تالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سمجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیادہ قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہر اکرالٹڈ ہائینس سٹیم دوراں ارسطوئے زماں سے سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نَوَابِ مِیرِ عُمَانِ عَلِيخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے جن کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں اچانے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، یہ تقاضائے مصلحت و دور بینی سب سے اول سررشتہ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہارلڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیٹیوٹ میں جس کی بنا سر سید احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ انکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ انہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں **اعْلَمْ حَضْرَتٌ وَاَقْلَسٌ** جیسے علم پرورد
فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ
اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ
اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ
اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار
پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے روم میں
خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید و مامون الرشید نے ہسپانیہ میں
عبدالرحمن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں
الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں
اور مت شی ہٹونے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت
اصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ **اعْلَمْ حَضْرَتٌ وَاَقْلَسٌ**
کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات
کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک
بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ
ہے اسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات
اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے،
اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اسی قدر تہذیب
و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ
وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے
فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاملی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علم ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیات انسانی۔ اور اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں سماعت، دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تفسیر پیدا کرتا ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔ گویا ایک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علم ادب اور زبان نے انہیں ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعد مسافت و اختلافِ مالاٹ ایک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اَعْلَمُ صَدْرًا وَاَقْلَسُ نَسْرًا نے

پہانا اور جامعہ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعہ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں ”بہانت بہانت کی بولیاں“ بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور قومی زبان کا دعوئے کر سکتی ہے۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیوں مکر مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔ ضرورت ایجاد کی مان ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

میتا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے سررشتہ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ سررشتہ تالیف و ترجمہ کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ ہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں اور چند روز میں عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے طالب علموں کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شایقین علم تک پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہر علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہر لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحات بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ ان کے

ہم نے اُن اہل علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعد مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بہوں پڑھائیں گے۔ لیکن اس سے گریز نہیں۔ ہیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں بلکہ جس نوج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصول ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کار بند رہی ہے، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جرأت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدد مثالیں ہمارے پیش نظر نہ رہی ہوں۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔ اب اگر کوئی لفظ غیر مانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا تصور نہیں۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کر لیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترتا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کر لیگا۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں رد و بدل نہ ہو سکے، بلکہ **فرہنگ اصطلاحات عثمانیہ** جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن ہماری مشکلات صرف اصطلاحات علمیہ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔ اس سرشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرض اولین ہے) کہ وہ نصابِ تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جمالت کا استیصال ہو۔ جمالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتاہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے۔ جمالت کا مقابلہ کر کے اسے پس پا کر ناسب سے بڑا کام ہے۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سرشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہتائی کرتی ہے پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

”ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے میں ’بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں‘ ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔ اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا بھوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جدوجہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کر لے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کر دی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہو کر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرے کا بھی ستارہ جگمگے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور

اعْلَمْ حَقَّ قَوْلِ الْغَالِبِ کی نظر کیسا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبحِ وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شبِ بیدارِ روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصرِ رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرتا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلس وضع اصطلاحات کا شکر گزار ہوں کہ ان کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمد اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کو توالی و امور عامہ سرکار عالی کا ممنون ہے جنہیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعہ عثمانیہ میں خاص انہماک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ ای۔ ایس۔ ناظم تعلیمات سرکار عالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبدالحق

ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

اَلْکِتَابُ الْاَلْمِیَیْ



- مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔ ناظم۔
- قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ ریٹائر۔۔۔۔۔ مترجم ریاضیات
- چودھری برکت علی صاحب بی۔ بیس۔ سی۔۔۔۔۔ مترجم سائنس
- مولوی سید ہاشمی صاحب۔۔۔۔۔ مترجم تاریخ۔
- مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم معاشیات
- قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم سیاسیات
- مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم تاریخ۔
- مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم فلسفہ و منطق
- مولوی عبدالحکیم صاحب شرر۔۔۔۔۔ مولف تاریخ اسلام
- مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم قانون۔
- مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔۔۔۔۔ مترجم کتب عربی
- علاوہ ان مذکورہ بالا مترجمین کے مولوی حاجی
- صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطہ نظر
- سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب
- طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں۔

ارکان مجلس و تنظیمات

مولوی مرزا مہدی خان صاحب کوکب وظیفہ یاب سکالر عالی (سابق ناظم مرموم شماری)
 مولوی حمید الدین صاحب بی۔ اے صدر دارالعلوم
 نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)
 مولوی حمید الدین صاحب سلیم
 مولوی عبدالحق بی۔ اے ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے ، مترجمین سررشتہ تالیف و ترجمہ نیز
 دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً
 خان فضل محمد خان صاحب ایم۔ اے ریٹائرڈ (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)
 مولوی عبدالواسع صاحب (پروفیسر دارالعلوم حیدرآباد)
 پروفیسر عبدالرحمن صاحب بی۔ اے۔ ایس۔ سی (نظام کالج)
 مرزا محمد ہادی صاحب بی۔ اے (پروفیسر کرپن کالج لکھنؤ)
 مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد) وغیرہ

فہرست

باب اول

۱۳۵	۱	سلطنتہائے انگلشیہ	جزو اول
۱۶	۱	برطانیہ و انگریز	جزو دوم
۳۵	۱۶	فتح انگلشیہ	جزو سوم
۶۶	۳۶	سلطنت ہارتمیریا	جزو چہارم
۹۸	۶۸	سلطنتہائے ثلث	جزو پنجم
۱۱۳	۹۵	وسکس و ڈین	جزو ششم
۱۳۵	۱۱۳	مملکت ویٹ سیکس	

باب دوم

۲۵۷	۱۳۶	انگلستان زیر ننگن شاہان غیر	جزو اول
۱۳۶	۱۳۶	شاہان ڈین	جزو دوم
۱۵۳	۱۳۶	مراجعت حکومت انگلشیہ	جزو سوم
۱۶۱	۱۵۳	نارمنڈی و نارن	جزو چہارم
۱۷۷	۱۶۱	فاتح	جزو پنجم
۱۹۰	۱۷۷	فتوحات نارن	جزو ششم
۲۱۳	۱۹۰	جدید انگریزی دور	

۲۲۸	۲۱۳	انگلستان و آنجو	جزو ہفتم
۲۴۶	۲۲۸	ہنری ثانی	جزو ہشتم
۲۵۶	۲۳۶	آنجویوں کا زوال	جزو نہم

باب سوم

منشور اعظم ۲۵۰

۲۶۹	۲۵۸	انگریزی علم ادب بہدشاہان نارٹھی	جزو اول
۲۸۵	۲۶۰	جان	جزو دوم
۲۹۵	۲۸۵	منشور اعظم	جزو سوم
۳۱۸	۲۹۵	یونیورسٹیاں یعنی دارالعلوم	جزو چہارم
۳۳۲	۳۱۸	ہنری سوم	جزو پنجم
۳۴۲	۳۳۲	فرائز	جزو ششم
۳۶۶	۳۴۵	بیرنوں کی جنگ	جزو ہفتم

باب چہارم

تین اڈورڈ ۳۴۶ ۵۱۲

۳۸۸	۳۶۶	فتح ویلز	جزو اول
۴۱۶	۳۸۸	انگریزی پارلیمنٹ	جزو دوم
۴۵۰	۴۱۶	فتح اسکاٹلینڈ	جزو سوم
۴۶۲	۴۵۰	انگلستان کے شہر و قصبے	جزو چہارم
۴۹۶	۴۶۲	بادشاہ و بیرن	جزو پنجم
۵۱۲	۴۹۶	اسکاٹلینڈ کی جنگ آزادی	جزو ششم

باب اول

سلطنتِ انگریز

۶۰۶ — ۱۰۱۳

(*)

جزو اول

برطانیہ و انگریز

اسناد۔ انگریزوں کے نظامِ حکومت اور سکوتِ پذیری کے متعلق کیمبل کی
 سیمنس ان انجینڈ (سیمنس در انگلستان) اور Saxons in England (اور
 بخصوص ڈاکٹر اسٹیز کی کانٹینیٹوئل ہسٹری آف انجینڈ (دستوری تاریخ انگلستان
 Constitutional History of England) دیکھنا چاہئے۔ سر فرانسس
 پالگریو کی ہسٹری آف دی انگریش کامن ویلتھ (تاریخِ دولتِ عامہ انگریز
 History of the English Commonwealth) ایک قابلِ قدر کتاب

ہے مگر اسناداً اس سے کام لینے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ انگریزوں کے نظام ابتدائی کا زور دار اور صحیح خاکہ فریمن کی ہسٹری آف دی نارمن کانکویسٹ جلد اول (تاریخ فتح نارمن History of the Norman Conquest) میں نظر آسکتا ہے۔

جے آر گرین کی دی سیکنگ آف انگلینڈ (نگوین انگلستان The making of England) اور دی کانکویسٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان The Conquest of England) بھی دیکھنا چاہئے 4

انگلستان قدیم

جس ملک کو ہم انگلستان کہتے ہیں وہ انگریزی قوم کا اصلی وطن نہیں ہے بلکہ ان کا وطن آبائی خود انگلستان سے بہت دور ایک دوسرا ہی ملک تھا۔ پانچویں صدی بعد مسیح میں انگل یا انگل لیٹڈ (ارض انگل) کے نام سے ایک ملک اس جزیرہ نما کے وسط میں واقع تھا جو بحر بالٹک کو بحر شمالی سے جدا کرتا ہے۔ اور جسے اب سلسوک کہتے ہیں۔ آج یہ مقام دلاویز مرغزار سیاہ شہیروں کے مکانات اور کنار آب کے چھوٹے چھوٹے خوش سواد قصبات سے دلفریب بنا ہوا ہے، مگر اس زمانے میں یہاں ان چیزوں کا نشان تک نہ تھا۔ بلکہ تمام ملک محض صنوبر و ریگ کا ایک دشتناک ویرانہ تھا۔ تاریک جنگل تمام ساحل کو گھیرے ہوئے تھے۔ صرف کہیں کہیں ایسے سبزہ زار تھے جو سمندر و دلدل تک پہنچ گئے تھے اور اس طرح سے جنگلوں کے درمیان جا بجا تھوڑا بہت فصل پیدا ہو گیا تھا، لیکن سلسوک کے رہنے والے انگل یا انگلش نامی قبیلے کے صرف ایک دور افتادہ جزو تھے، خود اصل قبیلہ ایلب اور ویزر کے کناروں پر آباد تھا۔ سلسوک کے شمال میں انگریزوں ہی کا ہم نسل ایک دوسرا قبیلہ جوٹ نامی آباد تھا اور اسی قبیلے کا نام ضلع جلیینڈ کی وجہ سے ہے۔ جنوب میں ایلب اور ایس کا درمیانی ملک اور ایس سے پار رائن تک کا وسیع قطعہ زمین متحدہ برٹن قبائل کا وطن تھا اور یہ سب

مل کر ایک قوم یکساں بن گئے تھے۔ انگل، سیکسن اور جوٹ سب کے سب
 خاندان ٹیوٹن کی ایک ہی شاخ جرمن ادنیٰ سے تعلق رکھتے تھے جس زمانے
 میں اول اول تاریخی حیثیت سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں وہ وہی
 زمانہ تھا جب متفرق و منتشر قبائل ہزبانی اور تنظیمات سیاسی و تمدنی کی
 یکجہگی کی وجہ سے اتحاد باہمی کی طرف قدم زن تھے۔ انگریز آج جس سرزمین
 پر رہتے ہیں اس کی فتح میں یہ تمام قبیلے شریک ہونیوالے تھے اور بعد فتح
 انیس سب کے امتزاج باہمی کا نتیجہ تھا جس سے قوم انگلش پیدا ہوئی +

قوم انگلش

ہیں اس امر کا بہت کم علم ہے کہ قدیم انگلستان کی سکونت کے
 دوران میں اس قوم کی طرز معاشرت اور اس کی افتاد طبیعت کیا تھی
 مگر جب بسلسلہ فتوحات وہ ساحل برطانیہ پر وارد ہوئی اُس وقت کے
 جو کچھ خفیف حالات معلوم ہو سکتے ہیں ان سے مستنبط ہوتا ہے کہ
 اس کا سیاسی و تمدنی نظام اپنے دیگر ہم قوم جرمنوں کا سا رہا ہوگا۔
 اس کے تمدن کی بنیاد ہر انسان کے آزاد ہونے پر قائم تھی۔ وہ انسان
 ہی ایسے شخص کو سمجھتے تھے جو آزاد ہو۔ جو شخص ایسا ہو اُس کی نسبت
 بطور شل کہتے تھے کہ ”اس کی گردن آزاد ہے“۔ ”وہ اسلمہ بردار ہے“
 مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کی گردن کبھی کسی آفا کے سامنے نہیں جھکی اور
 اسے نیزہ اور تلوار رکھنے کا استحقاق حاصل ہے۔ ان دو کھادوں سے
 اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک آزادی کا مرتبہ کیا تھا۔ نیزہ
 اور تلوار رکھنے کا استحقاق گویا اس اختیار کے ہم منہ تھا کہ اگر وہ
 چاہے تو اپنے حقوق کی حفاظت آپ کر سکتا ہے۔ اس زمانے کے تمدنی
 حالات میں یہ استحقاق ہی ایک ذریعہ تھا جس سے مفصلانہ زیادتیوں کا

مقابلہ ہو سکتا تھا۔ بنیاد عدل جس طرح دیگر اقوام عالم میں اولاً افراد کے اعمال ذاتی سے قائم ہوئی ہے اسی طرح انگریزوں میں بھی اس کی ابتدا افعال ذاتی ہی سے ہوئی ہے مگر انگریزی تمدن کی جو قدیم سے قدیم کیفیت بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اشخاص کے ذاتی حقوق عام لوگوں کے حقوق میں انصاف ہونے کی روز افزوں خواہش سے محدود ہوتے جاتے تھے۔ شخصی انتقام کو حد معین پر لائیکے لئے قبیلے کی طرف سے پہلی متفق کوشش یہ ہوئی کہ ضرر جسمانی کے لئے معاوضہ نقدی کا دستور جاری کیا گیا۔ اس دستور کے بموجب آزاد شخص کی جان اور اس کے ہر عضو کے لئے ایک قانونی قیمت مقرر کی گئی۔ رواجی ضابطہ میں سرسری طور پر ”آنکھ کے بدلے آنکھ“ اور ”عضو کے بدلے عضو“ کا قاعدہ معین کیا گیا اور دوسرے صیح ضرر ہانے جسمانی کے لئے بھی ایسا ہی کچھ طریقہ بنایا گیا۔ مگر ایک دوسرے قدیم رواج سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نقصانات کے تسلیم کئے جانے کا بھی آغاز ہو گیا تھا جن سے شخص واحد کا نہیں بلکہ مجموعی طور پر قوم کا ضرر متصور ہوتا ہو۔ اس صورت میں خود مجرم بہ راہ راست جان یا عضو کی قیمت ضرر رسیدہ شخص کو نہیں دیتا تھا بلکہ مجرم کا خاندان ضرر رسیدہ شخص کے خاندان کو تاوان ادا کرتا تھا۔ اس طرح پر انگریزی قوم کی ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی جماعت میں امن و انتظام کی بنیاد خاندانی رشتہ پر قائم ہو گئی تھی اور یہی رشتہ تمام انگریزی خاندانوں کے باہمی وابستگی کا سبب تھا۔ ہر زیادتی کا ارتکاب مجرم کے تمام اہل خاندان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور ہر ظلم مظلوم کے تمام اہل خاندان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ زیادتی کرنیوالوں کو ایسے وسائل سے

ردکنا جنیں ابھی تک خود قبیلہ بہ حیثیت مجموعی عمل میں نہیں لا سکتا تھا صرف خاندانی رشتہ ہی کے اثر سے ممکن تھا اور اسی سے انگریزوں میں اول عدالت کا ایک ہیولی قائم ہوا۔ ہر رشتہ دار اپنے دوسرے رشتہ داروں کا کفیل تھا اس کا فرض تھا کہ غیروں کے ظلم و تعدی سے انہیں بچائے خود زیادتی کرنے سے انہیں باز رکھے اور ظلم واقع ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ تکلیف برداشت کرے اور ان کی طرف سے تاوان ادا کرے یہ اصول ایسا سہل تھا کہ اگر کسی شخص پر اس کے اہل قبائل کے روبرو بھی الزام لگایا جاتا تو بھی اس کا فیصلہ علماً اس کے رشتہ داروں ہی پر موقوف ہوتا تھا کیونکہ اس کی بے گناہی و خطا کاری کا تعین اسی کے معزز اہل خاندان کی قسم پر تھا اور اس کا بچنا یا سزا پانا بھی اسی بات پر منحصر ہوتا تھا *

قدیم انگریزی طرز معاشرت کے فوجی اور تمدنی پہلوؤں کی بنیاد اسی انگریزی طرز خاندانی رشتہ پر قائم تھی۔ چنانچہ رشتہ دار جنگ کے وقت پہلو بہ پہلو لڑتے معاشرت تھے۔ فوج چھوٹی چھوٹی جماعتوں پر مشتمل ہوتی تھی اور ہر جماعت کے ایک ایک فرد کو اپنے خاندان کے مشترک ادائے فرض کا خیال ہوتا تھا اور اسی فرض شناسی سے عزت و خود داری کا وہ احساس پیدا ہوتا تھا جو فوج کو مجتمع رکھتا تھا۔ اہل خاندان جس طرح میدان جنگ میں پہلو بہ پہلو لڑتے تھے اسی طرح وہ آبادی میں پہلو بہ پہلو رہتے بھی تھے مگر اس قسم کی آبادیوں میں روابط باہمی تعلق خون ہی تک محدود نہیں رہتے تھے بلکہ ہم وطنی کا بھی ایک وسیع واسطہ پیدا ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جرمن قوم کے نزدیک زمین کی ملکیت اور آزادی دونوں

لازم و ملزوم تھے۔ آزاد فی الحقیقت وہی شخص سمجھا جاتا تھا جو آزاد اراضی دار ہو اور جب تک وہ اپنی اراضی پر قابض رہتا تھا اپنی جماعت کے اندر ایک آزاد رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے حقوق کو کام میں لا سکتا تھا۔ یہ استحقاق اُس وقت تک حاصل رہتا تھا جب تک کہ وہ زمین کا مالک ہو۔ اس کے برخلاف جس شخص کے پاس زمین نہ ہو وہ اگرچہ کسی کا غلام بھی نہ ہو تاہم تمام معاملات میں وہ آزادی کے حقوق سے محروم ہو جاتا تھا۔ جرمن نس کی قدیم تاریخ پر جہاں تک نظر جاسکتی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اراضی داروں اور کاشتکاروں کی ایک قوم تھی۔ ٹیسیٹس پہلا رومی مورخ ہے جس نے ان قبائل کے معاشرت کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے آگے چل کر رومیوں پر فتح پائی۔ وہ ان کی کیفیت یہ بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مواضعات کے آس پاس کے جنگلوں میں چرائی کرتے اور موضع کے اندر کھیتوں میں کاشت کرتے ہیں۔ ٹیسیٹس کے دل پر ان جرمن قبائل کی جس خصوصیت کا قوی اثر پڑا وہ یہ تھی کہ یہ لوگ شہروں سے نفرت کرتے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں بنا کر رہتے تھے جس سے ان کے جذبہ آزادی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی خصوصیت اُس زمانے کی دُنیا نے تمدن اور ان جرمن قبائل کے درمیان مابہ الامتیاز تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ”یہ لوگ اپنی مرضی کے موافق جنگل کے حاشیوں پر کھلے میدانوں میں یا تازہ چشموں کے آس پاس علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں“ جس طرح ایک آبادی کا ہر ایک باشندہ دوسرے باشندوں کے مقابلے میں اپنی مخصوص آزادی پر جان دیتا تھا اسی طرح ہر آبادی دوسری آبادیوں کے مقابلے میں اپنی خاص آزادی کی جو یاں تھی۔ مگر ان لوگوں کے اس ابتدائی زمانہ کے خصوصیات زندگی کی نسبت ہم جو کچھ جانتے ہیں

وہ زمانہ مابعد کی جمع کی ہوئی شہادتوں پر مبنی ہے۔ ان مزاحین نے ایک طرح کی چھوٹی چھوٹی پنچایتی حکومتیں قائم کر لی تھیں اور جن میں سے ہر ایک کی حد بندی کے لئے خاص نشان مقرر ہوتے تھے لینے وہ جنگل، ویرانہ یا جھاڑی سے محصور ہوتی تھیں۔ یہ ”نشان“ قصبہ کے درمیان حد فاصل ہوتے اور ان میں مشترک سمجھے جاتے تھے۔ آباد کاروں میں سے کسی کا ان پر خاص تصرف نہیں ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی ان سے مقتل کا کام لیا جاتا تھا اور بیس مجرمن کو ان کے جرم کی سزا دی جاتی تھی۔ اس زمین کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ غولہائے بیابانی اور پریوں کا سکن ہے۔ اگر کوئی اجنبی اس جنگل یا ویرانے سے گزرتا تو رواجاً اس پر لازم تھا کہ اس میں قدم رکھتے ہی اپنا ترنا بجا دے ورنہ اگر وہ خفیہ طور سے داخل ہوتا تو دشمن سمجھا جاتا اور ہر شخص اسے قتل کر دینے کا مجاز تھا۔ قصبہ (Township) خاربست یا خندق سے گھرا ہوتا تھا جو ایک معمولی حصار کا کام دیتی تھیں۔ جنگ کے وقت وہ ایک بنا بنایا قلعہ تھا اور امن کی حالت میں قصبوں اور خاندانوں کے باہمی مناقشات میں کار آمد ثابت ہوتا تھا۔ باشندگان قصبہ میں اول ہی سے دو طبقے نظر آتے ہیں اور ان کے درج معاشرت میں بھی نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ قصبے کے مکانات کا بیشتر حصہ عام آزاد اشخاص (Ceorls) کی ملک ہوتا تھا مگر انہیں میں اکبر قصبہ (Eorls) کے زیادہ وسیع و فراخ مکانات بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ آخر الذکر گروہ اپنی شرافت نسب کی وجہ سے اہل قصبہ میں ممتاز اور موروثی اعزاز کا مستحق سمجھا

۷۔ قصبہ کو ہاون شہا اس وجہ سے کہتے تھے کہ لفظ ٹن (Tun) کے سنے خاربست یا خندق کے ہیں جس سے قصبہ گھرا ہوتا تھا +

جاتا تھا اور انہیں میں سے جنگ کے وقت قصبے کے سرداروں کا اور اسن کے وقت اس کے حکمرانوں کا انتخاب ہوتا تھا مگر یہ انتخاب کلیتاً اختیاری تھا۔ شریف خاندان کے لوگوں کو دیگر اہل قصبہ پر کسی طرح کا قانونی اختیار حاصل نہیں تھا "کوہ اجتمع" یا "درخت مقدس" کے گرد آزاد اشخاص کے جلسے وقتاً فوقتاً ہوا کرتے تھے اور ان جلسوں میں جماعت کا ہر فرد شامل ہو سکتا تھا۔ انہیں جلسوں میں کل جماعت کے کار و بار کا انتظام ہوتا، ان کے لئے قانون بنایا جاتا، اراضی کاشت اور چراگاہ مناسب مقرر کر دیں اہل قصبہ کے درمیان تقسیم کی جاتی، کھیت اور مکان ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتے، بزرگوں کے بیان کردہ رواج کے موافق کاشتکاروں کے تنازعات باہمی کے فیصلے ہوتے، مجرم کا انصاف اور اس کے جرانے کی تشخیص اس کے رشتہ داروں کے توسط سے کی جاتی، یہیں ان لوگوں کا انتخاب ہوتا جو اپنے سرگروہ کے ہمراہ "عدالتِ حلقہ" یا جنگ میں جانوالے ہوتے تھے۔ ایک وسیع اور پرجوش دریا کے سرچشمہ کے دیکھنے سے جو عظمت دل میں موجزن ہوتی ہے اگر ہم اپنے خیال کو اس زمانے تک دوڑائیں تو وہی عظمت ان چھوٹی چھوٹی پنچایتی جلسوں پر نظر ڈالنے سے پیدا ہو جاتی ہے جہاں قصبے کے لوگ اپنے دیہاتی معاملات کے طے کر نیکیے لئے اسی طرح جمع ہوتے تھے جس طرح آج ان کے اخلاف وسط منسٹر کی پارلیمنٹ میں اپنی عظیم الشان شہنشاہی کے قوانین وضع کرنے اور عدل و انصاف کی داد دینے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور یہ شاندار نظام سلطنت جس پر آج انگریزوں کو فخر و ناز ہے اس کی عارت اسی چھوٹی سی حقیر پنچایتی مجلس کی بنیاد پر اٹھائی گئی ہے +

انگریزوں کا مذہب وہی تھا جو تمام جرمن نسل کا تھا جس زمانے کا یہ قدیم انگریزوں کا یہ ذکر ہے اُس وقت تک شنشاہی روم کے تمام ممالک مذہب عیسوی قبول کر چکے تھے مگر شمال کے جنگلوں میں ابھی عیسائیت کا گزریک نہیں ہوا تھا۔ دنوں کے انگریزی نام اب تک ان دیوتاؤں کی یاد دلاتے ہیں جنہیں انگریزوں کے آبا و اجداد پوجتے تھے ویزڈے (Wednesday چارشنہا) واڈن (Woden) یعنی خداے جنگ کا دن ہے جو راستوں اور صدوں کا نگبان، حرفوں کا موجد اور اس کل فاتح قوم کا مشترک دیوتا تھا۔ ہر قبیلہ اسی کو اپنے بادشاہوں کا مورث اعلیٰ قرار دیتا تھا۔ تھرزڈے (Thursday پنجشنبہ) تھنڈر (Thunder) کا دن ہے۔ جسے اہل شمال تھار (Thor) کہتے ہیں۔ یہ ہوا، طوفان اور پانی کا دیوتا ہے، اسی طرح فرائڈے (Friday جمعہ) فری (Frea) کا دن ہے جو امن و مسرت اور خوشحالی کا خدا ہے۔ قدیم انگریزوں کا عقیدہ تھا کہ ناچتی ہوئی کنواری لڑکیاں اس دیوتا کا نشان اڑاتی ہوئی جس کھیت یا مویش خانے کے پاس سے گزرتی ہیں اس میں برکت ہو جاتی ہے سٹرڈے (Saturday شنبہ) کسی غیر معروف دیوتا سیٹر (Saetere) کی یادگار ہے۔ ٹیوزڈے (Tuesday سہ شنبہ) خداے تھارکی ٹیو (Tiw) کی نشانی ہے جس سے ملنا موت سے ملتی ہونا تھا۔ یہ خیالات پھر بھی بعد کے ہیں، ان سے پہلے کے خیالات اور موہومات جو ان دیوتاؤں کے متعلق تھے مطلق معلوم نہیں ہیں۔ ان قدیم موہومات میں صبح یا بہار کی ایک دیوی ایسٹر (Eoster) تھی جس سے عیسوی تہوار ایسٹر (عیید الفصح) کا نام ماخوذ ہوا ہے۔ ایک دوسری دیوی وِرڈ (Wyrd) تھی۔ یہ موت کی

دیوی تھی اور اس کی یاد شمالی صوبجات میں لفظ ویرڈ (Weird) کے ذریعہ سے مدتوں تک قائم رہی۔ انہیں میں وہ شہزور عورتیں تھیں جنہیں ”پسر بردار کنواریاں“ (Shield maidens) کہتے تھے۔ اور جن کی نسبت ایک پُرانی گیت سے پایا جاتا ہے کہ ”وہ میدان جنگ میں اپنی جانبازی کے کرشمے دکھاتیں اور چکر دار نیزے پھینکتی تھیں“ لیکن عام لوگوں کے نزدیک جنگل اور ویرانے کے معبود اور افسانوں اور گیتوں کے دیوتا زیادہ مقبول تھے۔ انہیں میں نانگر (Nicor) ایک دریائی بھوت تھا جس کی وجہ سے انگریزی زبان میں نکسی (دریائی پریوں Water Nixic اور اولڈ نک (Old Nick) کے افسانے رائج ہوئے۔ بڑی بڑی ڈھالوں اور لمبی لمبی تلواروں کا ڈھالنے والا ایک دیوتا ولینڈ (Weland) تھا جس کی یاد برکشائر کے ”حداد خانہ“ ولینڈ کے قصوں میں قائم ہے۔ ولینڈ کا ایک اور بھائی ایگل (Aegil) تھا جو آنتاب پر تیر چلایا کرتا تھا۔ ایزبری کے نام میں اب بھی اس کی آخری نشانی باقی ہے۔ مگر قدیم مقدمات اور قدیم شاعری کا جو مجموعہ اس وقت موجود ہے وہ کہیں سے یکجا حاصل نہیں ہوا ہے بلکہ منتشر و متفرق اجزاسے مرتب کیا گیا ہے۔ کوئی بات کسی نام سے معلوم ہوئی ہے۔ کوئی کسی قبر یا نشان کے پتھر سے اور کوئی کسی قدیم گیت سے۔ تاریخ مابعد میں عبادت و کسانت کے آثار بڑے بڑے نظر آتے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قومی زندگی پر ان امور کا نہایت ہی خفیف اثر تھا +

برطانیہ اپنا قصہ شروع کرنے کے قبل ہمیں سلوک اور شمالی سمندروں کے ساحلوں کو چھوڑ کر اس سرزمین پر جانا چاہئے جو اس وقت انگریزوں کو

کسی ہی عزیز کیوں نہ ہو مگر اس قصے کے آغاز تک کسی انگریز نے اس پر قدم نہیں رکھا تھا۔ جزیرہ برطانیہ تقریباً چار سو برس تک شہنشاہی روم کا ایک صوبہ رہ چکا تھا۔ ۱۰۶۶ء قبل مسیح میں قیصر جولیس نے اس جزیرے پر حملہ کیا اور اسی وقت سے رومی دنیا کے لئے اس کا راستہ کھلا مگر جزیرے کی کامل فتح کی کوشش تقریباً ایک صدی گزر جانیکے بعد شہنشاہ کلاڈیس نے کی۔ جولیس ایگریکولا کے فتوحات (۱۰۰ء) سے رومی سرحد دہانائے فوجتہ دکلاڈے تک پہنچ گئی اور رومی تلوار کے ساتھ ساتھ رومی تہذیب کا بھی عمل دخل ہوتا گیا لکن اور یارک کے سے وسیع شہر آباد ہو گئے۔ شہروں کی حکومت خود انہیں شہروں کے عمدہ داروں کے ذریعہ سے ہونے لگی۔ شہروں کی حفاظت کے لئے سنگین دیواریں بن گئیں۔ آمد و رفت کے لئے سڑکوں کا ایک جال جزیرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گیا اور تمام شہر ایک دوسرے سے مل گئے۔ لندن اور اس کے شہر دوسرے بندرگاہوں میں تجارت کو رفتہ فروغ حاصل ہو گیا۔ زراعت کی فراوانی نے برطانیہ کو اس قابل بنا دیا کہ وہ حاجت کے وقت گال کی ضرورتیں بھی پوری کر سکے۔ کارنوال میں قلمی کی کانوں، سمرسٹ اور نارٹھمبرلینڈ میں جست کی کانوں اور فارسٹ آف ڈین میں لوہے کی کانوں سے یہ کار آمد دھاتیں نکالی جانے لگیں۔ صدیوں کے مسلسل امن و امان کے دوران میں جزیرے کی دولت بہ سرعت بڑھتی گئی مگر جو خرابیاں سلطنت روم کی قوت کو اندر ہی اندر فنا کر رہی تھیں ان کا مضر اثر آخر کار صوبہ برطانیہ کی اصلی دولت پر بھی ضرور پڑا ہو گا۔ یہاں بھی اطالیہ اور گال کے مانند جس رفتار سے زمینداروں کی ریاستیں بڑھتی گئی ہوگی غالباً اسی رفتار

سے آبادی گھٹتی گئی ہوگی۔ کاشتکار نیم غلامی کی حالت میں غرق ہو کر اپنے آقاؤں کے پُر عشرت محلات کے آس پاس جھونپڑوں کے اندر زندگی بسر کرنے لگے ہونگے۔ کانوں کے کھودنیکا کام اگر جبری محنت سے لیا گیا ہوگا تو یہ ایک دائمی جوہر و تمدنی کا سبب رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی رومی قوانین نے حرفت و صنعت کے پاؤں میں ایسی بیڑیاں ڈال دی تھیں جس سے ہر قسم کی تجارت بجائے خود ایک موروثی پیشہ یا ذات بن کر رہ گئی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رومی حکومت کے خود مختارانہ طرز حکومت نے ہر طرح کی ملکی آزادی کو پامال کر دیا تھا اور اس آزادی کے نہ ہونے سے ملک کی قوت بھی فنا ہو گئی تھی۔ لوگ جب یہ بھول گئے کہ اپنے ملک پر کس طرح حکومت کریں تو وہ یہ بھی بھول گئے کہ اس کے لئے کیونکر جنگ کریں +

انخطاط سلطنت کے یہ اسباب ہر صوبے کے لئے یکساں تھے مگر برطانیہ میں ان کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی تھے جو خود اسی کے خاص حالات سے پیدا ہوئے تھے۔ جزیرہ اندرونی نا اتفاقی کے باعث کمزور ہو گیا تھا اور یہ نا اتفاقی اس کے تمدن کے تفریقی مدارج کا نتیجہ تھی۔ رومی تمدن کا صرف شہروں ہی پر یہ اثر پڑا تھا کہ شہر کے رہنے والے برطانوی ازسرتا پا رومی بن گئے تھے مگر اندرون ملک کے تمام عرض و طول میں زراعت پیشہ آبادی پر اس تمدن کا کچھ بھی اثر نہیں پڑا تھا۔ دیہات و قصبات کے رہنے والے بدستور اپنی ملکی زبان بولتے اور کم و بیش اپنے وطن کے موروثی سوادوں ہی کی اطاعت کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اپنے دیسی قوانین کو بھی ایک حالت پر برقرار رکھا تھا۔ رومی زبان کا استعمال رومی تمدن کے اثر کا

بتوں ثبوت ہے۔ چنانچہ اسپین و گال کے مفتوح اقوام کی زبانیں لاطینی کے سامنے بالکل ناپید ہو گئی تھیں مگر برطانیہ میں اس زبان کا رواج شہری باشندوں اور دیہات کے متمول زمینداروں ہی تک محدود رہا۔ اس طرح آہلوی کے دو اجزا کے درمیان جو تفرقہ پڑ گیا تھا وہ بجائے خود خطرہ سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ یہی تفرقہ تھا جس نے برطانیہ کے شمالی حملہ آوروں کو کامیابی کی امید دلائی اور برطانویوں کو ایک نئے خطرہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ حملہ آور پکٹ تھے جو ہائی لینڈ میں آباد تھے۔ ہائی لینڈ کے قدرتی قلعوں نے ان کو رومی تسلط سے بچا لیا تھا۔ اب وہ صوبہ برطانیہ کی کمزوری اور طبع غنیمت کی وجہ سے اس پر حملہ آور ہوئیے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے حملے قلب جزیرہ تک پہنچ گئے یہ بات یقینی ہے کہ بلا اندرونی مدد کے ایسی وسیع تاخت و تاراج کا عمل میں آنا مشکل تھا۔ اس زمانے کی تاریخ پر بالکل تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے مگر پھر بھی جو شے نظر آ جاتی ہیں ان سے صرف یہی پتہ نہیں چلتا کہ برطانیہ کی رومی وضع و غیر رومی وضع آبادی میں ناچاتی بڑھ گئی تھی بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ آخر کار فریق اور پکٹ قوم کے درمیان کسی طرح کا اتحاد بھی ہو گیا تھا۔ اس طرح کا اتحاد فی الواقع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر یہ بات یقینی ہے کہ برطانیہ کے دونوں فریقوں میں ناچاتی اور کشمکش برابر جاری رہی۔ اس اثناء میں رومیوں کو اپنے وطن کے قریب خطرات پیش آ گئے۔ ان خطرات نے سلطنت روما کو مجبور کر دیا کہ وہ اس صوبے کو بہ حال خود چھوڑ کر اپنی فوجوں کو وہاں سے واپس بلا لے۔ عروج روم کے زمانے میں بحر متوسط کے آس پاس کے ممالک ہی پر مذہب دنیا کا اطلاق ہوتا تھا اور ولادت مسیح کے وقت سے

یہ کل مالکِ رومی حکومت کے زیرِ اثر امن و امان کے ساتھ بسر کرتے آئے تھے۔ رومی حکومت نے چار سو برس تک دریائے فرات کے پار تھین۔ گیٹان۔ افریقہ کے نیومیڈین اور دریائے ڈنیوب و راش کے جرمن باشندوں کو اپنی سرحدوں کے باہر روکے رکھا اور کسی وقت بھی ہنڈ دنیا کے اندر ان وحشیوں کو قدم نہ رکھنے دیا مگر جب سلطنت پر انحطاط طاری ہو گیا تو یہی ستم شمار وحشی انبوہ در انبوہ سلطنت کے اندر گھس پڑے۔ حملہ آوروں نے روما کے مغربی ملک میں کامل غلبہ حاصل کر لیا۔ فرینک نے گال کو فتح کر کے اسے اپنی نو آبادی بنا لیا۔ مغربی گاتھ نے اسپین کو فتح کر لیا۔ وینڈل نے افریقہ میں سلطنت قائم کر لی۔ برگنڈیوں نے اطالیہ اور دریائے رون کے درمیانی حدود میں ڈیرا ڈال دیا اور بالآخر مشرقی گاتھ خود اطالیہ پر حکمراں ہو گئے۔ واقعات جب اس حد تک پہنچ گئے تو سیکسن اور انگل بھی اپنے وطن سے نکل پڑے اور انہوں نے بھی اپنا شمار تاک لیا اور اس پر بچھندے ڈالے گئے +

برطانیہ و انگریز
اطالیہ کو گاتھ کے دستِ تجاوز سے بچانیکے لئے سائبرگ میں روما نے اپنی تمام فوجیں برطانیہ سے واپس بلالی تھیں اور صوبے کو بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں بھی برطانیہ نے حملہ آوروں کا دلیرانہ مقابلہ کیا اور کم سے کم ایک بار تو ایسا ہوا کہ اہل برطانیہ نے فور نائیدی میں پچٹ کو ان کے پہاڑوں تک بھگا دیا۔ لیکن جب نئی یورشوں کا خطرہ پیش آیا تو اس وقت اندرونی تنازعات سے برطانیہ کے ٹکرے ٹکرے ہو رہے تھے اور نا ممکن تھا کہ تمام اہل برطانیہ متحد ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کریں۔ ادھر یہ حالت تھی ادھر پچٹ نے دو اور

نازک قوموں کو اپنا حلیف بنا کر نئی تقویت حاصل کر لی تھی۔ ان میں سے ایک غازیگران آئرلینڈ کی قوم تھی جو اُس زمانہ میں اسکاٹ کھلاتے تھے اور جن کی ترقی کشتیاں جزیرے کے مغربی ساحل کو پریشان کر رہی تھیں۔ دوسری ان سے بھی زیادہ ایک پُر خطر قوم تھی جو مت سے آبنائے برطانیہ کو پامال کر رہی تھی۔ یہی ثانی الذکر انگریزوں کی قوم تھی۔ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ انگریزی قبائل کے شکاریوں، کاشتکاروں اور ماہی گیروں کے اس طرح سمندر کی طرف متوجہ ہو جانیکا سبب کیا تھا۔ آیا ان پر دوسرے قبائل کا دباؤ پڑ رہا تھا یا وہ اپنے اُن جرمن بھائیوں کی پیروی کرنا چاہتے تھے جو اپنے جنگلی مسکن سے نکل نکل کر سلطنتِ روما پر ایک عام حملے کے لئے بڑھ رہے تھے یا محض اُن کے ساحل کی ویرانی اس کا باعث تھی۔ بہر حال ان کی اس ناگہانی تاخت سے، اُن کے حملے کی شدت سے، اور سپہگری و کشتیبانی دونوں حالتوں میں اُن کے بیباک اور مطمئن رہنے سے ان کی دلیرانہ فطرت کا پوری طرح اظہار ہو گیا تھا۔ اس زمانے کا ایک رومی شاعر کہتا ہے کہ ”وہ دشمن ہیں اور دوسرے دشمنوں سے زیادہ خطرناک۔ وہ جس قدر خطرناک ہیں اُسی قدر چالاک بھی ہیں۔ سمندر ان کا مدرسہ جنگ اور طوفان ان کا رفیق ہے۔ وہ گرگِ بحری ہیں جو دنیا کی لوٹ پر بسر کرتے ہیں“ غرضکہ صوبہ برطانیہ کی اصلی فوجوں سے پھٹ، اسکاٹ اور سیکسن قوموں کی مجموعی قوت کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا۔ صرف ایک تیز رفتاری رہ گئی تھی کہ خود وحشیوں کو وحشیوں سے لڑا دیا جائے۔ یہ اُس ممکن طرز عمل کی تقلید تھی جس سے سلطنتِ روما ہلاکت سے بچنے کی کوشش میں خود ہلاکت کا شکار ہو گئی۔ برطانیہ کے حکمران اس پر کاربند

ہوئے اور انہوں نے دشمنوں کے اس اتفاق کو اس طرح توڑنا چاہا کہ جو غازیگر برطانیہ کے مشرقی ساحل کو یا مال کر رہے تھے انہیں اس اتفاق سے الگ کر کے اپنے ساتھ بلا لیں اور ان نئے رفیقوں سے پکٹ کے خلاف کام لیں۔ چنانچہ زمین اور تنخواہ کے معمولی وعدوں پر ۱۷۹۳ء میں جٹینڈ سے جنگ آوروں کا ایک گروہ اپنے دو سرداروں ہنجٹ اور ہارسا کی سرکردگی میں برطانیہ کے ساحلوں پر وارد ہو گیا *

جزو دوم فتح انگلشیہ

۲۴۹ - ۵۷۷

اسناد بابت فتح برطانیہ۔ برطانوی تذکروں میں صرف گھڈس نامی راہب کا ایک تذکرہ موجود ہے۔ یہ تذکرہ اگرچہ منتشر اور تعلق آئینہ ہے، مگر چونکہ جزیرے کی اس وقت کی حالت کا یہی ایک مستند بیان ہے اس لئے بہر نوع قابل قدر ہے۔ اس کے آخر میں فتح کنٹ کی نسبت خود اہل کنٹ کی روایت بھی شامل ہے اس تذکرہ کی عام کیفیت کی نسبت اور ان اعتراضات کی نسبت جو اس کے مقبرہ ہونے پر کئے گئے ہیں میں سسٹڈے ریویو کے دو پرچوں (مطبوعہ ۱۸۴۳-۱۸۴۴) میں بحث کر چکا ہوں۔ اس تمام دور میں صرف فتح کنٹ ہی ایک ایسا واقعہ ہے جس کا کچھ بیان منتون قوم کی جانب سے بھی ملتا ہے ورنہ تمام دیگر حالات کے لئے انگریز فاتحین پر ہی اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ کنٹ، کس اور دیکس کی فتح کے متعلق فاتحین کے جستہ جستہ بیانات اس عجیب ”مجموعہ اخبار“ میں فراہم کئے گئے ہیں جو اب انگلش کرائسل (وقائع انگریزی English Chronicle) کے شروع میں شامل ہیں۔ ان میں اگرچہ سوہومات مذہبی کا جزی بھی کسی قدر لانا ہوا ہے مگر ان واقعات کے تاریخی ہونے میں شک کرنیکی

کوئی وجہ نہیں ہے۔ انگریزوں کے ٹربرٹن (وسط برطانیہ) یا مرسیا پر حملہ آور ہونے کی تاریخ کے متعلق کسی قسم کا مواد ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور ان کے شمال کے کارناموں پر بھی صرف نائٹمبریا کے تذکرے کے ایک جز سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔ یہ تذکرہ ٹینیس کے نام سے زمانہ مابعد کی ایک تالیف میں شامل ہے۔ اریکس کلٹیکی (کلت قوم کی اصلیت Origines Celticae) میں ڈاکٹر گت کے مضامین فتح کی موجودہ داستانوں میں سب سے بہتر ہیں +

(اس تحریر کے بعد مسٹر گرین نے اس داستان کو اپنی تصنیف دی میکنگ آف انگلینڈ (تکوین انگلستان The making of England) میں مشرماً بیان کیا ہے۔)

تصنیف میں
انگریزوں کی
ورد

تجزیہ تمییز کے سواصل پر تہمت اور اس کے جنگ آوروں کے ورد کے وقت سے ہی انگریزی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ حدود برطانیہ میں انگریزوں نے سب سے اول ایزٹلٹ میں قدم رکھا۔ برطانیہ میں انگریزوں کے لئے اس سے زیادہ قابل احترام کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا جس پر سب سے اول ان کے آباد اجداد کے قدم پڑے۔ اس جگہ فی نفسہ کوئی نئے خاص طور پر نظر فریب نہیں ہے۔ وہ محض ایک بلند تودہ زمین ہے جس پر جا بجا چند بھورے رنگ کے پست مکانات نظر آتے ہیں اور یہ زمین اب ایک بھری دیوار کے ذریعہ سے سمندر سے جدا کر کے ایک سبزہ زار بنا دی گئی ہے مگر یہ ہیئت مجموعی اس منظر میں بھی ایک خاص صحرائی دلفریبی ہے۔ اس کے دائیں جانب ریزگیٹ کے سفید چٹانوں کی موڑ سے ہلال نما خلیج گول پر نظر پڑتی ہے۔ بائیں طرف ساحل کا خط بھورے رنگ کی ہموار دلدلوں سے گزر کر ڈیل کی چٹانوں کی طرف بلند ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے انیس دلدلوں کے اندر دھوئیں کے چکروں سے رچرا اور سینڈوچ کی جائے وقوع کا پتا چلتا ہے

اس زمین کی ہر خصوصیت سے اس قومی روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ کیوں یہ جگہ سب سے اول انگریزوں کے اتریکے لئے پسند کی گئی تھی۔ پانچویں صدی کے بعد سے اگرچہ ملک میں بہت سے اہم قدرتی تغیرات ہو گئے ہیں مگر ملک کی ہیئت اصلی پر اس کا اثر زیادہ نہیں پڑا ہے۔ منظر کی موجودہ دلیل کی کہر آلود سطح کو دیکھ کر یہ معلوم کر لینا بہت آسان ہے کہ کسی وقت میں یہ جگہ تھینٹ اور برطانیہ کے درمیان ایک کشادہ سمندری خلیج تھی۔ اس خلیج سے گذر کر ابتدائی زمانہ کے انگریزوں کی قزاقی کشتیاں بادِ بونانی کے ساتھ ابرفلیٹ کے اُس چھوٹے سے کنارے پر آگتی تھیں جس پر سنگریزوں کا فرش ہے۔ اسی طرح رجبرا گال سے آئیوالے مسافروں کی عام ورودگاہ تھا۔ اس قلعے کے شکستہ دمے ابھی تک اُس مچھوری سطح زمین سے بلند ہیں جو اس قدیم سمندری آبنائے کی جگہ پر پیدا ہو گئی ہے۔ پس اُس زمانہ میں جبکہ برطانویوں سے انگریزوں کو واسط پڑا ہے۔ اگر قزاقوں کے جنگی جہازات ساحل کے قرب و جوار میں چکر کاٹتے رہتے ہونگے تو عین رجبرا کی دیواروں کے نیچے ابرفلیٹ میں ان کا اترنا بالکل قرین قیاس تھا، مگر واقعات کی رفتار مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ورودگاہ کا انتخاب اتفاقاً نہیں بلکہ قصداً کیا گیا تھا۔ اہل برطانیہ اور اُن کے اجرتی سپاہیوں کو ایک دوسرے پر بھروسا کرنیکی وجہ بہت کم ہو سکتی تھی۔ قیاساً تھینٹ میں ہنچٹ کے پہاڑیوں کو اطمینان رہا ہوگا کہ وہ ہمہ وقت آبنائے کے دوسرے قزاقوں کی نظر کے سامنے ہیں اور خاص سرزمین برطانیہ سے علو ہوئیے باعث وہ اپنے کو اس قسم کی ناگمانی غداری سے محفوظ سمجھتے رہے ہونگے جو اکثر ان وحشیوں کی ہلاکت کا باعث ہو چکی تھی اہل برطانیہ،

کے لئے بھی یہ انتخاب کچھ کم موجب اطمینان نہیں تھا۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں کلٹ کے جوش مخالفت میں انہوں نے کسی سخت تر دشمن کو برطانیہ میں داخل نہ کر لیا ہو اور واقعات مابعد نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ اندیشہ بجا تھا۔ بہ حالت موجودہ ان کے یہ خطرناک رزقا ایک گوشے میں محصور اور اصل سرزمین سے ایک ایسی آبنائے کے ذریعہ سے جدا کر دئے گئے تھے جس کی حفاظت ساحل کے مضبوط ترین قلعے کر رہے تھے۔

انگریزی
حملہ

ان اجرتی سپاہیوں کے کار مفوضہ کے ختم ہوتے ہی جو مناقشات برپا ہو گئے ان سے ان احمیاتوں کی ضرورت از خود عیاں ہو گئی۔ ایک جنگ عظیم کے بعد پچھت کے منتشر ہوتے ہی خود جوٹ کی طرف سے خطرہ پیش آ گیا۔ آبنائے کے ترقیوں میں آباد کاری کی خبر پھیلنے سے غالباً ان کی تعلقہ بہ سرعت بڑھ گئی ہوگی۔ یہ نزاعات انجام کار ہجرت کے آدمیوں کی تہدید جنگ سے بند ہو گئے۔ مگر بیانات مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ اس دہلی کا عمل میں لانا آسان نہیں تھا۔ تھینٹ سے برطانیہ پر حملہ آور ہونے کی صورت میں آبنائے دونوں سرزمینوں کے درمیان حائل تھی اور اس زمانہ میں اس آبنائے کا قطع کرنا سمندر کے جزر کی حالت میں ایک طویل و پُرخطر گذرگاہ کو عبور کر نیکے بعد ہی ممکن تھا۔ آبنائے کی حفاظت کے لئے دونوں گوشوں پر قلعہائے پرجرا اور رکور موجود تھے۔ عقب میں مدافعت کی دوسری صف بڑے کی آبنائے تھی اور پھر خود یہ آبنائے جنوب میں ویلڈ کے جنگل سے گھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جس جگہ اب کینٹبری و روچسٹر واقع ہیں وہاں اس زمانہ میں قلعے بنے ہوئے تھے جن سے لندن کی شہر کی حفاظت ہوتی تھی۔ محافظت کے ان قدرتی اور مصنوعی سامانوں کے

علاوہ سواحل کو وحشیوں سے بچانیکے لئے کاؤنٹ سیکن کے ماتحت سپاہ بھی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مشکلات کیسے کچھ سخت تھے مگر جوٹ کی ناگہانی تاخت کو روکنے میں یہ سب سامان ناکامیاب ثابت ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدافعتی فوج کے جمع ہونیکے ابھی نوبت بھی نہیں آنے پائی تھی کہ انگریزوں نے آبنائے کو عبور کر کے لندن کی ساحلی سڑک پر قبضہ کر لیا اور دفعتاً جنوب کی طرف اس وقت ٹرے جب سویل سے گذر کر دائیں جانب ان کارخانہ ہائے ظروف پر نظر پڑی جن کے بقیہ آتار اچھوج کے کناروں پر ابھی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ غالباً روچسٹر کی مستحکم دیواروں کی وجہ سے وہ مجبور ہوئے ہونگے کہ وادی ٹوے کے مشرقی حدود کی پست پہاڑیوں کے برابر برابر جنوب کی طرف پھر جائیں۔ اس راستے میں وہ ایک ایسے ضلع سے گذرے جس میں اُس قدیم عہد کی یادگاریں بھری ہوئی تھیں جو اُس زمانے کے لوگوں کے دلوں سے بھی محو ہو چکا تھا۔ جن پہاڑیوں سے وہ گزر رہے تھے وہ ایک تباہ شدہ نسل کے قبرستان تھے اور زمین پر پڑے ہوئے بہت سے ہموار پتھر کسی زمانے کی قبروں کے توہید اور مقبروں کے تودے تھے جو مقام اب کٹس کاٹی ہوس کہلاتا ہے اور جو زمانہ قدیم میں بڑے بڑے پتھروں کے ایک راستہ کے ذریعے سے ایڈنلٹن کے قریب والے مقدسے ملا ہوا تھا اس کا قبرستان ابھی تک اس زمانہ کی ایک عظیم یادگار کی حیثیت سے باقی ہے۔ جس نشیب دار قلعہ کوہ پر اس قبرستان کے پڑنے بھورے پتھر پڑے ہوئے ہیں وہیں سے انگریز جنگ آوروں کو اپنا پہلا میدان جنگ نظر آیا ہوگا۔ یہیں وہ راستہ ہے جو اب تک پہاڑ سے اتر کر پڑانے مکانوں سے گزرتا نظر آتا ہے۔ اسی راستے سے انگریز اس گذرگاہ سے پار ہوئے ہونگے جس کا نام موضع ایلز فرڈ کے لفظ

میں ابھی تک باقی ہے۔ جنگ ضرور موضع کے اندر تک جاری رہی ہوگی مگر فتح قوم کے وقافش اس باب میں بالکل خاموش ہیں کہ اس گذرگاہ پر کس طرح قبضہ ہوا اور موضع کے اندر جنگ کس طرح جاری رہی ان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہارسا عین فتح کے وقت مارا گیا۔ ہارسٹڈ کا تودہ چٹماق جس نے مدت تک ہارسا کے نام کو قائم رکھا اور زمانہ مابعد میں اس کی قبر کا نشان سمجھا جاتا تھا وہ انگریزی شجاعت کی اُن یادگاروں میں سب سے اول یادگار ہے جس کی آخری و معزز ترین زیارت سگاہ، وسٹ منسٹر ہے۔

اہل برطانیہ کا
استیصال

ایڈفرڈ کی فتح سے صرف کنٹ کا مشرقی حصہ ہی انگریزوں کے ہاتھ نہیں آ گیا بلکہ کچھ اس سے زیادہ ہوا۔ یہ سمرک تمام برطانیہ کے لئے کلید فتح ثابت ہوا۔ جنگ کے بعد جیسا سخت قتل عام واقع ہوا اس سے مناظرہ ہو گیا کہ اس تمام عمارت میں رحم و رواداری کو مطلقاً دخل نہیں تھا۔ اس فتنہ و آشوب میں کنٹ کے متمول زمیندار تو کسی: کسی طرح جان بچا کر سمندر پار بھاگ گئے مگر غریب برطانویوں کے لئے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ یہاں بھی وہ زیادہ ٹھہر نہ سکے اُن کو بھوک سے مجبور ہو کر ان پوشیدہ مقامات سے نکلنا پڑا اور فاتحین کے ہاتھوں ہلاک ہوئے یا اُن کے غلام بن گئے۔ ان میں سے بعض کا گریبے کی دیوار کے اندر پناہ لینا بھی کچھ کام نہ آیا کیونکہ بظاہر انگریزوں کا غصہ سب سے زیادہ پادریوں ہی کے خلاف تھا۔ یہ پادری قریباً انہوں پر قتل کئے جاتے اور گروہوں کو سب طرف سے گھیر گھیر کر ان میں آگ لگائی جاتی تھی۔ کسان آگ سے بھاگتے تو محاصرین انہیں تلوار کے گھاٹ اُتارتے تھے۔ یہ وہ تصویر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روم کے دوسرے صوبوں کی فتح اور برطانیہ کی فتح میں کیا فرق تھا۔ فرینک کا گال کو یا لمبارڈ کا اطالیہ کو فتح کرنا بیش ازین کچھ نہ تھا

کہ فاتحین اپنی باجگذار رعایا میں بزور آباد ہو گئے اور امتداد زمانہ سے منقون
 نے فاتحین کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ فرانسیسی فرینک کی نہیں بلکہ ملکِ گال
 کی زبان ہے جس پر انہوں نے اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ لمبارڈ کے خوشنما باہوں کا
 خود اب لمبارڈی میں کہیں پتہ نہیں ہے مگر انگریزوں نے جس قوم کو فتح کیا
 تھا اس کے لئے یہ فتح کوئی اور ہی چیز تھی۔ دیرھ سو برس تک انگریز، اہل
 برطانیہ کو ملکِ مغتوصہ سے خارج و بے دخل کرتے رہے۔ روم اور جرمن کی
 ہر گیر جنگ کے تمام زلمے میں نہ کسی زمین کے لئے ایسی متواتر جنگ ہوئی
 اور نہ کسی زمین پر ایسی مشکل سے فتح حاصل ہوئی اور حق یہ ہے کہ دو سو برس
 کی شدید جنگ و جدال کے بعد بھی برطانیہ کی فتح کما حقہ مکمل نہ ہو سکی۔ لیکن
 اس طویل و بے رحمانہ محاذِ ہی کا نتیجہ تھا کہ اقوامِ جرمنی کے تمام فتوحات
 میں یہی فتح سب سے زیادہ اتم و اہم ثابت ہوئی۔ شروع زمانے میں جہاں تک
 انگریزوں کی تلوار پہنچ سکی وہاں تک برطانیہ، برطانیہ نہیں رہا بلکہ انگلستان بن گیا
 برطانوی وہاں سے خارج اور انگریز وہاں آباد ہو گئے۔ ممکن ہے کہ برباد شدہ قوم
 کے چند افراد اپنے انگریز فاتحین کے گھروں کے ارد گرد رہ گئے ہوں اور
 ان کے چند خانگی الفاظ (اگر وہ زمانہ مابعد کے داخل شدہ نہیں ہیں) انگریزی
 زبان میں بھی مل گئے ہوں مگر ان مشکوک مستثنیات کا اصل واقعات پر کوئی
 اثر نہیں پڑتا۔ ایلز فرڈ کے واقعہ سے دیرھ سو برس بعد جب خانہ جنگیوں کی
 وجہ سے انگریزی فتح کی مسلسل ترقی رک گئی تو برطانوی اپنی خاص وطنی زمین
 کے نصف حصے سے ناپید ہو چکے تھے اور اسکس سے لیکر ڈربی شائر کی چوٹی
 اور سیورن کے دہانہ تک اور آبنائے برطانوی سے لیکر فرخہ آف فورینہ تک
 انگریز فاتحین ہی کو سن لمن الملائک بجا رہے تھے اور انہیں کی زبان انہیں کا

مذہب اور انیس کا قانون اس تمام خطہ میں دائر و سائر تھا۔
 مرکز ایڈمزڈ سلسلہ فتوحات کا صرف پہلا قدم تھا، لیکن ایک ایک قدم
 نہایت سخت و دشوار تھا۔ شدت محاربہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ
 محض جنوبی برطانیہ کو بہ تمام فتح کرنے میں ساٹھ برس اور صرف کنٹ پر
 قابض ہونے میں بیس برس صرف ہو گئے، گذرگاہ کرے کی دوسری شکست
 کے بعد اہل برطانیہ "سریزمین کنٹ" کو چھوڑ کر نہایت خوف و دہشت کے
 ساتھ لندن کو بھاگ گئے۔ مگر انہوں نے پھر جلد تر اس زمین کو واپس لے لیا
 اور متواتر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے بعد کہیں ۱۷۵۷ء میں جا کر واٹس فلیٹ میں
 ایک فیصلہ کن جنگ آزمائی کا موقع آیا۔ لیکن اس جنگ میں اہل برطانیہ کو
 ایسی ہولناک ہزیمت ہوئی کہ انہوں نے کنٹ کے بیشتر حصوں کے بچانکی امید
 ترک کر دی اور وہ اس کے جنوبی ساحل ہی پر قدم جمائے رکھنے پر قناعت
 کر بیٹھے۔ آٹھ سال بعد اس طویل محاربے کا خاتمہ ہوا اور لن کے سر ہو جانے
 سے (جس کی شکستہ دیواریں اب بھی راسنی نام کی ایک دلدل کی وسیع سطح
 سے پہاڑ کی بلندی پر نظر آتی ہیں) فتح اول کا کام پورا ہو گیا۔ مگر غنیمت کی
 حرص بہت جلد نئے جنگجو گروہوں کو ساحل جرمن سے کھینچ لائی۔ چار ہی برس
 بعد ۱۷۵۷ء میں دیکھا گیا کہ نئے سکسٹی حملہ آور ایلب اور رائن کی وادیوں سے
 نکل نکل کر آ رہے ہیں اور کنٹ کے مغرب میں ویلز اور سمندر کے درمیانی علاقے
 میں بہ آہستگی بڑھتے جاتے ہیں۔ ملک کے کسی اور حصے کی ظاہری ہیڈت میں
 ایسا کلی تغیر نہیں ہوا ہے جیسا اس حصے میں ہوا ہے۔ اس زمانے میں یہاں
 انڈرڈ سویڈ کے نام سے جھاڑی اور جنگل کا ایک ویران فرسخ قطعہ تھا، جو
 کنٹ کے کناروں سے ہمیشہ کے دامنائے کوہ تک سو میل سے زائد سمت

میں پھیلا ہوا تھا اور شمال میں دریائے ٹینز سے جا ملا تھا۔ مغربی حاشیہ پر سال کا ایک تنگ ٹکڑا البتہ چھوٹا ہوا تھا، اس ساحل کی حفاظت کے لئے ایک بہت بڑا قلعہ اس مقام پر بنا ہوا تھا جسے اب پونسی کہتے ہیں اور جہاں آئینہ زمانے میں نارمن فاتح اترنوالا تھا۔ ۱۰۶۹ء میں اسی قلعہ اینڈریڈا کے سقوط سے ساؤتھ سیکسن کے جنوبی سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی، اس واقعہ کے متعلق فاتحین اپنے وقائع میں کس بیدردی سے لکھتے ہیں کہ ”الی اور سیانے اینڈریڈا کو گھیر لیا جتنے متعصب اس کے اندر تھے سب کو قتل کر ڈالا اور اس کے بعد ایک برطانوی بھی وہاں باقی نہیں رہا اسی زمانے میں سیکسن کا ایک دوسرا قبیلہ کنٹ کی بائیں جانب دہانہ ٹینز کے شمال میں اپنے فتوحات کو وسعت دے رہا تھا اور کان و سٹاور کی وادیوں میں اس نے اپنے نام پر ایسٹ سیکسن کی آبادی قائم کرنی تھی۔ انہیں میں سے ایک تیسرے قبیلے نے سٹاور سے شمال کی طرف فتح کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تھا، یہ وہی قبیلہ ہے جسے ہم اس کے جرن ٹن میں سکونت پذیر دیکھ چکے ہیں۔ اس کے نام سے سیکسن اور جوٹ قوموں کے نام مٹنے والے تھے اور تمام تک مفتوحہ اسی کے نام سے موسوم ہوئی ہوا تھا۔ یہ انجل یا انگریزوں کا قبیلہ تھا ان کی پہلی یورشوں کا اثر اس وسیع قلعہ پر پڑتا معلوم ہوتا ہے جو جنگل کے طویل سلسلوں اور دلدلوں اور جھیلوں کی وجہ سے برطانیہ کے دیگر حصوں سے الگ خشک تھا۔ یہی حصہ بعد میں ایسٹ انگلیا کہلایا۔ فاتحین یہاں نارمٹھ فوک (قبیلہ شمالی) اور ساؤتھ فوک (قبیلہ جنوبی) کے نام سے دو ٹکڑے ہو کر آباد ہوئے۔ یہ الفاظ اس وقت تک جدید صوبوں کے ناموں میں برقرار ہیں، اس آباد کاری کے ساتھ فتح کا پہلا درمیکل ہو گیا۔ پانچویں صدی کے ختم ہوتے ہوئے ساؤتھ ایپٹن تک

برطانیہ کے تمام ساحل پر انہیں حملہ آوروں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ تاہم ابھی ٹون کے قدم ساحل سے بہت زیادہ آگے نہیں بڑھے تھے۔ اس وقت تک جنگل اور دلدل کے وسیع قطعات نے انگل سکن اور جوٹ سب کو مینگ حدود میں مقید کر رکھا تھا لیکن چھٹی صدی کے شروع ہوتے ہی انگل اور سیکس دونوں نے اپنے اپنے مقبوضہ علاقے کے بازوں پر تازہ حملے شروع کر دیے۔ انہیں دو قبیلوں نے فتح کا بیشتر کام انجام دیا تھا اب انہیں میں سے شمالی جانب دہانائے نورٹ و ہمبر میں انگل نے اور مغربی جانب ساؤتھ ایپٹن واٹر میں سکن نے بڑھنا شروع کیا ۴

لیکن جنوبی برطانیہ کی حقیقی فتح کا قریباً فال قبیلہ سیکسن کے ایک اور تازہ وارد گروو کے نام پڑ چکا تھا۔ اس نئے قبیلے کا پڑانا نام جو سا تھا مگر ناڈا مابعد میں وہ ویٹ سیکسن کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ اس قطعہ ساحل کے مغرب میں اترے بے الی کے ہراہیوں نے فتح کیا تھا اور اپنے سرداران کرڈک و سزک کے ماتحت لڑتے بھڑتے ۵۴۹ء میں ساؤتھ ایپٹن واٹر سے چل کر اُن وسیع کوئی میدانوں تک پہنچ گئے جہاں انہیں ویچسٹر کی سی پیش ہانغینت نصیب ہوئی۔ جس جنگ سے ان حملہ آوروں کو ملک میں راستہ ملا اس میں پانچہزار اہل برطانیہ کام آئے اور بالآخر ساؤتھ میں شارفرڈ کی ایک دوسری فتح نے کرڈک کو ویٹ سکن کا بادشاہ بنا دیا۔ ہمیں ان فتوحات کے جزئیات کا بہت ہی کم علم ہے؛ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ کیوں اس حد پر آکر بظاہر ان کی رفتار میں دھنڈہ خلل پڑ گیا، مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ۵۴۹ء میں کوہ بیڈن پر اہل برطانیہ کے فتحیاب ہو جانے سے ویٹ سیکسن کی مزید ترقی رک گئی؛ اور ان کی پیشروی میں ایک طویل دھنڈہ پڑ گیا، معلوم ہوتا ہے کہ جنگل کا

جنوبی برطانیہ
کی فتح

وہ طویل صلحہ جو ڈارٹ سے ہو کر وادی ٹیز تک پھیلا ہوا تھا۔ تیس برس تک ان ترکزوں کی راہ میں حائل رہا۔ بالیقین نہیں کہا جا سکتا کہ آخر اس سکون کے ٹوٹنے کا باعث کیا ہوا مگر اس قدر معلوم ہے کہ اس اثناء میں کرڈک کے انتقال کی وجہ سے ویسٹ سیکسن کی زمام حکومت سزگ کے ہاتھ میں آگئی تھی ۵۵۲ اور ۱۵۵۲ء میں دو بارہ حملے کا آغاز اسی کی جانب سے ہوا۔ کوہی قلعہ اولڈسیم پر قابض ہو جانے سے ولشائر ڈاؤنز کا راستہ کھل گیا۔ اور شمال کی طرف کوہ باربری پر ایک جدید جنگ سے مارلبورڈاؤنز کی فتح تکمیل ہو گئی۔ حملہ آور اب ان سسنان بلندیوں سے مشرق کی جانب برکشائر کی زرخیز وادیوں کی طرف ۵۶۸ مڑے اور ویسلڈن میں اہل کنٹ سے جنگ آزمائی کے بعد اپنے مالک میں ٹیز کے جنوبی علاقے کا اضافہ کر لیا۔ تاہم وہ سزگ جو ٹیز کے برابر برابر گئی تھی ہنوز ان کے لئے بند تھی، کیونکہ بہ اغلب وجہ ایسٹ سیکسن ان سے قبل ہی مشرقی فوج لندن کو فتح کر کے اُسے آباد کر چکے تھے۔ مگر ۱۵۵۷ء میں شاہ کھلون کی یورش نے ویسٹ سیکسن کو اُن اضلاع کا مالک بنا دیا جو اب آکسفورڈ شائر اور بکسٹنک شائر پر مشتمل ہیں۔ پھر چند سال کے بعد وہ ولشائر کی بلندیوں سے اُس زرخیز رقبہ پر ٹوٹ پڑے جو دریائے سیورن کے قریب واقع تھا۔ گلوسٹر، سرمیسٹر اور ہاتھ کے شہر اس بلائے ناگمانی کو روکنے کے لئے اپنے برطانوی بادشاہوں کی تحت میں متحد ہو گئے تھے مگر ۱۵۷۷ء کی جنگ ڈیورہم میں سیکسن ہی کامیاب رہے اور نہ صرف یہ سب شہران کی غنیمت جنگ میں آگئے بلکہ مغرب کے دریائے عظیم کے اطراف بھی ان فاتحین کے لئے کھل گئے۔ سیورن جب ویسٹ سیکسن پر حکمران ہوا تو وہ اس نئے بادشاہ کے ماتحت حدود ۵۸۳ جسر میں داخل ہو گئے اور یوریکویم میں آگ لگا دی (یہ شہر ریکن کے قریب

واقع ہے اور کچھ دنوں قبل بھی جل چکا ہے) ایک برطانوی شاعر یوریکونیم کے رقت انگیز نوے میں کہتا ہے کہ ”وادی کے سفید شہر میں سبز جنگلوں میں جگمگاتی سب سے بڑی سنگ سفید سے بنے ہوئے شہر کے سردار کے ایوان میں نہ اب آگ ہے نہ روشنی اور نہ وہاں کسی کی آواز سنائی دیتی ہے اگر کوئی آواز سنی بھی جاتی ہے تو وہ عقاب کی چیخ ہے، وہ عقاب جس نے خوبصورت کنڈیلین کے خون دل کا تازہ تازہ گھونٹ پیا ہے۔“ بایں ہمہ یہ حملہ مسترد کیا گیا اور ویسٹ سیکسن کی طاقت کے لئے یہ ضرب مہلک ثابت ہوئی۔ اگرچہ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ انجام کار ویسٹ سیکسن ہی تمام انگریزی قوم پر غالب آجائینگے مگر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا اور انگریزی قوم کی سرگرمی تقریباً ایک صدی تک کے لئے حملہ آوروں کے اس قبیلے کے حصے میں جانیوالی تھی جس کے حالات ہم اب بیان کریں گے۔

درحقیقت، دریا وہ قدرتی سفند تھے جن سے شمالی قزاقوں نے وسطیورپ میں ہر جگہ اپنا راستہ نکال لیا تھا، مگر برطانیہ میں قلعہ لندن کی وجہ سے وہاں کی طرف دریا ہیمز کا راستہ ان کے لئے بند تھا اور اسی وجہ سے دریا کے بالائی حصوں میں پہنچنے کے لئے انہیں مجبوراً جنوبی ساحلوں اور ڈنٹاڑ کے کوہی میدانوں کی طرف سے بڑھنا پڑا تھا مگر ہمبر کی وادی میں جو دریا پھیلے ہوئے ہیں وہ قلب برطانیہ تک پہنچنے میں کشادہ شاہراہوں کا کام دیتے تھے۔ اسی راستہ سے حملہ آوروں کے جم غفیر کو جزیرے کے اندرونی حصوں میں داخل ہونیکا موقع ملا؛ چونکہ چھٹی صدی کے آغاز میں اس طوفان کا زور جنوبی ہمبر کے میدانہائے لکنشاٹر پر پڑا اس لئے جو فاتحین اس ویران شدہ ملک میں آباد ہوئے وہ لنڈسوارا یا قریب لنڈم کے

وسطیورپ
برطانیہ
س

رہنے والے کھلائے، دریائے ہمبر میں داخل ہونیوالوں کا ایک حصہ حوالی
 لیدز کے جنگل ہائے امٹ کی وجہ سے جنوب کی طرف مرکز دریلئے ٹرنٹ
 کے راستہ پر جیل نکلا، اور ہمبر اور ٹرنٹ کے درمیان جنگلی ملک میں آباد
 ہو گیا اور اسی محل وقوع کی مناسبت سے ان لوگوں نے ساؤتھ ہمبرین
 (باشہ گان جنوب ہمبر) کا نام اختیار کیا؛ ایک دوسرا ٹکڑا ہمبر کے پنج و خم
 کے ساتھ ساتھ بڑھ کر اس کی شاخ زار کے کنارے سے لگا ہوا لیڈرنگ
 پہنچ گیا اور ڈل انگلش (وسطی انگریز) کے نام سے موسوم ہوا؛ خلائی حصہ
 ملک کے دلدلوں کو قبائل جرواس نے آباد کیا۔ ٹرنٹ کے سرچشمے ان
 حملہ آوروں کے مستقر بنے جو سب سے دور مغرب میں پہنچکر لپیفلڈ اور اپن
 کے گرد خیمہ زن ہونے لگے؛ یہ حصہ ملک انگریزوں اور برطانویوں کے
 درمیان حصہ فاصل بن گیا۔ اور اس کے رہنے والے مرین (اہل سرحد)
 کھلائے۔ وسط برطانیہ کی اس فتح کی نسبت ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ
 بہ منزلہ نہ جاننے کے ہے۔ شمال کی فتح کے بابت بھی کچھ زیادہ علم نہیں ہے
 رومیوں کے عہد میں ہمبر و فورٹھ کا درمیانی وسیع علاقہ سیاسی طاقت کا
 مرکز اور شہر یارک، برطانیہ کا پایہ تخت اور رومی ناظم کا مستقر تھا۔ افواج
 مقیم برطانیہ کا بیشتر حصہ رومی دیوار کے برابر برابر خیمہ زن رہتا تھا؛ دولت
 و خوشحالی کے آثار ہر طرف ہو چکے تھے۔ رومی لشکر گاہوں کے زیر سایہ
 شہر کے شہر آباد ہو گئے تھے۔ اوز کی وادی اور ٹوئیڈ کی بعید بلندیوں
 تک برطانوی زمینداروں کے مکانات پھیلے ہوئے تھے۔ چرواہے
 دور آفتادہ بلندیوں پر رومی نام کی ہیبت کو پکٹے غارنگروں سے
 محفوظ رہنے کی ضمانت سمجھتے تھے؛ اس حصہ ملک پر ایک ہی وقت

میں شمال اور جنوب دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ اہمیر میں داخل ہونے والی حملہ آور فوج کے ایک حصے نے ہالڈرنس کی دلدلوں اور یارک کی مشرق میں گل سفید کے میدانوں سے گذر کر ڈیرہ کی سلطنت قایم کر لی مگر انہوں نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ وہ بہت جلد آگے بڑھے اور تھوڑی سی کشمکش کے بعد جس کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ہے، انہوں نے یارک کو بھی مثل دوسرے شہروں کے تباہ و ویران کر دیا، فاتحین وادی اوزکے ۵۰۰۔۶۰۰ اطراف میں قتل عام کرتے اور آگ لگاتے شمال کی طرف پھیلتے چلے گئے۔ اس اثناء میں کچھ قزاق فورتحہ میں بھی آگئے تھے اور انہوں نے ٹویڈ کے برابر برابر راستہ حاصل کر لیا تھا؛ آئندہ اور اس کے ساتھ کے پچاس جہازوں کے آدمیوں نے کوہسار بہمیرا پر انتہائے شمال کی انگریزی سلطنت برنیشیا کا پایۂ تخت قایم کیا، اور وہ باوجود شدید مقاومت کے ساحل کے برابر برابر بہ آہستگی اپنا راستہ نکالتے رہے۔ اس مقاومت کا ذکر اکثر برطانوی گیتوں میں آیا ہے، شمال میں حصولِ غلبہ کے لئے سلطنتی ڈیرا و برنیشیا میں مخالفت پیدا ہوئی مگر اٹھلرگ شاہ برنیشیا کے ماتحت دونوں سلطنتوں کے متحد ہو جانے سے اس مخالفت کا خاتمہ ہو گیا ان دونوں سلطنتوں سے بلکہ ایک نئی سلطنت نارٹمبریا قایم ہو گئی؛

انگریزی فتوحات کی یہی صدی تھی جس نے فی الواقع برطانیہ کو انگلستان بنا دیا۔ گلدس ۵۱۶۔۵۱۷

انگریز اپنے آبا و اجداد کے مزید حالات معلوم کرنے کے اشتیاق میں برطانیہ کے واحد صاحبِ قلم گلدس کے مسلسل نالہ وزاری سنتے ہیں مگر آخر میں انہیں بہت ہی مایوس ہونا پڑتا ہے؛ گلدس نے خود ان قزاق فوجوں کا حملہ دیکھا تھا اور اسی کی زبانی ہمیں فتح کنٹ کے متعلق معلومات حاصل

ہوئے ہیں مگر انگریز فاتحین کی طرز زندگی اور ان کی آباد کاری کے حالات معلوم کر کے لئے اس کی کتاب کا مطالعہ کرنا بیکار ہے۔ برطانیہ کے جنوبی ساحلوں پر جس جدید انگلستان کی بنیاد پڑ رہی تھی اس کے اندر کے ویران شہروں اور نجس شدہ زیارتگاہوں کی صرف ایک ہلکی سی جھلک گلڈس کی تصنیف میں نظر آتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ خود اسے بھی ایک جھلک سے زیادہ دیکھنے کا موقع نہ ملا ہوگا۔ اس کی خاموشی اور ناواقفیت ہی سے اس حبابہ کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ انگریز حملہ آوروں کے آگے اس وقت تک کسی برطانوی نے گردن نہیں جھکائی تھی کسی برطانوی کا قلم انگریزی فتح کے حالات نہیں لکھ سکتا تھا۔ اپنے ورود سے ایک صدی بعد تک بھی انگریز اپنے برطانوی دشمنوں کی نظر میں صرف ”دشمنی“ بھڑیٹے ”کتے“ ”سگنازہ“ وحشت کے پٹے اور ”خدا و انسان کے لئے قابل نفرت“ تھے۔ ان کے فتوحات طاقتوائے شر کے فتوحات اور یہ تمام آفات خدا کی طرف سے قوی گناہوں کی پاداش سمجھی جاتی تھیں۔ انگریزوں کی تباہ کاری جیسی کچھ مصیبت ناک تھی ظاہر ہے مگر یقین عام یہ تھا کہ جلد تر اس کا خاتمہ ہو جائیگا ہے۔ قدیم پیشینگیوں میں مذکور تھا کہ دوسری صدی میں اس سرزمین سے انگریزوں کا آخری قبضہ متزلزل ہو جائیگا۔ ان اجنبیوں کی اطاعت کا تو ذکر ہی کیا ان سے کسی میل ملاقات کا ذکر بھی گلڈس کی تمام تحریر میں نہیں ملتا۔ انگریزوں کی کامیابیوں اور ان کے سرگردوں کے حالات کی نسبت اس نے مطلق کچھ نہیں لکھا +

انگریزوں کی آباد کاری اس کا علم باوجود گلڈس کی خاموشی کے بھی کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے؛ کیونکہ

اہلِ برطانیہ کا اخراج خود فاتحین کی آباد کاری کی تمہید تھی۔ اس جدید انگلستان میں ہمارے خیال پر سب سے اول جس شے کا اثر پڑتا ہے وہ روم کی بربادی کے بعد ایک خالص جرمن نسل کا آشکار ہونا ہے۔ اسپین، گال، اطالیہ اور دوسرے ملکوں میں بھی اگرچہ رومی، جرمن اقوام کے مقابلے میں مغلوب ہو گئے تھے مگر ان تمام مالک میں مذہب، معاشرت، نظم و نسق رومی طرز پر بدستور برقرار تھے؛ صرف برطانیہ ہی میں یہ ہوا کہ روم ایک قصہء پارینہ ہو گیا اور اس قوم کی حکومت اور تمدن کا سارا نظام اسی کے ساتھ ناپید ہو گیا، انگلستان میں کمیٹیوں کے نیچے سے جو مکانات، منقش چیزیں اور سکتے کھو دکھو دکھتالے جاتے ہیں وہ انگریزوں کے آبا و اجداد کی نہیں بلکہ رومی قوم کی یادگار ہیں جنہیں انگریزوں کے آبا و اجداد کی تلواروں نے اس طرح نیست و نابود کر دیا تھا کہ ان کے نام و نشان تک مٹ گئے۔ روم کے ساتھ ہی ساتھ اس کا قانون، اس کا علم ادب، اس کا اخلاق اور اس کا مذہب، سب کے سب مہضت ہو گئے۔ انگلستان جدید ایک بت پرست ملک ہو گیا؛ اور واڈن اور تھتھڈر کا مذہب عیسائی کے مذہب پر غالب آ گیا؛ جن جرمن حملہ آوروں نے روم کا طبقہ اٹ دیا تھا ان میں ایک انگریز ہی تھے جنہوں نے شہنشاہی مذہب کو قبول کرنے سے ابا کیا ورنہ دوسرے مقامات پر مسیحی پیشوایان دین ہی مفتوحین اور جرمن وحشیوں کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے، مگر برطانیہ کے مفتوح حصوں میں عیسویت کا ذکر تک باقی نہیں رہا؛ وہاں دریاؤں، مقاموں اور سرحدوں یہاں تک کہ ہفتہ کے دنوں کے نام بھی ان نئے خداؤں کی طرف منسوب ہو گئے جنہوں نے عیسائی کی جگہ لی تھی۔ یہ سچ

ہے کہ انگلستان اس وقت ایک ایسا ویرانہ معلوم ہوتا تھا جہاں سے دنیا کی ہر طرح کی تہذیب نے فرار اختیار کیا تھا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اُس کے اندر اس تباہ شدہ معاشرت سے اعلیٰ تر معاشرت کا تخم بھی موجود تھا۔ اس نئی انگریزی معاشرت کی بنیاد اس آزاد شخص پر قائم تھی جسے ہم اس کے شمالی سمندر کے دُور و دراز وطن میں کاشتکاری، انصاف، اور پرستش کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ دورانِ خاصیت میں برطانیہ کی مادی تہذیب کے ساتھ اس نے کیسا ہی وحشیانہ سلوک کیوں نہ کیا ہو مگر یہ ممکن نہ تھا کہ ایسا شخص ہمیشہ بربادی و تباہی پر مُٹا رہے۔ جنگ کے ختم ہوتے ہی اس کی جنگجوئی بھی ختم ہو گئی اور وہ کاشتکارانہ حیثیت سے اپنی مفتوحہ زمین پر آباد ہو گیا۔ اس کے مکانات انہیں موانعات کے آفت رسیدہ تو وہ ہائے سنگ کے گرد بلند ہو گئے جنہیں خود اسی نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ خاندانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اپنے اپنے ٹن (محلے) اور ہیم (واڑے) بنا کر ٹیمز اور ٹرنٹ کے قرب و جوار میں اسی طرح آباد ہو گئیں جس طرح ایلب اور ویزر کے کناروں پر آباد تھیں؛ ان میں باہم رشتہ قرابت تو تھا ہی اب ایک مقام پر رہنے کی وجہ سے ان کی اراضی کاشت بھی ایک ہی حدود کے اندر جمع ہو گئیں۔ اس سے ایک نئی وجہ ارتباط پیدا ہو گئی۔ ان نو آباد موانعات کے رہنے والے برطانیہ میں اسی طرح کی زندگی بسر کرتے تھے جیسی کہ ان کے وطن کے مزارعین اپنے ملک میں بسر کرتے تھے۔ ہر موضع کے باشندوں کیلئے کوئی نہ کوئی ٹیلہ یا درخت بطور مرکز اجتماع کے ہوتا تھا۔ اس ٹیلے کو 'ٹوٹ ہل' (کوہ اجتماع) کہتے تھے اور اس قسم کے درخت کو مقدس خدمت

مجھے تھے۔ موضع کی حد بندی کے لئے خاص نشان ہوتے تھے۔ ہر شخص کا انصاف اس کے رشتہ داروں کی گواہی کی بنا پر ہوتا تھا۔ جلد آزاد اشخاص مل کر مجلس میں اپنے لئے قانون بناتے تھے خود اپنی حکمرانی کے لئے سرگروہوں کا انتخاب اور ان اشخاص کا تعین کرتے تھے جو سوار کے ساتھ مجلس حلقہ یا جنگ میں جاتے +

لیکن اس میں شک نہیں کہ انگریزی تمدن کے سرزمین برطانیہ پر **انگلستان** منتقل ہونے سے اس کے ابتدائی نظام پر گونا گوں اثر پڑے بغیر نہیں رہا۔ ان فتوحات ہی کا نتیجہ تھا کہ بادشاہ کا طور ہوا۔ یہ نطق غالب انگریز اپنے وطن میں جانتے بھی نہ تھے کہ بادشاہ کیا شے ہے۔ وہاں ہر قبیلہ اپنے اپنے دستور کے موافق اپنے بزرگ قبیلہ کے تحت میں رہتا تھا مگر جب برطانیہ سے جنگ کی بنیاد پڑی تو ایک عام سرگروہ کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ کنٹ اور وکس وغیرہ کے فتح کرنے میں جو مختلف قبائل مصروف کار تھے وہ سب ایک ہی شخص کے تحت میں آجائیں۔ لازماً ایسے سرگروہ کا رتبہ عارضی سرداروں سے جلدتر بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ ہنجسٹ کے بیٹے کنٹ میں اور الی کے بیٹے سکس میں شاہی کے درجے کو پہنچ گئے۔ ویٹ سیکن نے کرڈک کو اپنا فرمانروا منتخب کر لیا۔ ان انتخابات سے ہر جماعت کے منتشر مواضعات و قبائل میں بھی بہ نسبت سابق کے زیادہ قریبی تعلق پیدا ہو گیا۔ ادھر ان نئے حکمرانوں نے اپنے گرد مصاحبوں، ملازموں اور خادموں کا ایک چیدہ جنگی گروہ جمع کر لیا۔ ان لوگوں کو ان کے خدمات کے معاوضے میں عام ارضی سے جاگیریں ملتی تھیں۔ ان کا امتیاز موروثی مراتب کی بجائے شاہی خدمات کی انجام دہی پر موقوف تھا۔ اور بالآخر امرا میں ان کا ایک علیحدہ فرقہ قائم ہو گیا جو قدیم نظام انگریزی کے

اول (بزرگان قبائل) پر بھی فوق لے گیا۔ جنگ سے جس طرح بادشاہ اور فوجی امرا کا ظہور ہوا یہی حال کم و بیش غلاموں کا سمجھنا چاہئے۔ تمام جرمن قبائل کے مانند انگریزوں میں بھی ہمیشہ سے غلاموں یا غیر آزاد لوگوں کا ایک فرقہ موجود تھا اور اگرچہ برطانیہ کی فتح سے ان کی تعداد پر کچھ ایسا اثر نہیں پڑا، مگر جب تھوڑے ہی زمانہ بعد خود انگریزوں میں نزاعات باہمی برپا ہو گئے تو اس فرقے کی تعداد بہت ہی بڑھ گئی۔ ایران جنگ میں سے کوئی کیسا ہی بلند رتبہ شخص کیوں نہ ہو غلامی سے بچ نہیں سکتا تھا۔ بلکہ اکثر خود قیدی بھی قتل کے خوف سے غلام بنانا غنیمت سمجھتا تھا، ایک امیر کا قصہ ہے کہ وہ انگریز قبائل کی کسی جنگ میں زخمی ہو کر گر گیا تھا۔ ایک قریب کا رہنے والا ملازم شاہی اسے غلام بننے کے اقرار پر اپنے ہاں اٹھالے گیا۔ امیر نے اپنے کو کسان ظاہر کیا مگر مالک اس چیلے کی تہ کو پہنچ گیا، اور کہنے لگا کہ تم موت کے سزاوار ہو کیونکہ اس جنگ میں میرے تمام بھائی اور کل اقربا مارے گئے ہیں، مگر محض اپنی قسم کی وجہ سے اس نے قیدی کی جان چھوڑ دی اور لندن میں اسے ایک باشندہ فیز لینڈ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ غالباً یہ ان سوداگروں میں سے کوئی سوداگر ہوگا جو اس زمانے میں انگریز قیدیوں کو روم کے بازار میں لے جاتے تھے، مگر صرف جنگ ہی اس وقت غلامان کی کثرت کا باعث نہیں تھی۔ قرض اور جرم نے بھی غیر آزادوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ مصائب قحط بھی لوگوں کو مجبور کر دیتے تھے کہ وہ بیسٹ بھرتیکے لئے خطہ غلامی پر اپنا سر جھکا دیں۔ جو قرضدار اپنا قرض ادا نہیں کر سکتا تھا، آزادی کو خیر باد کہے تلوار و نیزہ زمین پر ڈال دیتا، مزدور کی کدال ہاتھ میں لیتا اور غلاموں کے مانند اپنی گردن کسی مالک کے ہاتھ میں دیدیتا تھا۔ جس جرم کے رشتہ دار اس کا جرمانہ ادا نہ کرتے وہ بادشاہ کا جرمی غلام ہو جاتا تھا۔

بسا اوقات ضرورت سے تنگ اگر لوگ خود اپنے بیوی بچوں کو غلامی میں فروخت کر ڈالتے تھے۔ غلام کا شمار بھی ایک طرح پر مویشیوں میں تھا۔ اور مویشیوں ہی کی طرح اس کا نسب نامہ بھی محفوظ رکھا جاتا تھا۔ مرتے وقت مالک اپنے گھوڑے بیل کی طرح اسے بھی جس کے نام چاہتا وصیت کر جاتا۔ غلام کی اولاد بھی اسی کے مانند غلام ہوتی تھی یہاں تک کہ آزاد شخص کی جو اولاد لونڈی سے ہوتی تھی اُس کی پستانی پر بھی ماں کی غلامی کا درجہ لگ جاتا تھا۔ انگریزی شغل تھی کہ ”میری بھائی کا بچہ میرا ہے“ غیر آزاد اشخاص کے جھونپڑے دو بلند زمینداروں کے مکانات کے گرد و پیش اسی طرح ہوتے تھے جس طرح کسی وقت میں رومی امیر کے عمالات کے گرد ہوا کرتے تھے۔ چرواہے لکڑہارے، کھیتوں کے جوتنے والے، کھلیان جمع کرنیوالے، بھیڑ، بکری، گائے بیل اور سور پالنے والے، سب کے سب زیادہ تر غلام ہی ہوتے تھے۔ یہی حال مویشی خانوں میں کام کرنیوالی لڑکیوں کا تھا۔ مگر یہ غلامی ہمارے دور جدید کی سی غلامی نہیں تھی۔ اُس زمانہ میں کوڑے مارنے اور شکنیں کسے کا استعمال بہت کم ہوتا تھا۔ اگر فظ غضب میں اتفاقاً کوئی ضرب ایسی پڑ جائے کہ غلام کا کام تمام ہو جائے تو یہ اور بات تھی ورنہ کوڑوں سے پیٹ پیٹ کر کسی غلام کی جان نہیں لی جاتی تھی۔ تاہم غلام کا مار ڈالنا مالک کے اختیار سے خارج نہیں تھا۔ اس کی حیثیت اثاثہ البیت سے زیادہ نہیں تھی؛ نہ عدالت انصاف میں اس کا گذر تھا اور نہ اس کا کوئی قریب دار تھا جو اس کے انتقام کا خواہاں ہو۔ اگر کوئی غیر اسے مار ڈالتا تھا تو اس کا مالک اس سے تادان وصول کرتا تھا۔ وہ خود اگر کسی کو ضرر پہنچائے تو تازیانہ تھا اور اس کا جسم، وہ بھاگ جاتا تو ٹھکانا درندوں کے مانند اس کا تعاقب کیا جاتا۔ اور اس جرم کی پاداش میں کوڑوں سے اس کی جان لی جاتی اور اگر عورت ہوتی تو آگ میں جلادی جاتی +

جزوسوم

سلطنت نار تھمہریا

۶۸۵ ۵۸۸

[اسناد - اس زمانہ کے لئے بلا فصل سند صرف ایک ہی ہے اور وہ بیڈا

کی تاریخ مذہبی قوم انگلش (Historia Ecclesiastica Gentis Angloran) ہے۔ میں نے اس تاریخ اور اس کے مصنف کی نسبت خود اصل کتاب میں مفصلاً لکھا ہے۔

ویٹ سیکن کے کلیسا اور بادشاہوں کے جو مجموعے بہت حالات مل سکے انہیں میں بیڈا کے کثیر التعداد اقتباسات شامل کر کے ان کی ایک ہیئت بنا دی گئی ہے اور وہ انگلش کرنگل (دماغ انگریزی English Chronicle) میں داخل ہیں۔ کیڈمن کی نظم مسٹر تھارپ نے شایع کی ہے اور شیرن ٹرنز نے ہسٹری آف انجیلو سیکسن (تاریخ انجیلو سیکسن جلد سوم باب History of Anglo-Saxon) میں اور مسٹر مارلی نے انگلش رائٹس (مصنفان

انگلستان English writers) میں اس کے بہت سے خلاصے درج کئے ہیں۔ رڈی نے دلفرڈ کی سوانح عمری لکھی ہے اور بیڈا اور ایک اس سے بھی سابق جمعہ سوانح نگار نے کنہبرٹ کی سوانح عمری ترتیب دی ہیں۔ اور یہ سب مسٹر اسٹونس کی ترتیب دادہ

ہسٹوریا اگلی زیاچہ (تاریخ کلیسا Historia Ecclesiastica) میں بطور ضمیمہ شامل ہیں۔ ان سے شمال کے مذہبی حالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ کرو لینڈ کے گھنٹک کے لئے

لیکٹا سینکٹورم (Acta Sanctorum) جلد یازدہم بابت اپریل دیکھنا چاہئے۔ ہمیوڈ اور اس کے ترتیب دادہ انگریزی کلیسا کے لئے کیمبل کی تصنیف سیکسن ان انگلینڈ (سیکسن در انگلستان Saxon in England) جلد دوم باب ہٹے ۱۰۵۹۵۸ اور سب سے بڑھو

ڈاکٹر انجمن کی تصنیف کانستٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) میں اس کے بے با خیالات کا مطالعہ کرنا چاہئے +

اب برطانیہ کے بیشتر حصے کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ اگر ایک خط

اتھلبرٹ

ڈریسٹائر سے گزرتا اور آرڈن کے جنگل سے ملتا ہوا نارٹھمبریا اور یارکشائر کی فیوڈ
سرزمین کے برابر برابر سیورن کے دہانے تک اور وہاں سے براہ منڈب
سمندر تک کھینچا جانے تو جزیرے کا وہ تمامی حصہ جو اس خط کے مشرق میں پڑے،
انگریزوں کے قبضہ میں جا چکا تھا۔ فتوحات کی نوعیت بھی اب بالکل بدل گئی تھی
پڑانی تباہ کن جنگ کا دور بھی ختم ہو چکا تھا۔ بعد کے زمانے میں جب سیل فتوحات
مغرب کی طرف بڑھا تو برطانوی اپنی زمینوں سے بیہنل اور ملک سے خارج
نہیں کئے گئے بلکہ وہ اپنے فاتحین کے ساتھ مخلوط ہوتے گئے۔ اس سے بھی
زیادہ اہم تغیر وہ تھا جو اس زمانے کے بعد سے خود انگریز فاتحین کے معاملات باہمی
میں نظر آتا تھا۔ اہل برطانیہ کی جنگ کے عام دباؤ سے ایک بڑی حد
تک آزاد ہو کر اب وہ خود ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے میں
اپنی طاقت صرف کرنے لگے، اور انجام کار اس کا خاتمہ ایک حقیقی قومی
اتحاد پر ہوا۔ وادی سیورن میں پسپا ہونے اور فیڈلی میں ہولناک نہایت
اعٹانے کے باوجود عین اس حالت میں جبکہ اہل برطانیہ سے موت ذریت ۵۸۸
کی جنگ جاری تھی۔ ویسٹ سیکسن آپس کے سناختات سے باز نہیں آنے اور
اسی میں ان کی طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ شمال میں بریشیا اور ڈیرا کی دو
رقب سلطنتوں کی خاصیت نے انہی قوم کے اجزا کو باہم مصروف جنگ کر رکھا تھا۔
یہاں تک کہ ۵۸۸ء میں ڈیرا کی قوت دفعتاً ٹوٹ گئی اور اٹھلرک شاہ بریشیا
نے دونوں قوموں کو نارٹھمبریا کے نام سے ایک سلطنت کے اندر متحد کر لیا۔ شمال
اور جنوب کی اس کشمکش کے دوران میں فاتحین میں سے کنٹ کو تقدم حاصل ہو گیا۔
شاہ اٹھلبرٹ کے تحت میں سلطنت جوٹ کو یک بیک وہ غنمت و عروج حاصل
ہو گیا کہ اس بادشاہ نے ۵۹۶ء سے پہلے ہی نہ صرف ڈل سس اور اسکس پر

اپنی فوقیت قائم کر دی بلکہ شمال میں ایسٹ اینگلیا اور مرسیا کے انگیزیوں پر بھی بہر
ڈٹرنٹ ٹمک خلیہ حاصل کر لیا ۛ

۱۵ اگسٹ

انگریزی فتوحات کی وجہ سے بر اعظم یورپ سے برطانیہ کا تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ یہ
امتیاز اٹھلرٹ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے زمانہ حکومت میں یہ تعلق پھر قائم ہو گیا۔
پیرس کے بادشاہ چیربرٹ کی دختر برتھا سے عقد کر کے اس نے کنٹ اور گال کے
مابین ایک نئے ربط کا راستہ کھول دیا۔ مگر اس اتحاد سے جیسے اہم نتائج پیدا ہوئے وہ
اٹھلرٹ کے دم و گمان میں بھی نہ تھے۔ اپنے فرینک رشتہ داروں کی طرح برتھا بھی
عیسائی تھی اور اس نے گال سے ایک عیسائی پادری اس کے ہمراہ کنٹ کے شاہی
شہر کنیٹبری میں آیا۔ اور سینٹ مارٹن کا دیران شدہ گرجا ان لوگوں کو عبادت
کے لئے دیا گیا۔ پوپ گریگری اعظم نے موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے مٹا فائدہ اٹھا
لے کر کہا۔ ایک یا دو گار قصے کا مذکور ہے کہ گریگری جب ایک نوجوان رومی ڈیکن تھا تو
اس نے روم کے سخاس میں چند نوجوانوں کو دیکھا کہ بندھے ہوئے کھڑے ہیں، ان کے
سفید جسم و رخشاں چہرے اور زرین بالوں پر نظر کر کے اس نے الفاظ کے الٹ پھر
سے عجیب خیال ظاہر کیا۔ ان نوجوانوں کے لانیوالے تاجروں سے اس نے پوچھا
کہ ”یہ غلام کس ملک کے رہنے والے ہیں؟“ بیچنے والوں نے جواب دیا کہ ”وہ
انگلش یا اٹھل ہیں“ ڈیکن کو ان کے حال پر رحم آیا مگر اس نے اپنے رحم کو
شاعرانہ مذاق میں پوشیدہ کر کے کہا ”نہیں ایسے فرشتوں جیسے چہرے کے لوگ اٹھل
نہیں اٹھل (فرشتے) ہیں یہ کس ملک سے آئے ہیں؟“ تاجروں نے جواب دیا کہ
”وہ ڈیرا سے آئے ہیں۔“ ڈی۔ ایرا (غضب غضب) ہاں خدا کے غضب سے نکل کر

۵۸۹

عہ اول (Engle) بشہ انگلستان) انجس (Angle فرشتہ) اس میں عض G کے تعلق کا ذرا فرق ہے ۛ
عہ ڈیرا (Deira) انگلستان کے ایک صوبہ کا نام ہے اگر اس تعلق کو وہ ٹکسہ کر کے ذرا سے فص سے نہیں تو اس
صوت DE-IRA ہوگی یعنی میں عض حرف تکمیر ہے اور ira کے معنی غضب و غصے کے ہیں ۛ

میٹچ کے ترحم میں آئے ہیں۔ ان کے بادشاہ کا نام کیا ہے؟ انہوں نے بتایا ”ایلا“۔
گرہری نے ان لفظوں سے اچھے آثار اخذ کئے اور چلا اٹھا کہ ”ایلا کی زمین میں ایلیویا
گایا جائیگا“ اور یہ سوچتا ہوا کہ ایسے فرشتے جیسے چہرے کے لوگ کس خوبی سے خدا کی حمد
گائینگے وہ آگے بڑھ گیا۔ تین ہی چار برس گزرے ہوئے کہ یہ ڈیکن، رومر کا ہتھ
پینے پوپ ہو گیا اور جس موقع کا وہ جویان تھا وہ برتھا کے عقد سے اسے ہاتھ آ گیا۔
حکمرانانِ گال سے پُر احتیاط مراسلت کے بعد اس نے انگریزوں میں انجیل کا وعظ
کہنے کے لئے ایک رومی رئیس خانقاہ آگسٹن نامی کی سرکردگی میں چند راہبوں کو روانہ
کیا، یہ مسیحی داعی جزیرہ ٹھینٹ میں عین اُس مقام پر اُترے جہاں ایک صدی پیشتر بھٹ
اترا تھا، بادشاہ نے منٹر کے قریب گل سفید کے بلند میدان میں انہیں باریابی کا موقع
دیا۔ آج اس مقام سے میلوں دور دلدل سے گزر کر کیٹھری کا برج دھندلا سا
دکھائی دیتا ہے۔ بادشاہ نے ان ترجمانوں کے توسط سے جنہیں آگسٹن، گال سے
اپنے ہمراہ لایا تھا۔ ان داعیوں کا طول و طویل وعظ سنا اور انگریزوں کی خوش فہمی
کے موافق آخر میں یہ جواب دیا کہ ”تمہارے الفاظ اچھے گرنے ہیں اور ان کے
معنی شنبہ ہیں۔“ اپنی ذات خاص کی نسبت اس نے یہ کہا کہ وہ اپنے آبا و اجداد
کے خداؤں کو ترک نہیں کریگا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے ان نو واردوں کی
آسائش و حفاظت کا وعدہ کیا۔ راہبوں کا یہ گروہ کیٹھری میں اس شان سے داخل
ہوا کہ ان کے آگے آگے چاندی کی ایک صلیب تھی جس پر میٹچ کی تصویر بنی ہوئی
تھی اور سب کے سب ایک آواز کے ساتھ مذہبی دعاؤں کی گیت گاتے جاتے
تھے ”خداوند! اس شہر سے اور اپنے بیت المقدس سے اپنا غضب اٹھالے بیٹک
ہم گنگار ہیں“ اس کے بعد ایک عجیب اتفاق سے قدیم عبرانی عبادت کا نمونہ حمد

سہ۔ ایلیویا (Allulalua) عبرانی سے ماخوذ ہے اس کے ٹیک سنس **الٹھلڈلہ** کے ہیں۔

یہ ایلیلویا شروع ہو گیا۔ یہ وہی آواز تھی جو روم کے بازار میں شاہ یارکشائر کا نام سکر گری کی زبان سے مہینتہ نخل پڑی تھی اور اس وقت اس کی پڑاؤ پیشینگوئی کی تصدیق ہو گئی +

انگلستان اور

نہری یورپ
۷ ماہین تھیں
خاد۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس جگہ ہجرت اترتا تھا اسی جگہ کہ اکسٹن کے دروگاہ ہونیکا شرف حاصل ہوا اور ابز فلیٹ کے اس دوسرے ورود نے ایک بڑی حد تک اس کے ورود اول کے موثرات کو مٹا دیا۔ بادشاہ کے حضور میں ان داعیوں کی پہلی باریابی ”نوردان روم“ کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ متبرک مذہبی نمونوں کے ساتھ ان راہبوں کا کینٹربری کی طرف روانہ ہونا گویا ان رومی فوجوں کا واپس آجانا تھا جو الارک کے آوازہ جنگ پر یہاں سے واپس چلی گئی تھیں اتھلرٹ نے اکسٹن کے وعظ میں جس زبان اور جس خیال کو سنا وہ صرف گریگی کی زبان اور اسی کا خیال نہیں تھا بلکہ اس میں ان لوگوں کی زبان اور ان لوگوں کا خیال بھی مضمحل نہیں خود اس کے آباد اجداد نے قتل کر ڈالا اور سندر پار بھگا دیا تھا۔ نئے انگلستان کا اولین شاہی شہر کینٹربری لاطینی اثر کا مرکز بن گیا۔ برطانیہ کی زبانوں میں رومی زبان پھر داخل ہو گئی اور عبادت، مراست، اور علمی تحریروں میں یہی زبان مستعمل ہونے لگی۔ مگر اکسٹن کے ساتھ صرف رومی زبان ہی نہیں بلکہ روما کی کچھ اور باتیں بھی واپس آگئی تھیں۔ حتیٰ کہ اس کی آمد سے مغربی دنیا کے ساتھ وہ اتحاد از سر نو پیدا ہو گیا جسے ہجرت کے ورود نے تقریباً معدوم کر دیا تھا۔ جدید انگلستان اقوام قدیم کی صف میں شامل کر لیا گیا۔ تہذیب اور علم و ہنر جو انگریزی نیشن فتح کے سامنے سے فرار ہو گئے تھے عیسوی مذہب کے ساتھ پھر واپس آگئے۔ یہ صحیح ہے کہ رومی قانون کی بنیاد انگلستان میں کبھی

مستحکم نہیں ہوئی مگر اس معاملے میں رومی دایوں کے اس اثر کا نہ تسلیم کرنا بھی ممکن نہیں ہے کہ ان کی آمد کے بعد ہی انگریزی رواجی قانون کے ضابطے تحریر ہونے لگے ۔

ابھی یہ ہتم بالشان نتیجے بست دور تھے ۔ انٹیلرٹ کے اس مذہب کو زوال کنٹ قبول کرتے کرتے ایک برس گزر گیا پھر اگرچہ اس کے تبدیل مذہب کے بعد کنٹ کے ہزارہا آدمی اصطلاح کے لئے غول کے غول آنے لگے تاہم برسوں تک اسے یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ اسکس اور ایٹ ایٹلیا کے شاہان ماتحت پر اس مذہب کے قبول کرنے کے لئے زور دے سکے ۔ مدتوں بعد جب اس نے ہمت کر کے ان پر اثر ڈالا تو اس کی یہ کوشش ایک انقلاب کا پیش خیمہ بن گئی جس سے کنٹ کی طاقت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی ۔ ڈبرن (وسط برطانیہ) کے قبائل انٹیلرٹ سے سرزانی کر کے رڈوالڈ شاہ ایٹ ایٹلیا کی سیادت اعلیٰ کے تحت میں جمع ہو گئے ۔ اس انقلاب ۶۰۷ سے وہ تغیر صاف ظاہر ہو گیا جو برطانیہ میں پیدا ہو گیا تھا ۔ فاتحین اب منفرد اقوام میں منتشر ہونے کے بجائے درحقیقت تین بڑے گروہوں میں مجتمع ہو گئے تھے ۔ شمال کی سلطنت انگل کے حدود ہمبر سے فورٹھ تک تھے ویسٹ سکس کی جنوبی سلطنت کی وسعت وائٹنگ اسٹریٹ سے آبنائے تک تھی اور ان دونوں کے درمیان ڈبرن (وسط برطانیہ) کی وہ بڑی سلطنت واقع تھی جس کے حدود اگرچہ وقتاً فوقتاً بدلتے رہے مگر انٹیلرٹ کے وقت سے شاہان مرسیا کے زوال تک اس کی ہیئت ایک حد تک بہ حال خود برقرار رہی ۔ آئندہ دو سو برس تک نارٹمبریا مرسیا اور ویسٹ سیکس کے بادشاہوں سے ہر ایک کی یہی کوشش رہی کہ وہ تمام

انگریزی آبادی پر مستولی ہو جائے اور تمام اقوام انگلشیہ کو ایک واحد انگلستان میں متحد کرے۔ یہ دوسو برس کی تاریخ انگلستان اسی خاصیت کی تاریخ ہے +

اس کشاکش میں نارنگبریا کو فوری تقدم حاصل ہو گیا کیونکہ اس کے روز افزوں عروج کے سامنے اس کی رقابت کا خیال تک باطل ہو گیا تھا

۱۶۵۳ء میں انگلرک کا جانشین ہوا اور اس کے عہد میں فتوحات کا کام بدستور سابق تیزی کے ساتھ بڑھتا رہا۔ ۱۶۳۰ء میں شمالی برطانیوں کی فوجیں ڈیکسیٹین کی جنگ عظیم میں بالکل فنا ہو گئیں اور نارنگبریا کا تسلط ہمبر سے لیکر فورٹہ تک مستحکم ہو گیا۔ مغربی برطانیہ کے کناروں سے ملی ہوئی کلاڈ سے ڈی تک اسیر تھیکلاڈ اور کبریا کی غیر مفتوح حکومتیں واقع تھیں۔ ان کے علاوہ چند چھوٹی چھوٹی برطانوی حکومتیں اس حصہ میں بھی قائم تھیں جسے اب ہم دلیز کہتے ہیں۔ اس طرح برطانوی حکومتوں کے دو گروہ بن گئے تھے اور چٹران دونوں گروہوں میں درمیانی کڑی کا کام دیتا تھا۔ چٹرا ہی کو ۱۶۱۳ء میں آٹھلرفٹ نے اپنے آئندہ حملے کا نشانہ بنایا، شہر سے چند میل کے فاصلے پر خانقاہ بینگور میں دو ہزار راہب جمع ہوئے اور تین دن روزہ رہ کر انہوں نے اپنے ملک کے لئے خدا سے مدد کی دعا کی۔ ان زہاد نے دعا ہی پر تناصرت نہیں کی بلکہ ان کا ایک غول بھی برطانوی فوج کے ساتھ ہو لیا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر یہ عجیب و غریب دستہ دعا مانگنے کے لئے فوج سے نکل کر علیحدہ ہو گیا۔ آٹھلرفٹ ان کی ہتیناک شکلوں اور پھیلے ہوئے ہاتھوں کو غور سے دیکھا کیا اور ان راہبوں کو جا دوگر سمجھ کر کہنے لگا کہ ”وہ ہتیار بند ہوں یا نہ ہوں مگر جب وہ ہمارے خلاف اپنے خدا سے فریاد کرتے ہیں تو وہ فی اسحقیقت ہمارے خلاف جنگ

کرتے ہیں۔ اس کے بعد جو سراسیمگی اور ہزیمیت پیش آئی سب سے پہلے یہ راہب ہی اس کے شکار ہوئے۔

اب برطانوی حکومتیں ایک دوسرے سے بالکل منقطع ہو گئیں۔ ڈیوریم پزفح حاصل کر کے ویٹ سیکن نے ڈیون اور کاروال کے برطانیوں کو اس قوم کے دوسرے حصوں سے جدا کر دیا تھا۔ اتھلفرتھ کی فتح چسٹر نے ویلز کے برطانیوں کو کمبریا اور اسٹریٹھیکلائیڈ کے برطانیوں سے الگ کر کے اس بقیہ حصہ کو بھی دو مختلف حکمرانوں میں تقسیم کر دیا۔ اس وقت سے برطانیوں اور انگریزوں کی جنگ آوری کی صورت کلیتاً بدل گئی۔ اب ایتماعی مقابلہ کی جگہ انفرادی مقابلہ ہونے لگا۔ نارتھمبریا کا مقابلہ کمبریا اور اسٹریٹھیکلائیڈ سے تھا۔ مرسیا کا موجودہ ویلز سے اور وکس کا اس حصہ برطانیہ سے جو منڈب سے لینڈس انڈ تک ہے۔ چسٹر کی فتح خود انگلستان کے لئے بھی کچھ کم اہم نہ تھی۔ رڈوالڈ (شاہ ایسٹ اینگلیا) ڈبرن کی قوموں کو اپنے دائرہ تسلط میں لا رہا تھا۔ اس فتح کے بعد جب اتھلفرتھ نے اپنی جنوبی حد کے باہر اس ہاں یہ حکومت پر نظر ڈالی تو وہ نئی تناؤں کے خواب دیکھنے لگا۔

اتھلفرتھ کی ناگمانی موت کے سبب ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا اڈون کہ ایسٹ اینگلیا اور نارتھمبریا کی باہمی کشمکش کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر ہونا کچھ اور تھا۔ رڈوالڈ نے نارتھمبریا کے ایک خارج البلد شخص اڈون کو اپنے پناہ میں لے لیا تھا اور اس وجہ سے شاہ میں اتھلفرتھ نے اس پر حملہ آور ہونے کے غم سے کوچ کیا مگر دریائے آئڈل پر خود شکست کھا کر مارا گیا۔ اپنے دشمن کے ہلاک ہو جانے سے اڈون نارتھمبریا کے تخت پر قابض ہو گیا۔ اور حکومت کا کام اتھلفرتھ ہی کی سی ان تھک کوشش کے

ساتھ چلانے لگا۔ پکٹ اور برطانویوں پر فتیاب ہو جانے کے بعد ہی اس نے
 ڈیڑھ برس کے انگریزوں پر بھی برتری حاصل کرنی۔ کنت بہت ہی قریبی سیاسی
 تعلق سے اس کے ساتھ وابستہ تھا، صرف جنوب کے انگریز فاتحین یعنی ایسٹ
 سیکسن والے اس کے دائرہ اطاعت سے خارج تھے مگر اہل نارٹمبریا کے
 حملے کے وقت تک ان کی طاقت بھی اندرونی قتل و بناوت سے مہلک
 طور پر متزلزل ہو چکی تھی۔ پھر بھی نارٹمبریا کے آگے سر جھکانے سے پہلے اہل
 جنوب نے جس شدت سے ان کا مقابلہ کیا اس کا کچھ اندازہ ایک قصے
 سے ہو سکتا ہے جو بیڈا کی تحویر میں محفوظ ہے۔ اڈون نے عید فصع
 کے زمانے میں دریاے ڈرونٹ کے قریب ایک شاہی شہر میں دربار منعقد
 کیا۔ اس دربار میں وکس کے ایلچی ایومر نامی کو جو بادشاہ وکس کی
 طرف سے کوئی پیغام لایا تھا، باریابی کا موقع دیا گیا۔ اثنائے گفتگو میں ایلچی
 ایک بیک کھڑا ہو گیا اور کپڑوں کے اندر سے ایک خنجر نکال کر دیواندار
 شاہِ نارٹمبریا پر حمیت پڑا۔ شاہی فوج کے ایک سپاہی بلا نامی نے اس
 کی ضرب کو اپنے اوپر لیکر بادشاہ کو بچا لینا چاہا مگر دار اس شدت کا تھا
 کہ بلا کے جسم سے گذر کر بھی خنجر اپنے مقام مقصود تک پہنچ گیا، تاہم بادشاہ
 کو زخم سے شفا ہو گئی۔ اس نے ویسٹ سیکسن پر حملہ آور ہو کر ان تمام
 لوگوں کو قتل و اسیر کیا جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی تھی اور
 وہ مظفر و منصور اپنے ملک کو واپس گیا۔ نارٹمبریا کی عظمت اب اپنے اچھا
 حال کو پہنچ گئی۔ اڈون نے اپنے حدود مملکت میں ملکاری کا اچھا جوہر
 دکھایا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض فتوحات کا دور اب ختم ہو گیا تھا
 اسی کی ذات سے وہ انگریزی مثل نکلے جو اکثر شاہانِ مابعد کی نسبت بھی

کام آتی رہی ہے کہ اڈون کے عہد میں ایک عورت اپنے بچے کو لٹے چو بے خوف و خطر ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پا پیادہ جا سکتی ہے۔^۴ اس کے عہد حکومت میں ویران شاہراہوں پر امن و امان کے ساتھ آمد و رفت کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ سڑک کے آس پاس کے چشموں پر لکڑی کے نشانات نصب کر دئے گئے تھے اور مسافروں کی راحت کے لئے ہر چشموں کے قریب تانبے کا ایک پیالہ رکھ دیا گیا تھا۔ ایسا مظلوم ہوتا تھا کہ اس جدید انگریزی شہنشاہی پر قدیم رومی عظمت و شوکت کا سایہ پڑ گیا ہے۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوا کہ عہد رومہ کے غم شدہ امن و امان کی واپسی کے ساتھ اس کی سطوت و جلالت بھی کسی قدر واپس آگئی تھی۔ اڈون جب قصبات سے گزرتا تھا تو ایک سنگ زربار پر چیم اس کے سامنے لہراتا ہوتا تھا، جب وہ سڑکوں پر پا پیادہ چلتا تھا تو پوروں کا ایک طرہ نیزے پر لگا ہوا اس کے آگے آگے رواں ہوتا تھا۔ درحقیقت شاہِ نارممبریا کو برطانیہ پر جو فوقیت حاصل ہو گئی تھی وہ اس سے قبل کسی انگریز بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ شمال میں اس کے سلطنت کی سرحد دریائے فورٹھ تک پہنچ گئی تھی اور اس سرحد کی حفاظت کے لئے اسی کے نام پر ایک شہر اڈنبرا (یعنی شہر اڈون) آباد کیا گیا تھا۔ مغرب میں وہ چیسٹر کا مالک تھا اور وہاں اس نے جہازوں کا جو بیڑہ تیار کیا تھا اس نے جزائر انگلسی اور مین کو منسوب کر لیا تھا۔ بہرہ سے جنوب کی طرف کنٹ کے سوا باقی تمام انگریزی علاقے اسے اپنا شہنشاہ مانتے تھے، شاہ کنٹ کی بہن اس کی زوجیت میں تھی۔ اس بنا پر خود کنٹ کو بھی اس سے ایک طرح کا تعلق تھا۔

نارٹھمبریا کا
تبدیل مذہب

شہزادی کنٹ کے ہمراہ آگسٹن کے تابعین میں سے ایک شخص پالینس نامی بھی نارٹھمبریا میں آیا تھا، اس شخص کے دراز و خمیدہ قد، طوطے کے چوچ کی سی باریک ناک، لاغر و افسردہ چہرے پر پھیلے ہوئے سیاہ بالوں کو لوگ مدتوں یاد کرتے رہے۔ پالینس اور مکہ کے اثر سے اڈون نے بہت جلد اس نئے مذہب کو قبول کر لیا اور عقائدے نارٹھمبریا کو اس مذہب پر غور کرنے کے لئے جمع کیا، انسان کی ماقبل اور مابعد زندگی جس تاریکی میں گھری ہوئی ہے اس پر اس نئے مذہب سے جو روشنی پڑتی تھی باریک میں طبیعتوں کے لئے وہی اس مذہب کی دلفریبی کا باعث بن گئی۔ ایک سمرایلڈرین میاختہ چلا اٹھا کہ "اے بادشاہ! انسان کی زندگی کی مثال اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ مثلاً جاڑے کے زمانے میں جب باہر برف پڑ رہی ہو اور آپ اپنے کمرہ کے گرم آتشدان کے سامنے کھانا کھانے بیٹھیں۔ اُس وقت ایک چڑیا کمرہ کے ایک دروازے سے اندر آئے اور آتشدان کی گرمی و روشنی میں ذرا کی ذرا ٹھہر کر دوسرے دروازے سے باہر نکل جائے اور پھر برف و باد کی اسی تاریکی میں غائب ہو جائے۔ جہاں سے آئی تھی یہی حال انسانی زندگی کا ہے، وہ ایک آن واحد کے لئے ہماری نظروں کے سامنے آتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اس کے قبل کیا تھا اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ اگر ان معاملات کی بابت اس نئی تعلیم سے کسی قسم کی یقینی اطلاع حاصل ہوتی ہو، تو اس کا اقتدار کتنا بہتر ہے" عام لوگ ایسی موٹی دلیلوں سے زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ کانفی نامی راہب نے کہا کہ "اے بادشاہ آپ کی رعایا میں سے کوئی مجھ سے زیادہ ان خداؤں کی پرستش میں مشغول نہیں رہا ہے تاہم بہت لوگ ہیں جو

مجھ سے زیادہ خوش قسمت و مورد عنایت ہیں۔ اگر ان خداؤں میں کچھ قابلیت ہوتی تو وہ ضرور اپنے پرستش کرنے والوں کی امداد کرتے" یہ کہتے ہی گھوڑے ۶۲۷ پر سوار ہو کر اس نے اپنا نیزہ گاڈمینم کے مقدس مندر پر پھینک مارا اور دیگر پیشوایان دین کے ساتھ بادشاہ کا مذہب قبول کر لیا۔

گر واڈن و ٹھنڈر کا مذہب بفرسخت کشمکش کے فنا ہونیا لائیس تھا۔ بت پرستوں کی مخالفت خود کنٹ میں اٹھلہٹ کے انتقال کے ساتھ ہی لوگ اس نئے مذہب سے روگرداں ہونے لگے۔ ایٹ اینگلیا کے بادشاہ رڈ والڈ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ایک ساتھ مسیح اور مبودان قدیم دونوں کی پرستش کریگا اور ایک ہی سبب شاہی میں صنم پرستی و خدا پرستی دونوں کے لئے بالمقابل جگہیں قائم کی گئیں ایٹ سیکن کے نوعمر بادشاہ اس گرجا میں گھس گئے جہاں لندن کا اسقف میٹس لوگوں کو عشاء ربانی سے مستفیض کر رہا تھا اور چلانے لگے کہ "ہمیں بھی دہی سفید روٹی دو جو تم نے ہمارے باپ سب کو دی تھی" اور اسقف کے انخار پر اسے اپنے ملک سے نکال دیا۔ اڈون کے تبدیل مذہب سے یہ سیل بازگشت ایک وقت کے لئے رک گیا تا آنکہ مرسیا کو دفعۃً عروج حاصل ہو گیا اور وہ ان اصنامی خداؤں کی حامی بن گئی۔ اڈون کے عہد میں مرسیا نے نارٹھمبریا کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر مرسیا کے بادشاہ پنڈا نے دیکھا کہ قدیم مذہب کی حمایت میں اسے دوبارہ آزادی حاصل کر لینے کا موقع ہے۔ اس نے اپنے تحت حکومت میں نہ صرف بالائے ٹرنٹ کے اہل مرسیا، یسٹر کے ڈل انگلش (انگریزان وطنی) اور اہالیان ساؤتھمبریا و لنڈس وارا کو متحد کر لیا تھا۔ بلکہ اس نے اس قدر قوت حاصل کر لی تھی کہ ایٹ سیکن کے مقبوضات ملحقہ سیورن کو بھی ان سے نکال لیا تھا۔ ان صوبوں کا اتحاد ایسا مکمل کر دیا گیا تھا کہ اگرچہ پنڈا کے بعد کچھ وقت کے لئے بعض صوبے نکل بھی گئے

تا ہم اس وقت سے مرسیا کا نام عام طور پر ان تمام صوبوں پر مخوی رہا۔
 بائیں ہمد وہ تنہا ابھی نارتھمبریا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر انگریزوں اور
 برطانیوں کے درمیان قدیمی تفرقہ بہت تیزی کے ساتھ مٹا جاتا تھا اور جو
 کچھ رکاوٹ باقی رہ گئی تھی پنڈا نے جرأت کر کے اسے بھی کیم رفع کر دیا
 اور اڈون پر حملہ آور ہونے کے لئے کیڈویلن، شاہ ویلز سے متفق ہو گیا۔
 ۱۳۳۷ء میں جانین کی فوجوں کا مقام ہیت فیلڈ پر مقابلہ ہوا اور اڈون
 جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ اس فتح سے ایک طرف پنڈا کی تمنائیں
 پوری ہو گئیں۔ دوسری طرف اڈون کی موت سے نارتھمبریا میں باہم ایسے ساقشا
 برپا ہو گئے کہ اس کے ٹکرے ٹکرے ہو گئے۔ ڈبرٹن پر اپنا تسلط مکمل کرنے کے
 لئے پنڈا اب ایٹ ایٹلیا کے خلاف روانہ ہوا۔ ایٹ ایٹلیا نے اپنے
 سابق عیسوی بادشاہ کے عجیب و غریب مخلوط مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی
 اختیار کر لی تھی لیکن اس کے موجودہ بادشاہ سانچرٹ نے دوبارہ مذہب
 عیسوی قبول کر لیا تھا۔ پنڈا کی تہدید جنگ سے سانچرٹ تخت چھوڑ کر
خانقاہ میں جا بیٹھا مگر ۱۳۳۷ء میں پنڈا کے واقعی حملہ آوری کی خبر سنکر
سانچرٹ کی رعایا اس کی موجودگی کو خدا کی رحمت سمجھ کر اسے دوبارہ
 حجرے سے نکال لائی۔ یہ راہب بادشاہ جنگ کی صف اول میں بٹھلایا گیا
 مگر سوا عصا کے وہ اپنے پاس کسی قسم کا ہتھیار رکھنے پر راضی نہ ہوا۔
 اس کے قتل ہوتے ہی تمام فوج پراگندہ ہو گئی اور ملک نے پنڈا کی اطاعت
 قبول کر لی۔ اس دوران میں کیڈویلن، ڈیرا کے عین وسط میں برابر لوٹ مد
 کرتا رہا اور یارک تک پر قبضہ کر لیا مگر برطانیوں کی یہ نظر مندی جیسی فوری
 تھی ویسی ہی مختصر تھی۔ مختلفہ کے ایک دوسرے بیٹے اسوالڈ نے اپنی

قوم کی سرگرمی اپنے ہاتھ میں لی اور ۱۷۳۵ء میں اہل نارٹمبریا کی ایک چھوٹی سی فوج رومی دیوار کے نیچے جمع ہو گئی۔ آسوالڈ نے ایک کلزی کی صلیب بطور اپنے نشان کے نصب کر دی اور جب تک کہ غار کوہ اس کے سپاہیوں سے بھر نہ گیا اس نے صلیب کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پھر خود گھٹنوں کے بل گر کر اس نے اپنی فوج سے زندہ خدا سے دعا کرنیکے لئے کہا: برطانوی قوم کا آخری سراج، کیڈویلن اس میدان جنگ میں (جو بعد میں میدان بشت کے نام سے مشہور ہوا) لڑتا ہوا گرا اور اس کے بعد سات سال تک آسوالڈ کی طاقت نے اٹھلے تھ اور اڈون کی ہمسری کی۔

آسوالڈ کو صلیب کے لئے جنگ آزمائی کی یہ قوت پالینس کے کلیسا آئرش سے نہیں حاصل ہوئی تھی۔ پالینس خود اڈون کی شکست کے بعد نارٹمبریا کلیسا سے فرار ہو گیا تھا اور کنٹ کا رومی کلیسا بھی بت پرستی کی بازگشت کے سامنے بیکار ہو رہا تھا۔ انگلستان کے تبدیل مذہب میں رومیوں کی جگہ آئرلینڈ کے مبلغین نے لے لی تھی مگر اس تیرل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگریزوں کے ورود برطانیہ کے قبل مغربی یورپ کے آئرلینڈ تک کے تمام ممالک کلیسائے عیسوی میں داخل تھے۔ بت پرست انگریزوں کا برطانیہ کو فتح کر لینا اس اتحاد عظیم میں رخنہ انداز ہو گیا اور اسے دو غیر مساوی حصوں میں منقسم کر دیا۔ اس تقسیم میں ایک جانب اطالیہ، اسپین اور گال جا پڑے جن کے کلیسا روم کے مستقر مذہبی کے فرمان پذیر تھے اور دوسری جانب صرف آئرلینڈ اور اس کا گرجا رہ گیا۔ مگر مغربی دنیا نے مسیحی کے ان دو حصوں کی حالت ایک دوسرے سے بہت ہی متباہن تھی۔ اطالیہ، گال اور اسپین کی قوتیں محض اپنی سلاطی

کی کوششوں میں شکستہ و فسرودہ ہو گئی تھیں۔ اوصہ آئرلینڈ پر کسی حملے کی خراش تک بھی نہیں لگی تھی۔ اس تبدیل مذہب نے اس میں وہ زور پیدا کر دیا کہ بعد کو پھر کبھی اسے یہ قوت نصیب نہ ہوئی۔ استقبال مسیحیت کے لئے وہاں عام جوش اُبل پڑا اور ساتھ کے ساتھ علم و ہنر بھی بُسرعت تمام پیدا ہو گئے۔ سائینس اور علم و مذہب بڑے عظیم سے فرار ہو کر آئرلینڈ کے مشہور مدارس میں پناہ لیتے تھے جن کی وجہ سے ڈیورہ اور اراگہ مغرب کے دارالعلوم بن گئے تھے۔ نئی مسیحی زندگی نے اس زور کی ترقی کی کہ وہ آئرلینڈ کے اندر اس کا بند رکھنا ناممکن ہو گیا۔ جزیرے کے مبلغ اول پیرک کے انتقال کو نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ آئرلینڈ کی مسیحیت آتش بھجور جوش کے ساتھ اس عام بت پرستی کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑی جو مسیحی دنیا کو غرق کرتی چلی جا رہی تھی، ہالینڈ کے پکٹ اور شمالی سمندروں کے اہل فریزلینڈ کے درمیان اشاعت مذہب کے لئے آئرلینڈ کے مبلغین نے بڑی جانفشانیاں کیں۔ ایک آئرلینڈی مبلغ کولین نے برگنڈی اور کوستان اپینائن میں خانقاہیں قائم کی تھیں۔ سینٹ گال کا صوبہ اب تک اپنے نام سے ایک دوسرے آئرلینڈی مبلغ کی یاد دلا رہا ہے، جس کے سامنے سے دریا و جنگل کی پلید رو میں فریاد کناں خلیج کانٹینس کے پار بھاگ گئی تھی۔ ایک وقت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ عالم کی رفتار بدل جائیگی۔ گویا وہ قدیمی کلٹک قوم جسے رویوں اور جرمنوں نے غارت کر دیا تھا، اپنے فاتحین پر اخلاقی فتح حاصل کرنے کے لئے واپس آگئی ہے اور مغربی گرجوں کی قسمت لاطینی مسیحیت نہیں بلکہ کلٹی مسیحیت کے حیطہ عمل و اثر میں آگئی ہے۔

آسوالڈ
۶۶۲-۶۶۳

اسکاٹلینڈ کے ساحل مغربی سے قریب چٹانی سلوں کے ایک غیر آباد و
پست جزیرے پر ایک آئرش پناہ گزین کلبا نے آئیونا کی مشہور خانقاہ قائم
کی تھی۔ آسوالڈ کو لوپکن میں اسی خانقاہ کے اندر پناہ ملی تھی۔ جب وہ
تختِ نار تھمیریا پر متمکن ہوا تو اس نے اسی خانقاہ سے مبلغین طلب کئے
اس طلب پر جو پہلا شخص بھیجا گیا اسے کچھ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس نے
واپس آگریہ بیان کیا کہ ایسے خود سر اور وحشی لوگوں میں کامیابی ناممکن
ہے۔ اس پر ایک دوسرے راہب ایڈن نے جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا
پوچھا کہ ”آیا اس کا باعث ان کی خود سری ہے یا تمہاری سنت گیری
کیا تم خداوند کا حکم بھول گئے کہ انہیں پہلے دودھ دو اور پھر گوشت“
مقررہ پر تمام نظریں اس طرح پڑیں گویا وہی اس ترک شدہ تبلیغ کے کام
کو چلانے کے لئے بہترین شخص ہے۔ ان سب کے کہنے سے ایڈن سمند
کو عبور کر کے جزیرہ نما لنڈس فارن میں آیا اور اسی کو اپنا مستقر اسقفی بنایا۔
پھر وہیں کی ایک خانقاہ سے { جس کی وجہ سے بعد میں وہ مقام ہولی آئیلنڈ
(جزیرہ مقدس) کہلایا } واپسین بت پرست صوبجات میں ہر چار طرف پھیل
پڑے۔ بائبل مبلغین کا ایک مختصر سا گروہ لیکر وادی ٹوید میں گیا۔ خود
ایڈن، برنیٹھا کے کسانوں میں برہنہ پا و عطا کتا پھرتا تھا۔ نئے مذہب نے
نار تھمیریا کی پیش قدمی کے لئے تمہید کا کام دیا۔ آسوالڈ جس طرح ایک ولی
تھا اسی طرح وہ اس عزم پر بھی مستقل تھا کہ اڈون کی سلطنت کو دوبارہ
بحال کر دے۔ اسٹریٹیکانڈ کے برطانویوں پر اپنی سیادت کو دست دیکر
اور لنڈسوارا کی اطاعت حاصل کر کے وہ سکس سے دوبارہ اپنی فوقیت
تسلیم کراتے پر متوجہ ہوا۔ نئے مذہب کا قبول کرنا ہی اس کی سیادت اعلیٰ

کے تسلیم کرنیکا نشان تھا۔ برٹس نامی واعظ اس کے قبل ہی گال سے وکس میں آچکا تھا۔ شاہ وکس نے اسوالڈ کی موجودگی میں اصطیاع لیا اور اسی کی مرضی سے کنار ٹیمز کے شاہی شہر ڈارچسٹر میں اپنی رعایا کے لئے ایک مستقر استغنی قائم کیا۔ اسوالڈ کے زیر نگیں مالک اپنی دست میں شاہ سابق کی سلطنت سے کسی طرح کم نہ تھے مگر ازمہ با بعد میں اس کی یہ شاہی عظمت اس کے صلاح و تقویٰ کے قصوں میں گم ہو گئی۔ اٹھلوتھ کی جنگی شان و شکوہ اور اڈون کے عاتلانہ نظم و نسق کے ساتھ اب ایک اور جزو بھی تصور شاہی کے ساتھ مخلوط ہو گیا تھا۔ وہ اخلاقی طاقت جو الفریڈ کی ذات میں انسا کو پہنچنے والی تھی اول اول اس کا اظہار اسوالڈ کے قصے میں ہوا ہے۔ شاہی دربار میں سبلین آئرلینڈ جب خدام بادشاہی کے تبدیل مذہب کی کوشش کرتے تھے تو بادشاہ بذات خاص ان کے لئے تربان کا کام کرتا تھا۔ خدا کی عبادت و شکر گزاری میں علی الدوام مشغول رہنے سے اس کی عادت سی ہو گئی تھی کہ جہاں بیٹھتا اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر اوپر کو اٹھائے رہتا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ ایک فوجی امیر کو اپنے دروازے پر خیرات تقسیم کرنیکے لئے متعین کر کے خود استعفی ایڈن کے ساتھ خاصہ کھانے بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ امیر نے آکر عرض کیا کہ ابھی غریبوں کا ایک غول دروازے پر بھوکا کھڑا ہوا ہے، بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ اس کے سونے کا کھانا (جسے اس نے ابھی چھویا تک نہیں تھا) اٹھا کر غریبوں کو دے دیا جائے اور اس کی چاندی کی رکابی کے ٹکرے کر کے ان میں تقسیم کر دئے جائیں۔ ایڈن نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور دعا دی کہ ”خدا یا یہ ہاتھ کبھی ضعیف نہ ہو“ *

پنڈا
۶۶۶-۶۵۵

وسکس کے تبدیل مذہب کی وجہ سے بت پرستی اگرچہ انگلستان کے وسطی اضلاع کے اندر مقید ہو گئی تھی تاہم وہ اپنی بقا کے لئے یایوسا نہ جدوجہد کرنے بیمر نہ رہ سکی۔ پنڈا اس وقت تک بت پرستی کا مرکز اجتماع تھا۔ اور اگرچہ اس کا طویل عہد حکومت نے مذہب کے ساتھ مسلسل جنگ آزمائی ہی میں گذرا مگر درحقیقت یہ کشمکش اس قدر صلیب کے تفوق کے خلاف نہیں تھی جس قدر نارنمبریا کے تفوق کے خلاف تھی، اسخرا لامر ایسٹ اینگلیا دونوں سلطنتوں کی طاقت آزمائی کا میدان بن گئی۔ اسے پنڈا کے ہتھ سے نکال لینے کے لئے آموالڈ نے سارڈن میں کوچ کیا مگر جنگ ماسرفلڈ میں شکست کھا کر وہیں مارا گیا، وحشی فاتح نے اس کے جسم کے ٹکڑے کر ڈالے اور اس کے اعضائے جسم کو ستونوں پر لٹکا دیا۔ قصوں میں مذکور ہے کہ جب آموالڈ کا تمام جسم تلف ہو گیا اس وقت بھی ”وہ سفید ہاتھ“ جسے ایٹن نے برکت دی تھی سفید ہی رہا، خراب نہیں ہوا۔ فسح ماسرفلڈ کے بعد چند برس کے لئے تمام برطانیہ میں پنڈا کو ہر طرف غلبہ حاصل ہو گیا۔ وسکس نے اس کے استعلا کو اسی طرح تسلیم کر لیا جس طرح اس نے آموالڈ کے استعلا کو تسلیم کیا تھا اور شاہ وسکس نے مذہب سیوی کو ترک کر کے پنڈا کی بہن سے عقد کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیرا نے بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ صرف بریٹینیا اس کی اطاعت سے منکر رہی اور اس لئے پنڈا سنالیہ بہ سال شمال پر تباہی انگیز حملے کرتا رہا۔ ایک مرتبہ وہ شاہی شہر یعنی ناقابل تغیر کوہی قلعہ بیمبرا تک پہنچ گیا۔ حملے کے ذریعہ سے قلعے کو سہر کرنے سے ناامید ہو کر اس نے قلعے کے آس پاس کے تمام مجھو پیڑوں کو اکھاڑ ڈالا اور

ان کی لڑکیاں دیوارِ تھلے کے پاس جمع کر کے مناسب ہوا کے وقت ان میں آگ لگا دی جس سے شعلے اندر شہر تک پہنچنے لگے۔ ایڈن نے جزیرہ فارن میں اپنے راہبانہ حجرے سے دیکھا کہ دھواں شہر کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہیں سے چلایا کہ ”دیکھ اے خداوند پنڈا نے کیا خرابی برپا کی ہے“ نارٹھمبریا کے روح فوساقصے کا بیان ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ ہی ہوا کا رخ بدلا اور شعلے آگ لگانے والے ہی پر پلٹ پڑے مگر جس مذہب کو پنڈا نے اتنی بار دہرایا تھا وہ اس کے فتوحات کے باوجود پھر ہر چار طرف زندہ ہو گیا۔ جلنے اور لٹنے پر بھی برنیشیا نے صلیب کو نہیں چھوڑا۔ ایسٹ سیکسن نے ازسرنو مذہب عیسوی قبول کر لیا۔ پنڈا نے اپنے جس لڑکے کو بڈل انگلش پرستین کیا تھا اس نے بھی صطیان لے لیا اور لِنڈس فارن سے مبلنن مذہب طلب کئے۔ نئے مذہب کے مبلنن خود اہل مرسیا کے درمیان بے خوف و خطر پھرتے تھے اور پنڈا کسی طرح پر ان کا مزاحم نہیں ہوتا تھا۔ گو وہ خود آخر تک بت پرست رہا لیکن کسی اور کا رجمان نئے مذہب کی طرف دیکھتا تو بے پروائی اور اغماض سے کام لیتا۔ البتہ اپنی طبیعتاً وقارِ صداقت کی وجہ سے وہ ان لوگوں کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتا جو نیا مذہب تو قبول کر لیتے مگر اس کے احکام پر کار بند نہ ہوتے تھے۔ لیکن مشرقی ساحل پر نارٹھمبریا کے مبلنن کے قدم بہ قدم نارٹھمبریا کا غلبہ بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ اور اس وجہ سے یہ بڑھا اپنے دشمنوں پر ایک آخری ضرب لگانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ آسوالڈ کے انتقال کے بعد اُسبو اس کا جانشین ہوا تھا اور اس نے ۶۵۵ء میں دریاے وٹوئڈ

کے قریب اس بت پرست فوج کا مقابلہ کیا۔ اہل نارٹھمبریا نے زیور اور قیمتی تحفوں کے نذرانے سے پنڈا کو حملے سے باز رکھنے کی کوششیں کیں مگر یہ کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر عاجز آکر اسیو نے کہا کہ ”یہ ۶۵۵ بت پرست ہمارا ہر یہ نہیں قبول کرتے تو ہمیں یہ دہیہ اس کے حضور میں پیش کرنا چاہئے جو اسے قبول کرے“ اور اس نے عہد کیا کہ اگر وہ کامیاب ہوا تو اپنی لڑکی کو خدا کی نذر کریگا اور اپنے ملک میں بارہ خانقاہوں کے لئے جاگیریں وقف کریگا۔ فتح نے بالآخر مذہب مسیح کا ساتھ دیا۔ اہل مرسیا جس دریا سے ہو کر بھاگے وہ بارش کی وجہ سے چڑھ گیا تھا اور اس بت پرست فوج کے تمام بقیۃ السیف اس میں غرق ہو گئے۔ خود پنڈا بھی مارا گیا اور اس کے ساتھ قدیم دیوتاؤں کی خدائی بھی ختم ہوئی۔ اس ہولناک فحاشیت کے بعد کچھ زمانہ امن کے ساتھ گزرا، جنگ اسیو

۶۵۵ء

۶۳۲-۶۰۶ء

۶۵۵ء

و نوید کے بعد چار برس تک مرسیا پر اسیو کی سیادت قائم رہی مگر ۶۵۵ء میں تمام قوم نے یکبارگی شورش کر کے نارٹھمبریا کا جو اکندھے سے پھینک دیا، پنڈا کے ساتھ ہی مرسیا کی بت پرستی کا خاتمہ ہو چکا تھا اور بالفاظِ بیدا ”اس طرح آزاد ہو کر اہل مرسیا نے اپنے بادشاہ کے بطیب خاطر حقیقی بادشاہ یسوع مسیح کی خدمت گزاری کرنے لگے“ اس کے تینوں صوبے یعنی سابق مرسیا، ڈل انگلش اور لنڈسوارا، سیدا یعنی سینٹ پیڈ کی استغنی میں متحد ہو گئے۔ یہی سیدا ہے جو اب تک مرسیا کے مستقر مذہبی لٹھیڈ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ سیدا، لنڈس فارن کا ایک راہب تھا۔ اس کی طبیعت میں ایسی سادگی و فروتنی تھی کہ تبلیغ مذہب کے لئے وہ بہت لمبے سفر پاپیادہ کیا کرتا تھا، تاآنکہ اس کے آخری زمانے

اسقف اعظم تھیوڈور نے خود اپنے ہاتھ سے اسے گھوڑے پر سوار کیا تھا، اس کے قصہ مرگ میں جوش عیسوی کی شاعری کا چشمہ ابل پڑا ہے، اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسقف سینٹ میری کے گرجا کے متصل ایک چھوٹی کوٹھری میں پڑا ہوا تھا اور جب اس کا آخری وقت آیا تو گائیوالوں کی شیریں آوازیں آسماں سے اس کو ٹھری پر نازل ہونے لگیں، اور بعد ازاں وہی نغمہ چھت کے اوپر بلند ہوتا ہوا جس راہ سے آیا تھا اسی راہ سے آسمان کی طرف واپس چلا گیا۔ یہ اس کے بھائی میلنگ سٹ کی روح تھی جو سرود خوان فرشتوں کے ساتھ سیڈا کے آخری وقت میں اسے تسلی دینے آئی تھی۔ نارٹمبریا میں سیڈا کے رفقانے جو کام انجام دئے وہ کھنٹ کی شہرت و عظمت کے سامنے بالکل بے حقیقت ہو گئے ہیں۔ اُس زمانے کی نئی مذہبی زندگی پر لوینڈز کے اس پیشوائے مذہبی (کھنٹ) کے قصے سے بہتر کسی اور قصے سے روشنی نہیں پڑتی۔ اس قصے کا آغاز نارٹمبریا کے انتہائے شمال میں دیرا ہلے ٹیویٹ اور ٹویڈ کی سر زمین پر ہوتا ہے۔ کھنٹ، لیرمور کے جنوبی کنارے پر پیدا ہوا تھا اور آٹھ برس کی عمر میں اسے رینگوم کے چھوٹے سے موضع میں ایک بیوہ کے گھر میں پناہ لینا پڑی۔ اس لڑکے کے سوتے تازے بچنے کے اندر نیکین ہی سے ایک طرح کا شاعرانہ احساس موجود تھا اور کھیل کے اتفاقی الفاظ میں بھی وہ بلند خیالی پیدا کر لیتا تھا۔ کچھ زمانے بعد ایک سیاح سفید چغہ پہنے ہوئے پہاڑی کے اطراف میں آیا اور اپنے گھوڑے کو روک کر اس نے کھنٹ کے زخمی گھٹنے کو درست کر دیا۔ لڑکا اسے تورشہ سمجھا۔

گلہ بانی کی ضرورت سے اس لڑکے کو اُن سَنسان بلندیوں پر جانا پڑتا تھا جو اب تک بھیڑوں کے چراگاہ مشہور ہیں اگرچہ گھاس کی کمی کی وجہ سے پتھر کی چٹانیں کھلی نظر آتی ہیں۔ وہاں رات کو شہاب ثاقب اُسے فرشتوں کے مجمع معلوم ہوتے تھے جو اسقف ایڈن کی روح کو آہستہ آہستہ آسمان کی طرف بلجاتے تھے۔ مذہبی زندگی بسر کرنے کی خواہش بتدریج عزم مستقل سے مبدل ہو گئی اور انجام کار کھتیرٹ ان چوبی مکانات کے اندر پہنچا جو لنڈس فارن کے چند آعرش راہبوں نے لہروز کے حدود تبلیغ کے اندر ایک غیر مزوع سَنسان مقام میں بنا لئے تھے۔ آج یہ زمین سرزمین شعر و فسانہ سمجھی جاتی ہے۔ چیوٹا لہروز اٹرک، ٹیوٹیل، میرو اور ان وائرٹ قدیم نظموں اور سرحدی گیتوں کا معدن و مخزن تصور ہوتے ہیں، اس کی وادیاں زراعت سے سرسبز و آباد ہیں اور اس کی دلہلیں اخراج آب اور دخانی طاقت کی مدد سے کثرت زار بن گئی ہیں مگر کھتیرٹ کے وقت کے لولینڈز کا نظارہ کرنیکے لئے کھیتوں اور سبزہ زاروں کو مٹا کر ان کے بجائے فراخ ویرانے قائم کرنا چاہئے جن میں کیس کیس لکڑی کے چند مکانات دکھائی دیتے ہوں، جن کے راستوں میں جگہ جگہ دلہلیں ملتی ہوں اور راہ رو نیزے سنبھالے ہوئے، گھوڑوں پر سوار ہر طرف احتیاط سے دیکھتے ہوئے نظر آتے ہوں۔ کھتیرٹ نارنچیریا کے جن کسانوں میں سفر کرتا تھا ان میں سے اکثر محض برلے نام عیسائی تھے۔ انہوں نے اپنے امرا کی اتباع میں اسی طرح اس مذہب کو برلے نام اختیار کر لیا تھا جس طرح امرانے بادشاہ کی تقلید میں اسے قبول کیا تھا۔ یہ بے پردائی بھی ٹیوٹن قوم کے

خصوصیات میں سے ہے۔ مگر جدید پرستش کے ساتھ ساتھ وہ اپنے قدیم توہمات پر بھی قائم تھے۔ دبایا مصیبت کے وقت وہ اپنی بت پرستی کے منہوں اور توہیدوں ہی پر اعتماد کرتے تھے اور ان عیسائی واعظوں پر جو ان کے درمیان آکر رہ گئے تھے اگر کوئی مصیبت آجاتی تو وہ اسے اپنے سابق دیوتاؤں کے غضب کا ثبوت سمجھتے تھے۔ اگر شہتیروں کا کوئی چوگھڑا دہاڑہ دریا پر کی خانقاہ کی تعمیر کے واسطے ٹائن پر بہتا ہوا آ رہا ہو اور اتفاقاً کھینے والے راہوں سمیت سمندر میں بہ جائے تو قریب کھڑے ہوئے دھقان چلانے لگتے تھے کہ ”کوئی ان کے لئے دعا نہ کرے نہ کوئی ان لوگوں پر رحم کرے انہوں نے ہماری قدیم پرستش سے ہمیں جدا کر دیا ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ ان کے انوکھے طور طریقوں کی کیونکر پابندی کی جائے“ ان خیالات کے لوگ تھے جن کے درمیان کھمبرٹ کبھی سوار کبھی پیدل مارا مارا پھرتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ انہیں دور افتادہ کوہی قصبات کو پسند کرتا تھا جن کے اکھڑ پن اور غربت کی وجہ سے دوسرے مبلین وہاں جانے سے گریز کرتے تھے۔ اس قصبہ پر قصبہ گشت میں اسے اپنے آئرلینڈی رفقا کے مانند تر جان کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کفایت شعار لبے سروں والے اہل نارتھمبریا بخوشی تمام اس شخص کا بیان سنتے تھے جو خود بھی انہیں کے مانند لولینڈز کا ایک کسان تھا اور جس نے نارتھمبریا کا لب و لہجہ لویڈ ہی کے کناروں پر سیکھا تھا۔ کھمبرٹ کا ضبط نفس، اس کی خوش طبعی، اس کا دل کش ہنر یہ سب اس کے مساوی تھے اور اس اعتبار سے اس کا قوی جیشہ بھی (جو اس کی جدید سخت زندگی کے مناسب حال تھا) کچھ کم موثر نہیں تھا۔ جب کسی ویرانے میں رات ہو جاتی اور اس کے ہمراہیوں کو کچھ کھانے کو نہ ملتا تو

وہ کہا کرتا تھا کہ مجھنے خلوص کے ساتھ خدا کی پرستش کی ہے وہ کبھی بھوکا نہیں
 مرے۔ اپنے سر کے اوپر اس عقاب کو دیکھو اگر خدا کو منظور ہے تو وہ میں
 اسی کے ذریعے سے رزق دے سکتا ہے۔ اور ایک بار تو واقعی ایسا ہی ہوا
 کہ اس سیرک جانور نے ایک پھیلی گرا دی اور گھنٹہ بٹ نے اسی پر آکٹا کی
 ایک مرتبہ قافٹ کے کنارے پر طوفان برت سے اس کی کشتی یہ گئی۔
 اہل کشتی داویلا چمانے لگے کہ ”ساحل کا راستہ برت سے رکا ہوا ہے اور
 سمندر کی راہ میں طوفان حائل ہے“ گھنٹہ بٹ نے کہا کہ ”بہشت کا بھی ایک
 راستہ ہے اور وہ ابھی کھلا ہوا ہے۔“

جس زمانے میں مبلغین نارتھ ہبر کے کسانوں میں اس قسم کی کوششیں کیڈمن
 کر رہے تھے اسی زمانے میں کچھ خانقاہیں ایسی بھی قائم ہو گئی تھیں جو
بینڈکٹ کے سخت قواعد کی پابند نہ تھیں بلکہ کلٹ کے سہل السل خانمانی
 یا قبائلی انداز پر ان رؤسا و متہولین کے گرد جمع ہو گئی تھیں جو زہ و
 ترک میں وقت بسر کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر
 و دولتمند خانقاہ اسٹریوٹیش کی تھی جہاں شاہی نسل کی ایک بیگم ہلڈ
 نامی نے شمالی سمت کے مقابل ہوٹھی کی بلند تاریک چٹانوں پر اپنی ایک
 خانقاہ قائم کی تھی۔ امرا و ملوک تک اس کی مشورت کے خواہاں رہتے
 تھے اور اس کے زیر فرمان یہ وسیع خانقاہ استغفوں اور راہبوں کی تربیت
 بن گئی تھی۔ جان بورلی کا سامقدس شخص اسی خانقاہ کا تربیت یافتہ تھا
 مگر فی الواقع جس شخص کے نام نے ہوٹھی کو چمکا دیا وہ کیڈمن تھا جس کا تین شلڈ
 گروہ مذہبی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس کے لبوں سے پہلی
 بڑی انگریزی نظم نکلی ہے۔ اس کی عمر اگرچہ زیادہ ہو گئی تھی مگر اس زمانے

کے فن شعر گوئی سے اسے مطلق مس نہ تھا۔ دعوتوں کے موقع پر جب لوگ خوش طبعی کی طور پر باری باری سے گاتے تو کیڈمن ستار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میز سے اٹھتا اور کسی طرف چل دیتا۔ ایک مرتبہ جب ایسی ہی صورت پیش آئی تو وہ دعوت سے اٹھ کر اہطلیل میں چلا گیا۔ کیونکہ اس رات کے لئے موشیوں کی ہگرانی اس کے ذمہ تھی۔ یہاں سے خواب میں ایک شخص نظر آیا جس نے نام لیکر اس کو سلام کیا اور کہا کہ ”کیڈمن مجھے کچھ گانا سناؤ“ کیڈمن نے جواب دیا کہ ”مجھے گانا نہیں آتا اور اسی وجہ سے دعوت چھوڑ کر یہاں آیا ہوں“ منکلم نے جواب دیا کہ ”کچھ بھی ہو تمہیں گانا سنانا پڑیگا“ کیڈمن نے پوچھا کہ ”آخر میں کیا گاؤں“ جواب ملا کہ ”مخلوقات کی آفرینش کا گیت گاؤ“ صبح کو اس نے ہلڈ سے اپنا خواب بیان کیا اور ریڈ خانقاہ اور تمام لوگوں نے اس سے یہی نتیجہ نکالا کہ ”خداوند نے اس پر آسمانی رحمت نازل فرمائی ہے“ ان لوگوں نے کیڈمن کے لئے کتاب مقدس کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ کیا اور اس سے کہا کہ ہو سکے تو اسے نظم کرو“ دوسری صبح کو اس نے اس ٹکڑے کو ایک اچھی نظم کی صورت میں پیش کر دیا۔ ریڈ خانقاہ نے سمجھ لیا کہ اس شخص پر ضرور خدا کی رحمت ہے اور اسے حکم دیا کہ ”اب دنیاوی طریق کو ترک کر کے خانقاہی زندگی اختیار کرو“ کیڈمن نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس مقدس قصے کو نظم کیا۔ ”عالم کی تخلیق“ انسان کی ابتدا بنی اسرائیل کی پوری تاریخ، مصر سے اُن کا خروج، ارض موعودہ میں ان کا داخلہ، عیسیٰ کا القام، ان کی حیات دنیاوی و رحمت اور ان کا صعود آسمان، قیامت، مصائب و دوزخ، نعیم بہشت ان سب چیزوں کو

اس نے نظم کر ڈالا *

انگریزی
گیت

کسی شخص کے منہ سے اس طرح نظم کا ایک بیک جاری ہو جانا اس زمانے کے لوگوں کو لازماً ایک آسانی نئے معلوم ہوتی تھی۔ دوسروں نے بھی اس کے نتیجے میں مذہبی اشعار کہنے کی کوششیں کیں مگر کوئی اس کی برابری نہ کر سکا، کیونکہ اُسے فن شاعری نہ انسان سے اور نہ انسانی طریقے سے بلکہ خدا سے حاصل ہوا تھا۔ فی الحقیقت کیڈمن نے انگریزی گیت کی ظاہری حیثیت میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔ نظموں کا مجموعہ جو اس کی طرف منسوب ہے وہ زمانہ بعد کے دیسٹیکین ترجمے کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے اور اگرچہ ناقیدین حال کے نزدیک ابھی تک ان نظموں کی تصنیف کی اصلیت مشتبہ ہے مگر اس قدر مسلم ہے کہ وہ متعدد مصنفین کی تصنیف کردہ ہیں۔ بہر حال یہ نظم کیڈمن کی ہو یا اور شاعروں کی مگر وہ بہت زور دار اور صنعت تجنیں سے آراستہ ہے جس میں نہ اراداً فن کو دخل دیا گیا ہے نہ اس کی حک و اصلاح کی گئی ہے اور نہ اس میں تخیلی نظموں کی سی سرور انگریزی ہے۔ وہ ایک رواں سادہ نظم ہے جس کے پڑھنے کے بعد حسن شاعری سے زیادہ اس کے زور و قوت کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ حسن شاعری جو کچھ ہے وہ بھی استعارات و اغلاق میں پوشیدہ ہو گیا ہے؛ اس کا انداز صاف جنگ آوروں کے رجز کا سا معلوم ہوتا ہے یعنی مختصر بد جوش جذبات کا مختصر بد جوش اظہار۔ ان ابتدائی نظموں میں تصویر پر تصویر فقرے پر فقرے روانی، درستی و زور کے ساتھ بہیم چلے آتے ہیں؛ جوش اندرونی و ضبط کی وجہ سے بھر تک نا تلامح ہو گئی ہے۔ نظم کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے

کہ گھسان لڑائی میں تلوار کی ضربیں پڑ رہی ہیں۔ مظاہر قدرت کے بیان کا شوق اور اُداسی کی چاشنی جس سے انگریزی نظم میں درد پیدا ہو گیا ہے ایسے صفات ہیں جو اس شاعر کے سوا صرف متقدمین کے کلام میں پائے جاتے ہیں مگر اب مذہب عیسوی کے اثر نے تخیل کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا تھا۔ انوار علویہ کے افسانے اور بیڈا کی ”داستان کبشک“ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی طبائع مذہب عیسوی کے لئے کس قدر مناسب تھیں۔ اس کے عقائد کا ابہام، انسان اور عالم کے اسرار اس کا انسانی تجربہ و حیات کے تنگ دائرے کو بے حقیقت سمجھنا اور اُس سے بالاتر پرواز کرنا یہ سب باتیں ایسی تھیں جو انگریزوں کے دلوں پر اثر کرنے والی تھیں۔ کیڈمن نے اس جدید شاعرانہ تخیل کو اپنی مشہور نظم میں قدیم طرز شاعری کے ساتھ سمو دیا ہے۔ اس نظم کے مختلف حصوں میں یونانی تخیل کا ابہام اور بلند پروازی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ عبرانی افسانے بھی اُس کے آگے پہنچے ہیں۔ اور وہ دونوں کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے کہ گویا وہاں ظلمت ہی ظلمت ہے۔ ہر طرف شعلے بھڑک رہے ہیں اور صرف صبح کے وقت سرد مشرقی ہوا کے جھونکے چل جاتے ہیں اور اس کے فرش پر نافرمان فرشتے بندھے پڑے ہیں۔ برسن قوم کے نور طبع اور اُس کی شخصی قوت و قدرت کے احساس نے انگریزی نظم میں عبرانی ”منوی“ کو باغی شیطان کی شکل میں بدل دیا جو خدا کی اطاعت کو حقارت سے دیکھتا ہے اور اپنی لعنت کے عذاب میں کہ اُلٹتا ہے کہ ”میں بھی ایسا ہی خدا برکتا ہوں جیسا وہ ہے۔ کسی نفع کے خیال سے اس کی منت سماجت کرنا عیب سمجھتا ہوں“ اس مردود نے جس پر غیظ طریقے سے دل کا بخار نکالا

ہے اس میں بھی ہم وہ نیا درد و گداز پاتے ہیں جو اہل شمال کی افسردگی طبع انگریزی شاعری میں پیدا کرنے والی تھی۔ وہ کتا ہے کہ ”سارا رنج مجھے اس بات کا ہے کہ آدم جو مٹی سے بنا وہ میری سند پر جلوہ افروز ہو۔ زندگی مسرت و شادمانی میں بسر کرے اور ہم عذاب کے دکھ سہیں۔ کاش سرما کی ایک ساعت کے لئے بھی مجھے قدرت حاصل ہوتی تو اپنے اس گروہ کو لیکو... لیکن افسوس! ہر طرف میں لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں اور یہ قید میرے لئے عذاب الیم ہے۔“ دوسری جانب جس عیسوی خدا کا اعتقاد یوں کی جد و جہد و خونریزی کے بعد حاصل ہوا تھا، اس کی حمد و ثنا پر جوش و کوشش منوں میں گائی جاتی ہے، شاعروں کو جس طرح ان کے زمانے کے واقعات نے عمدتیت کی تاریخ اور اس کی جنگ و جدل اور بادیہ پیمانی کے قریب کر دیا تھا۔ اسی طرح خود شاعروں کی طبیعت و تخیل نے انہیں قدیم عبرانی جوش و ولولے تک پہنچا دیا تھا ”فرعون کی فوج کے آس پاس شام کے وقت بھیڑیوں کی ہولناک آواز اسی طرح سنائی دیتی ہے رات کی سہم لکھائے ہوئے بیتاب طیور جنگ اسی طرح شور مچاتے ہیں“ جس طرح پنڈا کی فوج کے آس پاس بھیڑنے چلاتے اور عقاب چینیے تھے۔ غرض ہر طرف اس نئے عظمت و جلال اور جوش بیان کے آثار نظر آتے ہیں جو جرین قوم اس مشرقی مذہب کے اندر پیدا کرنے والی تھی۔

ہوٹھی کی
جلس مذہبی

مگر کیڈمن کی شعر گوئی سے بھی پہلے ایک باہمی مناقشہ کی وجہ سے نارٹمبریا کا عیسوی کلیسا دو فرقوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ اس قضیے کا تصفیہ اسی خانقاہ ہوٹھی میں ہوا تھا جس میں کیڈمن رہتا تھا۔ ایڈن کی جانفشانی اور آسوالڈ و امیو کے فتوحات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان آئرلینڈی

گرجا میں ضم ہو جائیگا، لیڈس فارن اور ان جدید خانقاہوں کے راہب جو لیڈس فارن کے بعد قائم ہوئیں مذہبی روایت و تقلید کے لئے روم کی طرف نہیں بلکہ آئرلینڈ کی طرف نظر ڈالتے تھے۔ اور اپنی ہدایت کے لئے گرگری کے نہیں بلکہ کولبا کے احکام سے استدلال کرتے تھے۔ کینزبری کا مستقر بھی اپنی فوقیت کا تمام کلیسائے انگلستان پر جو کچھ بھی اثر ڈالتا رہا ہو مگر شمالی انگلستان کے کلیسے کا حقیقی مقتدا آئرلینڈ ہی کا رئیس خانقاہ تھا۔ مگر جب امیو کی ملکہ کنٹ سے نارہمبیریا میں آئی تو وہ رومی مستقر مذہبی کی وفا شاری بھی اپنے ساتھ لائی اور مٹا ایک رومی فریق اس کے ساتھ ہو گیا۔ اسے اپنی کوششوں میں دو نوجوان امراء شاہی کی تائید بھی حاصل ہو گئی جن کا عشق روم کے ساتھ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ولفرڈ (ساکن یارک) کی ساری عمر روم و انگلستان کے آنے جانے میں صرف ہوئی۔ نارہمبیریا کے گرجے پر روم کے حق اطاعت ثابت کرنے میں، اس نے عجیب کارناماں دکھائے مگر ناکامیاں بھی ویسی ہی عجیب تھیں۔ بندکٹ بکاپ نے بھی اس مقصد میں کوششیں کیں لیکن اس کی کوششیں زیادہ خاموش طریقے کی تھیں۔ ویرمٹھ کے رہبان روم کے مطیع تھے، بکاپ چاہتا تھا کہ وہاں ایک بڑا گرجا اور خانقاہ قائم ہو جائے۔ اس غرض کے حصول کے لئے وہ کتابیں، آٹھار سلف اور ہوشیار سماروں اور مصوروں کو لئے ہوئے بار بار سمند پار آتا اور جاتا رہا۔ کشتی میں وہاں کے رہبان بکاپ کی گرگری میں پہلی بار شہنشاہی شہر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے وہاں سے جلد واپس آکر بکاپ نے آئرلینڈی طریقوں کے خلاف ایک نامتناہی سلسلہ غلطی کا جاری کر دیا۔ اس کے بعد ہی ولفرڈ آیا اور اس کی متعدد کاری سے

بہت جلد اس تنازع کے قطعی طور پر طے ہو جانے کی صورت نکل آئی۔ ان دونوں فریقوں کے مناقشات اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ بالآخر اسیو کو مجبور ہو کر ۱۶۶۴ء میں یہ مقام ہوئی ایک بہت بڑی مجلس طلب کرنا پڑی تاکہ اس امر کا فیصلہ ہو جائے کہ انگلستان کا کلیسا آئندہ کس مستقر کے تابع رہیگا وہ اصل مباحث جن پر گفتگو ہوئی بہت ہی مختصر امور تھے۔ کولین نے (جو ہولی آئلیڈ میں ایڈن کا جانشین تھا) اہل آئر لینڈ کے بال تاشنے کی طرز اور اگلے عید الفصح مناسیکے وقت کی حمایت میں گفتگو کی۔ ولفرڈ نے روم کی وکالت کی۔ ایک مناظر کولمبا کی سند لاتا تھا اور دوسرا سنٹ پیٹر کی آخر بادشاہ کولین سے مخاطب ہو کر بولا کہ تمہیں یہ تو تسلیم ہے کہ عیسیٰ نے بادشاہی بہشت کی کنجیاں پیٹر کو دی ہیں لیکن کیا انہوں نے کولمبا کو بھی کوئی ایسا اقتدار عطا کیا ہے؟ اسقف کو سوائے انکار کے بس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ اس پر اسیو نے کہا کہ پھر میرے لئے یہی بہتر ہوگا کہ دربان بہشت کی اطاعت کروں تاکہ ایسا نہ ہو کہ جب میں بہشت کے دروازے پر پہنچوں تو کلید بردار میری طرف سے پیٹھ پھیر لے اور کوئی میرے لئے دروازہ کھولنے والا نہ ہو۔ لندس فارن میں اسیو کے فیصلے کی اہمیت پر کبھی شک نہیں کیا گیا اور کولین مع اپنے تمام آئرش نژاد بھائیوں اور تیس انگریزی متبعین کے ایڈن کے مستقر مذہبی کوچھوڑ کر آئیونا چلا گیا۔ اگرچہ واقعی بنیاد تقریق جس کی وجہ سے آئرش گرجا رومی گرجا سے جدا ہو گیا، فی نفسہ نہایت ہی خفیف تھی مگر یہ سوال کہ نارٹمبریا کس اتحاد مذہبی میں شریک ہو، انگلستان کے واقعات مابعد کے لئے نہایت ہی اہم تھا۔ اگر انجام کار میں ایڈن کے فرقے کو کامیابی ہو گئی ہوتی تو انگلستان کے زمانہ مابعد کی تاریخ مذہبی غالباً

آئرلینڈ ہی کی تاریخ کے مشابہ ہوتی۔ رومی گرجا کی بڑی قوت اس کی انتظامی قابلیت میں تھی۔ لیکن کٹھی گرجا اس سے محروم تھا۔ لہذا اُس نے آئرلینڈ میں حکومت مذہبی کی بنا ملک کے رواج کے مطابق قبیلہ وار طریق پر قائم کر دی تھی۔ تباہی تنازعات اور مذہبی اختلافات اس طرح ایک دوسرے میں مل گئے تھے کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ مذہبی فرقہ ہر قسم کے روحانی اثر سے محروم ہو کر اس کے سوا کسی نصرف کا نہ رہا تھا کہ سلطنت کی بد نظمی میں ایک اور جزو کا اضافہ کر دے۔ ازمنہ مابعد کے آئرلینڈی گرجا کی تصویر اگر ہم دیکھیں تو ہمیں نظر آئیگا کہ سیکڑوں اساتذہ سرگشتہ پھر رہے ہیں۔ خاندانی سواروں کے اقتدارات مذہبی بیحد و غایت وسیع ہو گئے ہیں۔ تقدس مذہبی کو اطلاق سے کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ مردمی و مروت کی ان اعلیٰ و افضل خوبیوں کا کہیں پتہ نہیں ہے جو صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کہ انسان ایک محدود دائرہ سے نکل کر وسیع دنیا پر نظر ڈالتا ہے۔ ہوبی کی مجلس مذہبی میں روم کی فتح نے انگلستان کو جس بد نظمی سے بچا لیا وہ یہی ہولانی حالت تھی۔ کلیسائے انگلستان کو آج جس حالت میں ہم دیکھتے ہیں اس کی خارجی اہمیت تمام تر ماسس کے ایک یونانی راہب تھیوڈور کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ ہوبی کی فتح کے بعد ۶۶۴ء میں تھیوڈور، روم کی جانب سے گینٹزبری کا استغف اعظم مقرر ہو کر آیا تاکہ وہ اپنے تلامذہ سے انگلستان پر کلیسائے روم کا تسلط مستحکم کر دے۔ انگریزی قوم کی تاریخ ماسبق سے تھیوڈور کے کام کی داغ بیل چڑھی تھی۔ جن قوموں نے بر اعظم یورپ کو فتح کیا تھا ان میں کچھ تو گاتھ کے مانند پہلے ہی سے عیسائی تھیں اور جو بت پرست تھیں انہوں نے بھی مثل فرینک کے مشفقہ قوموں کے مذہب مسیحی کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ رومی

دینا کا نظم و عمل جو کچھ بھی باقی رہ گیا تھا وہ منشاہی کے جرمن حملہ آوروں اور ان کی رومی رعایا کی اسی ہم مذہبی کا نتیجہ تھا۔ گر جا سے کہیں بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ مسیحی اسقف اگاتھ اور لمبارڈ کے مقابل میں مفتوح اہل اطالیہ و گال کے محافظ بن گئے۔ جرمن اور ان کی رعایا کے درمیان یہی اسقف دریائی اشخاص کا کام دیئے اور انہیں فاتحین کی دشنام و ظلم و تعدی سے بچانے لگے۔ خود دشمنوں کے لئے بھی یہی لوگ گذشتہ غفلت و توقیر کے قائم مقام اور اس کے قانون و علم و ہنر کی زندہ یادگار رہ گئے تھے۔ لیکن برطانیہ میں صورت معاملات بالکل ہی دگرگوں تھی۔ یہاں عام باشندگان ملک کے ساتھ اہل مذہب کا بھی استیصال کر دیا گیا تھا۔ تھیوڈور جب کیلسائے انگلستان کی ترتیب دہی کے لئے آیا تو بعدِ قدیم کے برطانوی گر جا کی یاد تک مٹ چکی تھی۔ اب دو بارہ اس بت پرست ملک میں اول اول جو مسیحی مبلغ آئے وہ بالکل اجنبیوں کی حیثیت سے آئے اور ضرورتاً انہوں نے پہلے بادشاہوں کے درباروں سے تعلق پیدا کیا کیونکہ وہی سب سے لوں ایمان لانیوالوں میں تھے۔ اور انہیں کی اقتدا میں رعایا بھی عام طور پر اپنا مذہب تبدیل کر دیتی تھی۔ اس لئے ابتداً بادشاہ کے پیش نماز ہی انگلستان کے اسقف ہوا کرتے تھے اور لازماً ان کا حد اثر بادشاہ کے حدودِ ولایت سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ کینیڈہری کا مذہبی اثر سلطنتِ کنت کے اندر محدود رہتا تھا اور یارک کا دائرہ اثر حدودِ نارٹھمبریا تک ہوتا تھا۔ اس طرح پر موجودہ مستقر ہائے مذہبی کی حدود میں ایک گونہ ان قدیم سلطنتوں کی یاد باقی رہ گئی ہے۔ تھوڈے ہی زمانے قبل تک روجسٹہ کا مستقر مذہبی ایسٹ کنت کی ایک از یاد رفتہ سلطنت کا قائم مقام تھا اور علیٰ ہذا پھیلتا

کے قدیم استغنی نقتے سے اصل سلطنت مرسیا کی سرحد کا پتہ چل سکتا ہے۔
 قیسوڈور کا پہلا کام انہیں حدود مذہبی کا منضبط کرنا تھا۔ دوسرا کام اس نے یہ
 کیا کہ قدیم مستقر ہائے اساقفہ میں جدید مستقروں کا اضافہ کیا اور سب کو
 کینٹربری کے ایک مرکز کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ انگلستان اور آئرش کلیسا کے
 درمیان ہر قسم کے تعلقات یک قلم توڑ دئے گئے۔ کولین اور اس کے رفقاء
 کے چلے جانے سے لِنڈِس فارن گم نام و بے نشان ہو گیا۔ نئے پیشوایان
 مذہبی مجلس پر مجلس منعقد کر کے اپنے ایک مقتدائے اعظم کے اقتدار کا اعلان
 کرتے رہے۔ اساقفہ کے حدود معین ہو جائیکے بعد آئندہ کے سو برس ضلوع
 کی مذہبی ترتیب دہی میں صرف ہوئے۔ جب تک ملک میں عیسائیت عام
 نہیں ہوئی تھی اُس وقت تک قیس و اسقف تبلیغ مذہب اور اصطبلغ دہی
 کے لئے خانقا ہوں سے نخل نخل کر سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ اسی ضرورت سے
 لِنڈِس فارن سے ایڈن اور ٹروز سے کمبرٹ نخل کر گشت لگاتے رہے مگر تمام
 ملک کے عیسائی ہو جائیکے بعد تبلیغی مقامات کا یہ نامربوط طریقہ طبعاً ناپید ہو گیا
 سلیٹن نے مستقل پاڈریوں کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور جس طرح بادشاہ کے پیش
 نماز (چیپ لین) اسقف ہو گئے اور سلطنتیں ان کے مذہبی احاطہ اقتدار میں
 آگئیں اسی طرح انگلستان کے ایروں اور رئیسوں کی جاگیریں مذہبی علاقے ہو گئیں
 اور ان کے پیش نماز ان علاقوں کے قیس بن گئے۔ زائدہ ابا بعد میں مذہبی فرقہ
 کے لئے مستقل وقف کی صورت یہودیوں کے طریق عشر کی تجدید اور اعراض مذہبی
 کے لئے سالانہ پیداوار زمین کا دسواں حصہ نذر کرنے سے پوری ہو گئی اور
 خود فرقے کے انزگانہ و کفارے کے تفصیلی ضوابط سے انضباط پیدا کیا
 گیا۔ اس ضابطے میں اصول مکانات جو ٹیوٹنی قانون کا سنگ بنیاد ہے

خدا و روح کے تعلقات میں داخل ہو گیا تھا *

انتظامات مذہبی، مستقر ہائے استغنی کے اضافے اور ان کی ترتیب دہی ان ^{مرسیا} سب کو کینٹبری کے ایک مرکز پر جمع کرنے، قومی مجالس مذہبی کے انعقاد ^{ولفیک} اور قوانین دینی کے اجراء سے تھیوڈور درحقیقت بلا ارادہ ایک طرح کی سیاسی خدمت انجام دے رہا تھا۔ اس کے ارد گرد کی سلطنتوں اور قبیلوں کی تقیم تقیم جو زیادہ تر محض اتفاقات فتح سے قائم ہو گئی تھی تیزی کے ساتھ ٹوٹتی جاتی تھی اور اس وقت تک چھوٹی چھوٹی سلطنتیں عملی اعتبار سے تین بڑی سلطنتوں میں جذب ہو چکی تھیں اور ان تینوں میں بھی ^{مرسیا} اور ^{وسکس} نے کچھ دنوں کے لئے نارتھمبریا کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ اتحاد قومی کا وہ رجمان جوئے انگلستان کی خصوصیت ہونیوالا تھا، ایک حد تک ظاہر ہو چکا تھا، مگر اس اتحاد کی بنیاد اب تک صرف تلوار کے زور پر قائم تھی تھیوڈور کے طرز عمل نے اسے ایک مقدس لباس میں جلوہ گر اور مذہبی تصدیقات سے آراستہ کر دیا۔ کینٹبری میں ایک واحد مقدس مذہبی کے استقلال سے لوگ اس خیال کے عادی ہو گئے کہ حکومت ملک کے لئے بھی ایک ہی اعلیٰ حکمراں ہونا چاہئے۔ خواہ اس کا تخت گاہ یارک میں ہو (جیسا ازمنہ باہد میں ہوا) یا پھینیلڈ یا ڈچسٹر میں کیلیسا کے نظم و نسق میں قیاس کا باقاعدہ استغنی کی اطاعت کرتا، اسقف کا اسی طرح مقتدائے اعظم کے تابع ہونا، سلطنت دنیاوی کے لئے ایک نمونہ بن گیا جس کے موافق ملکی نظم و نسق مرتب ہوتا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تھیوڈور نے جو مجلسیں منعقد کیں وہ عام قانون سازی کے لئے تمام قومی اجتماعات میں سب سے مقدم تھیں۔ اس کے بہت بعد یہ ہوا کہ ^{وسکس}، نارتھمبریا، یا ^{مرسیا} کے عقلا تمام انگلستان کی ایک مشترک مجلس عقلا میں

جس ہونے لگے۔ ان مذہبی مجالس نے انگریزی پارلیمنٹ کے لئے اسی طرح مثال قائم کی جس طرح ان مجالس کے قوانین نافذہ نے انگریزوں کے لئے طریق قانون سازی کا راستہ صاف کیا۔ لیکن اگر کلیسا کے رجحانات مرکزیت سے آگے قومی کی تحریک میں ترقی ہو رہی تھی تو ایک دوسری طاقت کے عروج سے اس میں رکاوٹ بھی پیدا ہو گئی جو نارتھمبریا کی رقیب تھی۔ مرسیا، اسیو کے علی الرغم ولغیر کو اپنا بادشاہ منتخب کر کے اس غلامی سے نکل آئی تھی جس میں وہ پنڈا کے زوال کے بعد مبتلا ہو گئی تھی۔ ولغیر ایک مستعد اور زبردست حکمران تھا، اور اسیو کے امن پسند عہد حکومت میں اسے پوری طرح موقع مل گیا کہ پنڈا کے مرنے سے مرسیا کی طاقت میں جو ضعف آ گیا تھا، اسے اپنی شانزدہ سالہ کار فرمائی کے زمانے میں رفع کر دے۔ سنٹرل برٹن (وسط برطانیہ) میں پنڈا کی مملکت کے وہ حصے جو ہاتھ سے نکل گئے تھے بت جلد واپس مل گئے اور ولغیر کی سلطنت نہ صرف سیورن تک وسیع ہو گئی بلکہ دریائے ڈالی کی نشیبی وادی بھی اس میں شامل کر لی گئی۔ ولغیر کو اپنے باپ سے بھی زیادہ کامیابی نصیب ہوئی؛ ۱۱۶۱ء میں ویسٹ سیکسن پر ایک بڑی فتح حاصل ہو جانیکے بعد اس کی ماتحت و تاراج وکس کے قلب تک پہنچ گئی اور وادی ٹیزاں کی فوج کی جولان گاہ بن گئی۔ مشرقی جانب ایسٹ سیکسن اور لندن نے اس کی قوت کو قبول کر لیا اور جنوب کی طرف وہ دریا سے گذر کر سرے تک بڑھ گیا۔ اسی سال (۱۱۶۱ء) میں سکس نے بھی غالباً ویسٹ سیکسن کے خوف سے اسی میں اپنی خیر سبھی کہ ولغیر کی سیادت اعلیٰ کو تسلیم کر لے۔ اس صلے میں جوٹ کی دو دور افتادہ آبادیاں (جزیرہ ڈانٹ اور میون وارہ واقع کنار ساڈیٹھ اینٹن ڈائر) شاہ سکس کو عطا کی گئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان

آبادیوں کو افواج مرسیا نے پہلے ہی مطیع کر لیا تھا۔ پس جس وقت تھیو ڈورہ انگلستان میں وارد ہوا ہے اس وقت ہمہرے آبنائے برطانوی تک اور غرباً دریائے وائی تک مرسیا کا غلبہ تھا اور یہی اس وقت میں برطانیہ کا خاص سیاسی واقعہ تھا؛ حقیقت یہ ہے کہ سترہویں صدی میں اسی کے انتقال کے بعد ناگزیراً نے برطانیہ کی وسطی و جنوبی رقیب سلطنتوں کو پامال کر نیکا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا تھا۔

مرسیا کی حرفتی ترقی بھی اس کی فوجی ترقی کے قدم بہ قدم بڑھ رہی تھی۔ مرسیا کی راہوں کی نو آبادیاں اس کی مغربی سرحد کے جنگلوں اور ساحل کی دلدلوں کو صاف و خشک کر رہی تھیں؛ ان کی کامیابی سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ مرسیا کے باشندوں پر مسیحیت اب کس حد تک حاوی ہو چکی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ مغربی جنگلات میں بت پرستی ابھی تک اپنے قدم جمانے ہوئے تھی۔ اگوائن (اسقف و وٹسر) نے اپنے قصوں میں دیوزادوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کے ہتھیاروں کی جھنکار سے واعظوں کی آوازیں دب جاتی تھیں شاید یہ دیوزاد واڈن کی پریش کرینولے اسی آسٹر کے کان کن تھے۔ مگر ان کے ہتھیاروں کے باوجود بھی اگوائن کا وعظ بے اثر نہیں رہا اور اپنے پیچھے ایک مستقل نشان چھوڑتا گیا۔ اسقف نے سنا کہ ایک سور چرانوالا گھنے جنگلوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا اور وہاں اس نے دیکھا کہ چند شکلیں ایک پڑ اسرار جھانسی کے گرد بیٹھی ہوئی جناتی گیت گاد رہی ہیں۔ شاید یہ شکلیں قدیم تمدن دیو مالا کی تین خوبصورت عورتوں کی رہی ہوں مگر اس کے داہہ میں ان خوبصورت عورتوں نے مادر سینی کی صورت اختیار کر لی۔ پھر کیا تھا بہت جلد اس سنان میدان میں حضرت مریم کے نام کی ایک خانقاہ تعمیر

ہو گئی اور اس کے زیر سایہ ایک شہر آباد ہو گیا۔ یہی وہ شہر ایوشیم ہے جو زمانہ مابعد میں سیمن (ارل لیٹر) کی شکست کی وجہ سے مقدس بن گیا۔ مغرب کے جنگلوں سے بھی زیادہ ویران سلطنت کی مشرقی سرحد کا دلہلی ملک تھا۔ یہ حصہ لکنشاؤز کی نشیبی زمین سے آبنائے اوز تک پھیلا ہوا تھا اور پایاب چشموں اور نرکل کے جزیروں کا ایک ویرانہ تھا جس پر ہمیشہ کمر کی نقاب پڑی رہتی تھی اور صرف جنگلی پکھیر دیاں رہا کرتے تھے۔ شاہ ولفیر کی فیاضی سے اس مقام پر ڈشیم اسٹڈ کی خانقاہ تیار ہو گئی۔ یہ وہی مقام ہے جو اب پڑسبرا کہلاتا ہے۔ اس کی شمالی سرحد پر ایک زاہر بولف نے ایک چھوٹا سا گھر بنا لیا تھا جو مرور ایام سے بڑھتے بڑھتے قصبہ بولف بنے بوسٹن ہو گیا۔ اسیو کے بعد ۱۰۷۱ء میں آگرفٹھ تختِ نارٹھمبریا کا مالک ہوا۔ اس کی ملکہ آٹھمٹھ نے اسی ویران دلہلی ملک میں الی کی خانقاہ قائم کی۔ یہیں پر شاہی خاندان مرسیا کا ایک فوجان گھنٹک دنیا سے کنارہ کش ہو کر کراؤ لینڈ کے گوشہ تنہائی میں آ بیٹھا اور اس درجہ سے تقدس حاصل ہوا کہ مرنیکے دوہی برس کے اندر اندر اسکی قبر پر کراؤ لینڈ کی شاہانہ خانقاہ تیار ہو گئی۔ اس مکان کی کمری کے لئے سٹی کشتیوں میں بھر بھر کر آئی تھی اور دلہلی زمین پر شاہ بلوط کے ستون نصب کر کے اس پر عارت قائم کی گئی تھی۔ زاہر کے حجرے کے بجائے ایک سنگین گرجا بن گیا اور نئے برادران مذہبی کی محنت نے اس پاس کے تالابوں کو شاداب سبز زاروں سے بدل دیا۔ مگر جس زمانے میں مرسیا وسط برطانیہ پر اپنا تسلط جما رہی تھی حکمرانی اور جنگ آوری کے معاملے میں نارٹھمبریا کی قدیم شہرت کا زوال ابھی بہت دور تھا۔ آگرفٹھ ۱۰۷۱ء میں اپنے باپ اسیو کا جانشین ہوا۔ مگر اس نے نہ اس کے طرز عمل کے بدلنے کی فکر کی اور نہ جنوبی برطانوی سلطنتوں پر دوبارہ غلبہ حاصل کرنیکی کوشش کی

زوال
نارٹھمبریا

اپنے ہم قوم انگریزوں پر فتوحات حاصل کرنیکی بجائے اس نے اپنی ہمت کو زیادہ
 اہل برطانیہ کو زیر کرنیکی طرف منحطف کر دی۔ جنگ چہتر کے بعد سے برطانویوں
 اور انگریزوں کے درمیان معرکہ آرائیاں مست پڑ گئی تھیں مگر تقریباً بیس برس
 قبل جنوب مغرب کی طرف ویسٹ سیکسن کی پیشقدمی سے پھر سلسلہ جنگ چھڑ گیا
 تھا۔ شاہ ہنریول، وکس کے مالک واقع وادی سیورن و کاسوالڈز کو کسی طرح پندا
 کے جنگل سے نکلانے میں کامیاب نہ ہو سکا، مگر جب پندا اور نارٹھمبریا کی آخری کشمکش
 پیش آئی تو سنویل نے موقع کو غنیمت سمجھا اور اپنے مقبوضات کی تلافی کے
 لئے اس نے پندا کے ہمسایگان ویلز پر حملہ کر دیا۔ بریڈ فرڈ (واقع دریائے ایون)
 کی ایک فتح سے وہ اس قابل ہو گیا کہ سنڈپ کے شمال کے تمام ملک کو (جو
 اب تک برطانویوں کے قبضے میں تھا) پامال کر ڈالے۔ ۱۰۵۶ء میں اس نے
 ایک دوسری یورش کی اور اس میں بھی انجام کار سمرسٹ کے مشرقی جنگلوں
 کے کناروں پر اس کو فتح حاصل ہوئی، اس کامیابی سے ویسٹ سیکسن پیرٹ کے
 سرچشموں کے آس پاس فاتحین کی حیثیت سے جم گئے اور غالباً ویسٹ سیکسن ہی
 کی تقلید میں آفریٹھ کو بھی یہ تننا ہوئی کہ وہ اپنے مغرب کے برطانوی ہمسایوں
 پر فتوحات حاصل کر کے اپنی سلطنت کو اور وسیع کرے۔ اس کی فوجوں نے جنوب
 کمبریا سے برطانویوں کا تعاقب کیا اور اضلاع کارلائل، ارض لیک (خلیج) اور لینکاشائر
 کو انگریزی ملک بنا دیا۔ اس طرف کامیاب ہو کر اس نے شمال کا رخ کیا اور
 وہاں بھی جدید فوائد حاصل کئے۔ اہل اسکاٹلینڈ کے خلاف وہ اپنے فتوحات
 کلانڈس ڈیل کے پار تک بڑھا لیا اور پچٹ کو فرٹھ آف فورٹھ پر مغلوب کر دیا نتیجہ
 یہ ہوا کہ اس وقت سے دریائے فورٹھ کے شمالی کنارے کا ملک ارض نارٹھمبریا میں
 شمار ہونے لگا۔ ساہل فرٹھ آف فورٹھ پر آبرکارن کی خانقاہ (جس میں چند ہی سال

بعد نارقمبریا کے اسقف ٹرموانن نے ایک جدید مستقر اسقفی قائم کیا، اس امر کی شاہد
 قعی کہ کچھ نے نارقمبریا کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ۱۷۷۴ء میں ویفر کے حملے کی وجہ
 سے جب ان لڑائیوں کو چھوڑ کر اسے اپنی جنوبی سرحد پر جانا پڑا تو مستعد کار و جنگجو
 آفریقہ، ویسٹ سیکسن اور جوٹ کی بہ نسبت ایک دوسرے ہی قسم کا دشمن ثابت ہوا
 اور شاہ مرسیا کو ایسی سخت شکست نصیب ہوئی کہ وہ اپنے فاتح کو صوبہ لنڈس و اوارز
 (لنکن شائر) دیکر اس سے صلح کر لینے کو غنیمت سمجھا۔ اس مخصوص ارض لیک کا ایک
 بڑا حصہ لنڈس فارن کی مستقر اسقفی کے لئے وقف کر دیا گیا۔ اس وقت لنڈس فارن
 کا اسقف وہ شخص تھا جسے ہم لولینڈز (لک نشیبی) میں تبلیغی کام کرتے ہوئے دیکھ
 چکے ہیں۔ مزوز میں برسوں کی محنت کے بعد کھربٹ اسے چھوڑ کر ہولی آئینڈ (جزیرہ
 مقدس) میں آ گیا تھا اور نارقمبریا کی دلدلوں میں اسی طرح وعظ کرتا پھرتا تھا
 جس طرح کسی وقت میں اس نے قویڈ کے کناروں پر وعظ کئے تھے۔ مجلس ہوبی کے
 بعد جو تفرقہ عظیم رونمو ہوا اس کے تمام دوران میں وہ باقی ماندہ بھائیوں کو
 اپنی سرکردگی میں لیکر وہیں مقیم رہا مگر باہمی اختلافات اس درجہ بڑھ گئے تھے کہ
 ان کو متحد کرنے میں اس کا تحمل اور اس کی خوشمزاجی سب بیکار ثابت ہوئیں آخر
 تھک کر وہ ایک چھوٹے سے چٹانی جزیرے کی طرف نکل گیا۔ یہ جزیرہ اس
 مجمع اجزاز میں تھا جو آئینڈ کے قلعہ بیمبر کے قریب ہی واقع ہے۔ ان جزیروں پر
 خاکسراہ اور سمندری گھاس پھلی ہوئی تھی اور یہ زیادہ تر بطون اور دریائی بچھروں کا
 مسکن تھا۔ اس جزیرے کی وسط میں اتنے پتھر اور کھرا کا ایک جھونپڑا بنا لیا تھا جسکی بنیاد
 پشان کے اندر گہری کھدی ہوئی تھی اور جسکی چھت پھوس اور بلون سے پٹی ہوئی تھی
 لاک کھربٹ کی پرہیزگاری کے اس درجہ مستعد تھے کہ لنڈس فارن کی
 خالی جگہ کو سمور کر نیکے لئے اسے پیرانہ سالی میں اپنی عزتگاہ سے نکلنا پڑا۔

بادشاہ نے شہر کارلائل کو اس مستقر استغنی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ کھتیرٹ
 جس وقت اس شہر میں داخل ہوا ہے۔ آگرتھ شمال میں برطانیوں سے مصروف
 پیکار تھا اور تمام نارٹمبریا اس کے اس جدید ہم کی خبر سننے کے انتظار میں تھی
 مگر نارٹمبریا کی قوت اس کے قبل ہی بڑی طرح متزلزل ہو چکی تھی۔ جنوب میں
 ولینز کی شکست کے باعث مرسیا کے حوصلے پست ہو گئے تھے مگر ۱۶۸۶ء میں
 اس کے جانشین اٹھلرڈ نے ازسرنو ہمت کر کے صوبہ لنڈسوارا پر دوبارہ
 قبضہ کر لیا اور نارٹمبریا سے جنگ آزمائی شروع کر دی۔ اس جنگ میں صرف
 اسقف اعظم ٹھیوڈور کی وساطت سے صلح ہوئی مگر نتیجہ یہ رہا کہ شاہ مرسیا
 وسط انگلستان کا مالک بن گیا۔ آگرتھ کی شمالی سرحد پر بھی پرانی مشکلات
 نے سر اٹھایا اور پکٹ کی بغاوت کی وجہ سے ۱۶۸۵ء میں اسے مجبوراً ایک
 بار پھر فرم آف فورٹھ کو عبور کر کے ان کے ملک میں داخل ہونا پڑا۔ نارٹمبریا کو
 آئیوولی خرابی کا بار محسوس ہو رہا تھا اور اسافٹہ آزلینڈ کی بددعاؤں کی وجہ
 سے یہ بار اور بھتی گراں تر معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ شاہی
 بیٹے نے ایک برس قبل یکایک نو مفتوحہ غربی کنارے سے چل کر سو ایل
 آزلینڈ کو لوٹ لیا تھا اور وہاں کے استقفوں نے شاہ نارٹمبریا کو بددعائیں
 دیں تھیں اور ایڈن و کولیا کے وطن سے محبت رکھنے والوں نے اس فعل کو
 ایک طرح کی بے حرمتی خیال کیا۔ کارلائل کے ویرانوں میں ایک رومی واہ
 دست برد زمانہ سے بچ رہا تھا۔ کھتیرٹ جس وقت اس فوارے پر جمکا ہوا
 تھا تو گرد و پیش کے مضطرب لوگوں نے ایسا سمجھا کہ اس پیر مرد کے بولوں سے
 بدشگونگی کے کچھ الفاظ نکل رہے ہیں، معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپ ہی آپ
 کہ رہا ہے کہ شاید اسی ساعت میں جنگ کا خطرہ ختم ہو گیا ہے، دوسری

صبح کو جب لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ انتظار کرو اور دعا کرو۔ انتظار کرو اور دعا کرو "چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک شخص جو جان سلامت لیکر بھاگ نکلا تھا۔ یہ خبر لایا کہ جب انگریزی فوج فائف میں داخل ہوئی تو پکٹ مایوس ہو کر مقابلے پر جم گئے اور اس وقت آگرفٹھ اور اس کے تمام چیدہ امرائیٹنس میر کے دور و دراز دلدل میں لاشوں کے ایک بھیانک حلقے کے اندر پڑے ہوئے ہیں *

کھتبرٹ کا انتقال بہت جلد کنارہ کش ہو کر اپنے جزیرے والی خانقاہ میں واپس چلا گیا۔ یہاں آئیے دو ماہ بعد یہ پیر مرد اپنے بستر مرگ پر پڑا ہوا آخر دم تک اپنی کمزور آواز میں اتفاق و صلح کی تلقین کرتا رہا۔ اس کی موت کی نشانی کے لئے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی اور لنڈس فارن کے منارے پر ایک راہب اس نشان کو دیکھنے کے لئے نظر جمائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی سانس کے ٹوٹے ہی ایک شخص دونوں ہاتھوں میں ایک ایک قندیل لئے ہوئے اس جگہ پر دوڑتا ہوا پہنچا جہاں سے دید باں راہب اس روشنی کو دیکھ سکے۔ جس وقت اس خفیف روشنی کی جھلک تاریک سمندر کے پار دکھائی دی اور راہب خبر دینے کے لئے یہ عجلت تمام گرجے میں پہنچا ہے اس وقت اتفاقاً ہولی آئلیمنڈ کے برادران مذہبی زبور کا یہ گیت گما رہے تھے "تو نے میں نکال باہر کیا اور دور دور منتشر کر دیا۔ تو بھی ہم سے ناخوش ہو گیا۔ تو نے اپنی قوم کو کھٹن راستے بتائے۔ تو نے میں ہلک شراب کا گھونٹ پلایا" یہ صرف کھتبرٹ ہی کا

مرثیہ نہ تھا بلکہ اس کے کل گرجے اور اس کی کل قوم کا دوصہ تھا۔ دونوں پر بظاہر ناکامی اور اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ جو لوگ آئیوٹا اور کولمبا کو جانتے تک نہ تھے وہ ایڈن اور کھبرٹ کے وارث بنے اور جب رومی جماعت دو بارہ انگلستان پر چھا گئی تو لوگ یہ بھی بھول گئے کہ کسی زمانے میں کوئی کلیسا تھا جس نے مغربی سبھی ممالک کے روحانی تفویق کے لئے روم سے قوت آزمائی کی تھی اور جس زمانے میں ڈبرٹن رحمت بت پرستی کی کشمکش شدید میں مبتلا تھا اس وقت اس مذہب جدید کا مرکز کینٹبری نہیں بلکہ لینڈس فارن تھا۔ لوگوں نے زیادہ مدت تک یہ بھی یاد نہ رکھا کہ اٹھلھتھ کے وقت سے آٹھلھتھ کے عہد تک یارک انگریزی سیاسیات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بہر حال کسی کو یاد ہو کہ نہ یاد ہو مگر نارٹھمبریا نے اپنا کام پورا کر دیا تھا۔ اُس نے اپنے بیلین اور اپنی تلوار کے زور سے انگلستان کو بت پرستی سے نکال کر عیسوی مذہب کا پیرو بنا دیا تھا۔ اُس نے شاعری کا نیا انداز سکھایا۔ علمی زندگی کے جو کچھ آثار بھی پائے جاتے تھے وہ اسی کی خانقاہوں کا طفیل تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی نے اول اول انگریزی قوم کے تمام مختلف قبائل کے درمیان ایک خفیف سا سیاسی اتحاد پیدا کیا بلکہ خود نصف صدی تک اس کی رہنمائی کر کے انہیں ایک طرح کی قومی زندگی کا عادی بنا دیا تھا۔ اسی اتحاد سے وہ انگلستان نمودار ہوا جسے آج ہم دیکھ رہے

ہیں +

جزو چہارم

سلطنتہائے تلاتہ

۸۲۸—۶۸۵

[اسناد تاریخ مسیا کے چند واقعات ولس کی اس مختصر تاریخ میں محفوظ ہیں جو اس زمانے کیلئے
بمذہب انگلش کرائسل (تاریخ انگریزی English Chronicle) کے ہے۔ مگر زیادہ تر ہمیں زمانہ
بابد کے مصنفین خاص کر ہنری (ہنگلڈن) اور ولیم (مازبری) کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ یہ دونوں باہویں
صدی کے مصنفین میں سے ہیں مگر قدیم زمانے کا جو مواد ان کے پاس تھا وہ اب ضائع ہو چکا ہے۔
پاپیئس اور اکوٹن کے خطوط اس زمانے کے تاریخی سامان میں سب سے زیادہ قابل قدر ہیں۔ ڈاکٹر
جانلڈ نے اپنی کتاب پیٹرس اگلی ایگلیکین (Patres Ecclesive Anglicanae) میں
یہ خطوط درج کئے ہیں۔ جیٹی نے بھی انہیں بہت احتیاط کے ساتھ مرتب کر کے اپنے سلسلہ مانوسکریپٹا
(Monumenta Germanica) شامل کیا ہے]

انگریزی قوم پر نارمبیریا کی فوقیت اسیو کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی تھی
اور انگریزوں کی موت اور نیکینسیر کی شکست سے اس کا غلبہ شمالی اقوام پر سے بھی
بالکل زائل ہو گیا تھا۔ آبرکارن سے استقف ٹرمواٹن کے چلے جانے کے یہ منی
تھے کہ پکٹ شمال میں حکومت نارمبیریا کے خلاف بغاوت شروع کر دیں۔ جنوب
میں اٹھارڈ ۱۰۶۵ء میں ولیر کا جانشین ہوا تھا اس کے تحت میں مسیا ایک
میب ریب بن گئی۔ ولیر کی سلطنت اہبر سے آبنائے تک پہنچ چکی تھی اور
اٹھارڈ نے اپنی حکومت کے ابتدائی برسوں میں کنٹ پر بھی پورا غلبہ حاصل کر لیا
تھا۔ در اہل قومی اتحاد کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ اسی وقت میں
ویٹ سیکسن کے دوبارہ زور پکڑ لینے سے ملک کم و بیش برابر کی تین قوتوں
میں منقسم ہو گیا اور اس سے اتحاد کا پیدا ہونا نامکن سا معلوم ہوتا تھا۔ سو برس

شاہ
سین
۹۰-۱۰۶۰

پیشتر ویسٹ سیکسن کو فیڈلی میں ہزیمت ہوئی تھی اور اس وقت سے ان میں جو طوائف الملوکی اور خانہ جنگی شروع ہوئی اس سے وہ بالکل کمزور ہو گئے تھے۔ وہ کبھی اپنی رقیب انگریزی سلطنتوں کے زیر دست تھے اور کبھی برطانیوں کے بس میں، مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ ۱۶۵۲ء میں انہیں ازسرنو طاقت حاصل ہو گئی اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ برطانیوں کو پیرٹ کے پار بھگا دیں۔ ۱۶۸۲ء میں دوبارہ امن کا کچھ وقت لمبانے سے شاہ سنٹواٹن پھر اس قدر توی ہو گیا کہ وہ برطانیوں سے جنگ آزمانی کر سکے اور اپنی سرحد کو کوئن ٹاکس تک بڑھا لے جائے۔ ۱۶۸۵ء میں ویسٹ سیکسن کے ایک تیسرے اجتماع نے انہیں اس قابل بنا دیا کہ شاہ سیڈ والا کی سرکردگی میں وہ اپنے انگریزی دشمنوں کی طرف پلٹیں اور سکس کو فتح کر لیں؛ سکس کے ابتدائی بادشاہوں میں اپنی سب سے بڑا بادشاہ ہوا ہے اور اس کا عہد حکومت ۱۶۸۵ء سے ۱۶۸۶ء تک کے طویل زمانے پر معنوی تھا۔ اُس نے اپنا پورا زمانہ حصول فوقیت کے لئے جنگ میں گزار دیا۔ مشرق میں اس نے کنٹ، اسکس اور لندن کو اپنی حکومت کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔ مغرب میں پیرٹ کے دلدلوں سے گھوم کر جنوب کے ایک زیادہ زرخیز ملک میں داخل ہو گیا اور دریائے ۱۰۔ ٹون پر ایک قلعہ بنا کر اپنے جدید فتوحات کو محفوظ کر لیا۔ یہی قلعہ بڑھتے بڑھتے شہر ٹانٹن بن گیا ہے۔ اس طرح ویسٹ سیکسن اُس تمام ضلع کے مالک ہو گئے جو اب سمرسٹ (ارض سامرٹا) کہلاتا ہے۔ اُس زمانے میں یہ تمام زمیں سیلاب سے غرق تھی اور یہ دلدل مغرب کی طرف آبنائے تک چلی گئی تھی۔ ٹار کی پہاڑی اس کے اندر ایک بلند جزیرہ معلوم ہوتی تھی۔ اس پہاڑی کے دامن میں ایک قدیم برطانیوی عمارت کے آثار پر اپنی نے

گلیسٹن بری کی مشہور خانقاہ قائم کی۔ جس پھوٹے سے گاؤں میں یہ خانقاہ بنی تھی اس کا نام ایک انگریزی قبیلہ گلستنگ کے اقامت پذیر ہونے سے پڑ گیا تھا۔ مگر یہ مقام مدت تک برطانیوں کا مذہبی زیارت گاہ رہ چکا تھا اور آئرلینڈ کے جہاں گرد طلبہ اس شہرت کی وجہ سے وہاں آتے رہتے تھے کہ ایک دوسرے پیرک نے وہاں سکونت اختیار کی تھی، اپنی کی خانقاہ کے سب سے پہلے رہنے والوں کا بیان ہے کہ وہاں ایک قدیم گرجا ملا جس کی تعمیر کسی انسانی صنعت سے نہیں ہوئی تھی۔ قدیم اہل ویلز کے اسی آثار کے متصل اپنی نے اپنی سنگی خانقاہی گرجے کی بنیاد رکھی۔ اپنے مالک منعمہ کا مذہبی انتظام اس نے اپنے ایک عزیز الدھم کے سپرد کیا۔ یہ شخص اپنے زمانے کا سب سے زیادہ مشہور عالم تھا اور بادشاہ نے اپنے نئے حصہ سلطنت کے ضروریات مذہبی پورے کرنے کے لئے سلوڈ اور فروم کے غربی ضلع میں شربورن کا جو نیا مستقر اسقفی قائم کیا اس کا پہلا اسقف اسی شخص کو بنایا۔ ویٹ سیکن کے تواین کا قدیم ترین مجموعہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ اپنی ہی کا مجموعہ ضوابط ہے۔ ان ضوابط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی غلوط آبادی کے ملکی و مذہبی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے کیسی عاقلانہ فکریں کر رہا تھا اور اہل مریا جب بالآخر وکس پر حملہ آور ہوئے تو اس نے جس طرح حملہ کو مسترد کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کس خوبی سے اپنے ملک کی حفاظت اور اس کا انتظام کر سکتا تھا۔ اٹھارہ کے سی سالہ عہد حکومت میں کم و بیش برابر امن قائم رہا اور اس کی قوت زیادہ تر خانقاہوں کے قائم کرنے اور ان کیلئے لوراد و وظائف مقرر کرنے میں صرف ہوتی رہی۔ ان خانقاہوں کے قیام نے یہ نتیجہ اس کی سلطنت کی شکل ہی بدل دی مگر جب کیولرڈ سے یہ

مرسیا کا بادشاہ ہوا تو اس نے جنوب پر سیادت حاصل کر نیکے لئے دسکس سے تباغ شروع کر دیا اور ۵۱۵ء میں وہ دسکس کے قلب تک پہنچ گیا مگر دینبرا کے خونریز مقابلہ میں اسے منہزم ہونا پڑا۔ اپنی اگرچہ مرسیا کے مقابلے میں کامیاب رہا مگر ۵۱۵ء جو ملکی مناقشات دسکس کے لئے بلائے بے دریاں ثابت ہو رہے تھے ان کے رفع کرنے پر وہ بھی قادر نہ ہو سکا اور باختر وہ سلطنت ہی سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایکبار اس نے اپنے ایک دیہات کے مکان میں شاہانہ ضیافت ترتیب دی تھی۔ صبح کو جب وہ وہاں سے سوار ہو کر چلا تو ملکہ نے اس سے مکان پر واپس چلنے کے لئے کہا۔ بادشاہ نے آکر دیکھا کہ مکان کے پردے اور ظروف سب غائب ہیں، مویشیوں نے سارے مکان کو غلیظ کر دیا ہے اور ایک مادہ سور اپنے بچوں کو لئے ہوئے اسی شاہی بستر پر پڑی ہوئی ہے جس پر وہ خود اٹھنے کے ساتھ سویا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر ملکہ دم بخود ہو گئی۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ ”اے میرے آقا! دیکھئے اس دنیا کا رنگ کس طرح بدلتا رہتا ہے“ ۵۱۵ء میں اپنی تاج و تخت چھوڑ کر روم کی زیارت کو چلا گیا۔ اس کی تمنا یہ تھی کہ وہیں امن کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر دے *

اتھلبالہ

شاہِ مرسیا
۵۱۶-۵۱۷ء

جس طوائف الملوکی کے باعث اپنی نے تخت کو خیر باد کہا تھا، اس کے جانے کے بعد اس کا ایسا زور ہوا اور اس سے ایسے ملکی مناقشات پیدا ہوئے کہ دسکس کیورڈ کے جانشین کے لئے ایک آسان شکار بن گیا۔ جن لوگوں نے بقام کراڈلنڈ، گتھلک کی عزتگاہ میں پناہ لی تھی ان میں پٹا کا بھیتجا اٹھلبالہ بھی تھا۔ وہ کیورڈ کی عداوت کی وجہ سے بھاگ کر وہاں گیا تھا اور اسی کے تجسس کے باعث ادمر ادمر بھاگتا پھرتا تھا مگر ہر پہر کو اسی عزتگاہ کے قریب اپنے بنائے ہوئے چھوٹے سے جھونپڑے میں واپس آجاتا اور عالم پائی

میں اپنے ہمشین زاہد کی باتوں سے تسلی حاصل کرتا تھا۔ گتھلک نے اسے سمجھایا کہ صبر کی عادت ڈالو اور یقین رکھو کہ بادشاہت تمہیں کو ملیگی۔ ظلم و زیادتی سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ سے" لائے میں کیولرڈ اختلاخ قلب کے باعث اپنے کھانگی مینر پر گر کر مر گیا اور مرسیا نے اٹھلبالڈ کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ اپنے عہد کے ابتدائی دس برس تک وہ فاتح و مینرا کے ساتھ جنگ آزمائی کرنے سے جھکتا رہا مگر اپنی کی کنارہ کشی کے بعد جنوب پر کامل فوقیت حاصل کر نیکی لئے اس نے وکس سے از سر نو شدید مقابلہ شروع کر دیا۔ وہ سلطنت ویٹ سیکن کے قلب تک پہنچ گیا اور ۱۳۳۳ء میں شاہی شہر سو مرٹن کے محاصرہ و تخریب نے جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ بیس برس تک ہمبر کے جنوب میں تمام ارض برطانیہ پر مرسیا کا غلبہ مسلم رہا۔ اٹھلبالڈ نے جب اہل ولز کے مقابلے کے لئے کوچ کیا ہے تو صرف مرسیا ہی کی فوجیں اس کے ساتھ نہ تھیں بلکہ ایٹ انگلیا، کنٹ اور ویٹ سیکن، تک کی فوجیں اس کے علم کے پتے تھیں۔ وہ اپنے کو صرف مرسیا کا ہی نہیں بلکہ ان تمام ہمسایہ قوموں کا بادشاہ کتا تھا جو جنوبی انگریزوں کے مشترک نام سے، موسوم تھیں۔ مگر اٹھلبالڈ کی کوششوں کا حشر بھی وہی ہونا تھا جو اس کی پیشتروں کی کوششوں کا ہو چکا تھا۔ بے شبہ بیس برس تک وہ اپنی نئی رعایا کی مسلسل شورشوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور ۱۳۵۵ء تک وہ وقت نہیں آنے پایا تھا کہ ایک عام شورش سے مجبور ہو کر اسے اپنی تمام طاقت کو میدان میں لانا پڑے؛ اپنے خاص اہل مرسیا اور کنٹ، اسکس اور انگلیا کی ماتحت فوجوں کو لئے ہوئے اٹھلبالڈ اس میدان کی طرف بڑھا جہاں ویٹ سیکن اپنے قومی علم (اژدر زریں) کے نیچے دوبارہ صف آرا

ہوئے تھے۔ جنگ کی صف اولین میں گھنٹوں جاننازادہ داد مردانگی دینے کے بعد شاہ مرسیا پر پیکاک اضطراب طاری ہو گیا اور اپنی فوج میں سب سے پہلے اسی نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بھاگتے ہی وسط برطانیہ کے غلبہ کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ تین برس بعد اس کے اعیان ملک نے ایک رات اس پر اچانک حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کے بعد جو طوائف الملوک برپا ہوئی اس میں کنٹ، اسکس اور ایٹ انگلیا نے مرسیا کا جو اپنے کندھوں سے اتار پھینکا †

جبکہ یہ دونوں جنوبی سلطنتیں اپنی قوت اس مایوسانہ مقابلہ میں ضائع کر رہی تھیں نارٹھمبریا فتوحات کا خیال ترک کر کے امن و امان پیدا کر کے برکات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگرچہ کے چائین ایڈ فرتھ (عالم) اور اس کے بعد مسلسل چار بادشاہوں کے عہد میں یہ سلطنت آٹھویں صدی کے وسط میں تمام مغربی یورپ کا علمی مرکز بن گئی تھی۔ جیرو اور یارک کے مدارس سے زیادہ کسی مدرسے کی شہرت نہ تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے کے جملہ علوم نارٹھمبریا کے ایک عالم کے اندر جمع ہو گئے تھے۔ بیڈا جو زمانہ مابعد میں محترم بیڈا کے نام سے مشہور تھا مجلس ہوتی سے نو برس بعد ۷۳۷ء میں اس زمین پر پیدا ہوا جو دوسرے سال بینڈکٹ بسکاپ کے قبضے میں جانیوالی اور اس پر وہ خانقاہ عظیم تیار ہونیوالی تھی جس کی بنیاد بسکاپ کے ہاتھوں سے دلہانہ ویر پر پڑ چکی تھی۔ بیڈا کا زمانہ تعلیم اور اس کی طویل خاموش زندگی سب اسی خانقاہ کے ایک گوشے میں گزر گئی جسے اس کے دوست کیولفرڈ نے تیار کیا تھا بیڈا نے کبھی جیرو سے باہر قدم نہیں رکھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ ”میں نے

اپنی ساری زندگی اسی خانقاہ میں گزار دی ہے اور اگرچہ میں اپنے فرتے کے معمولات اور گرجا کی عبادت کا پابند ہوں مگر میری دائمی مسرت کا باعث صرف پڑھنا پڑھانا اور لکھنا ہے۔ ان الفاظ سے ہمارے سامنے ایک عالم کی زندگی کا نقشہ کھینچ جاتا ہے اور سادگی الفاظ کے باوجود اس کا اثر اس وجہ سے زیادہ پڑتا ہے کہ یہ اس بلند مرتبہ انگریز عالم کی زندگی کی تصویر ہے جو اپنے ہم چشموں میں سب سے اول تھا۔ اس نے اپنی پر عظمت زندگی کو خاموشی کے ساتھ علم کے لئے وقف کر دینے اور تعلیم و تعلم و کتب نویسی میں قانع و خوش رہنے سے انگریزوں کے لئے پہلی مثال قائم کی۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھا کہ وہ معلم مقرر ہو گیا۔ بیرونی طلبہ کے علاوہ چھ سو راہب اس کے مدرسے جیرو میں داخل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مدرسے کی محنتوں اور راہب کے فرائض کے ساتھ ساتھ بیڈا کو کس طرح ان کثیر تصانیف کے لئے وقت ملا جن سے اس کا نام مغرب میں اس درجہ روشن ہو گیا۔ مگر ولفرڈ اور ہنڈکٹ بسکاپ کے سفروں اور ویر اور یارک کے ترقی پذیر کتب خانوں کے سبب سے ناگہم بیا میں مطالعہ کا بہت کافی سامان جمع ہو گیا تھا اور قدیم آئرش معلمین کی روایات بھی ابھی تک باقی تھیں۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر اس نوجوان عالم کو انجیلوں کی تشریح کا وہ راستہ ملا جو اس کی خاص شہرت کا باعث ہوا۔ مغرب میں یونانی زبان کا جاننا ایک عجیب اور نادر چیز سمجھی جاتی تھی۔ بیڈا نے یہ زبان اسقف اعظم تھیوڈور کے مدرسے واقع کینٹربری میں سیکھی۔ پوپ گیلیس نے ہنڈکٹ بسکاپ کے ہمراہ ایک رومی مغنی کو یہاں بھیجا تھا۔ بیڈا نے اس سے یہی نغمہ خوازی کا

فن حاصل کر لیا۔ اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے یہ نوجوان طالب علم اپنے زمانہ کے تمام علوم پر حاوی ہو گیا، 'برگ' کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ وہ انگریزی علم کا بانی تھا۔ 'افلاطون'، 'ارسطو'، 'سینکا'، 'سیرو'، 'لکریٹیس' اور 'آرڈ' کے جو اقتباسات بیدانے دئے ہیں، انہیں سے انگلستان میں اول اول قدیم ادبی تعلیم دوبارہ شائع ہوئی۔ 'ورجیل' کا جادو جیسا ڈیٹیٹی پر چل گیا تھا ویسا ہی بیدانے پر بھی چل گیا۔ اینڈ کے اشعار اس کے حالات شہداء کے تسلسل بیان کو توڑ دیتے ہیں اور شاگرد خود بھی ایک چھوٹے سے قطعہ میں آمد بہار کا نقشہ کھینچ کر اپنے استاد اعظم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کام میں وہ دوسروں سے بہت ہی کم مدد لیتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں خود ہی اپنا کتاب ہوں، خود ہی اپنے لئے اقتباسات جمع کرتا ہوں، خود ہی اپنے کتب خانہ کی حفاظت کرتا ہوں" اس پر بھی اس کے انتقال کے بعد پینتالیس کتابیں اس کی محنت شاقہ کی یادگار پائی گئیں، ان تصانیف میں خود اس کی اور اس کے ہم عصروں کی نظریں سب سے زیادہ اہم اناجیل مختلفہ کے وہ شروع و حواشی تھے جنہیں اُس نے آباء عیسویں کی تحریروں سے اخذ کر کے مرتب کیا تھا۔ مگر اس کی طبیعت سے بہت ہی بعید تھا کہ وہ اپنے کو دینیات ہی تک محدود رکھتا۔ اپنے شاگردوں کے لئے نصاب کے طور پر جو کتابیں اس نے تیار کی تھیں ان میں صرف 'سخو'، 'عروض'، 'قوانی'، 'حساب'، 'فلسفہ'، 'سجوم'، 'علم طبعیات' اور موسیقی' غرض تمام رائج الوقت علوم جمع کر دئے تھے، مگر معلومات کی اس ہمہ گیر دست کے باوجود طبعا وہ ہمیشہ ایک سادہ انگریز ہی رہا۔ وہ اپنی زبان انگریزی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ انگریزی گیتوں کا وہ بڑا ماہر تھا، اس کا آخری کام انجیل یوننا کا انگریزی ترجمہ تھا اور سب سے آخری

بیڈا کا انتقال

چیز جو اس کی زبان سے نکلے موت پر ایک انگریزی نظم تھی :

مگر انگلستان کے ساتھ اس کی محبت کا اعلیٰ ثبوت اس کی وہ تعریف ہے جس نے اس کے نام کو غیر فانی بنا دیا ہے۔ انگریزی قوم کی مذہبی تاریخ لکھنے سے اُسے انگلستان کا پہلا مورخ ہونے کی عزت حاصل ہے۔ اگستین کے درود کے بعد ڈیڑھ سو برس تک کا جو کچھ حال بھی ہمیں معلوم ہوا ہے وہ اسی کے وسیلہ سے معلوم ہوا ہے۔ جہاں تک اس کے ذاتی مشاہدے کو تعلق ہے اس نے حالات کے لکھنے میں قابل تعریف تفصیل اور زور بیان سے کام لیا ہے۔ جو حصے اس کے کئی احباب البیس اور ناہلم کے بیانات پر مبنی ہیں ان کی تفصیل اور صحت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا ہے۔ البتہ جہاں کسی سے مدد نہیں ملی وہاں اس نے محض اپنی قوت بیان سے کام لیا ہے مگر اس کے تمام بیان کردہ قصوں میں کوئی قصہ خود اس کی موت کے قصے سے زیادہ موثر نہیں ہے۔ ۱۳۳۷ء کی عید الفصح سے دو ہفتہ پیشتر اس سمر شخص کو سخت کمزوری اور صیق نفس کی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی سرت اور خوش طبعی کو بہتور قائم رکھا، اور باوجود طویل پنجوابی کے اپنے شاگردوں کو درس دیتا رہا، کبھی کبھی اپنی انگریزی نظیں اُس کی زبان پر جاری ہو جاتی تھیں۔ شاگرد استاد کی نظم کا ساتھ اپنے آنسوؤں سے دیتے تھے۔ انہیں طلبہ میں سے ایک طالب علم لکھتا ہے کہ ”اب ہم کبھی روئے بغیر نہیں پڑھتے“ اسی طرح دن گزارتے گئے، اور عید سلاق (Ascension tide) تک استاد و شاگرد برابر اپنے کام میں مصروف رہے۔ بیڈا کی دلی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح انجیل یوحنا کا انگریزی ترجمہ اور اسقف ایڈور کے انتخابات پورے ہو جائیں۔ جو لوگ اسے آرام کی صلح دیتے تھے انہیں جواب ملتا تھا کہ ”میں نہیں چاہتا کہ میرے لڑکے کئی

غلط بات پڑھیں یا میرے بعد وہ فضول چیزوں میں اپنا وقت ضائع کریں۔ عید سلاط سے چند روز قبل بیماری میں شدت ہو گئی پھر بھی اس نے سارا دن پڑھنے ہی میں صرف کر دیا، اور اپنے شاگردوں سے خندہ روئی کے ساتھ یہی کہتا رہا کہ ”جس قدر تیزی کے ساتھ ممکن ہو پڑھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک زہو رہوں گا۔“ دوسری رات بھی جاگتے ہی گزر گئی۔ صبح ہوتے ہی اس ضعیف المرئی شخص نے اپنے شاگردوں کو اپنے پاس بلا کر انہیں لکھنے کا حکم دیا، کچھ دن چڑھے اس میں سے ایک نے کہا کہ ”ابھی ایک باب کی کمی ہے اور اب آپ سے کچھ پوچھنا آپ کو سخت زحمت دینا ہے۔“ بیڈا نے کہا ”بت آسان ہے قلم اٹھا اور جلد لکھ“ شاگردوں کے رونے دھونے اور الوداع کہنے میں دن ڈھلکر شام کے قریب پہنچ گیا، لکھنے والے لڑکے نے پھر کہا کہ ”اے اُستاد عزیز ابھی ایک جملہ لکھنے سے رہ گیا ہے۔“ بیڈا نے عالم نزع میں وہ جملہ بتایا اور حکم دیا کہ ”اسے جلد لکھ لے“ آخر اس خورد سال کاتب نے کہا کہ ”اب ترجمہ تمام ہوا“ اُستاد نے فرمایا کہ ”سچ کہتے ہو بس اب آخر وقت آپہنچا ہے۔“ بیڈا اس وقت پتھر کے فرش پر لیٹا ہوا تھا، اس کے سر کے نیچے شاگرد اپنے بازوؤں سے سہارا دے چوکے تھے۔ اس کا منہ اس مقام کی طرف پھرا ہوا تھا جہاں وہ معمولاً عبادت کیا کرتا تھا۔ اسی حالت میں، اس نے خدا کی عظمت کا متبرک نذر شروع کیا اور جب اس کی آواز نئے کے آخر پر پہنچی ہے روح بھی خاموشی کے ساتھ پرواز کر گئی +

جس فرد واحد کی ذات سے انگریزی علم ادب کی بنیاد قائم ہوئی وہ یہی جیرو کا راہب بیڈا ہے۔ انگریزی علماء انگریزی فقہاء، انگریزی مؤرخین، سب میں اُسے تقدم حاصل ہے۔ تعلیم کے لئے چھ سو طلبہ اس کے گرد جمع رہتے تھے اور اپنے انہیں شاگردوں کے واسطے سے وہ انگلستان کی قومی تعلیم کا

ناگھمیریا کی
طوائف الملکی

ابوالاباء قرار دیا گیا ہے۔ علوم طبیعیات پر اس نے جو رسالے لکھے ہیں وہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہیں، اور انہیں رسالوں سے ان علوم کی ابتدا ہوتی ہے۔ لیکن بیڈا محض عالم ہی نہیں تھا وہ ایک مدبر بھی تھا، اس نے اپنی زندگی کے آخری برس میں جو خط آگبرٹ (اسقف اعظم یارک) کو لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس شد و مد سے اس نے نارٹمبریا کی بڑھتی ہوئی طوائف الملوک کی روکنے کی صلاح دی ہے۔ اگرچہ آڈبرٹ سے بادشاہ کے ارکان سے یہ امر ناجائز نہیں تھا کہ وہ یارک کے پہلے اسقف اعظم یعنی اپنے بھائی آگبرٹ کی معاونت سے نارٹمبریا کی زوال پذیر شان و شکوہ کو پھر زندہ کر دے۔ مگر بیڈا کے تجاویز اصلاح وقت گزر جانے کے بعد پہنچیں۔ آڈبرٹ نے اپنی جنوبی سرحد پر اٹھلہاڈ کے محلے کو اس وقت مسترد کیا ہے جب اس کے ساتھ ہی وہ شمال میں پمٹ سے بھی برسہا برس جنگ تھا، اور اس میں بھی اسی کا پہلو غالب تھا۔ دس برس بعد وہ آئر شائر میں داخل ہو گیا۔ اور انجام کار پمٹ سے اتحاد پیدا کر لیا، جس کی وجہ سے سلاسل میں اسے اسٹیٹیکلائڈ کو فتح کر لینے اور اس کے دارالسلطنت اکیولاڈ (یا ڈمبرٹن) پر قبضہ کر لینے کا موقع مل گیا۔ مگر عین اس وقت کہ اس کی عظمت شہانے کمال پر پہنچی ہوئی معلوم ہوتی تھی اس کی فوج وطن کو واپس آتے ہوئے ایک لخت تباہ ہو گئی اور یہ حادثہ ایسا ملک ثنابت ہوا کہ آڈبرٹ سے بھی اس کے سوا کچھ بن نہ پڑا کہ عصائے شاہی کو پھینک کر اپنے بھائی اسقف اعظم کے ساتھ کسی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو جائے۔ اس کے بعد سے نارٹمبریا کی تاریخ درحقیقت آشوب و خونریزی کی ایک وشتناک داستان ہے۔ غداری و بناوت نے بادشاہوں کو زیر و زبر کر دیا۔ سارا ملک شوریدہ سراما کے ہاتھوں میں آ گیا۔ زراعت تنگ

برباد ہو گئی اور ملک فخط دوبا میں مبتلا ہو گیا، پچاس برس کی طوائف الملوک کی میں بقیہ انگلستان سے منقطع رہنے کے بعد یہ شکل یہ تیز ہو سکتی تھی کہ نارٹمبریا بھی انگریزی قوم کا کوئی خطہ ہے †

درحقیقت اس موقع پر اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کے درمیان اتحاد اور
 قومی کام ہمیشہ کے لئے رک جائیگا۔ جنگ برفرڈ کے بعد سے برطانیہ قطعی طور پر تین برابر کی طاقتوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ دریائے ٹیز کے جنوب میں اب وکس کو ایسا ہی استحکام ہو گیا تھا جیسا ہمبر کے شمال میں نارٹمبریا کو حاصل تھا۔ مگر اس برباد کن نہایت سے مرسیا کی طاقت کا بالکل ٹوٹ جانا شکل تھا اور اوفاف کے تحت میں (جس کے ۱۷۶۶ء تک کے طویل عہد حکومت نے اٹھلہاڈ کے زمانے سے ملکہ پوری آٹھویں صدی کو گھیر لیا تھا) مرسیا نے وہ عروج حاصل کیا جو ولیر کے بعد پھر اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس پر بھی برسوں تک نئے بادشاہ کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ کنٹ کے واپس لینے کا قصد کر سکے۔ تین برس کی جنگ کے بعد ۱۷۶۶ء میں جا کر یہ ہوا کہ آئرفرڈ کی فتح سے کنٹ سلطنت مرسیا کو واپس لگیا۔ اس میں شک نہیں کہ کنٹ کے ساتھ ہی سکس، سرے، اسکس اور لندن پر بھی اوفاف قابض ہو گیا اور چار برس بعد ہنسنگٹن کی ظفریابی سے اس حصہ ملک کی فتح بھی مکمل ہو گئی جہاں اب آکسفورڈ اور بکنگھم آباد ہیں، اس کے بعد نو برس تک مرسیا نے اپنے انگریزی ہمسایوں پر اپنی حکومت کو وسیع کرینکی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے رقبوں کی طرح وہ بھی اہل ویلز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ۱۷۶۹ء کے بعد دریائے سیورن سے گذر کر (جس کا بالائی حصہ اس وقت تک برطانیوں اور انگریزوں کے درمیان حد فاصل تھا، اوفاف نے شاہ پائوس کو

اوفاف
 شاہ مرسیا
 ۶۶۱-۶۵۸

اس کے دارالسلطنت سے بھگا دیا اور اس کے دارالسلطنت کے چرنے نام بگپورن کو انگریزی نام شرومبری سے بدل دیا۔ جس کے معنی جھاڑی والے حصے کے ہیں۔ اس جنگ کے بعد اس نے دریائے والی کے دہانے سے دریائے ڈبی تک مٹی کی ایک بہت بڑی دیوار بطور سرحد کے بنا دی جو اب تک اوفارڈائنگ (بند اوفافا) کے نام سے مشہور ہے۔ اس بند اور سیورن کے درمیان انگریزوں کی ایک جدید آبادی قائم کر دی گئی جس نے حکومت مرسیا کے لئے فوجی سرحد کا کام دیا۔ مرسیا کے ان فتوحات جدید اور نیز نارٹمبریا اور ویسٹ سیکسن کے فتوحات مابعد میں مفتوحین کو ملک بدر کر دینے کا قدیم طریقہ کلیتہً ترک کر دیا گیا تھا۔ جن اہل دیلز نے چاہا وہ اپنے انگریز فاتحین کے ساتھ بے خوف و خطر رہنے لگے اور غالباً انہیں دونوں قوموں کے باہمی تعلقات کو منضبط کرنے کے لئے اوفافا نے وہ مجموعہ ضوابط مرتب کیا جو اب تک اس کے نام سے مشہور ہے، مرسیا اور نارٹمبریا دونوں کا برطانیوں کی طرف متوجہ ہو جانا یہ معنی رکھتا تھا کہ انگریزوں پر غلبہ حاصل کرنے کا خیال جاتا رہا ہے۔ اوفافا کے عہد میں مرسیا درحقیقت تنہا رہ گئی تھی۔ اڈبرٹ کے بعد نارٹمبریا میں عام طوائف الملوک کی پھیل گئی مٹی مگر اوفافا کو ہیر کے پار جانے اور اس ابری سے فائدہ اٹھانے کا کبھی خیال نہ ہوا۔ نیز کے پار بھی اسی قسم کا ایک اسید افزا موقع پیدا ہوا لیکن اس سے بھی اس کے سکون میں کسی طرح کی جنبش نہیں ہوئی۔ جنگ برفرڈ سے کچھ زمانے بعد یہ ہوا ہوگا کہ ڈوینٹ (ڈیون) کی باقی ماندہ سلطنت پر قبضہ کر کے ویسٹ سیکسن اپنی سرحد کو مغرب کی طرف نیزنگ بڑھا لیکن ہونگے۔ مگر ۷۹۱ء میں ازسرنو طوائف الملوک کے پھیل جانے سے ان کی ترقی رک گئی۔ دعویداران تخت کی لڑائیوں کا خاتمہ خاندان سیولن کے وارث آگرٹ کی شکست پر ہوا اور وہ وکس سے فرار ہو کر اوفافا کے

دربار میں پناہ گزین ہوا مگر شاہ مرسیا نے اس کی موجودگی سے توجیح سلطنت کا فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اس واقعہ کو صلح و اتحاد کا ذریعہ بنایا۔ اس نے ۱۷۸۹ء میں اگبرٹ کو مرسیا سے خارج کر دیا۔ اور ویسٹ سیکسن کے بادشاہ پیورک سے اپنی لڑکی کا عقد کر دیا۔ فی الحقیقت اوفاک کی اصلی کوشش یہ تھی کہ تلج مرسیا کے تحت میں کل ڈبرٹن (وسط برطانیہ) کو مضبوطی کے ساتھ متحد کر لے اور کنٹ کو یورپ کی طرف نکلنے کا راستہ بنائے۔ وہ سیاسی آزادی کی طرح مرسیا کی مذہبی آزادی کو بھی مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد سے اس نے ۱۷۸۶ء میں پیٹلڈ کو ایک اسقف اعظم کا مستقر قرار دیا تاکہ اس طرح سے جنوب میں کینٹسری کا اثر رک جائے اور شمال میں یارک کا مقابلہ ہو سکے ۶

انگلستان
اور فرینک

جس زمانے میں انگلستان کے اندر ویسٹ سیکسن کا خون اوفاک کے تجاویز میں رخنہ انداز ہو گیا تھا اسی زمانے میں سمندر پار اہل فرینک کی طاقت کو خطرناک عروج حاصل ہو رہا تھا اور اوفاک کو مجبور ہونا پڑا کہ ان پر رقیبانہ نظر رکھے۔ اس وقت تک انگریزوں کے ہر طرح کے اغراض ان کے فتح کردہ برطانیہ ہی کے اندر محدود تھے مگر اب ان کا قومی مطمح نظر یکایک وسیع ہو گیا اور انگلستان کا نیک و بد مغرب کے دیگر ممالک عیسوی کے نیک و بد سے وابستہ ہو گیا۔ دربار فرینک کے ساتھ برطانیہ کے سیاسی تعلقات ابتداءً انگریز مہلین کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ نارٹمبریا کا ولبرارڈ اور اس سے زیادہ صاحب شہرت ویسٹ سیکسن کا ہینیس (ولفرتھ) دونوں ان قدیم انگریزی اور آئرلینڈ کے وائٹین کے نقش قدم پر چلے جنہوں نے بت پرست جرنوں اور خاص کر ان کے اس حصے میں جو اب فرینک کی رعایا میں داخل ہو گئے تھے اشاعت مذہبی کے لئے محنتیں برداشت کی تھیں۔ انگریز وائٹین اور فرینک کے بادشاہ پین کے درمیان

تعلقات وسیع ہو گئے اور اس طرح پر انگلستان کے ساتھ مسلسل روابط کا راستہ کھل گیا۔ اس کے دربار میں نارٹھمبریا کا ایک عالم الکونن مرجع علم و فضل بن گیا تھا۔ پین کے بیٹے چارلس نے بھی (جو بعد میں چارلس عظیم کہلایا) انگریزی معاملات سے ویسی ہی دلچسپی قائم رکھی اور الکونن کی دوستی کی وجہ سے شمالی برطانیہ کے ساتھ اس کے تعلقات زیادہ قریب ہو گئے۔ اوفاب جب شکستہ میں بیورڈک سے متحد ہو گیا تو اس وقت سے ویسٹ سیکسن کا دعویدار محنت اگبرٹ چارلس ہی کے دربار میں پناہ گزیر تھا۔ خود اوفاب سے بھی چارلس کے تعلقات عام طور پر دوستانہ معلوم ہوتے ہیں مگر شاہ مرسیا بہت ہوشیاری کے ساتھ ایسے روابط سے بچتا رہا تھا جس سے کسی طرح پر بھی فرینک کی فوقیت نکلتی ہو اور فی الحقیقت اس کا اس طرح پر احتیاط برتنا بہت بجا تھا چارلس نے آئرلینڈ کی خانقاہوں کی طرح انگلستان کی خانقاہوں کو بھی بیش بہا ستائش بھیجے تھے، جس سے اس کی یہ غرض معلوم ہوتی تھی کہ وہ ان دونوں ملکوں میں اپنا اثر پیدا کرنا چاہتا ہے؛ اس نے نارٹھمبریا، کینٹ بلکہ کل انگلستان کے کلیسا سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا دربار انگلستان کی ہر سلطنت کے جلاوطنوں کا ملجا و ماوا بنا ہوا تھا۔ نارٹھمبریا کے جلاوطن بادشاہ ایسٹ اینگلیا کے شاہی امرا اور خود مرسیا کے مفردین سب وہاں موجود تھے۔ جس وقت چارلس رومی شہنشاہ کی حیثیت سے عام رعایا اور اہل مذہب کے نعرے مسرت کے ساتھ روم میں داخل ہوا ہے غالباً اگبرٹ بھی اس وقت اس کے جلو میں تھا۔ جب شکستہ میں بیورڈک کے انتقال کے بعد اس جلاوطن (اگبرٹ) کو ویکس میں واپس آینکا موقع ملتا آیا ہے تو اس وقت تک چارلس یہی خواب دیکھ رہا تھا کہ برطانیہ روم کی شہنشاہی

اس وقت خارج ہوا تھا جب اس کے بقیہ مغربی صوبے بھی جاتے رہے تھے مگر اب کہ مغرب میں روم کی عظمت زمانہ سابق سے بدرجہا بڑھ گئی ہے برطانیہ کو ان دوسرے صوبوں کی طرح شنشاهی میں واپس آجانا چاہئے۔ چونکہ ادھر انقلابات کی وجہ سے خود انگریزی سلطنتوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا اس سے اس کی امیریں اور بڑھتی جاتی تھیں ۴

اگرٹ کے فرار کے وقت سے برطانیہ کی حالت میں بہت ہی کم تغیر ہوا تھا۔ ایرٹ ایٹلیا پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کی تکمیل کر لینے کے بعد ہی شہنشاہ میں اودا کا انتقال ہو گیا اور اس کے جانشین سنولف کے عہد میں مرسیا کے استغف اعظم کی جگہ توڑ دی گئی اور سلطنت (مڈلینڈ وسطی) کی فوقیت کو ترقی دینے کے لئے کسی قسم کی مزید کوشش نہیں کی گئی۔ اگرٹ جب ویسٹ سیکسن کے تخت پر بیٹھن ہوا ہے تو سنولف بالکل خاموش رہا۔ اور وکس کے اس نئے حکمراں سے اس نے اپنے تمام زمانہ سلطنت میں صلح قائم رکھی۔ اگرٹ نے انگریزوں کے نہیں بلکہ سب سے پہلے اپنے ہمسایگان ویلز کے مالک کو اپنی ہمت کا جوا لگا ہا بنایا۔ شاہین میں وہ بڑھتا ہوا کارنوال کے قلب تک پہنچ گیا اور آٹھ برس کی جنگ آزمائی کے بعد مغرب میں برطانوی سلطنت کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ ڈیورہم اور چسٹر کے فتوحات کے بعد سے اہل برطانیہ کی مجتمع قومی حیثیت زائل ہو چکی تھی مختلف برطانوی قبائل علیحدہ علیحدہ تینوں انگریزی سلطنتوں سے لڑتے رہتے تھے۔ ان میں کبریا اور اسٹریٹلینڈ کے برطانوی پہلے ہی ناقتہریا کے آگے سر جھکا چکے تھے۔ ویلز کے برطانیوں نے اودا کو خراج دیکر مرسیا کی فوقیت قبول کر لی تھی صرف مغربی ویلز میں لینڈس انڈ (ختم زمین) تک ایک غیر مفتوح برطانوی سلطنت رہ گئی تھی اب وہ بھی وکس کے قبضے میں آگئی۔

جس زمانے میں وکس اپنی مدت کی زائل شدہ قوت کو از سر نو حاصل کر رہا تھا۔ اسی دوران میں اس کا ڈیپٹی (وسط برطانیہ) کا رقیب ایسی طوائف الملوک کی میں مبتلا ہو گیا تھا جس سے نکلنے کا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تھا۔ ۱۸۰۱ء میں سنولف کے مرنیکے بعد ایسی خانہ جنگی برپا ہوئی کہ مرسیا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اس کمزور کا حال اس وقت کھلا جب سنولف کا جانشین بیورن دلف ۱۸۰۲ء میں ولٹ شیڈر میں داخل ہو کر وکس سے جنگ آزما ہوا اور مقام الینڈن کی خویز جنگ میں اسے سخت ہزیمت اٹھانا پڑی۔ جنوب ٹیڈز کا تمام انگلستان یکدم اگبرٹ (شاہ وکس) کا مطیع ہو گیا اور ایسٹ اینگلیا میں بھی سخت بناوت برپا ہو گئی یہ بناوت حکمران مرسیا کے حق میں سبب قاتل ثابت ہوئی۔ اس کے دو بادشاہ یکے بعد دیگرے ایسٹ اینگلیا کے اندر لڑائی میں مارے گئے اور تیسرے بادشاہ وگلف نے تخت پر قدم رکھا ہی تھا کہ اس درانہ سلطنت کو دو بارہ ویسٹ سیکن سے سابقہ پڑ گیا۔ اگبرٹ نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ فیصلہ کن حملے کا وقت آ گیا ہے۔ ۱۸۰۲ء میں اس کی فوجیں بے روک ٹوک شمال کی طرف بڑھنے لگیں۔ وگلف بے یار و مددگار بھاگ کھڑا ہوا اور ملک نے ویسٹ سیکن کے آگے سر جھکا دیا۔ مرسیا سے گزر کر اگبرٹ نے نارٹھمبریا کا غم کیا مگر وہاں تھا کیا نصف صدی کی طوائف الملوک کی سلطنت کی طاقت فنا ہو چکی تھی قزاق پہلے ہی سے اس کے ساحلوں کو پریشان کئے ہوئے تھے، نارٹھمبریا کے امرا خود سبقت کر کے مقام ڈور (واقع ڈربی شائر) میں اگبرٹ سے ملاقی ہوئے اور اسے اپنا مہم اہلی تسلیم کر لیا۔ جس مقصد کی انجام دہی میں اسیو اور اٹھلہاڈ ناکام رہے تھے وہ انجام کار اس طرح پورا ہوا اور سرزمین برطانیہ پر پہلی بار تمام انگریزی قوم ایک بادشاہ کے زیر سایہ متحد ہو گئی۔ اگرچہ اپنی حصول آزادی کے لئے مرسیا اور نارٹھمبریا ابھی بہت کچھ کڑیالی تھیں مگر جس وقت سے نارٹھمبریا نے ویسٹ سیکن کی سیادت قبول کی ہے

اس وقت سے نام کو نہیں بلکہ حقیقتاً انگلستان، انگلستان بن گیا تھا +

جزو پنجم دسکس و ڈین

۸۰۲ — ۸۸۰

اسناد اس عہد کی تاریخ کا دار و مدار خاص طور پر **انگلش** یا **اینگلو سیکسن** کرائلی (دقائق انگریزی English Chronicle) پر ہے۔ وقایع کا ابتدائی حصہ ایک طبع کی تالیف ہے اور اس میں (۱۱) جنوبی برطانیہ کے فتح کے واقعات اور (۲) دسکس کے بادشاہوں اور استغوں کے مختصر حالات شامل ہیں۔ بیڈا کے کثیر اقتباسات سے اسے وسعت دی گئی ہے۔ اور بیڈا کے انتقال کے بعد شمال کے بعض دیگر مصنفین کے ذرائع سے مختصر اضافے کئے گئے ہیں۔ (۳۱) اغلب یہ ہے کہ الفرڈ کے زمانے میں یہ کل مواد یکجا جمع کر کے اور شاید لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ کر کے ایک کامل تر وقایع کے دریاپے کے طور مرتب کیا گیا ہے۔ یہ وقایع **اتھولوف** کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور الفرڈ کے وقت تک پہنچ کر ایک وسیع ہم عصر تاریخ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ علم ادب کے اعتبار سے میں نے اس کی خصوصیت اور نوعیت کو خود اصل کتاب میں جگہ دی ہے۔ **سوانخ الفرڈ (Life of Alfred)** جو ایسیر کے نام سے شافی ہے غالباً اسی عہد کی تالیف ہے اور اس میں ٹوشک نہیں کہ اس کی بنا ہم عصر اسناد پر ہے۔ اس بادشاہ کی ایک قابل قدر جدید سوانخ **عمری ڈاکٹر پالی** نے لکھی ہے۔ **جنگمانے ڈین** کے لئے ہے۔ آر گرین کی **کانکویٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England)** دیکھنا چاہئے +

قوی بادشاہت کے قیام کی کوشش شروع ہی ہوئی تھی کہ ڈین نے دسکس کی اہل شمال چند روزہ غفلت کا ناتمہ کر دیا، جس زمانے میں برطانیہ پر فتح و آبادی کے دور گذر رہے تھے، اس زمانے میں جزیرہ نماے اسکینڈینیویا اور جزائر بالٹک کے رہنے والے عیسائیت کی دسترس سے پوشیدہ اپنی بقائے ہستی کے لئے سخت موسم بنجر زمین، اور طوفانی سمندروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لوٹ مار اور بحری غارتگری

ان کے قلیل ذرائع معاش میں کچھ اضافہ ہو جاتا تھا۔ آٹھویں صدی کے ختم ہونے تک یہ غارنگریاں شمالی سمندروں کے باہر تک پہنچ چکی تھیں۔ اگرٹ ابھی تمام برطانیہ کو پوری طرح اپنے زیر اثر نہیں لایا تھا کہ یہ پیاک و انگل (جل باشی) انگریزی ساحل کے آس پاس منڈلاتے ہوئے نظر آئے اور جس قدر تیز کے جنوب کی طرف بڑھتے جاتے تھے اسی قدر ان کی تعداد میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ ان شمالیوں کا پہلی بار نظر آنا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تاریخ کی گھڑی کی سوئی تین سو برس پیچھے ہٹ گئی ہے۔ ناروے کے کوہی چٹوں اور فیئرلینڈ کے ریگستانی ساحلوں سے نکل کر ان قزاقوں کے پیرے کے پیرے اس طح پھیل چکے گویا ہجرت اور کرڈک کا زمانہ پلٹ آیا۔ جس وقت حملہ آوروں کی سیاہ کشتیاں دریاؤں کے کنارے یا دریائی جزیروں کے آس پاس لشکر انداز ہوئی ہیں تو گھروں کے جلنے، مردوں کے قتل ہونے، خورتوں کے اسپرد بے حرمت کئے جانے، بچوں کے نیزوں پر اچھالے جانے یا بازاروں میں فروخت ہونگی تمام وہی ہولناک مصیبتیں پیش آئیں جو انگریزی حملے کے وقت پیش آچکی تھیں۔ والوں کے پوجنے والوں کے ہاتھوں مسیحی قسٹیس پھر گرجوں کے اندر قتل ہوئے۔ علم و فن اور مذہب و حکومت کا وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا، مگر جب ایجاب طوفان کا یہ دشتناک زور ختم ہو گیا تو زمین آبادی حکومت سب بلا تفر اپنے حال پر برقرار ہو گئیں اور انگلستان، انگلستان ہی رہا کوئی دوسرا ملک نہیں ہو گیا۔ خود فائین خاموشی کے ساتھ اپنے کثیر التعداد مفتوحین کے اندر جذب ہو گئے اور واڈن نے بلا مزاحمت مسیح کی اطاعت قبول کر لی۔ ان دونوں حملوں کا ماہ الامتبیاز راز یہ تھا کہ اب جنگ دو مختلف النسل قوموں کے درمیان نہیں رہی تھی، فریق جنگ برطانوی اور جرمن یا انگریز و ویلز کی نہیں تھے

بلکہ ان شمالیوں کی معاشرت فی الاصل وہی تھی جو قدیم انگریزوں کی تھی۔ ان کے رسم و رواج، ان کا مذہب، ان کا نظم معاشرت سب ایک تھا۔ وہ درحقیقت انیس انگریزوں کے ہرشتہ تھے جو انگلستان میں آکر اپنی اصل کو بھول گئے تھے، گویا ان حملہ آوروں نے انگریزوں کے قزاق آبا و اجداد کے دشیمانہ زمانے کو پھر زندہ کر دکھایا تھا۔ چونکہ متخاصمین ایک ہی نسل کے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے اس لئے جنگ جیسی شدید یہاں ہوئی۔ ویسی تمام یورپ میں کہیں نہیں ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ جنگ کے بعد یہ شمالی اپنے حریفوں میں مل جل بھی ایسے گئے کہ تمام یورپ میں کہیں اس طرح بے شور و شر اور کامل طور پر نہیں ملے تھے۔

برطانیہ کو اپنے نئے حملہ آوروں کے مقابلہ میں دہری مشکلات سے سابقہ پڑا۔ ایک طرف مغرب میں ناروے کے شمالی باشندے جزائر شیلینڈ و آرکینز پر پہنچ کر وہاں سے براہ ہمبرائڈز آئر لینڈ میں داخل ہو چکے تھے۔ دوسری طرف ان کے وہ ہمیشہ قبائل جو ابھی تک قدیم انگل لینڈ میں آباد تھے۔ فریزیہ اور گال کے ساحلوں پر گشت لگا رہے تھے۔ اس طرح برطانیہ دو طرف سے گھر گھر ان کے میدان عمل کا مرکز بن گئی تھی۔ اور اگرٹ کے اختتام حکومت کے قریب جب اول بار فیصلہ کن مقابلے کا آغاز ہوا تو سلطنت ویسٹ سیکس کے دو انتہائی سرحدوں پر اپک ساتھ چلے ہونے لگے، حملہ آور ایک طرف ایسٹ اینگلیا اور کنٹ میں قتل و غارت کرتے ہوئے ٹیز کو عبور کر کے لندن کو ۸۳۲-۸۳۷ لٹنے کے لئے آپڑے۔ دوسری طرف آبنائے آئر لینڈ کے قزاقوں نے تمام کارنوال بغاوت پر اُبھار دیا۔ شمالیوں کا اس طرح پر برطانیوں سے متحد ہو جانا ہی ان ابتدائی یورشوں کے خاص خطرے کا باعث ہو گیا؛ اگرچہ اگرٹ نے

جسٹ ڈاون کی فتح سے متحدہ فوجوں کو منہم کر دیا۔ پھر بھی وکس کے اندر سلوڈ کے غرب میں مدت تک ایک طرح کی غیر مساوی جنگ جاری رہی۔ ۱۸۲۹ء میں الگرٹھ کے بجائے اٹھولف تخت نشین ہوا اور بستور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے نہایت جانہازی کے ساتھ لڑتا رہا۔ انگی کی فتح اور چارہتر کی شکست دونوں میں ان بھری ڈاکوؤں کے خلاف اس نے بذات خاص اپنی فوج کی سپہ سالاری کی اور ان حملہ آوروں کے اغوا سے شمال ویلز کے جن باشندوں نے اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے انہیں بھی پسا کیا۔ ہر چند کہ شمالیوں ۱۸۳۳ء اور ویلزوں کو بار بار شکست دی گئی مگر خطرہ سال بہ سال بڑھتا ہی گیا۔ ان بت پرست حملہ آوروں کی وجہ سے مذہب بھی سخت خطرے میں پڑ گیا تھا اور اسی وجہ سے اہل کلیسا بھی اٹھولف کی اعانت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ سویتھمن (اسقف وینچسٹر) اٹھولف کا وزیر ہو گیا۔ شربورن کا اسقف صلیب کے سپاہیوں میں داخل ہو گیا اور حملہ آوروں کو وہاں پیرٹ سے ہٹانے کے لئے افواج سمرٹ اور ڈارٹ کے لڑانے میں اکابر قوم کا شریک تھا؛ آخر کار سخت جد و جہد کے بعد تھوڑی دیر دم لینے کی مہلت ملی اور ۱۸۳۶ء میں اٹھولف نے امن و امان کی حالت میں انتقال کیا۔ اور آٹھ برس تک ملک شمالیوں کے حملوں سے مامون رہا۔ مگر یہ ابتدائی ساخت و تاریخ فی الحقیقت اصلی طوفان کے آمد کی تہیہ تھی۔ جب پوری قوت کے ساتھ طوفان برپا ہوا تو وہ محض غارتگرانہ یورشوں کا سلسلہ نہیں تھا بلکہ فتح کے قصد سے ایک مستقل فوج کا حملہ تھا، جو ملک کی تہیز کے ساتھ ہی ساتھ اس میں آباد بھی ہوتی جاتی تھی۔ اس کام کو اب اسکیٹڈینیوی نسل کی ایک دوسری قوم ڈین نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اٹھولف کا تیسرا بیٹا اٹھلڈ اپنے دو بھائیوں

کی مختصر حکومت کے بعد بادشاہ ہوا تھا۔ ابھی اس کے عہد کا آغاز ہی تھا کہ ۸۶۶ء
یہ نئے حملہ آور برطانیہ پر آگرے اور ان کے میدان میں آتے ہی حملے کی
نوعیت ہی بدل گئی۔ اب تک چھوٹے چھوٹے دستے برطانیہ کو پریشان کیا
کرتے تھے لیکن اب بجائے ان کے وہ فوجیں آنا شروع ہوئیں کہ کسی اور
مغربی ملک پر ایسی بڑی فوجوں نے حملہ نہیں کیا تھا۔ یہ فوجیں محض لوٹ
مار کرنے کے بجائے باقاعدہ فتح کے لئے اس طرح بڑھیں کہ ساتھ کے ساتھ
ملک مفتوحہ پر آباد بھی ہوتی جائیں۔ ۸۶۶ء میں ڈین، ایسٹ اینگلیا میں
اُترے اور دوسرے موسم بہار میں ہمبر کو عبور کر کے یارک کی طرف
بڑھے۔ نارٹھمبریا کی قومیں اندرونی مناقشات کی وجہ سے منتشر ہو گئی تھیں
دو دعویدار اس کی حکومت کے لئے لڑ رہے تھے اور اگرچہ اس حطرہ
مشرک کے دھبیہ کے لئے دونوں ایک دل ہو گئے مگر عین پایہ تخت کی
دیواروں کے سامنے ایک ہی ہزیمت میں دونوں کے دونوں مارے
گئے اور نارٹھمبریا نے فوراً ہی ڈین کی اطاعت قبول کر لی۔ مرسیا نے بھی
ایسا ہی کیا ہوتا مگر صرف شاہ اٹھلرڈ کے تیزلینار نے اسے بچا لیا۔ ۸۶۵ء
کی صلح ٹاٹہمگ کے ذریعے سے مرسیا تو ڈین کے قبضے میں جانے سے بچ گئی
مگر اس صلحنامہ نے ان کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا کہ عالیشان
خانقاہوں کی پیش قرار دولت کو وہ جس طرح چاہیں لوٹیں پھر براڈ لینڈ
الی سب آگ کی نذر ہو گئے۔ رامب یا تو بھاگ گئے یا خانقاہوں کے
اندر ہی ہلاک ہو گئے۔ یہاں سے پلٹ کر ڈین دفعتاً خود ایسٹ اینگلیا
پر ٹوٹ پڑے اور شاہ اڈمنڈ جب قید ہو کر ڈینی سرواروں کے سامنے
آیا تو انہوں نے اسے ایک درخت سے باندھ کر تیروں کا نشانہ بنا دیا۔ ۸۷۰ء

بت پرستوں کے ہاتھ سے اس طرح شہید ہونے سے وہ انگریزی افسانے کا سنسکرت سسٹین بن گیا اور ازمندہ مابعد میں اس کی شکل مشرقی ساحل کے ہر ایک گرجا کی منقش کھڑکیوں سے جھانکتی نظر آتی تھی۔ اس کے مقام شہادت پر سنٹ اوٹنبریری کی شاندار خانقاہ تیار کی گئی۔ اوٹمنڈ کے ساتھ ہی شاہان ایٹ اینگلیا کے سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ یہ سلطنت نہ صرف مفتوح ہو گئی بلکہ دس برس بعد ایک ڈینی فوج کے سپاہیوں نے اسے آپس میں تقسیم کر لیا اور ان کا سردار گھنٹرم اس ملک کا بادشاہ بن گیا۔ ان پیہم فتوحات نے جیسا سخت خوف طاری کر دیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرسیا اگرچہ واقعاً مفتوح ہونے سے بچی ہوئی تھی پھر بھی دہشت زدہ ہو کر اس نے از خود ڈین کے سامنے سر جھکا دیا اور سنسکرت میں انیس اپنا شاہ اعلیٰ تسلیم کر کے خراج ادا کیا۔

ڈین اور
وسکس

اگرٹ کا بنایا ہوا سارا کام چار برس کے اندر اندر الٹ گیا اور ڈینز کے جانب شمال کا کل انگلستان وسکس کی سیادت سے خارج ہو گیا۔ ڈین نے بڑی سرعت کے ساتھ نارٹھمبریا، مرسیا اور ایٹ اینگلیا کو فتح کر لیا۔ یہ فتح صرف ان ممالک کی اندرونی حالت ہی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ان ممالک کے لئے اس فتح کے معنی صرف یہ تھے کہ وہ ایک بادشاہ کی سیادت سے دوسرے بادشاہ کی سیادت میں منتقل ہو جائیں اور بظاہر حالات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے ڈین کی سیادت کو ویٹ سیکن کی سیادت پر ترجیح دی اس صورت معاملات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سلطنتوں کا ایک قومی ہیئت میں ڈھال دینا کس قدر دشوار تھا اب وہ وقت آ پہنچا کہ وسکس اپنی سیادت کے لئے نہیں بلکہ اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لئے میدان کارزار میں آئے۔ وسکس کی کیفیت یہ تھی کہ گویا خوف کی وجہ سے اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا ہے۔ نارٹھمگم پر

ایک دھواوا کر نیکیے سوا شاہ ایٹھلرڈ نے اس وقت تک اپنی ماتحت سلطنتوں کے پجانیکیے لئے کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ مگر ڈین کا دریائے ییمز کو عبور کر کے ریڈنگ پر بڑھنا اور خود سرزمین و سکس پر حملہ آور ہونا ہی تھا کہ دفعۃً ویٹ سیکن میں ایک غضبناک جوش پیدا ہو گیا اور وہ شدت کے ساتھ مقابلے پر جم گئے۔ اس میں شک نہیں کہ دشمن و سکس کے اندر ان بلندیوں تک گھس آیا جہاں سے وادی و عماٹ ہارس پر نظر پڑتی ہے مگر ایک جانا زانہ جنگ نے انہیں ایٹس ڈافون سے پیچھے دھکیں دیا البتہ اہل و سکس، گنٹ اور ٹیز کے درمیانی علاقے سے ڈین کو نکالنے میں کسی طرح کامیاب نہ ہو سکے اور اسی اثنا میں دوسری تازہ دم فوجیں ہمبر سے بڑھ کر ان کے شریک کار ہو گئیں۔ اس کشمکش کے دوران میں ایٹھلرڈ کا انتقال ہو گیا اور اب دشمن کی مازہ پیش قدمی کا مقابلہ کر نیکیے لئے اس کا سب سے چھوٹا بھائی الفرڈ رہ گیا۔ قبل ۸۷۱ اس کے کہ یہ نو عمر بادشاہ ان کے مقابلے پر آسکے وہ مقام ولٹن میں اپنے قدم جا چکے تھے۔ پے در پے شکستوں نے الفرڈ کو مجبور کر دیا کہ روپیہ دیجر ان تراقوں کو واپس کرے اور اپنی سلطنت کو سانس لینے کے لئے چند برس کی حمت دے، الفرڈ کی دور بین نگاہ کے لئے یہ دیکھ لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ ڈین محض اس غرض سے واپس ہوئے ہیں کہ نئے حملے کے لئے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو کر آئیں۔ چند سچہ تین برس کے اندر ہی اندر انہوں نے مرسیا پر حملہ کر کے اس کے بادشاہ کو سمندر پار بھگا دیا اور تخت مرسیا پر اپنے ایک باگڈار بادشاہ کو مستکن کر دیا۔ مقام ریٹن سے ان کی نصف فوج شمال کو ٹائٹن کی جانب بڑھ گئی اور جب لوٹنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا تو زمین ہی کو آپس میں تقسیم کر کے آباد ہونا اور کاشت کرنا شروع کر دیا۔

خود گنہگارم بقیہ حصہ فوج کو لئے ہوئے ایسٹ اینگلیا میں داخل ہوا تاکہ
 ویکس پر دوسرے سال حملہ کرنیکے لئے تیار ہو جائے۔ مقابلے کی وسعت
 کی وجہ سے اب شاہیوں کی تمام طاقت برطانیہ میں کھینچ آئی تھی۔ اور
 گنہگارم نے جب انجام کار جنوب کے لئے لنگر اٹھایا ہے تو اس کی فوج
 ہر ممکن امداد سے بڑھائی جا چکی تھی۔ ۱۸۴۶ء میں ڈینی ٹیرا ویریم کے سامنے
 نمودار ہوا اور جب الفرڈ نے معاہدہ کر کے اسے وہاں سے واپس کیا تو وہ
 آکٹر پر جا پڑا اور ڈین اور ایل ویلز باہم متحد ہو گئے۔ الفرڈ نے شدت
 سرا ہی میں اس نئے خطرے کے لئے مکر باندھی اور بہار کے شروع ہوتے ہی
 اس کی فوجوں نے آکٹر کو گھیر لیا اور ایک اجرتی بیڑہ ساحل سے کچھ دور
 متعین کر دیا گیا تاکہ ڈین کو سمندر کی طرف سے خلاصی اور امداد نہ حاصل ہو سکے
 ڈینی فوج کا جو حصہ ویریم میں رہ گیا تھا وہ اپنے محصور بھائیوں کے خطرے کو
 محسوس کر کے ان کی مدد کے لئے سمندر کی طرف سے روانہ ہوا مگر ٹوفان
 نے انہیں سوئیچ کی چٹانوں کی طرف بہا دیا۔ آکٹر نے آخر الامر فاقہ کشی
 سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی اور ڈین نے دو بارہ قسم کھائی کہ وہ
 ویکس کو چھوڑ کر چلے جائینگے۔

اس مرتبہ ڈین نے فی الواقع گلوستر کو واپس چلے گئے مگر الفرڈ کی فوج کے
 منتشر ہوتے ہی نئے گروہوں کے آجانے سے جن کا پیشہ ٹوٹ مار اور
 غارتگری تھی دشمن پھر چینیہم میں نمودار ہوئے اور اوائل ۱۸۴۷ء میں
 ٹوٹ مار کرتے ہوئے انہوں نے ملک کے اندر بڑھنا شروع کر دیا۔ یہ
 اچانک حملہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور ایک دو ماہ تک ملک میں
 ایسی سرایتگی پھیلی رہی کہ مقاومت کی امید تک باقی نہیں رہی۔ الفرڈ

صرف اتنا کر سکا کہ اپنی مختصر جماعت کے ساتھ اس قلعے میں جا پڑا جو بھلت
 تام پیرٹ کی دلدوں میں جزیرہ آٹھلنی کے اوپر تیار کیا گیا تھا۔ یہ ایسا
 موقع تھا جہاں سے وہ اپنے دشمنوں کی حرکات پر اچھی طرح نظر رکھ سکتا
 تھا۔ بہار کے شروع ہوتے ہی اس نے سمرٹ کے امرا کو اپنے جھنڈے
 کے نیچے طلب کیا اور اپنے کوچ میں برابر فوجیں جمع کرتا رہا۔ وہ دلشاز
 سے ہو کر ڈین کے مقابلے میں بڑھا۔ مقام اڈنگلین پر فوجوں کا آمناسامنا
 ہوا اور ایک سخت جنگ میں ڈین کو شکست ہوئی اور چودہ روز کے
 محاصرے کے بعد الفرڈ نے انہیں اطاعت پر مجبور کر دیا۔ ان کے سردار
 گتھرم کو عیسائیت کا اصطباغ دیا گیا اور وڈموڈ (واقع سمرٹ) میں وہ
 ایک مقدس صلح کا پابند بنا یا گیا؛ ظاہر صلح وڈموڈ سے یہ معلوم ہوتا
 تھا کہ ہرطانیہ کا بیشتر حصہ حملہ آوروں کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ تمام نارٹمبر
 تام ایٹ انگلیا اور نصف سنٹرل انگلینڈ (وسط انگلستان) شمالیوں کے
 تحت میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ تمام ملک ڈین لا (ارض ڈین) کہلانے لگا
 اور فاتحین اس میں مالکان اراضی کی حیثیت سے مفتوحین کے درمیان آباد
 ہو گئے۔ ان کی آبادی شمال و مشرق میں زیادہ گنجان اور وسطی ضلع میں
 چھدری تھی۔ مگر اپنی قدیم تنہائی پسندی انہوں نے کہیں نہ چھوڑی اور
 ہمیشہ اس کے قائم رکھنے میں سعی کی ان کے شہوں کا باہمی اتحاد نہایت ہی
 کمزور تھا اور ہر شہ کی فوج بھی علیحدہ تھی۔ اس صلح سے صرف اتنا ہوا کہ وکس
 بچ گیا مگر وکس کے بچ جانے سے فی الحقیقت تمام انگلستان بچ گیا۔ خوف و ہمت کا
 طلسم ٹوٹ گیا۔ صلے کی رو پلٹ گئی۔ اوز پندرہ برس کے امن کے زمانے میں
 صرف ایک مختصر لڑائی پیش آئی +

سینہ کی صلح و ڈومور کے بعد سے وہ کام شروع ہوا جو وکس کو ذین کی جنگل سے خلاصی دلانے سے بھی زیادہ مقصد و معزز تھا۔ الفوڈ نے اپنے آخری زمانے میں لکھا ہے کہ "اپنی اس عمر تک میں نے یہی کوشش کی ہے کہ زندہ رہوں تو عزت کے ساتھ زندہ رہوں" جب موت کا زمانہ قریب آگیا اس وقت اس کی یہی تمنا تھی کہ "بعد کے آئیوالوں کے لئے اپنے اچھے کاموں کی یادگار چھوڑ جاؤں" اس کا یہ مقصد اُنید سے زیادہ کامیاب رہا۔ انگریزوں کے اس معزز ترین بادشاہ کی زندگی کے حالات اور اس کے کارناموں کے بیان میں ہر قسم کے سبائے اور خیال آفرینی سے کام لیا گیا ہے مگر بائیں ہمہ اس کے صحیح و اصلی حالات ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ اُن چند افراد کے مقابلہ میں جو عالم میں بہترین و برترین اشخاص خیال کئے جاتے ہیں الفوڈ کی سیاسی یا علمی قابلیت بہت ہی حقیر معلوم ہوتی ہے مگر جس نے اسے ان لوگوں کے ہپیاء بنا دیا ہے وہ اس کی زندگی کی اخلاقی عظمت ہے۔ اس کی زندگی جو کچھ بھی تھی اپنی رعایا کے لئے تھی۔ مالک عیسوی کی تاریخ میں وہ پہلا حکمراں ہے جو اپنی شخصی آز و حرص کو یک سخت ترک کر کے کلیتہً اپنی رعایا کے لئے وقف ہو گیا تھا۔ اس کا یہ کہنا کہ میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہوں یہ منہ رکھتا تھا کہ وہ عدل و انصاف پر ہینہ نگاری و ایثار میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ صلح و ڈومور کے بعد ہی اس کی طبیعت کا انداز معلوم ہو گیا وہ طبعاً ایک جنگجو و فاتح تھا اور انگلستان میں جو اتبری پھیلی ہوئی تھی اسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر باوجود اس کے تیس ہی برس کی عمر میں اس نے فتح کا خیال تک اپنے سر سے نکال دیا اور یہ کوشش شروع کی کہ وہ اپنے پیچھے فتوحات ملکی کی نہیں بلکہ ان

”نیک کاموں“ اور اپنی ان محنتوں کی یادگار چھوڑ جائے جن کے ذریعے سے اس نے اپنی رعایا کے لئے امن و امان اعلیٰ حکومت اور تعلیمی فوائد حاصل کئے تھے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ ملک کو امن حاصل ہو جائے۔ ورٹ سیکسن کی سیادت کے دوبارہ قائم کرنا خیال اس نے یکٹلم ٹرک کر دیا تھا۔ انگلستان کے اس حصے سے جو چٹرس سے لندن تک کی رومی ٹرک وائٹنگ اسٹریٹ کے پار واقع ہے، الفروڈ نے کچھ سوکارا رکھا۔ گویا نارٹھمبریا، ایسٹ اینگلیا اور صف حصہ مریا سے اس نے اپنا خیال ہٹا لیا۔ اس کے پاس جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ خود اس کا ڈسکس، وادی ٹیرکا بالائی حصہ، وادی سیورن اور مرسی اور ڈی کے زرخیز میدان تھے۔ مریا کا نام اب نہیں آخری علاقہ جات پر محدود رہ گیا تھا (کیونکہ اس سلطنت کا باقی حصہ ڈین کے فاٹو باراز (بیچ محلات) کے نام سے مشہور ہو گیا تھا) الفروڈ نے اس حصے پر اپنی بیٹی آٹھفلید کے خاوند آٹھلرڈ کو حکمراں بنایا۔ یہ شخص بوجہ اپنی جرأت و مستندی کے ڈین کے حملوں کو شمال کی طرف سے روکنے کے لئے بہت ہی موزوں تھا۔ بحری حملے کی مدافعت کے لئے الفروڈ نے فوجی خدمت کا نظام از سر نو مرتب کیا اور ایک بیڑہ بھی اسی غرض کے لئے تیار کیا؛ ملک کو متعدد فوجی اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ تین سو ایکڑ سے پانچ سو ایکڑ تک کے حلقے بنائے گئے۔ ہر حلقے کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ بادشاہ کی طلب پر ایک مسلح شخص کو شرکت فوج کے لئے روانہ کرے اور خود اس کی تنخواہ و خوراک کا انتظام کرے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آزاد شخص کے لئے فوجی شرکت کا فرض یہ تو سابق قائم کیا گیا مگر فوج دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی تاکہ باری باری سے ایک حصہ میدان جنگ کو جائے اور دوسرا حصہ اپنے مواضع و قصبات کی حفاظت کرے۔ بحری انتظامات کی درستی، بری انتظامات کی درستی سے بھی سخت تر تھی۔ کسی

الفرد کی حکومت

موجود بیڑے کا مرتب کرنا نہیں بلکہ سرے سے ایک نیا بیڑہ تیار کرنا تھا! تاہم وہ استقلال کے ساتھ اپنی نئی بحری طاقت کو ترقی دیتا رہا اور اس کے بعد اس کے بیڑے کے بعد میں سو انگریزی جہازوں کا ایک بیڑہ آبنائے کا مالک تھا۔ اس طرح پر اپنے ملک کی حفاظت کا انتظام کر کے الفرد حکومت کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا، دسکس برسوں کی مہمکش سے بالکل خستہ ہو گیا تھا۔ اس کے قانون، نظم و نسق، عدالت و حکومت کا ڈھچرہ، قزاقوں کے طوفان، ریخیز میں ڈھیلا ہو چکا تھا۔ ضرورت تھی کہ مادی و اخلاقی دونوں حالتوں کو از سر نو زندہ کیا جائے۔ الفرد نمائش و تمغیل کا بندہ نہ تھا۔ اس کی نظر سادگی و عمل پر رہتی تھی۔ جنگ کی طرح سیاسیات، نیز بعد کے علمی کاموں میں بھی اس نے اسی شے کو لیا جو قریب تر موجود تھی اور اسی سے بہترین فوائد حاصل کئے۔ عدالت عامہ کی ترتیب جدید میں اس نے خاص کام یہ کیا کہ عوام و خواص دونوں کو ہنڈرڈموٹ (مجلس طلقہ) اور شانزموٹ (مجلس ضلع) کے فیصلجات کی اطاعت پر مجبور کیا؛ فوک موٹ (مجلس قبائلی) میں یہ لوگ بہ شدت ایکن دوسرے کی مخالفت کیا کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ الذرین (سرپنچ) اور حکام جو فیصلہ کرتے تھے بہ شکل ان میں سے کوئی اس فیصلے کو قبول کرتا تھا۔ الفرد کی عدم موجودگی میں ملک کے اندر جس قدر فیصلے ہوتے تھے وہ ان سب کی جانچ کرتا تھا کہ آیا وہ انصاف پر مبنی ہیں یا نہیں اور اگر وہ ان میں کسی طرح کی بہ اعمالی دیکھتا تو خود ججوں سے جواب طلب کرتا تھا۔ اس کا سوانح بخار لکھتا ہے کہ ”وہ شبانہ روز مقامی نا انصافیوں کی درستی میں مہمک رہتا تھا۔ کیونکہ اس تمام سلطنت میں خود بادشاہ کی ذات کے سوا شائد ہی کوئی غریبوں کا مددگار ہو تو ہو۔“ نئے قانون وضع کرنیکا

بادشاہ کو مطلقاً خیال نہیں تھا۔ وہ خود کہتا ہے کہ ”مجھے جو کچھ ملا خواہ وہ میرے ہم قبیلہ ایسی کے زمانے کا ہو یا اوفاشاہ مرسیا کے عہد کا یا اٹھارڈ کے وقت کا (جس نے انگریزوں میں سب سے پہلے پتہ لیا تھا)۔ انہیں میں سے جس نے کو میں نے بہتر سمجھا اس کو جمع کر لیا اور باقی سب کو چھوڑ دیا“ ان الفاظ سے الفرڈ کا کام زیادہ واضح نہیں معلوم ہوتا مگر فی الحقیقت جو کام اس نے کیا وہ بہت بڑی اہمیت کا کام ہے۔ اسی نے ایک عام قومی قانون کا خیال پیدا کیا اور جداگانہ گروہوں کے جداگانہ قبائلی رسوم و رواج کو متروک ٹھہرایا، اور ویکس، مرسیا اور کنٹ کے ضوابط تمام انگلستان کی ایک مشترک قانونی کتاب میں شامل ہو گئے *

چھ برس کے دوران اس میں الفرڈ کی سلطنت نے جو نئی قوت حاصل کر لی تھی اس کا اظہار اُس وقت ہوا جب قزاقوں نے دوبارہ اس ملک پر یورش کی۔ ایک فوج گال سے آکریٹیز کے اندر داخل ہوئی اور وہاں سے وِخلاق بڑھتی ہوئی روپیٹریک پہنچ گئی اور گتھم کی مملکت کے ڈین بھی صلح و ڈومور کو بلائے طاق رکھ کر اپنے بھائیوں کو مدد دینے لگے۔ مگر جنگ بہت ہی مختصر ہوئی اور اس کا انجام الفرڈ کی ایسی کامل فتح پر ہوا کہ ۱۰۸۶ء کی نئی صلح کے نوے ویٹ سیکن کی سرحد گتھم کی سلطنت کے اندر بڑھ گئی اور لندن اور قدیم سلطنت ایٹ سیکن کا نصف حصہ ڈین کے قبضے سے نکل گیا۔ اس وقت سے ڈین کی حالت مدافعت کی ہو گئی اور انگریزوں میں اس تغیر کا اثر فورا ہی محسوس ہونے لگا۔ ایک نئی قومی شاہت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ وِخلاق کا بیان ہے کہ سوائے ان انگریزوں کے جو ڈین کی غلامی میں تھے، تمام انگریزی آبادی الفرڈ کی طرفدار ہو گئی۔ دم لینے کے لئے اس دوسرے موقعے کے

ملنے ہی بادشاہ پھر اپنے اصلاح و تجدید کے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس کی مبادرت پسند طبیعت (جس نے آئرلینڈ سے ایک مضبوط شکاری بنائے رکھا) اور ابتدائے جوانی کی بیباکانہ جسارت نے اب ایک سنجیدہ اشتغال کی صورت اختیار کی اور اس نے اپنی سلطنت کی تفکرات کے ساتھ ہی اپنے روزانہ کے فرائض مذہبی کے انجام دینے، نو واردوں سے گفتگو کرنے، کتابیں دیکھنے، تجربہ کرنے، نظموں کے زبانی یاد کرنے، عارتوں کے نقشے سوچنے اور زرگروں کو ہدایت کرنے کے لئے، وقت نکال لیا۔ یہاں تک کہ باز پالنے والوں اور کتوں کی حفاظت کرنیوالوں تک کو وہ ان کے کام سکھایا کرتا تھا۔ اس پر بھی اس کی طبیعت اپنے جزیرے کے اندر بند رہنے کی روادار نہیں تھی، دور و دراز ملکوں کے قصے وہ بڑی توجہ سے سنتا تھا۔ بحر ابيض کی تحقیقات کے لئے اس شمالی کے گرد اوتھیر (ساکن ناروے) کے سفر یا استھونیا کے گرد دلفشین کی سیاحت کے بیانات اس کی خاص دلچسپی کا باعث تھے۔ اس نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے قاصدوں کی معرفت ہندوستان اور یروشلیم تک کے گرجوں کو تحائف بھیجے اور ایک خاص وفد ہر سال پطرس پنس (فاس بطرس) روم کو بجاتا تھا۔ وہ اگرچہ ایک بے چہری طبیعت کا آدمی تھا، مگر اس کے کام قطعاً ایک صاحب عمل کے سے کام ہوتے تھے۔ وہ ہمہ وجہ کام کرنیوالا، جزئیات پر نظر رکھنے والا، جفاکش و با اصول شخص تھا۔ اس کی نبل میں ہمیشہ ایک چھوٹی سی کتاب رہا کرتی تھی جس میں وہ تمام ایسی باتیں لکھ لیتا تھا جو کسی نہ کسی اعتبار سے اس پر اثر ڈالتی تھیں، کبھی کوئی خاندانی شجرہ، کبھی کوئی دعا، کبھی کوئی قصہ (جیسے استغاثہ کا بل پر مقدس گیت گائیکا واقعہ) وہ اس میں درج کر لیا کرتا تھا اس بادشاہ کے دن کا ہر گھنٹہ کسی نہ کسی کام کے لئے مخصوص تھا۔ اور آمدنی کی

تقسیم اور دبار کی ترتیب میں بھی یہی طریقہ ملحوظ تھا۔ ہر چند کہ وہ ایک مستعد کار اور مشغول الوقت شخص تھا مگر اس کا مزاج ہمیشہ سادگی پسند اور ترجم آئیز رہا۔ اس کی زندگی کے چند ہی قصے ایسے ہیں جو افسانہ محض سے زیادہ وقت رکھتے ہوں مگر افسانے بھی ان اخلاقی حدود سے متجاوز ہو سکی جرات نہ کر سکے جسے لوگ اچھی طرح جانتے تھے۔ جس زمانے میں ڈین ملک کو تباہ کر رہے تھے اور الفرد موٹھے کے انتظار میں ہینوں بھلنی میں پڑا رہا، اس زمانے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک کسان کے جھونڈے میں گیا۔ مالک مکان نے اسے پہچانا نہیں اور حکم دیا کہ توے پر روٹی کو پھیرتا رہے۔ نوجوان بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی مگر اپنے نملکین خیالات کے ہجوم میں اس سے کچھ فرو گذاشت ہو گئی۔ نیک بخت عورت نے واپس ہو کر جب اپنی روٹیوں کی یہ گت دیکھی تو الفرد پر لعنت و طامت شروع کر دی مگر وہ کشادہ پیشانی کے ساتھ چپ چاپ سنتا رہا۔ اس قصے کی اصلیت اگر ایک افسانے سے زیادہ نہ ہو تو بھی یہ واقعہ کسی ایسے شخص کی نسبت نہیں بیان کیا جا سکتا جس کی طبیعت میں ذوق مزاح نہ ہو۔ روایات سے اس کی مسرت آئیز نیک طبعی، اپنے واردات زندگی کی پر گوئی، اور سب سے زیادہ اس کے گمانے کی رغبت کے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے مشغول ترین وقتوں میں بھی الفرد اپنے قومی گیتوں کے زبانی یاد کرنے کے لئے وقت نکال لیتا تھا۔ بلکہ محل کے مدرسے میں بھی ان کے سکھانے کا حکم دے رکھا تھا۔ جب وہ بُت پرستوں کے دیوبانی کے قصوں کا ترجمہ کر رہا تھا تو شوق کے ساتھ جا بجا رکتا جاتا اور انہیں پھیلاتا جاتا تھا۔ افسردگی کے اوقات میں مزایہ کی راگ سے اسے خاص راحت حاصل ہوتی تھی *

لفرڈ اور
رادب

انگلستان میں لفرڈ کے نام کو جنگ آوری و قافون سازی سے وہ پائیدار بقا نہیں حاصل ہونے والی تھی جو علم ادب کی تحریک و تشویق سے حاصل ہوئی۔ درحقیقت اس کام میں بھی اس کا مقصد علمی ہونیکے بجائے زیادہ تر علمی تھا۔ اسے جو کچھ مد نظر تھا وہ اپنی قوم کی تعلیم تھی۔ علم و تمدن برطانیہ عظمیٰ سے تقریباً مفقود ہو چکے تھے۔ خود وکس میں بھی تعلیم کا پتہ نہیں تھا۔ لفرڈ کہتا ہے کہ ”جب میں نے حکومت شروع کی تو تیز سے جنوب میں ایک شخص بھی نہیں تھا جو اپنی کتاب عبادت کو انگریزی میں بیان کر سکے“ ڈین نے جو تباہی برپا کی تھی وہ محض مادی ہی تباہی نہیں تھی بلکہ تاریخہریا میں ڈین کی تلوار نے اگبرٹ یا بیڈا کے مدرسے کے عالموں میں سے شاید ہی کسی کو باقی چھوڑا ہو۔ اس عام جہالت کے تدارک کے لئے لفرڈ نے یہ چاہا کہ کم از کم ہر ذی استطاعت آزاد لڑکا جب تک انگریزی تحریر کو اچھی طرح سمجھنے پر قادر نہ ہو جائے پڑھنا ترک نہ کرے۔ اس نے اپنے دربار کے نوجوان امرا کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کی نگرانی خود اپنے ذمہ لی۔ ملک کے اندر ان تعلیمی کوششوں میں مدد دینے والے صرف وہ چند معتقدیان دین اور قیس تھے جو مرسیا کے غیر تباہ شدہ تھے میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ ویلز کا ایک اسقف ایسر تھا اور بس۔ بادشاہ بہت تلخکامی کے ساتھ لکھتا ہے کہ ”زمانہ ماضی میں لوگ تحصیل علم کے لئے دوسرے ملکوں سے یہاں آتے تھے۔ اور اب کہ ہم خود علم کے جویاں ہیں ہم مجبور ہو کر اسے دوسرے ملکوں سے حاصل کرتے ہیں“ اس نے ویٹ فرینک (مغربی فرینک) اور ایٹ فرینک (مشرقی فرینک) میں علم کی جستجو کی اور اپنی بنا کردہ خانقاہ واقع ونچسٹر کی صدارت کے لئے ایک عالم گریبالڈ

نامی کو سینٹ اومر سے بلایا دین سے خلاصی پانیکے شکریہ میں اس نے فلاب آہلنی میں ایک خانقاہ قائم کی تھی۔ اس کی سربراہی کے لئے جان اولدین (سمرسیکن) کو غالباً وسٹفیلیا کی خانقاہ گاربی سے طلب کیا تھا۔

الفرڈ کے
ترجمے

لیکن انگریزی تعلیم پر جس نے سب سے زیادہ اثر ڈالا وہ ان عالموں کا نہیں بلکہ وہ خود بادشاہ کا کام تھا۔ الفرڈ نے عزم کر لیا تھا کہ اپنی رعایا کے لئے خود انہیں کی زبان میں وہ تمام علوم مہیا کر دے جو اب تک صرف فرقہ مذہبی کی ملکیت تھے، کتابوں کو جس حال میں اس نے پایا لے لیا۔ کچھ اُس زمانے کی عام درسی کتابیں تھیں۔ ایک کتاب عالمگیر تاریخ پر آروسیس کی تالیف کردہ تھی۔ بیڈا کی قومی تاریخ بیٹس کا کانسولیشن (تسلی نامہ) پوپ گریگوری کے پیٹورل (مواظف) یہی چند کتابیں تھیں۔ اس نے انہیں کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا مگر وہ محض ترجم ہی نہیں تھا بلکہ وہ اپنی قوم کے لئے کتابوں کو مرتب بھی کرتا تھا یعنی حسب ضرورت کہیں کچھ حذف کر دیتا کہیں کچھ بڑھا دیتا تھا۔ شمال کی جدید جغرافیائی تحقیقاتوں کے اضافے سے اس نے آروسیس کو زینت دیدی، بیڈا سے جو انتخابات کئے ان پر ویسٹ سیکن کا رنگ پڑھا دیا۔ ایک موقع پر کتاب کے درمیان میں وہ اپنے اصول حکومت کی تشریح کرتا، زیادہ آبادی کے لئے اپنی خواہش ظاہر کرتا اور قومی بہبود کی نسبت یہ رائے دیتا ہے کہ اس کا انحصار مذہبی فرقہ، فوج اور عام رعایا کے توازن پر ہے۔ نیرو کا ذکر آجانے سے وہ یک بیک طاقت و قوت کے غلط استعمال پر ایک پُر زور بحث شروع کر دیتا ہے۔ مسئلہ تقدیر کے متعلق بیٹس کی تحریر سے وہ رحمتِ خداوندی کے پُر جوش اعتراف کا موقع نکالتا ہے۔ وہ جب لکھنے میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی

فرانج دلی قبائے شاہی کو اتار پھینکتی ہے۔ وہ اس طرح باتیں کرتا ہے۔ جس طرح ایک معمولی شخص دوسرے شخص سے باتیں کرتا ہو۔ وہ نہایت دلپسند سادگی کے ساتھ یہ التبا کرتا ہے کہ "اگر کوئی شخص لاطینی مجھ سے بستر جانتا ہو تو مجھے اس کا الزام نہ دو، کیونکہ جو شخص بھی کچھ کہیگا یا کریگا وہ اپنی ہی قابلیت کے مطابق کہے یا کریگا۔" الفرڈ کا مقصد کیسا ہی سادہ کیوں نہ ہو لیکن اس کام سے انگریزی علم ادب کی بنیاد پڑ گئی۔ کیونکہ اور اس کے ہمنوا مینیوں کی بلند پایہ نظم و دیگر قصائد و رجز کا ایک سلسلہ۔ پہلے بھی انگلستان میں موجود تھا مگر نشر میں اس وقت تک ایک کتاب بھی نہیں تھی۔ کتابوں کا وہ متناہی ذخیرہ جس سے اب انگلستان کے کتب خانے گرانبار ہو رہے ہیں اس کی ابتدا الفرڈ ہی کے تراجم اور اسی کے عہد کے وقائع سے ہوئی ہے۔ بہ اغلب وجہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا بیڈا کی تاریخ کا ترجمہ کرنا اُس تاریخ کا محرک ہوا جو انگریزی یا اینگلیو سیکسن وقائع کے نام سے مشہور ہے، اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ وقائع کی موجودہ صورت اسی کے عہد کا کارنامہ ہے۔ شاہان و سکس اور استقنان چیمپٹر کی مختصر فہرستیں قدیم زمانے سے محفوظ تھیں، انہیں میں بیڈا کے اقتباسات کا اضافہ کر کے ایک معمولی تاریخ تیار کی گئی مگر الفرڈ کے عہد پر پہنچ کر وقائع میں یک بیک پُر زور تسلسل بیان کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی زبان میں ایک نئی قوت آگئی ہے۔ اگرچہ تاریخی اعتبار سے مختلف عہدوں کے حالات جو اس میں مندرج ہیں یکساں قدر و وقعت نہیں رکھتے مگر تمام قوم ٹیوٹن کے اندر خود ان کی زبان میں یہی وقائع پہلی تاریخی کتاب ہے اور ٹیوٹن زبان کے نثر

کی قدیم ترین اور محترم ترین یادگار ہے۔ جس بادشاہ کے دربار میں جس کی تحریک سے اور غالباً خود جس کے الفاظ میں انگریزی تاریخ کی ابتدا ہوئی ہو اگر انگریزی مورخ اس بادشاہ کے بیان کو غیر معمولی وسعت دے تو اسے قابل درگزر سمجھنا چاہئے *

(۱۰)

جزو ششم مملکت ویسٹ سیکسن

اسناد۔ خاص سند انگلش کرائس (دقائق انگریزی English Chronicle) ہے مگر اس دور کے بیانات میں اس کے انداز تحریر میں تغیرات بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ اڈورڈ کے حالات بہت وسیع ہیں اور مرسیا کا ایک واقعہ بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے مگر بعد کے اندراجات مختصر ہوتے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی نفلوں کے شامل کر دینے سے اٹھارڈ کے عد ایک سلسلہ بھی جا بجا سے ٹوٹ گیا ہے مگر بعد میں پھر حسب معمول پر گونی پیدا ہو گئی ہے فلورنس آف دوستر (Florence of Worcester) غالباً اسی واقعہ کے کسی گم شدہ نسخے کا ترجمہ ہے۔ لاز (قوانین "The Laws") ہمارے لئے اس زمانے کی آئینی معلومات کی بنیاد ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) اٹھارڈ اور اینی کے سابقہ قوانین کی طبع اڈورڈ اٹھارڈ، اڈمنڈ اور اڈگار کے قوانین بھی زیادہ تر رسوم و رواج کے ترتیبات کے قسم سے ہیں۔ (۲) اڈورڈ، اٹھارڈ، کنوٹ اور نیر اڈورڈ ٹائب کے قوانین میں مجموعہ ضوابط کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سب قوانین مسٹر تھارپ کے ایڈیشن لاز اینڈ انسٹیٹیوشنز آف دی اینگلو سیکسن (اینگلو سیکسن کے قدیم قوانین و تنظیمات Ancient Laws and Institutions of the Anglo-Saxons) میں طبع ہوئے ہیں، مگر ڈاکٹر اسٹیرنے سلکٹ چارٹرز (نزائیں منتخبہ صفحات ۵۹-۷۴) میں جو اقتباسات دئے ہیں ان میں وہ تمام

ضوری باتیں شامل کر لی ہیں جن کا اثر براہ راست انگریزی نظام حکومت پر پڑتا ہے۔ مشرقیہیل کی

کاڈکس ڈپلومیٹیکس ایوی سیکسنسی (Codex Diplomaticus Aevi Saxonici)

میں اس زمانے کے متعلقہ ذیلیں وغیرہ کا ایک بڑا انبار موجود ہے۔ ڈنسن کی سوانح عمریاں ڈاکٹر

اسٹرنے روز کے سلسلہ کی ایک جلد میں جمع کی ہیں۔ اس زمانے کے لئے مشرگرین کی کانویسٹ

آف انگلینڈ (فتح انگلستان Conquest of England) بھی دیکھنا چاہئے

۱۰۶۶ء میں ہسٹنگز کے ڈین کے انگلستان پر دو بارہ حملہ کر دینے

مرسیا اور ڈین

سے الفرڈ کے پراسن کاموں میں ایک مرتبہ پھر خلل پڑ گیا۔ لیکن الفرڈ نے وکس

کے لئے نہایت مضبوط سامان حفاظت مہیا کر دیا تھا۔ ڈین نے ایک برس تک

ان اسباب مدافعت پر غالب آنے کی کوششیں کی مگر سب بیکار گئیں اور ان کی

فوجیں اپنے انڈر ڈویولڈ کے قلعوں کو چھوڑ کسی اور مقام سے ٹیز کے پار اتریں۔

ٹیز کے پار ہوتے ہی تمام ڈین لا (ملک ڈین) ان کی امداد کے لئے اٹھ کھڑا ہوا

اور اس سے ان کی اس نقل و حرکت کا راز ظاہر ہو گیا۔ یہ فوج جب ویلز

میں نئی شورشیں برپا کرنے کے لئے ٹیز کے برابر برابر چلی تو بادشاہ کے بیٹے اڈورڈ

اور مرسیا کے والی اٹھلرڈ نے اہل لندن کو ہمراہ لیکر اس کا تعاقب کیا اور دریائے

سیورن پر اسے جا لیا۔ سخت کشت و خون کے بعد اس فوج کو شکست ہوئی

اور مجبور ہو کر اسے اپنے سابق قیاسگاہ واقع سکس کو بھاگنا پڑا۔ اکثر کو ترقاتی

پڑے اور ڈین کے مغربی ویلز کے اتحادیوں کے حملے سے بچانیکے لئے الفرڈ بذات

خود وہاں جا رہا۔ ہسٹنگز جب پلٹ کر دو بارہ مغرب پر حملہ آور ہوا اور چرٹر پر

قابض ہو گیا تو اٹھلرڈ نے اسے اس مستحکم مقام سے نکال دیا اور مجبوراً پھر اسے

اپنے لشکرگاہ واقع لی کو واپس جانا پڑا۔ اب الفرڈ بھی اپنے نائب کی مدد کے لئے

آسجود ہوا۔ دریا کے راستے کو بند کرنے کے لئے اس نے پہلے ہی سے دو قلعے

تعمیر کر لئے تھے۔ ڈین کے جہازات ان قلعوں میں گھر کر گرفتار ہو گئے اور اس سے

فی الواقع جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ ڈین، ویلز کی طرف پسپا ہوئے اور وہاں سے وہ اپنے قدیم مقامات واقع فرینک لینڈ کو چلے گئے اور نئے انگریزی بیڑے نے آبنائے کو ڈاکوؤں سے پاک کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی مزید حفاظت کے خیال سے الفرڈ کی زندگی کے آخری ایام ان سلطنتوں سے اتحاد پیدا کرنے میں صرف ہوئے جنہیں غرض مشترک نے قزاقوں کے خلاف اتفاق پر آمادہ کر دیا تھا۔ مگر ہیستنگ پر فتیاب ہونے کے چار ہی برس بعد الفرڈ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اڈورڈ سلطنت کا وارث ہوا۔ اڈورڈ اگرچہ ایک جفاکش اور مستعد کار حکمراں تھا مگر وہ بدستور اپنے باپ کی پُرسکون روش پر قائم رہا۔ جب سائرس میں اس کی شمالی سرحد پر ڈین بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور جنوبی ساحل پر قزاقوں کے جہازات نے حملہ کر دیا اس وقت بہ مجبوری اس نے دوبارہ جنگ کا تہیہ کیا۔ ۱۰۱۲ء میں اٹھارڈ کا انتقال ہو چکا تھا اور مرسیا اب اڈورڈ کی بن اٹھلیڈ کے تحت میں تھی۔ الفرڈ نے اسے بھی اپنا معاون بنا کر منضبط طریق پر ڈین لا (ملک ڈین) کو فتح کر لیا عزم کیا۔ ایک طرف اڈورڈ نے جنوبی اسکس پر قبضہ کر کے اور ہرٹفرڈ اور وہیم پر قلعے بنا کر ایٹ انگلیا کو قابو میں کیا۔ دوسری طرف اٹھلیڈ نے مرسیا کی شہرت کو نازل نہ ہونے دیا اور فائیو باراز (فتح حملات) کی فتح پر کمر ہمت چست باندمی۔ ڈین کے یہ پنج صوبے قدیم سلطنت مرسیا کے نصف حصے کے بجائے قائم ہو گئے تھے۔ ڈربی بالائے ٹرنٹ پر اسی مرسیا کا قائم مقام تھا اور اسی طرح لنکن بجائے لنڈسوارا، یسٹر بجائے ڈل انگلینڈ (وسط انگلستان) کے اسٹمرڈ بجائے گرواس (فنس کے اہل خلاب) کے، اور ناسٹنگم غالباً بجائے ساؤتھیریا کے قائم ہو گئے تھے۔ یہ صوبے

الفرڈ کا انتقال
۹۰۱

عملاً ایک دوسرے سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر صوبہ کا ایک ایک والی تھا اور ان کی فوجیں بھی علیحدہ علیحدہ تھیں۔ ہر صوبے میں بارہ قانون دان اشخاص ڈینی قانون کے عملدرآمد کے لئے مقرر تھے اور ایک عدالت عالیہ تمام اتحاد کے لئے قائم تھی۔ اس پر زور جتنے پر عمل کرنے کے لئے انٹھلیڈ نے جنگ و یورش کی پُرانی تدابیر کو ترک کر کے ان کے بجائے محاصرے اور قلعہ بندیوں کا نیا طریقہ اختیار کیا۔ دریائے ٹرنٹ کے برابر برابر پڑھ کر اس نے دریا کے سرچشموں پر ٹیمپورٹھ اور اسٹیغورڈ کو مستحکم کیا وہاں سے جنوب کی طرف ٹری اور واروک کے قلعے کے ذریعے سے وادی ایون کو محفوظ کر لیا۔ اس طرح پر بڑے بڑے دریاؤں کے سواصل کو محفوظ کر کے اور آرڈن کی دونوں جانب ویلز کے راستوں کو اپنے قبضے میں لاکر اس نے ۱۶۹۱ء میں ڈربی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ اس کے جواب میں ڈل انگلیڈ کے ڈین نے یورشیں شروع کر دیں مگر یہ یورشیں والیڈ مرسیا کو اپنے شکار سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوئیں۔ اس نے ڈربی کو کسی طرح نہ چھوڑا اور اس پر قبضہ کرتے ہی جنوب کی طرف پلٹ کر لیمرٹھ کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

وسکس اور انٹھلیڈ اپنی ان فتنہبویوں کے دوران ہی میں انتقال کر گئی اور ڈین لاڈورڈ نے فوراً ہی مرسیا کو بھی وسکس میں شامل کر لیا۔ اڈورڈ نے جب جنوب کی طرف فانیو باراز کو گھیرا تو خود اس کی کامیابی بھی انٹھلیڈ کے کارناموں کی طرح نمایاں ہو چکی تھی۔ ڈل انگلش اور فنس کے جنوب میں ایک قطعہ زمین واقع تھا جسے دریائے اور اورین سیراب کرتے تھے۔ اصل میں یہ ساؤتھ انگلش نامی قبیلے کا علاقہ تھا مگر اب شمال کی فائیو باراز

کی طرح اضلاع ہڈ فرڈ ہیننگڈن اور نارٹھیمپٹن کے مصافات میں شامل تھا ان اضلاع کے فتح ہوتے ہی ایسٹ اینگلیا بھی مفتوح ہو گئی۔ فنس کے ڈین اسٹیفورڈ کی فتح کے ساتھ اور ساؤتھمبریا کے ڈین نارٹھنگم کے ساتھ ہی مطیع ہو گئے یقین ہے کہ فائیو باراز کا آخری غیر مفتوح علاقہ لنکن بھی اسی زمانے میں مطیع ہو گیا تھا۔ اب اڈورڈ، ڈ برٹن (وسط برطانیہ) سے گذر کر نارٹھمبریا پر حملہ آور ہونے کے لئے احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس نے شیپٹر پر قبضہ کر لیا اور اپنی فتح کی تکمیل کے لئے تیاریاں کر رہا تھا کہ یک بیک تمام شمال نے از خود اس کے قدموں پر سر رکھ دیا، نہ صرف نارٹھمبریا بلکہ اسٹریٹھلڈ

۹۲۴ کے برطانویوں اور اسکاٹ نے بھی اسے اپنا آقا و مالک تسلیم کر لیا۔ اس اطاعت کا سبب بھی غالباً وہی تھا جس وجہ سے شمالی ویلز نے الفرڈ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ یعنی مناقشات باہمی کا دباؤ اور اسی لئے ان لوگوں کی اطاعت بھی ویلزوں کی اطاعت کی طرح بالکل بیکار تھی۔ اڈورڈ کے انتقال کو ایک برس بھی نہیں ہوا تھا کہ شمال میں شعلہ بغاوت بلند ہو گیا، الفرڈ کا پوتا

اتھلسٹن (زرین مو) اڈورڈ کا جانشین ہوا۔ اس کے بچپن میں الفرڈ نے اتھلسٹن خود اپنے ہاتھ سے ایک زرین پرتلے کی تلوار اور ایک جواہر نگار بیٹی اس کی کمر سے بانہی تھی۔ اس نے نارٹھمبریا کو اپنے مالک میں شامل کر لیا اور بند ازاں مغرب کی طرف متوجہ ہو کر شمالی ویلزوں اور اسکاٹ کے اتحاد کو توڑ دیا اور انہیں سالانہ خراج دینے، شاہی فوج کے ہمراہ رہنے، اور بادشاہی مجلسوں میں حاضر ہونے کا پابند بنایا۔ کارنوال کے مغربی ویلزوں پر بھی اسی قسم کی اطاعت عاید کی گئی اور آکسٹر سے وہ تمام برطانوی نچل دئے گئے جو اب تک وہاں انگریزوں کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔

کانٹیننٹاٹن شاہ اسکاٹ نے آئرلینڈ کے اسٹین سے اتحاد کر لیا تھا۔ اس کی سزا میں ایک فوج نے اس کے ملک کو تباہ کر دیا اور ایک بیڑے نے اس کے سواحل کو لوٹ لیا؛ مگر یہ بغاوت ایک خطرناک اتحاد کا صرف پیش خمیہ تھی۔ چنانچہ ہمہر میں آلف کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی اسکاٹلینڈ، کبرلینڈ، مشرق و مغرب کے برطانوی اور ڈینی سردار سب کے سب متحد ہو کر ایک ساتھ

بروینبر ۹۳۷

اٹھ کھڑے ہوئے؛ مگر بروینبر میں بادشاہ کو ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ بہترین رزمیہ نظموں میں اس کا ذکر ہوتا رہا۔ اس فتح سے ڈین کی امیدوں کا تو خاتمہ ہو گیا مگر ملک کو مسخر کر نیکا کام ابھی باقی رہ گیا تھا۔ اسٹین کے استقبال پر اس کا نو عمر بھائی اڈمنڈ تخت نشین ہوا اور ڈین لا (ملک ڈین)

اڈمنڈ ۹۳۷-۹۳۸

پھر بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ فائیو باراز کے لوگ اپنے نائٹھیریا کے رشتہ داروں سے مل گئے۔ اسٹیفان اعظم اڈو اور ولفسٹن کی وساطت سے باہم صلح ہو گئی مگر عملاً پھر وہی الفرڈ کے زمانے کا توازن قائم ہو گیا اور ڈائلنگ اسٹریٹ ہی وکس اور ڈین کے درمیان حد فاصل قرار دی گئی۔ لیکن اڈمنڈ میں اس کے خاندان کی سیاسی و فوجی قابلیت موجود تھی۔ اس نے ڈین لا کو ازبرنو مطیع کر لیا اور ڈین کو حد اعتدال میں رکھنے کے لئے اسکاٹ سے معاہدہ کر لینے کا موقع نکالا، شاہ اسکاٹ کو کبرلینڈ جاگیر میں دیکر اسے اپنا معاون بنا لیا۔ مگر موت نے دفعتاً اس کی الوالزمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ وہ پکل چریج میں کھانا کھا رہا تھا کہ یوفا نامی راہزن (جسے اس نے جلا وطن کر دیا تھا) آکر شاہی مینر پر بیٹھ گیا۔ ایک ضد نگار نے اس سے اٹھ جانے کے لئے کہا مگر وہ خود اسی پر تلوار کھینچ کر جھپٹ پڑا۔ اپنے خادم کی مدد کے لئے اڈمنڈ نے اچک کر اُس راہزن کے بال پکڑ لئے اور اسے زمین پر گرا دیا مگر قبل اس کے

کد کوئی اور مدد کر سکے راہزن کا خنجر بادشاہ کا کام تمام کر چکا تھا۔
 سلطنت ویٹ سیکن کی تکمیل فی الحقیقت کسی بادشاہ یا جنگ آور کے ڈنسن کے
 ہاتھوں سے نہیں بلکہ ایک قتل کے ہاتھوں سے ہونیوالی تھی۔ اڈمنڈ کے
 انتقال کے بعد ہی سے انگلستان کے معاملات میں ایک نئی صورت پیش پیش
 نظر آتی ہے جس کا نام ڈنسن ہے۔ یہ مذہبی مدبرین کے اُس سلسلہ کا پہلا
 شخص ہے جس میں لیفٹیننٹ اور دولزی داخل ہیں اور جس کا خاتمہ لاڈپر
 ہوتا ہے۔ نو صدیوں کے انقلاب و تغیر کے بعد بھی وہ اپنی نمایاں شخصیت
 و ذاتی صفات کے اعتبار سے اوروں سے زیادہ قابل ذکر ہے وہ گلیسٹن
 کے چھوٹے سے دیہات میں اینی کے گرجے کے قریب پیدا ہوا تھا۔ اس کا
 باپ ہیورسٹن ایک دولمنڈ شخص اور اپنے وقت کے تین استغفوں اور بہت
 سے درباری امرا کا قربتدار تھا۔ یہ کم سن حسین لڑکا غالباً اپنے باپ کے
 ایوان ہی میں قدیم زمانہ بت پرستی کے لایینی گیتوں اور فضول قصوں اور
 ترانوں سے ذوق آشنا ہوا ہوگا۔ جس کی وجہ سے بعد میں اس پر جادو گری
 تک کا الزام لگایا گیا یہیں اسے موسیقی سے وجدانی محبت پیدا ہوئی ہوگی
 اور یہیں اسے یہ عادت پڑی ہوگی کہ وہ سفر میں ہو یا کسی کی ملاقات کو جانے
 ہر حال میں اپنا ستار اپنی نفل میں دبائے رکھے آئرلینڈ کے جہاں گرد طلبا
 جس طرح رائن و ڈینوب کے کناروں پر اپنی کتابیں چھوڑ جایا کرتے تھے
 اسی طرح خانقاہ گلیسٹن بری میں بھی کتابیں چھوڑ جاتے تھے۔ ڈنسن ان کتابوں
 کے ذہنی و ذہنی علوم کے مطالعہ میں اس درجہ مستغرق ہو گیا کہ اس کے دماغ میں
 سودا سا پیدا ہو گیا، قرب و جوار میں اس کی ہمہ دانی کی شہرت ہو گئی
 اور اس کا آوازہ انگلسٹن کے دربار تک پہنچا۔ مگر جب ڈنسن خود دربار میں

گیا تو اہل دربار حسد و رشک کی وجہ سے اُسے دیکھ نہ سکے حالانکہ ان میں بہت سے اس کے قریبند بھی تھے۔ مجبور ہو کر اسے وہاں سے واپس چلا جانا پڑا۔ اوٹمنڈ نے جب خود اسے دو بارہ طلب کیا تب بھی حریفوں نے اسے شاہی جلوس سے نکال دیا اور دلہل میں اسے گھوڑے سے گرا دیا۔ اور جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا وحشیانہ جوشِ غضب میں اسے کچر کے اندر پیروں سے روندنا۔ اس صدمے سے اسے بخار آگیا اور ایسی مایوسی و شرم دانگی ہوئی کہ بسترِ علالت سے وہ راہب بن کر اٹھا مگر انگلستان میں اس زمانے کی رہبانیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ تجرد کا عہد کر لیا جائے۔ ڈنٹن نے ریاضت کی زاہدانہ روش نہیں اختیار کی۔ اس کی طبیعت بشارت بیچینی، حُسن شناسی، اور محبت کے قوی جذبات سے لبریز تھی اور دوسروں میں بھی ایسا ہی قوی جذبہٴ محبت پیدا کر دینے کی قابلیت رکھتی تھی۔ وہ تیز فہم، قوی حافظہ والا، مستعد کار، فصیح البیان، خوش طبع، خوش اطوار، صناعت اور ماہر موسیقی تھا۔ مگر باوجود اس کے وہ کام سے کبھی تھکتا نہیں تھا اور ہمیشہ کتب بینی، تعمیر، دستکاری وغیرہ میں مشغول رہتا تھا۔ عویش ہمیشہ اس کی دل دادہ رہتی تھیں۔ راہب ہو کر وہ ایک عالی مرتبت خاتون کا مرشد بن گیا جس نے اپنی زندگی کو محض نیک کاموں اور زائرین کی خاطر و مدارات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اس خاتون کے ساتھ رہا اور اس سے غایت درجے کی محبت رکھتا تھا۔ جب اس کے معتقد کی دولت بے روک ٹوک اس کے اختیار میں آگئی تو اس کے کاموں کا دائرہ وسیع ہو گیا، شاگردوں کا ایک غول کا غول اس کے ساتھ نظر آنے لگا یہ سب کے سب حصولِ علمِ ادب، تحریر، شاعرانہ نوازی، مصوری اور نقشہ کشی

میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن صبح کو کسی عورت نے اسے ایک چنے کی قطع تجویز کرنے کے لئے بلایا جس پر وہ کارچوبی کام کر رہی تھی۔ ڈنسن نے اپنا ستار دیوار پر لگا دیا اور خود کام دیکھنے کے لئے میز پر جھکا۔ ستار سے بلا کسی شخص کے ہاتھ لگائے ہوئے از خود آواز نکلنے لگی، لوگوں نے حیرت و مسرت کے ساتھ اس آواز کو سنا اور اسے اپنی ہنوائی سمجھے۔ اس کی یہ عالمانہ زندگی اسی عالی مرتبت خاتون کی وجہ سے تھی۔ اس کے انتقال سے یہ سلسلہ ٹوٹ گیا اور اومنڈ کے اختتام عہد کے قریب وہ دو بارہ دربار میں بلایا گیا مگر پڑانی رقابتیں پھر تازہ ہو گئیں، اور وہ مایوس ہو کر واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بادشاہ اس دن شکار میں مشغول رہا تھا۔ اس نے ایک سرخ ہرن کا تعاقب کیا تھا۔ ہرن چنڈ کی چٹان پر سے کود گیا اور گھوڑا غار میں گرتے گرتے بچا۔ اور اومنڈ کی آنکھوں کے سامنے موت کا نقشہ کھینچ گیا۔ اُس وقت ڈنسن کے ساتھ جو نا انصافی کی تھی اُسے یاد آئی اور وہ بہت نادام ہوا۔ شکار سے واپس آکر اس نے فوراً اُسے بلا بھیجا اور کہا کہ 'گھوڑے پر زین کسو اور میرے ساتھ چلو' شاہی جہاںس دلدلوں سے گذر کر ڈنسن کی خانقاہ میں پہنچا۔ بادشاہ نے ڈنسن کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بہ نفس نفیس اسے گلیسٹن بری کے رئیس خانقاہ (ایبیٹ) کی گڑھی پر بٹھایا +

غالباً اسی وقت سے محالات عامہ میں ڈنسن کا اثر پڑنا شروع ہوا
ہوگا، مگر اومنڈ کے بھائی اڈورڈ کی تخت نشینی کے قبل تک اس کا اثر اوروں
پر غالب نہیں آیا تھا اور نہ وہ اس وقت تک بادشاہ کا مشیر خاص مقرر
ہوا تھا۔ لیکن اڈورڈ کی تاج پوشی کے پُر وقت اعلان میں کچھ نہ کچھ

ڈنسن کا
نظم و نسق

اڈرڈ

۹۵۵-۹۲۶

اس کے اثر کا پتہ چلتا ہے۔ اڈرڈ کا انتخاب وہ پہلا قومی انتخاب تھا۔ جس میں برطانوی، ڈین، اور انگریز سب کی یکساں نیابت پائی جاتی ہے۔ یہ پہلی قومی تاجپوشی تھی اور یہی پہلا موقع تھا کہ شمال و جنوب کے ہر دو مقتدا بان دین نے بہ اتفاق یکدگر ایک ایسے شخص کے سر پر تاج رکھا جس کی حکومت فورتح سے آبنائے تک پہنچنے والی تھی، دو برس بعد شمال میں سرکشی ہوئی مگر یہ بناوت فرو کر دی گئی اور ایک نئی شورش کے برپا ہونے پر ایرک کا اسقف عظم ولفسٹن قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ۹۵۴ء میں ڈین لاکے مطیع ہو جانے سے اڈرڈ کے خاندان کا مدت ہائے دراز کا کام انجام کو پہنچ گیا۔ ڈین نے اگرچہ جنگ میں بڑی استقامت دکھائی مگر آخر الامر انہیں اپنی ہار ماننا پڑی۔ اڈرڈ کی آخری ظفریابی کے بعد تمام مخالفوں کا خاتمہ ہو گیا۔ شمال بھی قطعی طور پر انگریزی حکومت کے نظم و نسق میں شامل کر لیا گیا۔ اور آسولف کے تحت میں نارٹھمبریا کا درجہ ماتحت شاہی سے گمٹ کر امارت کا رہ گیا۔ شاہی طاقت کی یہ نئی سطوت ان پر عظمت القاب سے ظاہر ہوتی ہے جو اڈرڈ نے اختیار کئے تھے وہ صرف اینگلو سیکسن کا بادشاہ نہیں بلکہ تمام برطانیہ کا قیصر ہو گیا۔

ڈنسن
عظم
مقتدا

مگر اڈرڈ کے مرتے ہی سیاسی مناقشات برپا ہو گئے۔ نوٹر بادشاہ ڈوگ ایک عالی نسب خاتون اٹھلجیفو کے زیر اثر تھا۔ اس خاتون اور اڈرڈ کے پڑائے مشیروں کے درمیان اختلافات تو پہلے ہی سے تھے لیکن تاجپوشی کی دعوت کے موقع پر نوبت مخالفت تک پہنچ گئی۔ نوجوان بادشاہ ایک پُر غرور انداز سے اٹھ کر اس عورت کے کمرے میں چلا گیا۔ مگر واٹسن (اراکین مجلس عقلاہ) کے حکم سے ڈنسن نے درشتی برتی اور اسے ہال میں واپس

اڈوگ
۹۵۹-۹۵۶

کھینچ لایا۔ لیکن سال پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ نو عمر بادشاہ کے غصے نے اس رئیسِ خانقاہ کو سمندر پار بھاگنے پر مجبور کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی اس کا تمام نظامِ عمل بھی دریا برد ہو گیا۔ ۹۵۷ء میں بادشاہ نے اٹھلیفونو کی لڑکی سے عقد کر لیا اور اٹھلیفونو کا عروج اب اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ لیکن یہ شادی مذہبی رسوم کے موافق نہیں ہوئی تھی اور ۹۵۷ء میں اسقفِ اعظم اوڈو نے مذہبی حکم کے ذریعے سے بادشاہ کو اس کی بیوی سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی مرسیا اور نارٹھمبریا نے اڈوگ سے سرتابی کر کے اس کے بھائی اڈگار کو اپنا بادشاہ مشترک کر دیا اور ڈنشن کو واپس بلا لیا۔ وہ اولاً دوسٹر کا اور بعد ازاں لندن کا اسقف مقرر کیا گیا۔ اڈوگ کی موت سے سلطنت کا اتحاد از سر نو قائم ہو گیا۔ شمال پہلے ہی اڈگار کو اپنا بادشاہ تسلیم کر چکا تھا، اب وکس نے بھی اسے قبول کر لیا۔ ڈنشن، کینڈری کا اسقفِ اعظم اور اڈگار کا وزیر مقرر ہو گیا اور اس طرح سولہ برس تک ملک کے دینی و دنیاوی اختیارات پر قابض رہا۔ اس دور میں انگلستان جیسا تو ہی اور جیسا پُر امن رہا اس کے قبل کبھی ایسا نہیں رہا تھا۔ ملک سے باہر ایک بیڑا ساحل کے قریب پھر لگاتا رہتا تھا اور اس نے سمندر کو ڈاکوؤں سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ آئر لینڈ کے ڈین دشمن کے عوض دوست ہو گئے تھے، تھو میں مذکور ہے کہ آٹھ ماتحت بادشاہوں نے دریائے ڈی پر اڈگار کی کشتی کھٹی تھی۔ شمال کے معاملات کے اس طرح ردِ براہ ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ ڈنشن کس وسیع اور مدبرانہ طریق پر ملک کے عام نظام کو چلانا چاہتا تھا۔ شروع ہی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اُس کے تدریجاً ویسٹ سیکس نہیں بلکہ پوری قوم ہے۔ بعد میں اس پر یہ الزام لگایا گیا

اڈگار
۹۵۷-۹۵۹

کہ اس نے ڈین کو زیادہ از ضرورت طاقت دیدی تھی اور غیر کلیوں سے بہت زیادہ محبت رکھتا تھا مگر یہی امر اس کے انتظام کے غیر مختص المقام ہونے کا بہترین ثبوت ہے؛ اس نے ڈین کو شاہی خدمات میں داخل کیا اور کلیسا و سلطنت میں انہیں اعلیٰ عہدے عطا کئے۔ اس نے جو مجموعہ ضوابط رائج کیا تھا اس میں صاف طور پر شمال میں ڈین کے پُرانے حقوق کو انہیں کے بہترین قوانین کے موافق محفوظ رکھا تھا اس کے زبردست ہاتھوں نے انصاف اور نظم و نسق سلطنت کو از سر نو قائم کر دیا۔ فروغ تجارت کی بابت اس کی توجہ اور سعی کا اظہار ان قوانین و قواعد سے ہوتا ہے جو سڑکوں کے سکوک کرنے اور تمام ملک میں یکساں اوزان اور پیمانے کے جاری کئے جانیکے لئے نافذ ہوئے تھے۔ تھینٹ کے غارنگروں نے جب پارک کے ایک تجارتی جہاز کو لوٹ لیا تو اس کی پاداش میں اس نے تھینٹ کو بالکل ویران کر دیا۔ اس کے دور میں تجارت کو بہت وسعت حاصل ہو گئی تھی۔ تمام شہنشاہی کے رہنے والے، نشیبی لوہین اور رائن لینڈ کے تجار اور روئین کے باشندے سب لندن کی سڑکوں پر نظر آتے تھے؛ ڈنٹن ہی کے زمانے کی اس بیرونی تجارت کی وجہ سے لندن کو وہ تجارتی فروغ حاصل ہوا جو اُس وقت سے بدستور چلا آ رہا ہے؛ لیکن اس مذہبی وزیر کے اغراض، ملک کی ظاہری خوش حالی و خوش نظمی کے بحال کر دینے تک محدود نہیں تھے بلکہ اس کی نظر اس سے زیادہ وسیع تھی، ڈین کی لڑائیوں کی وجہ سے الفرڈ کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا، اس کی تعلیمی تحریک کا اس کے انتقال کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا تھا۔ پادری پھر دنیا پرستی و جہالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ الفرڈ نے جو ترجمے اور کتابیں اپنے بعد

چھوڑی تھیں اس میں ایک ترجمہ یا کتاب کا بھی اضافہ نہیں ہوا تھا؛ ڈنٹن نے الفرڈ کی سی وسعت خیالی کے ساتھ نہیں تو کم از کم ایک بڑے منظم کے انداز سے اس کام کو از سر نو شروع کیا۔ خانقاہی طریقوں کی جو اصلاح خانقاہ کلنی میں شروع ہوئی تھی وہ انگلستان کے اہل کلیسا میں ایک طرح کا جوش پیدا کر رہی تھی۔ اڈگار نے انگلستان میں اس کی عام اشاعت پر آمادگی ظاہر کی اور اس کی اعانت سے وچسٹر کے اسقف اٹھولڈ نے نئے طریقہ بیڈکٹ کو اپنے حدود اسقفی میں رائج کیا اور چند سال بعد ووٹر کا اسقف آسولڈ اس فرقے کے راہوں کو اپنے خاص مستقر میں لے آیا۔ روایتاً بیان کیا جاتا ہے کہ اڈگار نے چالیس خانقاہیں جاری کی تھیں اور اس میں تو شک نہیں کہ زمانہ مابعد کے انگریزی طریقہ خانقاہی کا سلسلہ اسی کے عہد پر جا کر منتهی ہوتا ہے مگر اڈگار کی تمام کوششوں کے باوجود خانقاہیں صرف وکس اور ایسٹ اینگلیا میں مضبوط بنیاد پر قائم ہو سکیں۔ نارٹھمبریا اور مرسیا کے بیشتر حصے میں اس طریقے کو استحکام نہیں ہوا۔ ڈنٹن نے اس کوشش میں بہت ہی کم حصہ لیا لیکن اس مذہبی سرگرمی کے ساتھ ساتھ جو علمی بیداری پیدا ہو گئی تھی اس میں اس کا اثر بہت قوی پایا جاتا ہے۔ جب وہ خود ٹیس خانقاہ تھا اس وقت بھی اس کی شہرت ایک معلم کی حیثیت سے تھی؛ اس کے بست بڑے معاون اٹھولڈ نے، اینگن کو ایک ایسا مدرسہ بنا دیا جو صرف گلیسٹن بری سے دوسرے درجے پر تھا۔ اس کے دوسرے مددگار آسولڈ نے ووٹر کے یادگار زمانہ مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ گال کا سب سے زیادہ ممتاز عالم ایبو اس معتدائے اعظم کی طلب پر فلیوری سے انگلستان آیا۔

اصطلاح
غلامی

ازمنہ با بعد میں لوگ اڈگار کے قانون کو بہت ہی مشتاقانہ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ قانون دراصل وہ نظام حکومت تھا جسے اڈگار کے وزیر ڈنلٹن نے تیار کیا تھا۔ فتح انگلستان کے بعد جو نظام حکومت قائم ہوا تھا وہ متعدد اسباب سے بہت کچھ بدل گیا تھا۔ کلیسا کی کوششوں کی وجہ سے غلامی بتدریج معدوم ہوتی جاتی تھی۔ تھیوڈور نے آدمیوں کے بھگا لیجانے والوں کے واسطے تدفین کے مذہبی رسومات بند کروئے تھے اور والدین کے لئے سات برس کی عمر کے بعد لڑکوں کا بیچنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ اگرٹ (اسقف یارک) بچے یا کسی اور قرابتدار کے بیچنے والے کو اس جرم کی پادشاہ میں خارج الملت کر دیتا تھا۔ کسی آقا یا مالک کا اپنے غلام کو مار ڈالنا اگرچہ سلطنت کی نظر میں کوئی جرم نہیں تھا مگر کلیسا نے اسے گناہ ٹھہرا کر اس کے لئے کفارہ لازم قرار دیا تھا۔ اتوار اور تعطیلات کے دنوں میں غلام کام سے مستثنیٰ کر دئے گئے تھے۔ کہیں کہیں وہ زمین سے وابستہ ہو گئے تھے اور صرف زمین ہی کے ساتھ فروخت ہو سکتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ زمین کا کوئی قطعہ حاصل کر لیتے اور انہیں اجازت مل جاتی تھی کہ خود اپنی آزادی خرید کر لیں۔ اٹھلسٹن نے جرم کی باہمی ذمہ داری کے اصول کو (جو طبقہ آزاد کا خاص بنیاد نظام تھا) غلاموں کے طبقے میں وسعت دیکر ملک میں ان کا ایک نیا درجہ قائم کر دیا۔ لیکن کلیسا کے لئے اس تدریجی ترقی پر قانع رہنا بہت دشوار تھا۔ ولفرڈ نے اپنی جاگیر سلسی کے ڈھائی سو غلاموں کو آزاد کر کے ایک نیا راستہ کھول دیا۔ غلاموں کے آزاد کرنے کی وصیتیں بہت کثرت سے ہونے لگیں کیونکہ پادریوں نے یہ ذہن نشیں کر دیا تھا کہ اس قسم کی نیکی مرنے والے کی روح کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ چلسی کی

مذہبی مجلس میں مسخوں نے عہد کیا کہ ان کی جاگیروں میں جو لوگ انڈاس یا جرم کی وجہ سے غلام بن گئے ہیں انہیں وہ اپنے مرتے وقت آزاد کر دیں گے۔ غلام بالعموم منبر کے سامنے یا گر جا کے دروازے میں آزاد کئے جاتے تھے اور کتاب مقدس کے حاشیوں پر ان کی آزادی کی یاد دہشیں ثبت کر دی جاتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مالک اپنے غلام کو چوراہے پر لیجا کر اسے اجازت دیتا تھا کہ جدھر چاہے چلا جائے۔ قانون کی زیادہ پابندی منظور ہوتی تو مالک یہ کرتا تھا کہ ضلع کی بھری مجلس میں غلام کا ہاتھ پکڑ کر کھلی سڑک اور دروازے کی طرف اشارہ کرتا اور آزاد شخص کی طرح اسے نیزہ و تلوار دیدیتا تھا، انگریزی بندرگاہوں سے غلاموں کی تجارت ممنوع ہو چکی تھی مگر یہ اتناع بہت دنوں تک بے اثر رہا۔ ڈنٹن کے سو برس بعد تک انگلستان کے امرا کی دولت کی نسبت اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ غلاموں کی تجارت سے یہ دولت پیدا ہوئی ہے، پہلے نارمن بادشاہ کے عہد میں جا کر یہ ہوا کہ ولفسٹن کے وعظ اور لیفرینگ کے اثر سے اس تجارت کا خاتمہ ہوا اور اس کے آخری مرکز (بندرگاہ برٹل) سے غلاموں کی روانگی بند ہوئی +

مالک کی
انگریزی
سلطنت

مگر غلامی کی کمی کے ساتھ عام رعایا کی حالت یوں فیومنا زیادہ خراب ہوتی گئی۔ سیاسی و معاشرتی تغیرات مدت سے نظام معاشرت کو نئے قالب میں ڈھال رہے تھے، اور آزاد اشخاص کی پستی اور امرا کا اپنے تابع مزارعین کے بل پر عروج حاصل کر لینے سے قدیم نظام معاشرت کی بنیاد تک متزلزل ہو گئی تھی۔ سیاسی تغیرات جو قدیم انگریزی آبادی کو فنا کر رہے تھے۔ وہ ایک بڑی حد تک انگلستان میں بادشاہت کے تغیرات کی وجہ سے پیدا

ہوئے تھے، چھوٹی چھوٹی انگریزی سلطنتیں جس قدر باہم متحد ہوتی گئیں اسی قدر بادشاہ و رعایا میں (بوجہ وسعت سلطنت) دوری پیدا ہوتی گئی۔ بادشاہ عظمت و جلال کے پُر اسرار حجاب میں مخفی ہو گیا اور ہر عہد حکومت میں بادشاہ کی معاشرتی منزلت بلند ہوتی گئی۔ ایک وقت تھا کہ اسقف بادشاہ کا ہم پایہ ہوتا تھا۔ وہ اب پست ہو کر الڈرین کے درجے پر آ گیا۔ الڈرین کسی وقت میں ایک چھوٹی سی سلطنت کا موروثی حکمراں ہوتا تھا اب وہ محض بادشاہ کا نائب رہ گیا اور چونکہ شاہی مالیہ کی وصولی اور بادشاہی معدلت کے اجراء کے لئے بادشاہ نے ہر ضلع میں اپنے خاص عہدہ دار مقرر کر دئے تھے اس وجہ سے اس کا اقتدار بھی بہت گھٹ گیا۔ مذہب کے لگاؤ نے ہیبت شاہی کے اثر کو اور بھی بڑھا دیا۔ بادشاہ اگرچہ اب واڈن کے فرزند کی حیثیت سے مقدس نہیں رہا تھا مگر خداوند کی طرف سے 'برکت یافتہ' ہونے کے اعتبار سے وہ اور بھی مقدس ہو گیا تھا اور اس کے خلاف ہر قسم کی غداری بدترین جرم قرار دی گئی تھی 'قدیم موروثی امرا' نئے امرا کے سامنے ناپید ہو گئے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جرمنی میں قدیم ترین زمانے سے ہر سردار یا بادشاہ کے ساتھ ہمراہوں کا ایک جنگی دستہ ہوا کرتا تھا یہ لوگ اپنی آزادانہ مرضی سے اس کے ساتھ ہوئے اور جنگ میں اس کے لئے جان تک دینے اور اس کے نقصان کا اپنے خاص نقصان کی طرح بدلہ لینے کی قسم کھاتے تھے۔ سولف شاہ ویکس جب بہ مقام مرٹن دغا سے مارا گیا تو اس کے ہمراہوں میں 'جو شخص جس حال میں تھا اور جس قدر تیز اس سے ہو سکا اس جگہ کی طرف دوڑ پڑا' اور جان بخشی کے تمام وعدوں کو حقارت کے ساتھ مسترد کر کے اپنے

آقا کی لاش پر جان دیدی، جنگی دستے کی وفا شکاری کے انعام میں شاہی جاگیر سے اراضیات عطا ہوتی تھیں بادشاہ ان کا ولی نعمت بن گیا تھا اور ہمراہی بادشاہ کے خادم یا مصاحب ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے دربار میں ذاتی خدمت دلت نہیں بلکہ وقت کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ داروغہ آبدار خانہ داروغہ صہبل اور خزانچی سلطنت کے بڑے عمدہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ بادشاہ کے علو مرتبت کے ساتھ خدام کا مرتبہ بھی بلند ہوتا گیا۔ ہر ایک موثر عمدے پر انیس خدام نے قبضہ کر لیا۔ یہی لوگ امیر ولایت، ناظم ضلع، اسقف اور جج ہونے لگے، اور جس قدر اراضی عامہ بادشاہ کے ہاتھ آتی گئی اور وہ اُسے بطور جاگیر اپنے ماتحتوں میں تقسیم کرنا گیا اسی قدر ان خدام کی دولت بڑھتی گئی۔

جدید طبقہ امرا کے باعث شخصی فرمان برداری کا طریقہ پیدا ہوا، اور یہ انگلستان دستور صرف دربار تک محدود نہیں رہا بلکہ اسے عام وسعت حاصل ہو گئی۔ میں آزاد افراد کے وقت میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ہر شخص کے لئے ایک آقا کا اشخاص کا ہونا ضروری ہے۔ ڈین کی لڑائیوں کی شدید تباہی اور طویل بد امنی انحطاط کی وجہ سے آزاد کسانوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ کسی نہ کسی شاہی خادم کی حفاظت میں آجائیں۔ ان کسانوں نے ایک نہ ایک شاہی خادم کو اپنا آقا تسلیم کر کے اپنی اراضیاں اس کے سپرد کر دیں اور حفاظت کے عوض میں انہیں اراضیوں کو خدمات سے زیر بار کر کے بطور جاگیر کے واپس لیا، رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ جس شخص کا کوئی مالک نہ ہو وہ سلطنت میں ایک طرح کا خارج الذمہ شخص قرار دیا جاتا تھا۔ آزاد اشخاص اراضی کے کسان پابند ہو گئے اور آزاد و خلیکار کے بجائے جو خدا اور قانون کے سوا کسی کو اپنے سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے

وہ ایسے کاشتکار بن گئے جنہیں اپنے آقا کی خدمت کرنے، اس کے ساتھ میدان جنگ میں جانے، انصاف کے لئے اس کے دربار میں حاضر ہونے اور ایام مقررہ میں اس کی کاشت خاص پر کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جب اس طرح انہوں نے اپنی قدیم آزادی کھو دی تو بہ تدریج حکومت میں بھی ان کا حصہ زائل ہو گیا، قدیم انگریزی حکومت کا سارا دار و مدار مجلس قبائلی پر تھا، اس مجلس میں ہر مجلس حلقہ کے نمائندے شریک ہوتے تھے اور عدلت گسٹری اور امن و جنگ کے معاملات میں اقتدار شاہی کا استعمال مجلس قبائلی ہی سے اختیار میں ہوتا تھا۔ اس مجلس قبائلی کے پہلو بہ پہلو اور اس کے ساتھ کام کرنے والی ایک اور مجلس ویٹنگماٹ تھی جس میں 'جماعتِ عقلا' شریک ہوتی تھی، یہ لوگ بادشاہ کو صلاح و مشورہ دیتے اور اس کے توسط سے خود قوم کے لئے طریقہ عمل تجویز کرتے تھے۔ ابتدائی مباحث طبقہ امرا تک محدود رہتے تھے مگر آخری فیصلے میں سب شریک ہوتے تھے، رائے کا اظہار ہتیاروں کی کھڑکھڑاہٹ یا مجمع کی 'ہاں ہاں' اور نہیں نہیں' سے ہوتا تھا۔ مگر جب چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے باہم متحد ہو جانے سے قبیلہ زیادہ وسیع ہو کر حکومت کا محض ایک جز ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی مجلس قبائلی میں تنزل آ گیا۔ سیاسی فوقیت دور و دراز کے رہنے والے امرا کی جانب منتقل ہو گئی اور عوام کا اثر حکومت پر مطلقاً باقی نہیں رہا۔ اس میں شک نہیں کہ امرا اب تک بادشاہ کے گرد جمع ہو سکتے تھے اور سیاسی اعتبار سے مجلس قبائلی جس قدر نظروں سے گرتی جاتی تھی اسی قدر ویٹنگماٹ کا اثر شاہی مجلس شوریٰ کی حیثیت سے بڑھتا جاتا تھا۔ عدلت عامہ کی کارروائی 'مصول کے اجرا قانون کی توضیح' معاہدات کے سرانجام جنگ کی نگرانی

اراضی عامتہ کی تقسیم اور سلطنت کے اعلیٰ عمدہ داروں کے تقرر میں اس مجلس کی شرکت ہوا کرتی تھی۔ ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ یہ مجلس کسی بادشاہ کے منتخب کرنے یا کسی بادشاہ کے معزول کر دینے کا دعویٰ کرتی تھی مگر ان اختیارات کے استعمال میں عام امرا کا واقعی تعلق آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا تھا۔ جس قدر سلطنت کو وسعت ہوتی جاتی تھی اسی قدر ان کے مکانات سے بڑھتا ہوتا جاتا تھا اور انجام کار معاملات حکومت کے عام مباحث میں ان کا دخل کھٹتے کھٹتے کالعدم ہو گیا۔ عملی حیثیت سے مجلس شوریٰ میں خادمان شاہی اراکلیسا حکومت کے اعلیٰ عمدہ دار باقی رہ گئے تھے۔ اور قدیم انگریزی جمہوریت نہایت محدود حکومت خواص میں تبدیل ہو گئی تھی، قدیم انگریزی حکومت کی خصوصیت اگر کچھ باقی رہ گئی تھی تو وہ صرف لندن یا وینسٹر کے اس انبوه میں نظر آتی تھی جو بادشاہ کے انتخاب کے وقت جماعت عقلا کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ اور 'ہاں' یا 'نہیں نہیں' کا شور مچاتے تھے۔

سلطنت ویسٹ سیکسن جس تباہی میں گھر گئی تھی اس کا سبب ہیں سلطنت اس طبقے کے انحطاط میں تلاش کرنا چاہئے جس پر سلطنت کی اصلی قوت کا ویسٹ سیکسن دار و مدار تھا۔ ۹۶۵ء میں جب اڈنگار کا انتقال ہوا ہے اسوقت اس کی کارواں عمر صرف بیس برس کی تھی اور اس کے لڑکے محض بچے تھے۔ اس کی موت سے امرائے دربار کے لئے سیاسی مناقشات کا دروازہ کھل گیا۔ مسئلہ جانشینی کے متعلق جدال و قتال تک نوبت پہنچ گئی اور محض اسقف اعظم کی مستعد کاری کی وجہ سے خانہ جنگی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس نے صلیب ہاتھ میں لی اور اڈنگار کے بیٹے اڈورڈ کے سر پر تلخ رکھ کر جانشینی کا مرحلہ طے کر دیا۔

آڈورڈ شہید
۹۷۵-۹۷۸

جماعت عقلا کی دو مجلسوں میں اپنے معانین کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کان کی مجلس میں کمرے کا فرش دس گیا اور راہبوں کی روایت کے موافق صرف ڈنٹن اور اس کے دوست ضرر سے محفوظ رہے مگر اس اعجاز کی شہرت بھی ڈنٹن کی روش کے بدلنے میں بے اثر رہی۔ آڈورڈ کے قتل ہو جانے سے ڈنٹن کے مخالفین کو غلبہ حاصل ہو گیا اور اس کے وہ سالہ بھائی اٹھلرڈ کی تاجپوشی کے موقع پر وہ خوشی میں آپے سے باہر ہو گئے۔ ملک کی حکومت ان خاص خاص امیروں کے ہاتھ میں آ گئی جو اٹھلرڈ کے حامی تھے۔ ڈنٹن کا کوئی اثر و اختیار باقی نہیں رہا اور بدرجہ مجبوری وہ کینٹربری کو چلا گیا اور وہیں نو برس بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

اٹھلرڈ نامتہ
۹۷۹-۱۰۱۶

۱۰۱۶ء میں نو عمر بادشاہ سن بلوغ کو پہنچا۔ اس گیارہ برس کے درباری زمانے میں ملک کی اندرونی تاریخ میں کوئی خاص امر قابل ذکر نہیں ہے۔ البتہ بیرون ملک میں نئے خطرات پیدا ہو رہے تھے۔ اہل شمال انگلستان پر ایک نئے حملے کے لئے کمر بستہ ہو رہے تھے۔ اسکیٹنڈینیویا کی قومیں سلطنتہائے ڈنمارک، سویڈن اور ناروے کے تحت میں متحد ہو گئی تھیں اور اب جنوب میں تلاش فتوحات کے لئے ان کے منہزد دستے نہیں بلکہ قومی فوجیں نکلنے والی تھیں۔ سمندر بھر شمالی ترقاقوں سے بھر گیا تھا اور مثل سابق کے غارتگر بیڑے ساحل انگلستان پر نظر آنے لگے تھے۔ طوفان کا پہلا زور ۱۰۹۱ء میں نمودار ہوا اور غارتگران ناروے کی ایک جماعت نے سرزمین انگلستان پر اتر کر میدان میلڈن میں ایٹ اینگلیا کے افواج کو کال شکست دی۔ دوسرے سال اٹھلرڈ کو مجبور ہونا پڑا کہ

حملہ آوروں کو معاوضہ دیکر کچھ دنوں کے لئے عارضی امن حاصل کرے اور انیس ملک میں آباد ہونے کی اجازت دیدے۔ اسی اثنا میں اس نے نارمنڈی سے معاہدہ اتحاد کر کے خود کو مضبوط کر لیا کیونکہ نارمنڈی کو سمندر پر بڑا عروج حاصل ہو رہا تھا۔ حملہ آوروں کو خارج کرنے کی تازہ کوشش کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ڈنمارک و ناروے کے دعویداران تخت سوین اور الف کے تحت میں نزاقوں کی ایک ایسی فوج جمع ہو گئی کہ پیشتر کبھی انگلستان کو ایسی کثیر فوج سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ۱۰۹۵ء میں وہ واپس چلے گئے مگر ۱۰۹۶ء میں انہوں نے تازہ حملے شروع کر دئے ایک طرف نارمن اور اوسٹ من کے خطرات درپیش تھے دوسری طرف جزیرہ مین کے وانکنگ اور کبر لینڈ کے اہل شمال کا خوف طاری ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت کی کمزوری جس حد کو پہنچ گئی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ اٹھلرڈ نے ڈین کے اجرتی سپاہیوں کو ملازمت میں داخل کر لیا تھا اور انہیں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے تمام وسکس میں متعین کیا تھا۔ سوین اب صرف ڈنمارک ہی کا بادشاہ نہیں رہا تھا بلکہ الف کی ہزیمت و انتقال کی وجہ سے ناروے پر بھی متصرف ہو گیا تھا۔ اس کے نئے حملے کے خوف سے اٹھلرڈ نے ڈیوک نارمنڈی کی بن سے عقد کر کے نارمنڈی کو اپنا شریک حال بنا لیا۔ لیکن فوری اضطراب کی حالت میں وہ ایک ایسی بدترین دغا کا مرتکب ہوا جس نے حفاظت ملک کی تمام تدابیر کو غارت کر دیا، بادشاہ نے خفیہ طور پر تاکیدی احکام جاری کئے اور اس کے بموجب سینٹ برائس کے دن ویسٹ سیکسن ہر جگہ اٹھ کھڑے ہوئے

اور تمام ڈینون کو جو ان میں ملے جملے رہتے تھے بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ شاہ سویون کی بہن گھنڈ جو عیسائی ہو گئی تھی اور اس کی ضمانت کے طور پر انگلستان میں مقیم تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا شوہر اور اس کا بچہ ہلاک کیا گیا اور خود وہ بھی بچ بچی مگر مرتے مرتے وہ اپنے قاتلوں کو انتقام کی دھمکی دیتی گئی۔ اس خبر کے پہنچنے پر سویون نے قسم کھائی کہ انگلستان کو اٹھلڑکے پنچے سے نکال کر رہیگا۔ چار برس تک وہ جنوبی اور مشرقی انگلستان کے طول و عرض میں چلتے ہوئے مکانوں اور شہروں سے اپنا نشان جنگ روشن کرتا ہوا، تاخت و تاراج کرتا پھرا۔ اس کے بعد ایک بھاری رشوت لیکر وہ واپس ہوا مگر صرف اس لئے کہ آئندہ ایک سخت تر حملے کے لئے تیار ہو کر آئے۔ اس کے چلے جانے سے سلطنت کو کچھ آرام نہ ملا۔ ناروے کا ایک نہایت خونخوار تر چارل (ایمر) اس کے بجائے وارد ہو گیا اور جنگ کا دائرہ وکس سے بڑھ کر ایٹ انگلیا اور مریا تک پھیل گیا اس امیر نے کیٹربری پر قبضہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ اس کے اہل نوج اسقف اعظم الفی کو کشاں کشاں گرتیج میں لے گئے اور فدیہ کے نہ وصول ہونے سے نہایت وحشیانہ طور پر اسے مار ڈالا۔ ان لوگوں نے اسے اپنے حلقے کی وسط میں بٹھایا اور پتھروں اور بیلوں کے سینگوں سے اسے مارنا شروع کیا جہاں تک کہ ان میں سے ایک رحم دل ڈین نے تبر سے اس کا سر قلم کر ڈالا۔ شمال میں سویون اس سے بھی زیادہ مصیبتناک حملے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ ۱۰۱۳ء میں اس کا بیٹا ہمبر میں داخل ہوا اور اس نے

تمام ڈین لا (ملک ڈین) کو اپنی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی صلئے عام دی۔ نارٹھمبریا، ایسٹ اینگلیا، فائیو باراز، غرض ڈالنگ اسٹریٹ کے شمال کے تمام انگلستان نے گینفر برا میں اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اٹھلرڈ صرف وکس کا بادشاہ رہ گیا اور وکس بھی وہ جو اپنے دشمن کے مقابلے میں بالکل بے بس اور مقاومت سے عاجز تھا۔ جنگ ہوئی اور ہوناک جنگ ہوئی مگر نہایت مختصر۔ تمام ملک بے رحمی کے ساتھ تباہ کیا گیا، گرجے لوٹے گئے، باشندے قتل کئے گئے، مگر ایک لندن کے سوا کسی جگہ بھی مدافعت کی کوشش نہیں کی گئی۔ آکسفورڈ اور ویمپسٹر نے اپنے دروازے کھول دیے۔ وکس کے متوسلان شاہی مقام ہاتھ میں شمالیوں کے مطیع ہو گئے، آخر لندن بھی اطاعت پر مجبور ہو گیا اور اٹھلرڈ کو بھاگ کر سمندر پار نارمنڈی میں پناہ لینا پڑی۔ بادشاہ کے فرار کے ساتھ ہی برطانیہ پر فوقیت حاصل کر نیکے لئے وکس کی طویل کوششوں کا فاتحہ ہو گیا۔ تمام انگلستان کو ایک قوم میں متحد کر دینے کا کام جو اڈون اور اوفا کی مستعدیوں سے پورا نہ ہو سکا جس میں اڈورڈ اور ڈلسن کی تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، وہ کام اب دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہونے والا تھا۔

باب دوم

انگلستان زیر نگیں شاہان غیر

۱۰۱۳ — ۱۲۰۴

(*)

جزو اول

شاہان ڈین

اسناد۔ اس باب میں بھی شاہی قوانین و فرامین کے مجموعوں سے مدد ملی ہے۔ اس عہد کے لئے انگلش کراونل (وقائع انگریزی) **English Chronicle** (سایت اہم ہے۔ اس کی مختلف نقلیں اور ان کے انداز بیان وغیرہ ایک دوسرے سے منازر ہیں اور ایک حد تک یہ مختلف نسخے، مختلف تصانیف سمجھے جاسکتے ہیں۔ فلورنس (دوسرے) نے جس نسخے سے وقائع کا ترجمہ کیا ہے وہ غالباً ایک گراں قدر نسخہ تھا مگر اب منقود ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس عہد کے لئے گرین کی **کانکوئیٹ آف انگلینڈ** (فتح انگلستان **Conquest of England**) دیکھنا چاہئے۔ مشرق فرین کا خیال ہے کہ آڈورڈ کے ہم عصر سوانح نگار کی سند جسے **ماسٹر آف دی رولز** نے آڈورڈ تائب کی سوانح عمریوں (مضامین لوارڈ) کے تحت میں شائع کیا ہے، بادشاہ کے خاص ذاتی مسانڈ اور گاڈون کے تمام خاندانی حالات کے لئے سب میں مقدم ہے۔ مگر یہ ابھی طبع سمجھ لینا چاہئے کہ

وہ مورخ نہیں صرف سوانح نگار ہے اور کبھی کبھی قصہ گوئی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عہد کے متعلق زمانہ حال کے تمام تحریرات مشر فریمن کی مشرخ تاجخ نارمن کا کلوٹ جلد دوم (فتح نارمن Norman Conquest) کے سامنے رہ گئی ہیں۔ شاہانِ دین اور خاندان کاڈون کے لئے مشر گرین کی کاکوٹ آف انگلینڈ (فتح انگلستان) دیکھنا چاہئے۔

جہنٹ کے ورود کے بعد پانچ سو برس کے اندر سر زمین ہٹانیر انگلستان غیر ملکی بن گئی۔ اس فتح کا انجام یہ ہوا کہ فاتحین ملک میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے حکومت مذہب عیسوی قبول کر لیا، ایک قومی علم اوب پیدا ہو گیا، ایک نامکمل تمدن اور ایک معمولی سیاسی نظم و نسق قائم ہو گیا، مگر اس تمام ابتدائی زمانے میں فاتحین کے مختلف قبائل کو ایک واحد قوم بنا دینے کی جلد کوشش ناکام رہیں۔ تمام انگلستان پر اپنی حکومت کو وسعت دینے میں نارٹمبریا کو مرسیا کی مخالفت کی وجہ سے اور مرسیا کو وسکس کی مخالفت کے باعث ناکامیاب رہنا پڑا۔ وسکس اپنے منظم و مقتدر بادشاہوں اور دبروں کی رہبری سے ملک کو ایک ظاہری صورت اتحاد کے اندر لایا ہی تھا کہ ڈین کے آجانے سے پھر مقامی آزادی قائم ہو گئی۔ درحقیقت غلبے کی رو آگے پیچھے بڑھتی رہتی تھی کبھی جنوب کو شمال پر غلبہ حاصل ہو جاتا تھا اور کبھی شمال کو جنوب پر۔ بادشاہوں نے کیسے ہی کچھ خطابات کیوں نہ اختیار کر لئے ہوں اور ان کی حکومتیں کیسی ہی حاوی کیوں نہ معلوم ہوتی ہوں مگر اہل نارٹمبریا باشنرگان ویٹ سیکن سے اور ڈین انگریزوں سے ہمیشہ الگ ہی رہے۔ ایک عام قومی اتحاد ملک کو سرسری طور پر باہم مربوط کئے ہوئے تھا مگر حقیقی قومی اتحاد ابھی زمانہ آئندہ کی بات تھی۔

اتھلرڈ کے انگلستان سے نارمنڈی کو فرار ہونے اور جان کے نارمنڈی سے بھاگ کر انگلستان کو آنے کے درمیان میں جو دو سو برس کا زمانہ گذر

اس زمانے میں انگلستان کی تاریخ ایک غیر ملکی حکومت کی تاریخ ہے۔ ڈنمارک کے بعد نارمنڈی کے اور نارمنڈی کے بعد آنجو کے بادشاہوں نے ملک پر حکمرانی کی۔ ڈین، نارمن یا آنجوی بادشاہوں کے تحت میں انگریزوں کی حیثیت ایک محکوم قوم کی سی تھی۔ غیر ملکی فاتحین ان کے مالک اور ان پر حکمران بن گئے تھے۔ مگر اس حکومت ہی کے زمانے میں انگلستان حقیقی انگلستان بنا۔ اجنبیوں کے دباؤ سے مقامی اختلافات فنا ہو گئے اور قومی اتحاد کی شکل پیدا ہوئی۔ اس دباؤ نے قومی نظام معاشرت کے اس نقص کی بھی اہلیان کردی جس کی وجہ سے زمانہ ماضی کے اختتام کے قریب آزاد اراضی دار اپنے آقاؤں کی جاگیردارانہ ماتمی میں آگئے تھے۔ خود انگریزی امرا غیر ملکی بیرونوں کے انگلستان میں آباد ہو جانے کے باعث اپنے درجے سے منزل کر کے طبقہ متوسط کے ضمن میں آگئے تھے۔ اس تفرقے کے ساتھ ہی غلام و نیم غلام مزارعین کے طبقے میں بھی تبدیلی ترقی شروع ہوئی جس سے آہستہ آہستہ وہ بالکل ہی آزاد ہو کر متوسط طبقے کی حالت میں آگئے۔ شہروں میں بھی اسی طرح ایک متوسط طبقہ پیدا ہو گیا اور دونوں نے باہم مل کر ایک دوسرے کو تقویت پہنچائی۔ غیر ملکی بادشاہوں کے انصاف اور طرز عمل سے تجارت و کاروبار کو ترقی ہو رہی تھی اور اس ترقی کے ساتھ ہی تاجروں کی سیاسی اہمیت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ انگلستان کے بیشتر قصبات جو ابتداً دہات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اس دور کے اختتام پر اتنے دولت مند ہو گئے کہ بادشاہ سے اپنی آزادی خرید کر لیں؛ آزادی تقریر، مباحث عامہ اور حکومت خود اختیاری کے حقوق جو عوام سے نکل کر امرا کے ہاتھوں میں چلے گئے تھے، اب پھر ان قصبات کے فرامین شاہی اور ان کی مجالس شوریٰ میں زندہ

ہو گئے۔ اس سیاسی ترقی کے قدم بہ قدم اخلاقی درستی کے سامان بھی مہیتا ہوتے گئے۔ ہر استعفیٰ مستقر اور خانقاہی جاگیر پر غیر ملکی قابض ہو گئے تھے۔ عوام ان کی گفتگو کے سمجھنے سے قاصر تھے اور اس لئے عام رعایا اور نیچے درجے کے قیس، اعلیٰ طبقے کے اہل کلیسا سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر عوام نے جب خود مذہب کو سمجھا تو مذہب میں بھی ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ زہاد اور بزرگان مذہبی "مذہب کو عام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرتے پھرتے تھے۔ سمندا غیر ملکی فتح کی وجہ سے بر اعظم کے ساتھ قریبی تعلق پیدا ہو جانے سے یورپی دنیا کی حرفتی و ذہنی زندگی کے ساتھ انگلستان کا ایک نیا اتحاد قائم ہو گیا اور قدیم ذہنی جمود رفع ہو گیا اور علوم و فنون کی بڑی بڑی عمارتیں اور سرگرم مدارس تمام انگلستان میں نظر آنے لگے، ان بادشاہوں کی مضبوط حکومت سے انگلستان کو امن کا جو طویل زمانہ حاصل ہو گیا اسی سے اس کو مختلف النوع ترقیوں کا موقع ملا، ان بادشاہوں کی سیاسی قابلیت سے ملک کا نظم و نسق درست ہو گیا، اور ان کے عدالتی اصلاحات سے ملک میں قانون کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ مختصر یہ کہ انہیں دو سو برسوں کے سخت انضباط کا نتیجہ تھا جس سے انگریزوں کو نہ صرف دہشتزدی و آزادی حاصل ہو گئی بلکہ خود انگلستان، انگلستان بن گیا۔

انگلستان کے
ڈین بادشاہ

انگلستان کے غیر ملکی مالکوں میں پہلا درجہ ڈین کا تھا، اس سے قبل مالک اسکینڈینیویا جہاں سے ان قزاقوں کے گروہ دھاوے کر کے انگلستان و آئرلینڈ کو تباہ کرتے تھے پہلے سے زیادہ منظم حالت میں ہو گئے تھے۔ سویڈن کی کوشش یہ تھی کہ ان مالک کو ایک عظیم الشان اسکینڈینیوی ہہشتناہی میں مستعد کر لے جس میں انگلستان

بزنلہ سر کے ہو! یہ تجویز اس کی موت کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے معطل ہو گئی تھی مگر اس کے بیٹے کینیوٹ نے اس سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ اسے زسر نو شروع کیا۔ انگلستان میں ڈین کا خوف ابھی تک غالب تھا اور کینیوٹ کے ساحل پر نمودار ہوتے ہی وکس، مرسیا اور نارٹھمبریا تینوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اٹھلرڈ کی حکومت سے (جو سوین کے مرنے پر واپس آ گیا تھا) منحرف ہو گئیں۔ جب سلائیٹ میں اٹھلرڈ کے بعد اس کا بیٹا اڈمنڈ آئرن سائیڈ (نولاد بازو) تخت نشین ہوا تو لندن کی وفا شعاری کی وجہ سے اس نے چند مہینے ڈین کا ولیزادہ مقابلہ کیا مگر اسٹن کی فیصلہ کن فتح اور اپنے رقیب کی موت سے کینیوٹ تمام ملک کا مالک ہو گیا۔ ڈین بھی اگرچہ فاتح تھے مگر وہ بعد میں آبنوالے نارمن کے بادشاہ ملک سے بیکارڈ محض نہیں تھے۔ ان کی زبان اور انگریزی زبان میں بہت ہی کم تفاوت تھا۔ قبضہ اراضی یا حکومت کا کوئی نیا طریقہ وہ اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ درحقیقت کینیوٹ نے ایک غیر ملکی فاتح کی طرح نہیں بلکہ ایک وطنی بادشاہ کی طرح سے حکومت کی۔ انگلستان کی ہوا خواہی اور اس کا سکون کینیوٹ کے لئے اپنی شمال کی اہم تر تجاویز میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا اور اس نے اپنی انگریزی رعایا کی فوجوں سے ڈنمارک اور ناروے کو اپنے تحت اقتدار میں متحد کرنے میں مدد لی۔ اس لئے اس نے اتفاقیہ ضروریات کے لئے صرف خانگی فوج کا ایک تربیت یافتہ دستہ قائم رکھ کر بقیہ ڈین فوج کو برطرف کر دیا اور ملک میں جیسا انصاف اور جیسی اعلیٰ حکومت اس نے قائم کر دی تھی اسی پر بتماہ بھروسہ کیا۔ بس برس کی حکمرانی میں اس کی یہی کوشش رہی کہ وہ لوگوں کے دلوں سے اپنی حکومت کا

کینیوٹ

غیر ملکی رینگ اور اپنی ابتدائی خونریزی کی یاد کو مٹا دے۔ طرز حکومت کے تغیر کی طرح خود اس کے اندر جو تغیر ہوا وہ بجائے خود نہایت ہی تعجب خیز تھا۔ جب وہ اول اول انگلستان میں آیا تھا تو وہ محض ایک ہرجوش شمالی اور انتقام طلب شخص تھا، اور اس کی اس خونخواری میں وحشتناکی بھی ملی ہوئی تھی۔ حکومت حاصل ہونے پر اس نے قتل و خونریزی میں کوئی کمی نہیں کی۔ مرسیا کا اڈرک وہ شخص تھا جس کی مدد سے اسے بادشاہت میسر آئی تھی مگر گینوٹ کے ایک اشارے پر تبر سے اس کا سر اڑا دیا گیا، اڈمنڈ آٹرن سائڈ کا بھائی اڈوگ قتل کر دیا گیا، اور گینوٹ نے اپنی بے رحمان کینہ توڑی کی وجہ سے اڈمنڈ کے بچوں کو ہنگری تک میں چین نہ لینے دیا، مگر اس خونخوارانہ حالت سے نکل کر وہ یک بیک ایک عقلمند و ضابط بادشاہ بن گیا۔ چونکہ وہ خود نا واقف تھا اس لئے اس نے اڈوگ کے قانون اور ملک کے قدیمی نظام حکومت کو اپنا دستور العمل بنایا اور فتح و مفتوح اور ذین و انگریز کا فرق اٹھا دیا۔ مرسیا، نارٹھمبریا، وکس اور ایٹ اینگلیا کی چار ولایتیں قائم کر کے اس نے مقامی آزادی کو تسلیم کر لیا مگر زمانہ ماضی میں ان بڑی ولایتوں کے حکمرانوں اور بادشاہ کے درمیان جس قسم کے روابط تھے ان میں اس نے زیادہ قرب پیدا کر دیا۔ وہ اس حُب الوطنی سے بھی متنق ہو گیا جسے اب تک اجنبی مناہرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کلیسا اب تک ڈین کی مخالفت کا مرکز بنا ہوا تھا مگر گینوٹ نے سب سے زیادہ کلیسا ہی کو موافق کر نیکی فکر کی۔ الفی نے جس غرض کے لئے جان دی تھی گینوٹ نے اس کے آگے سر جھکا دیا اور اسقب اعظم کی نقش کو کینٹربری میں منتقل کر دیا۔

اپنے باپ کی غارتگریوں کی تلافی کرنیکے لئے اس نے اکنہ مذہبی کو بیش قیمت ہونے دئے۔ آپس کے رہنوں امر کے مقابلے میں انگریز زائرین کی حفاظت کی۔ راہوں سے اسے جس حد تک محبت ہو گئی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ مقام الی میں ان کا نمہ سن کر اس نے خود چند گیت بنائے۔ خانقاہ الی کے گرد کی وسیع دلدلی مچھیلوں پر سے ”جس وقت شاہ کنیوٹ کشتی پر سوار گذر رہا تھا تو وہاں کے راہب خوشی کے ساتھ گھا رہے تھے۔ ان کی آواز سن کر کنیوٹ نے کہا کہ ”ملاحو! خشکی کی قریب جلو تاکہ ہم ان راہبوں کے بھاننے کو اچھی طرح سن سکیں۔“

کنیوٹ نے روم سے اپنی انگریزی رعایا کے نام ایک خط بھیجا تھا۔ اس سے نہ صرف اس کے اخلاق دسیرت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہی کی نسبت کیسی شرفیاناہ رنے رکھتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ میں ہر کام میں سچی زندگی بسر کرونگا اپنے ملک اور رعایا پر عدل اور پرہیزگاری کے ساتھ حکومت کرونگا، اور ہر معاملہ میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرونگا، پس اگر میں نے خود سری کے باعث یا غفلت جوانی میں انصاف سے متجاوز کوئی کام کیا ہو تو میں خدا کی مدد سے ہر طرح پر اس کی تلافی کرنیکو تیار ہوں شاہی عمدہ دار اگر میری دوستی کی قدر کرتے اور خود اپنی بہتری چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ میرے خوف یا کسی کی رعایت سے کسی طرح کی بے انصافی پر راضی نہ ہوں نہ کسی امیر یا غریب پر ظلم کریں“ وہ بالخصوص نا جائز طور سے روپیہ وصول کرنیکو بہت بُرا خیال کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ”مجھے مطلق ضرورت نہیں ہے کہ نا جائز مطالبات سے میرے لئے روپے کا انبار لگایا جائے۔“ آخر میں لکھتا ہے کہ میں نے یہ خط اپنے پنپنے سے پہلے اس لئے بھیجا ہے کہ میرے

ملک کے تمام لوگ میرے حُرنِ عمل پر خوش ہوں۔ کیونکہ تم خود جانتے ہو کہ جو امر مجھے اپنی رعایا کے لئے مفید و ضروری معلوم ہوا میں نے اس پر تن دہی و عنایت سے عمل کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا اور نہ آئندہ کرونگا۔“

کینیوٹ کا اپنی رعایا کے لئے سب سے بڑا ہدیہ من تھا۔ اسی کی انگلستان ذات سے وہ طویل اندرونی سکون شروع ہوا جو اس وقت سے تاریخ انگلستان بحالت امن کا خاص امتیاز رہا ہے؛ نارمن فتح کی ایک مصیبتناک خلل اندازی اور سٹیفن کے عہد کی بد نظمی کے سوا تمام سلطنتی یورپ میں انگلستان ہی وہ ملک تھا جسے بے زرخشہ دو سو برس تک سکون حاصل رہا۔ اس کے بادشاہوں کی لڑائیاں اس کے سوا سے دور فرانس و نارمنڈی میں یا کینیوٹ کے وقت میں شمال کے بیدتر ممالک میں ہوا کرتی تھیں۔ ان بادشاہوں کے سخت انصاف نے ملک کے نظم و نسق اور اس کے امن کو مستحکم کر دیا۔

تھا۔ کینیوٹ کے عہد میں اندرونی بے چینی کا نہ ہونا اس سے ثابت ہے کہ اس کی عدم موجودگی کے زمانے میں ملک میں بالکل سکون رہا۔ شاید اس کا سبب یہ بھی ہو کہ ملک ڈین کے خوفناک حملوں سے خستہ و دریاہٹ ہو گیا تھا مگر ہر شے ملک کی روز افزوں دولت و خوشحالی کی شاہد تھی اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں زمین کا ایک بڑا حصہ اس وقت تک بالکل غیر مزدور تھا، زمین کے بڑے بڑے قلعے کھلے اور جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے یا ویرانے اور دلدل بنے ہوئے تھے۔ مشرق و مغرب دونوں طرف دلدلی زمین کے نہایت طویل و عریض ٹکڑے واقع تھے۔ تقریباً سو میل کی لمبی دلدل نے ایسٹ اینگلیا کو وسطی صوبوں سے

جدا کر دیا تھا۔ گلسٹینبری یا اٹھلنی کے سے مقامات تقریباً ناقابلِ گذر تھے۔ بوسلی کے قریب کا دللی نشیب اس وقت تک اُرد بلاؤں کا مسکن تھا۔ لندن کے اہل حرفہ ہیمنڈ کے جنگلوں میں سٹورون اور ہیلوں کا شکار کیا کرتے تھے اور شمال میں گھروں کے ارد گرد بھیڑے پھرتے نظر آتے تھے۔ مگر اس کی وجہ سے صنعت و حرفت کو جو ترقی ہو رہی تھی اس کا اثر ان ویرانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ ہرن اور بھیڑے انسان کے سامنے سے فرار ہوتے جاتے تھے۔ کسان جنگلوں کو کاٹتے اور قطعات کو صاف کر کے ان پر آباد ہوتے جاتے تھے۔ کار و بار کی ترقی مشرقی ساحل کے تجارتی بندرگاہوں میں نظر آتی تھی۔ تجارت کی خاص اشیا غالباً چمڑے، رسیاں اور جہاز کے مستول تھے۔ اور سب سے بڑھ کر لوہے اور فولاد کی تجارت تھی جو اس زمانے تک اسکینڈینیویا سے برطانیہ میں آتا تھا۔ مگر ٹین اور اہل ناروے کا میدان تجارت صرف شمالی سمندر تک محدود نہیں تھا ان کے جہازات بحرِ متوسط تک پہنچتے تھے اور روس ہو کر خشکی کے راستے سے وہ قسطنطنیہ اور مشرق کا سامان بھی لاتے تھے۔ ایک پُرانے انگریزی مکالمے میں سوڈاگر سے پوچھا گیا کہ تم ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ”میں چمڑا، ریشم، قیمتی جواہرات اور سونا لایا ہوں۔ علاوہ ان کے مختلف طرح کے کپڑے، رنگ، شراب، روغن، ہاتھی دانت، پتیل، تانبا، ٹین، سونا، چاندی، اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں بھی میرے پاس ہیں“۔ سرزمینِ رُکن اور نارمنڈی کے باشندوں کے جہاز بھی ٹینز میں لنگر انداز ہوتے تھے۔ ساحلِ ٹینز کی گودیوں میں اسباب کا ایک مخلوط انبار لگا رہتا تھا۔

مشرقِ ہند سے مرع و مصاص، غالباً لبارڈ کے کبرگھوں سے دستانے اور
بھورے کپڑوں کی گٹھریاں، سیج سے اون کے گٹھے، اور لوہے کے سامان
فرانس سے شراب اور سرکے کے پیپے اور اس کے ساتھ ہی خود ملک کی
چیزیں یعنی پنیر، مکھن، چربی، انڈے وغیرہ غرض سب ہی چیزیں وہاں
جمع ہوتی تھیں انہیں میں زندہ سورا اور پرندے بھی ہوتے تھے *

کینیوٹ کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی رعایا کی محبت حاصل
کرے اور تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملے میں اسے
بہت ہی عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر اس کی حکومت کی عظمت کا
مدار تاحتر اس کی طبیعت کی عظمت پر تھا۔ اس کے مرتے ہی اس کی
بنا کردہ شہنشاہی ٹکرے ٹکرے ہو گئی۔ کینیوٹ کے بیٹے ہیرلڈ کے تحت
انگلستان پر نیکن ہو جانے سے چند برس کے لئے انگلستان و ڈنمارک

ہیرلڈ
۱۰۳۹-۱۰۴۵

ہارتھاکنیوٹ
۱۰۴۰-۱۰۴۲

ایک دوسرے سے علحدہ ہو گئے تھے مگر اس کے دوسرے بیٹے ہارتھاکنیوٹ
کے تحت میں یہ دونوں ملک پھر متحد ہو گئے۔ لیکن کینیوٹ کی سوت گتری
کی وجہ سے جو محبت اس کے ساتھ ہو گئی تھی وہ اس کے جانشینوں
کی بے ضابطگیوں کے باعث نفرت سے مبدل ہو گئی۔ اتنے دنوں تک
امن و امان کے عادی ہو جانے کے بعد خونریزی و ظلم کے اس جدید طغیان
سے لوگ پریشان ہو گئے۔ اڈمنڈ (آئرن سائڈ) کا بھائی الفرڈ، نائمنی
سے انگلستان کو واپس آ گیا تھا۔ اسے ہیرلڈ کے آدمیوں نے گرفتار کر لیا
اس کی نسبت عام گیتوں میں کہا گیا ہے کہ ”ڈین کے آنے کے وقت
سے اس وقت تک اس سے زیادہ ہولناک کوئی کام نہیں ہوا تھا“ الفرڈ
کے ہمراہیوں میں ہر دسواں شخص قتل کر دیا گیا اور بقیہ غلاموں کی طرح

بچ ڈالے گئے۔ خود الفرڈ اندھا کر کے چھوڑ دیا گیا اور وہ الی میں پہنچ کر مر گیا۔ ہارٹھا کینوٹ شاہ سابق سے بھی زیادہ وحشی ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کی فرش تک نکال کر دلدل میں پھینک دی اور دوسٹر میں اس کے خانگی سپاہیوں اور شہر والوں میں جھگڑا ہو گیا تو اس نے یہ سزا دی کہ سارے شہر کو جلا کر خاک کر دیا اور تمام ضلع لوٹ لیا گیا۔ اس کی موت اس کی زندگی سے کم دشتناک نہیں ہوئی۔ وہ لیمیتہ میں آسکاڈ کلیپا کے مکان میں شراب پینے کھڑا ہوا تھا کہ دفعتاً گر کر مر گیا۔ انگلستان اس قسم کے بادشاہوں سے تنگ آ گیا تھا مگر ان کے جور و ظلم سے یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں نے کینوٹ جیسے بادشاہوں کا ہونا ناممکن سمجھ لیا اور انگلستان میں ایسے بادشاہوں کا ہونا ناممکن ہو گیا شمال (یعنی اسکیشینینویا) جو انگلستان سے بھی زیادہ غیر مستمن حالت میں تھا، اس سے انگلستان کو ترقی یا تہذیب کا کوئی نیا سامان نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ اس یقین نیز اس تنفر نے جو ہیرلڈ اور ہارٹھا کینوٹ جیسے حکمرانوں کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا لوگوں میں قدامت پرستی کے مقدس جذبے کو ابھارا اور تمام ملک الفرڈ کے خاندان کو تخت پر واپس بلانے کے لئے آمادہ ہو گیا *

(*)

جزو دوم

مراجعت حکومت انگلشیہ

۱۰۲۲ - ۱۰۶۶

انگلستان کی قومی تاریخ میں یہ ایک انقلابی دور تھا۔ ایسے ہی قوتوں

میں جرم و احتیاط، قوی افس، خود غرضی اور انتہائی دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی وہ صفات تھے جنہوں نے گاڈون کے سے شاطر بہر کو کینوٹ کے بعد انگلستان میں سب پر فائق بنا دیا، تاریخ انگلستان میں گاڈون ہی وہ پہلا مدبر ہے جو نہ بادشاہ تھا نہ قیس، اور اس لحاظ سے وہ خاص طور پر ممتاز ہے۔ وہ ایک گم نام شخص تھا مگر اپنی ذاتی قابلیت کے باعث اس نے بادشاہ کے حضور میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا اور ازدواج کے ذریعے سے کینوٹ سے قربت بھی پیدا کر لی۔ کینوٹ نے اسے وکس کا والی اور بالآخر کلک کا نائب السلطنت بنا دیا۔ اسکینڈینیویا کی لڑائیوں میں وہ کینوٹ کا معاون اور اس کی انگریزی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ اس لڑائی میں اس کی دلیری اور ہوشیاری کے جوہر ظاہر ہو گئے تھے مگر اس کا اصلی میدان عمل خود اس کا وطن تھا۔ ایک ہوشیار، فصیح البیان اور مستعد کار منظم ہونیکے ساتھ ہی گاڈون میں جفاکشی، احتیاط اور آدمیوں سے کام لینے کا خاص لگہ تھا۔ کینوٹ کے بعد کے اتر زمانے میں اس نے ہر طرح پر یہ کوشش کی کہ ایک ڈین بادشاہ کے تخت میں انگلستان کے اندرونی اتحاد کو محفوظ اور شمال سے اس کا تعلق قائم رکھنے میں اپنے متوقفی آقا کے اصول عمل کو برقرار رکھے، مگر ہارتھا کینوٹ کے مرنے کے بعد کینوٹ کی طرز عمل کا برقرار رکھنا غیر ممکن ہو گیا اور اس لئے وہ بھی ڈین کی طرفداری کو خیر باد کہہ کر رعایا کے عام خیالات و جذبات کے ساتھ ہو گیا جو اتھلرڈ کے بیٹے اڈورڈ کو بادشاہ بنانے پر تلے ہوئے تھے اور آخر اسے تخت پر بٹھا کر رہے :

اڈورڈ نے بچپن ہی سے وطن سے باہر دربار نارمنڈی میں پرورش پائی اور وہاں ۱۰۶۶-۱۰۴۲

شی۔ قدیم انگریزی خاندان کے اس آخری بادشاہ میں زمانہ مابعد میں تھس کی

ایک عجیب شان پیدا کر دی گئی ہے! افسانے اس کی شقیاد ساوگی زمرہ دلی ایک مزاجی اور پاکبازی کے تذکروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہیں وجہ سے اسے سائب کا لقب دیا گیا۔ اور ویسٹ منسٹر میں اسی کے بنا کردہ خانقاہی گوبے کے اندر ایک ولی کی حیثیت سے اس کا حزار تیار کیا گیا۔ خوش طبع لوگ بلند آہنگی کے ساتھ اس کے عہد کے طویل امن اور شان و شوکت کے راگ گاتے پھرتے تھے۔ جن میں یہ ذکر تھا کہ دلیر و عقلمند مشیر اس کے تخت کے گرد کھڑے رہتے اور اہل دین اور اسکات اور برطانوی سب اس کے فرماں پذیر تھے۔ جب انگلستان اس طرح اپنے نائن نائین کے قدموں کے نیچے پامال ہو رہا تھا تو اس عالم پریشانی میں لوگ اڈورڈ کو کیوں نہ غنیمت سمجھتے۔ ان حالات نے اس کی یاد کو ایسا عزیز بنا دیا کہ اس کا نام ہی حریت و آزادی کا مراد سمجھا جانے لگا۔ ولیم یا ہنری کی رعایا آزادی کے طلبگار ہونے کے بجائے اڈورڈ سائب کے قوانین کی خواستگار ہوتی تھی مگر اس جلا وطن شخص کا الفرڈ کے تخت پر واپس آنا خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا، بلکہ اس کے نخت جسم نازک چہرے، عورتوں کے سے شفاف ہاتھ، نیلی آنکھوں اور زرین بالوں نے اسے خود بھی ایک سایہ بنا دیا تھا۔ سیاسی جلوہ گاہ پر بھی اس کی خوشانی بالکل ایک نقش خیالی تھی۔ حکومت کا کام دوسرے قوی تر ہاتھوں سے بنام پاتا تھا۔ بادشاہ کی کمزوری نے گاڈون کو ملک کا مالک بنا دیا تھا اور اسے مضبوطی و دانائی کے ساتھ حکومت کے کام کو انجام دیا۔ اسکینڈینیویا کے سیاسی معاملات میں ہر طرح کی مداخلت کو بادل خواستہ ترک کر کے، اس نے خود انگلستان کی محافظت کے لئے ایک بیڑا تیار کیا جو ساحل کے گرد چکر

لگانا رہتا تھا۔ اندرون ملک میں اگرچہ صوبجات اب تک اپنی جداگانہ مقامی آزادی پر قائم تھے مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ایک حقیقی سیاسی اتحاد پیدا ہو رہا تھا۔ گاڈون کے کام کی ضرورت بیرون ملک سے زیادہ خود اندرون ملک کو تھی اور ملک کے امن و امان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کس خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

گاڈون کا
زوال

اڈورڈ کے تمام ابتدائے عہد میں انگلستان پر تین والیان صوبجات حاوی تھے۔ نارٹھمبریا میں سیوارڈ، مرسیا میں لیونرک اور ڈسکس میں گاڈون نے اپنا اپنا عمل دخل جا رکھا تھا اور کینیوٹ کے بعد یہ انزبشہ ہو گیا تھا کہ کہیں قدیم رواج کے مطابق ہر صوبہ الگ الگ نہ ہو جائے۔ جس شے نے اس علمدگی کو روکا وہ گاڈون کی یرصی ہونی جاہ طلبی تھی۔ وہ اپنی طبیعت کا سارا زور اپنے خاندان کی شوکت و حشمت کے بڑھانے پر صرف کر رہا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کو بادشاہ کے عقد میں دیدیا تھا۔ پیز کے جنوب کا تمام انگلستان خاص اس کی ولایت میں داخل تھا۔ اس کا بیٹا ہیرڈ، ایسٹ اینگلیا کا والی تھا اور دوسرا بیٹا سومین مغرب میں ایک ولایت پر حکمراں ہو گیا تھا، اس کا بیٹیا بیورن وسط انگلستان میں بنا ہوا تھا۔ مگر خاندان ہی گاڈون کی تباہی کا باعث بھی ہوا۔ اس کی طاقت پر پہلی ضرب سومین کی قانون شکنی سے بڑی۔ سومین نے خانقاہ یونسٹر کی رئیسہ کی اولاد تو بے حرمتی کی اور اس سے زیادہ جنگ یہ کی کہ جب اسے واپس کیا تو ساتھ ہی عقد کا پیغام بھی بھیج دیا۔ بادشاہ نے جب اس کی منظوری سے انکار کیا تو وہ ملک سے بھاگ گیا۔ گاڈون کے اثر سے اسے سمائی مل گئی مگر سمائی مانگنے کے لئے

واپس آتے ہی اس نے اپنے چچا زاد بھائی بیورن کو جس نے مصالحت سے مخالفت کی تھی مار ڈالا، اور پھر فلینڈرز کو بھاگ گیا۔ تومی غصے کے طوفان نے بھی سمندر پار تک اس کا تقاب کیا۔ عقلا کی مجلس نے اسے "ہیج" یا "ناکارہ" محض قرار دیا، گویا ملک میں اب اس کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی مگر اس کے باپ نے ایک ہی برس کے اندر اندر اس کے لئے بادشاہ سے ازسرنو معافی حاصل کر لی اور اسے دوبارہ اس کی سابقہ ولایت پر متعین کر دیا۔ ایسے مجرم کو اس زبون طور پر بری الذمہ کر دینے سے گاڈون کے اثر میں فرق آگیا اور جب تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں اور بادشاہ میں کشیدگی پیدا ہو گئی تو یہ بے یار و مددگار نظر آتا تھا۔ بادشاہ حالات ملک سے بالکل اجنبی تھا وہ اپنے فرامین تک میں نارمن طرز کی ایک سر استعمال کرتا تھا۔ اس نے اپنے نارمن زمینوں کو کلیسا و سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر متعین کر دیا تھا؛ یہ غیر ملکی اگرچہ وزیر کے مخالف تھے مگر گاڈون کے اثر و قابلیت کے سامنے ان کی کچھ پیش نہیں جاتی تھی۔ کچھ زمانہ بعد جب انہوں نے تنہا اس کے مقابلے کی جرأت کی تو گاڈون کو ہاتھ اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی وہ خود ہی دب کر رہ گئے؛ مگر سون کو جرم سے بری کر دینے سے جو عام بد دلی پیدا ہوئی اس سے انہیں موقع ملا کہ اڈورڈ کو ارل کی مخالفت پر اکسائیں۔ ایک نہایت ہی خفیہ رنجش سے اس کا موقع نکل آیا۔ ایک روز جب بادشاہ کا ہنونی یونیس (کاؤنٹ بولون) اس ملاقات کر کے اپنے ملک کو واپس جانا ڈاور میں اس نے اپنے ہمراہوں کے لئے مکانات طلب کئے۔ اس میں کچھ جھگڑا پیدا ہوا اور شہری و اجنبی دونوں طرف سے لوگ مارے گئے۔

بادشاہ نے غصے میں آکر گاڈون کو حکم دیا کہ اس کے عزیز سے مقابلہ کرنے کے جرم میں وہ اس شہر کو سزا دے۔ گاڈون کی عالی ظرفی نے اسے گوارا نہ کیا اور اس نے ہر طرح پر بادشاہ کو اس فعل سے روکنا چاہا اور منصفانہ تحقیقات کے لئے اہل شہر کے استحقاق کی طرف بادشاہ کو توجہ دلائی مگر اڈورڈ نے اس انکار کو سرکشی پر معمول کیا اور اس رنجش نے مخالفت کی صورت پیدا کر دی۔ گاڈون نے فوراً اپنی فوجیں مجتمع کر کے گلوسٹر پر دھاوا کر دیا اور غیر ملکی مقررین کو ملک بدر کر دینے کا مطالبہ کیا، مگر اس منصفانہ اور بالکل حق بجانب جدوجہد میں بھی ملک نے اس کی تائید میں سرمد مہری برتی۔ مرسیا اور نارٹھمبر لینڈ کے دالیوں نے اپنی فوجیں اڈورڈ کی فوجوں کے ساتھ شامل کر دیں۔ اور لندن میں عقلا کے ایک مجمعے میں سوین کو خارج البلد کر دینے کا مسئلہ پھر چھڑ گیا۔ گاڈون نے اپنی فطری دور اندیشی سے ایک لا حاصل جھگڑے میں پڑنا نہ چاہا اور سمندر پار ٹیلینڈرز کو چلا گیا۔

لیکن اس کے زوال سے تو م کا غصہ فرو ہو گیا۔ گاڈون کے تصور گاڈون کی جلاوطنی پر کیسے ہی عظیم کیوں نہوں مگر اب وہی ایک شخص رہ گیا تھا جو انگلستان پر درباری غیر ملکیوں کے تسلط کو روکے ہوئے تھا۔ ایک برس بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ ہیٹز میں اس کے پڑے کے نمودار ہوتے ہی اڈورڈ کو مجبوراً دنا پڑا اور غیر ملکی مقتدایان دین اور اساتذہ کو عقلا کی اسی مجلس نے خارج الذمہ قرار دیا جس نے گاڈون کی واپسی کی منظوری دی اور ان متسم غیر ملکیوں کو سمندر پار بھاگنا پڑا۔ ملک میں واپس آنے کے بعد ہی گاڈون کا انتقال ہو گیا اور معاملات ملکی کی سربراہی خاموشی کے ساتھ اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گئی۔

گاڈون کی
جلاوطنی
۱۰۵۱

ارل ہیرلڈ
۱۰۶۵-۱۰۸۳

ہیرلڈ کو جب اختیار حاصل ہوا تو اسے ان دشواریوں سے سابقہ نہیں پڑا جو اس کے باپ کے راستے میں حاصل تھیں۔ بارہ برس تک فی الحقیقت اسی نے ملک پر حکمرانی کی، گاڈون کی ہمت، قابلیت، انتظامی زیرکگی، عرصہ سندی، ہوشیاری، پھر ایک بار اس کے بیٹے میں نظر آنے لگیں۔ انگلستان کی اندرونی حکومت میں اس نے اپنے باپ کے اصول عمل کی تقلید کی مگر انیس انتہائی حد تک پہنچانے سے بچتا رہا۔ امن برابر قائم رہا۔ انصاف کا علمبردار رہا۔ ہوتا رہا اور ملک کی دولت و خوشحالی بڑھتی گئی۔ انگلستان کے زردوزی اور کشیدے کے کام فیلڈرز اور فرانس کے بازاروں میں مشہور ہو گئے۔ بیرون ملک سے جب کسی خرابی کے پیش آنے کا اندیشہ ہوا تو اسے تیزی اور سختی کے ساتھ مٹایا گیا۔ ہیرلڈ کی فوجی قابلیت کا فائدہ اس کی مہم ویلز سے ہوا کہ کس جرأت و تیزی سے وہ اپنی فوجوں کو پہاڑی ٹرائٹیوں کے مناسب حال ہتھیاروں سے مسلح کر کے پہاڑوں کے قلب تک گھس گیا اور ملک کو کامل اطاعت پر مجبور کر دیا۔ مگر اس خوشحالی میں قومی قوت عمل کے شریف تر جوہر کمزور اور مذہبی زندگی کے نمایاں اثرات مردہ ہو گئے تھے۔ علم ادب جو بر اعظم میں ایک نیا زور و شور پیدا کر رہا تھا وہ انگلستان میں چند مزامیر و مواعظ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ بادشاہ یا والیان صوبجات کے بنائے ہوئے چند گرجے ان شانہ عمارتوں کے مقابلے میں بالکل ناچیز معلوم ہوتے تھے جو نارمنڈی اور سرزمین رائن کی زینت کا باعث ہو رہے تھے اور وہاں کی جوش بھیجی کی شہادت دے رہے تھے۔ انگلستان کا کلیسا خواب غفلت میں پڑا ہوا تھا۔ کینٹبری کا اسقف اعظم اسٹیگینڈ پوپ کے ایک مخالف کا پیرو تھا

اور انگریزی کلیسا کا اعلیٰ ترین عمدہ بیکار معلوم ہوتا تھا۔ کسی اہم مجلس یا کسی مذہبی اصلاح سے انگلستان کے پادری خواب غفلت سے نہ چوٹھے۔ تمام یورپ ادبیات، علوم و فنون اور مذہب میں نئی زندگی حاصل کر رہا تھا مگر انگلستان کو اس سے کچھ سروکار نہ تھا، گاڈون کی طرح ہیرلڈ کی قوت بھی تمام تر اپنی ہی شان و شوکت کے بڑھانے پر مبذول رہی۔ سیورڈ کے انتقال پر نارٹھمبریا کی ولایت ہیرلڈ کے بھائی ٹاشگ کو مل گئی اور اس طرح قدیم مرسیا کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے سوا تمام انگلستان خاندان گاڈون کے ہاتھ میں آ گیا۔ اڈورڈ کے کوئی اولاد نہیں تھی وہ جس قدر قبر سے قریب ہوتا جاتا تھا اسی قدر اس کا وزیر تخت سے قریب تر ہوتا جاتا تھا۔ تمام رکاوٹیں یکے بعد دیگرے ہٹتی جا رہی تھیں۔ اسے سب سے زیادہ ٹاشگ کی مخالفت کا اندیشہ تھا مگر اہل نارٹھمبریا کی ایک بغاوت نے ٹاشگ کو فلینڈرز کی طرف بھگا دیا۔ ارل نے اڈون (والی مرسیا) کے بھائی مارکیر کو ٹاشگ کا جانشین کر دیا اور اس طرح مرسیا کے خاندان لیوفوک کو اپنا جانشین بنا لیا۔ درحقیقت اس کا مقصد بغیر جنگ و جدل کے خود بنوود حاصل ہو گیا۔ امر و اساتذہ جو تانب کے بیٹر مرگ کے گرد جمع تھے وہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلے اور انتقال اڈورڈ جزوی ۱۰۶۶ء

بلا توقف ہیرلڈ کا انتخاب کر کے اسے صاحب تاج و تخت بنا دیا +

جزو سوم

نارمنڈی و نارمن

۱۰۶۶ — ۹۱۲

اسناد۔ سینٹ کونٹن کا ڈیوڈ ایک پُرگو و پریشان نویں شخص ہے۔ مگر اس نے

نیت ہی قدیم ناموں روایات کو محفوظ رکھا ہے۔ فاتح کے ہمصر ولیم (ساکن جوجینا) نے اس کی تصنیف کا خلاصہ کیا ہے اور اسے اور آگے بڑھایا ہے۔ ہماری ثانی کے وقت میں دین نے جو تالیف رومن دسی ردو (Roman de Rau) کے نام سے کی ہے وہ اسی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ بارہویں صدی کے ایک نامی معنیف آرڈرکین ڈیٹیلس نے مذہبی تحریک کو سب سے بشرطریق پر بیان کیا ہے۔ اگرچہ اس کی کتاب فضول گوئی اور بے ربطی سے خالی نہیں ہے مگر پھر بھی قابل قدر معلومات سے ہماری ہوئی ہے۔ لیفرینگ کے حالات کے لئے لیفرینسی اسپیرا (Lanfranci Opera) مرتبہ جانلز اور ہوک کی تصنیف آج بپس آن کیٹبری (اساتذہ عظم کیٹبری Archbishops of Canterbury) دیکھنا چاہئے۔ اسلم کی سوانح عمری دین چرچ نے بہت خوبی سے مرتب کی ہے۔ نارمنڈی کی عام تاریخ کو سر فرینس پالکرو نے اپنی تصنیف نارمنڈی اینڈ انگلینڈ (نارمنڈی و انگلستان Normandy and England) میں تفصیل اور رنگین بیانی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مشرقین نے اپنی تصنیف مہتری آف نارمن کانکوئیٹ جلد اول و دوم (تاریخ فتح نارمن History of Norman Conquest) میں زیادہ صحت و اختصار مد نظر رکھا ہے۔

نارمنڈی

اس تحت نشینی کے ساتھ ہی ایک ایسے ملک سے اندیشہ ناک خبریں موصول ہونے لگیں جو اگرچہ اس وقت ایک اجنبی ملک معلوم ہوتا تھا مگر عنقریب خود انگلستان کا جزو ہونیوالا تھا۔ تاریخ انگلستان کے جس زمانے میں ہم اب داخل ہونے والے ہیں اس کے متعلق جس قدر واقفیت نارمنڈی کی ایک گشت سے حاصل ہو سکتی ہے اس قدر واقفیت دنیا کی تمام کتابوں سے بھی نہیں ہو سکتی۔ کین کے گزبے کے جس شاندار قبے کے نیچے فاتح کی قبر بنی ہوئی ہے اس میں فتح کا پورا قصہ لکھا ہوا ہے۔ راستے کا ایک ایک دیہات انگریزوں کے لئے اپنی کوئی نہ کوئی یادگار رکھتا ہے، دیوارِ قلعہ کے کسی ٹکڑے پر بردس کے گھر کا نشان ہے، کسی خوش منظر چھوٹے سے گاؤں سے پرسی کا نام قائم ہے، خود ملک اور اس کے آویسوں کی صورت تک انگریزوں کو مانوس معلوم

ہوتی ہے۔ کسان کی ٹپٹی اور قمیص انگلستان کے ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں کے انداز و اطوار کو یاد دلاتی ہیں۔ گین کے قرب و جوار کے کھیتوں کی گھنی جھاڑیوں، ناروں کے درختوں اور سیب کے باغوں سے جو ہو انگریزی قصبات کی کیفیت پیش نظر ہو جاتی ہے۔ سب سے اونچی بلندیوں پر بھوسے رنگ کی وہ مرنج دیدگاہیں بنی ہوئی ہیں جن کی مثالیں نارمنڈی نے رچمنڈ کی پہاڑیوں اور یٹز کی ساحلوں پر بھی چھوڑی ہیں۔ ان قصبات میں (جو تجارت کی چھوٹی چھوٹی منڈیاں ہیں) سُرخ کھیرلیوں کے مکانات کے دریاں باشاہلی کے بنا کردہ وہ عظیم الشان اور بلند گرجے واقع ہیں جنہوں نے الفرڈ اور ڈسٹن کے گرجوں کو پست کر دیا تھا۔

جس زمانے میں الفرڈ کی اولاد انگلستان کے ڈین لا (ملک ڈین) کو فتح نارمن کی کرنے اٹھی ہے۔ اسی زمانے میں ناروے کے ایک رہنے والے رالف دی کینجر آباد کاری نامی نے جو گتھرم و ہیشنگ کے مانند ایک ترقی سردار تھا، دریائے سین کی دونوں جانب کی زمین فرانسیسی بادشاہ چارلس دی سہل (سادہ دل) سے لی تھی۔ جس معاہدے کی رو سے فرانس نے اپنا ساحلی ملک رالف کے حوالہ کر کے اسے حاصل کیا وہ صلح وڈمور کی ہو ہو نقل تھا۔ گتھرم کی طرح رالف کو بھی اصطباغ دیا گیا، بادشاہ کی لڑکی اس کے عقد میں آئی اور اس مملکت کے لئے جو اب ملک نارمن یا نارمنڈی کے نام سے موسوم ہوئی وہ بادشاہ کا باجگدار رئیس قرار دیا گیا، مگر بادشاہ کی ماتحتی اور تبدیل مذہب کسی نے بھی اس ترقی پر کچھ اثر نہ ڈالا۔ سین کے قرب و جوار میں آباد ہونیولے اہل شمال کو فرانسیسوں سے متحد کر دینے کے لئے نسل و زبان کے وہ روابط موجود نہیں تھے جن کی وجہ سے ہمہ کے گرد آباد ہونیولے اہل شمال انگریزوں

تہ ہو گئے تھے، رالف کا بیٹا ولیم، لانگ سورڈ (دراز شمیر) اگرچہ فرانس و
 مذہب کی طرف سے حالت تذبذب میں رہا مگر شمالی ہونے میں بہت
 پختا تھا۔ اس نے جب جزیرہ نمائے کاشٹن کو (جو کوہ سنٹ میکلس سے
 چربورگ کی چٹانوں تک پھیلا ہوا ہے) فتح کیا تو ڈین لوگوں کو وہاں
 اپنی آبادی قائم کر لینے کے لئے ہر طرف سے بلایا اور اپنے لڑکے کو تہیت
 و پرورش کے لئے بایو کے شمالیوں کے پاس بھیج دیا جہاں ڈین زبان اور
 اطوار بہت سختی کے ساتھ اپنی حالت پر برقرار تھے؛ اس کے مرنے کے
 بعد بت پرستی پھر شایع ہو گئی اور نارمن کا بہت بڑا حصہ مع نوے ڈیوک چرٹ
 کے کچھ دنوں کے لئے عیسائیت سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دیکھا
 سین نئے ترقیاتی پیروں سے بھر گیا۔ اس صدی کے اختتام تک آس پاس
 کے فرانسیسی بدستور تمام قوم نارمن کو ترقی، ان کی زمین کو ترقیوں کی
 زمین، اور ان کے ڈیوک کو ترقیوں کا ڈیوک سمجھتے رہے۔

نارمنڈی کا
 ۹۴۵-۹۴۶

تاہم جن طاقتوں نے ڈین کو انگریزوں سے لادیا تھا انہیں طاقتوں
 نے زیادہ قوت کے ساتھ فرانسس کی قوم ڈین پر بھی اثر ڈالا۔ ڈین
 سے زیادہ کبھی کسی قوم نے اس صفت کا اظہار نہیں کیا کہ جس قوم سے
 اس کا اختلاط ہو خود اس کی تمام خصلتوں کو جذب کر لے اور اپنی قوت
 عمل سے اسے موثر کر دے۔ ولیم (دراز شمیر) کے بیٹے ڈیوک ہرڈوی فرس
 (بے خوف) کے طویل عہد میں بت پرست نارمن ترقیوں سے فرانسس
 عیسائیت اور جاگیر دارانہ طریق کے پابند ہو گئے، قدیم شمالی زبان صرف
 بایویا چند مقامی ناموں میں باقی رہ گئی، جس قدر قدیم شمالی آزادی کا
 چمکے چمکے خاتمہ ہوتا گیا اسی قدر ترقیوں کی اولاد میں فرانسس کے

جاگیردار ایروں کا سا انداز پیدا ہوتا گیا اور "قزاقوں کی سرزمین" فرانسیسی جاگیروں میں سب سے زیادہ بادشاہ جاگیر ہو گئی۔ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی عادات و اطوار میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ جس ملک میں بت پرستی نے اپنی حفاظت اور زندگی کے لئے جان توڑ مقابلہ کیا تھا وہی ملک اس تبدیل مذہب کی وجہ سے عیسائیت و کلیسا کا زبردست حامی بن گیا۔ نئے مذہب کا اثر سب سے پہلے حکمرانان نارمنڈی صلی) پر پڑا مگر جب مذہبی تحریک عوام میں پھیلی تو ایک طرح کے جنونانہ جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ تمام شہریں زائرین سے بھری رہتی تھیں۔ جنگلوں کے اندر ہر ایک کشادہ زمین پر خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ برین کا ایک ٹاؤن ہرلوین نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک چھوٹی سی وادی میں پناہ گزریں ہو گیا تھا۔ یہ وادی ایش اور نارون کے درختوں سے گھری ہوئی تھی اور ایک چشمہ اس کے درمیان سے گذر کر دریائے رسل میں جا ملتا تھا، اس چشمے کا نام بک تھا اور اسی سے خانقاہ کا نام بھی بک ہو گیا۔ ایک روز وہ خود اپنے ہاتھ سے چوٹھا بنانے میں مصروف تھا کہ ایک اجنبی نے آکر کہا کہ "خدا تمہیں سلامت رکھے" اس شخص کے غیر مانوس چہرے پر نظر ڈال کر اس ٹاؤن رئیس خانقاہ نے پوچھا "کیا تم لبارڈی کے رہنے والے ہو" مسافر نے جواب دیا "ہاں" اور وہیں زمین پر سر رکھ کر ہرلوین کے قدموں کو بوسہ دیا اور اس سے یہ اہتمام کیا کہ اسے راہبوں کے زمرے میں داخل کر لے۔ لبارڈی کا یہ باشندہ دراصل پیویا کا لیفرینک تھا۔ وہ ایک عالم شخص تھا اور رومی قوانین میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ وہ ایورائچی میں ایک مدرسہ قائم کرنے کے خیال سے آپس کے نواح میں پھرتا رہا تھا اور اب ہرلوین کے صلاح

و تقویٰ کی شہرت سن کر مذہبی زندگی اختیار کرنے پر مائل ہو گیا تھا۔ لیفرینگ کا مذہبی جوش واقعی سچا تھا مگر تقدیر میں بجائے ولی ہونے کے منتظم و مدیر ہونا لکھا تھا۔ اس کی تعلیم کی وجہ سے ہک چند برسوں میں ممالک عیسوی کا مشہور ترین مدرسہ بن گیا۔ درحقیقت دینی تحریک کی یہ پہلی رو تھی جو اطالیہ سے نکل کر مغرب کے جاہل ملکوں میں پھیل رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے کی تمام دماغی قوت عمل طلباء کے اس گروہ میں مجتمع ہو گئی ہے جو لیفرینگ کے گرد جمع تھے۔ مذہبی تافون اور زمانہ وسطیٰ کی تمام علمی کارناموں اور فلسفیانہ تشکیک کی آخری منزل ہک کے مدرسے پر منتہی ہوئی ہے۔

لیفرینگ

بمقام ہک

۱۰۶۶-۱۰۶۷

ایسٹلم

لیفرینگ کے طلبہ میں اوسٹا کا رہنے والا ایک شخص ایسٹلم نامی سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ اپنے استاد کی طرح یہ بھی اطالوی تھا اور بہت جلد رئیس خانقاہ و معلم کی حیثیت سے اس کا جانشین ہونے والا تھا۔ یہ دونوں اگرچہ دوست تھے مگر کہیں دو شخصوں کے طبائع میں ایسا زیادہ تعجب انگیز تباہی نہیں ہو سکتا جیسا ان میں پایا جاتا تھا۔ ایسٹلم نے جوانی کے زمانے تک اپنی پہلی وادی کی خاموش تنہائی میں پرورش پائی تھی۔ وہ ایک نازک طبع اور خیال آفرین شاعر تھا۔ اس کی روح کوہ البائن کے برف کے مانند پاک و صاف اور اس کی ذہانت پہاڑی ہوا کی طرح تیز و شفاف تھی۔ اس شخص کے مزاج کا صحیح اندازہ اس کی فوجوانی کے ایک خواب سے ہو سکتا ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ بہشت ایک شاہانہ محل کی طرح پہاڑ کی چکدار چوٹیوں کے درمیان واقع ہے اور وادی کے کشتزاروں میں غلہ جمع کرنیوالی عورتیں اس آسانی بادشاہ کے کمیت میں کام کر رہی ہیں۔ یہ عورتیں اپنے کام میں مست تھیں۔ ایسٹلم ان کے نساہل سے کبیہہ ہو کر عجلت کے ساتھ پہاڑ کے اوپر

پڑھ گیا تاکہ ان کے مالک سے ان کی شکایت کرے۔ جیسے ہی وہ عمل میں پہنچا بادشاہ کی آوازیں سن کر وہ کھڑا ہو گیا اور اپنا قصہ کہ سنایا۔ بادشاہ کے حکم سے ایک سفید روٹی جسے دنیاوی سفیدی سے کوئی نسبت نہ تھی اس کے سامنے رکھی گئی اور وہ اسے کھا کر تازہ دم ہو گیا۔ صبح کے وقت خواب تو جاتا رہا مگر بہشت کے زمین سے قریب ہونے کا خیال اپنے خدا کی خدمت کی پُر جوش و فاداری، خدا کی حضور کی پُر شفقت امن و آسائش اس خواب کی یادگار کے طور پر باقی رہ گئے اور وہ ایسلم کی زندگی کے لئے شمع بہت بن گئے۔ دوسرے اطالوی طلبا کی طرح وہ بھی پھرتا ہوا نارمنڈی پہنچا اور لیفرینک کے زیر ہدایت رہبانیت اختیار کر لی، اور جب اس کا استاد اپنے دوسرے اعلیٰ فرائض کی انجام دہی کے لئے جگ سے چلا گیا تو خانقاہ کے نظام کے لئے وہی اس کا جانشین قرار پایا؛ کسی استاد نے اپنے کام کو ایسلم سے زیادہ محبت و شوق کے ساتھ انجام نہ دیا ہوگا۔ وہیں ایک دوسرا معلم تھا جس کا دارومدار ضرب و تشدد پر تھا، ایسلم سے نہ رہا گیا اور ایک بار بگڑ کر کہا کہ ”اپنے طلبا کو ترقی و اصلاح کی طرف بڑھاؤ۔ کیا تم نے کبھی کسی کاریگر کو دیکھا ہے کہ سونے کے پتر کو صرف ٹھونک ٹھونک کر اس نے ایک خوبصورت مجسمہ بنا دیا ہو۔ کیا وہ یہ نہیں کرتا کہ کبھی اسے نرمی سے دبائے اور کبھی اپنے اوزاروں سے تھپکے، کبھی بہت ہوشیاری کے ساتھ آہستگی سے اسے اُجھارے اور اس میں شکل پیدا کرے۔ تمہارے طلبا پر اس بے مابا ضرب و شلاق سے کیا اثر ہوتا ہے؟“ استاد نے کہا کہ ”اور حیوان ہو جاتے ہیں“ ایسلم نے یہ چبھتا ہوا جواب دیا کہ ”ہماری بدقسمتی ہے کہ تمہاری تربیت سے انسان حیوان بن جاتا ہے۔“ اس کی نرمی اور تحمل کے سامنے بدترین طبیعتیں بھی ملائم ہو جاتی تھیں یہاں تک کہ

خود فاتح جو دوسروں کے لئے اس درجے و درشت خو اور ہولناک تھا ایسلم کے ساتھ
مہربان اور نرم گفتار ہوتا جاتا تھا :

لیکن مسلمانوں کے انہماک اور فکروں کے باوجود جب کے اس رئیسِ خانقاہ کو
مسائلِ فلسفیانہ پر بھی غور کرنے کا وقت مل جاتا تھا اور انہیں عظیم الشان علمی
تحقیقاتوں پر ازمنہ و سہلی کی دینیات کی عمارتِ تہذیب کی گئی ہے؛ عیسائی صاحبان
فکر میں سب سے پہلے اسی نے اپنے معزز تصانیف کے ذریعے سے خدا کے تصور
کو عقلِ انسانی کی فطرت کے موافق ثابت کر نیکی کوشش کی۔ شکلِ خیالات
کے صل کرنے میں اس کا شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ خواب و نور
تک اس پر دشوار ہو گیا تھا۔ بعض وقت اس کے لئے عبادت کا پورا
کرنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اکثر راتوں کو اس وقت تک جاگتا رہتا جب تک
کہ وہ اپنے خیال پر قابو نہ حاصل کر لیتا اور انہیں قریب پڑھی ہوئی موم کی
تختیوں پر لکھ نہ لیتا۔ مگر اس قسم کی گہری محویت کے باوجود بھی ایسلم کی
نرم دلی و محبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ شفا خانے کے راہبوں کو ایسلم کے
ہاتھ کے پنچوڑے ہوئے عرقِ انجور کے سوا کسی اور چیز سے راحت نہیں ملتی
تھی۔ اس کے عمدہ اسقفِ اعظم کے آخری زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک خرگوش
شکاریوں کے تناقب سے بچ کر اس کے گھوڑے سے نیچے آ گیا۔ ایسلم نے
ظلافِ معمول نہایت سخت آواز سے شکاریوں کو اس طرف آنے سے روکا اور
جانور نے باطنیانہ جھنجھل کی راہ لی۔ کلیسا کے لئے حصولِ زمین کی ہوس یہی تھی
کہ اُس میں بہت سے اچھے اچھے مذہبی شخص گرنجار ہو گئے تھے مگر اس
باب میں بھی ایسلم نے عالی ظرفی اور شانت کو ہاتھ سے نہیں دیا ایک بار
جب کسی ایسے ہی معاملے میں فریقین کے درمیان بحث کر رہے تھے کہ ایسلم

عالت میں آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں اور اطمینان سے سو رہا۔ اُس کے اس فعل میں اُن کے لئے کافی تشبیہ پنہاں تھی۔ اور یہ اس کی طبیعت کا خاص انداز تھا +

جزو چھام فاتح

۱۰۶۶-۱۰۴۲

اسناد - فاتح کے پیش ناز (جیپلین) ولیم (ہوائیا) کی تصنیف حشا ویلی (Gesta Willelmi) سب سے مقدم ہے۔ یہ شخص ڈیوک کا سخت طرفدار تھا۔ ولیم (جو جزو چھام کا تسمہ اور بہت قابل قدر مصنف ہے۔ آرڈرک ٹویس اور بیٹاٹ دی سنٹ مور کا منظم و قاضی یہ سب دوسرے درجے پر ہیں۔ ان کے علاوہ ملے اور سنلیک کے حالات کے لئے گینو (اسقف ایمینز) کی تصنیف کارمن دی بیلو ہسٹنسی (Cormen de Bello Hastings) اور باؤ کے کارپولی کے کام کی بے ہمتا اور بھی مفید مطلب ہیں۔ انگریزی بیانات بہت ہی مختصر ہیں۔ سنلیک کا حلقہ اور جنگ مسٹر فریمن کی مہمشری آف نارمن کانکویسٹ (تاریخ فتح نارمن) History of

Norman Conquest) جلد سوم کا خاص موضوع ہے +
 (نارمن زائرین کا گروہ درگروہ اطالیہ و ارض مقدس کی زیارت گاہوں کو جانا
 صرف جوش مذہبی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جان جوکھوں میں پڑنے کے قدیم شوق نے ان شمالیوں کو زائرین کی صف سے نکال کر جاہدین صلیبی کی صف میں داخل کر دیا تھا۔ نارمن طبقہ ٹائٹ کے بہتوں افراد اپنے ڈیوک کی سخت حکومت کی متاب نہ لا کر روجروی ہسٹنسی کے ساتھ مسلمانان ہسپانیہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گئے یا عرب فاتحان سسلی سے لڑنے کے لئے یونانیوں کے ساتھ شریک ہو گئے، نہیں میں ایک ٹائٹ رابرٹ گسارڈ تھا۔ وہ صرف ایک ہمراہی کو لیکر اپنے وطن

فتوحات
نارمن

کانٹیننٹ سے ٹھلا تھا مگر اس کی شجاعت و دانائی نے اسے اطالیہ کے نارمن سپاہیوں کا سردار بنا دیا۔ نارمن اس وقت تک یونانیوں کے تحت میں کام کرتے تھے مگر اب وہ انیس پر حملہ کر بیٹھے اور کینیا (قونیہ) میں انیس شکست دیکر اپولیا سے بے دخل کر دیا۔ کلیبریا اور ساحل کے بڑے بڑے تجارتی شہروں کو فتح کرنے کے لئے خود گسکارڈ آن کا پیشرو بنا اور تیس برس کی جنگ آزمائی کے بعد سسلی اس کے بھائی روجر کے پیروں کے قبضے میں آگئی۔ یہ دونوں فتوحات ۱۰۹۰-۱۰۹۰

ایک ہی خاندان کے حکمرانوں کے تحت میں متحد کر دی گئیں۔ انیس حکمرانوں کی فیاضیاں تھیں جن سے پلرمو و مائریل کے فنون کو رونق حاصل ہوئی اور علم اوب میں اطالوی نغمہ سرائی کا پہلا جوش ظاہر ہوا؛ نارمنڈی ابھی تک جوش و قوت سے بھری ہوئی تھی۔ جنوب کی اس غنیمت سے اس کی طمع اور شوق مبادرت کو حرکت ہوئی اور گسکارڈ کی مہمت کی افواہ نے ڈیوک نارمنڈی کے پڑپڑا حوصلے کی حرارت کو اور تیز کر دیا۔

اس وقت نارمنڈی کا ڈیوک وہ شخص تھا جسے خود اس کے وقت کے لوگ ولیم اعظم کہتے تھے اور جسے ایک واقعے نے تاریخ انگلستان میں ولیم فاتح بنا دیا۔ اس کے عزم کی قوت، اس کی تدبیر کی وسعت، اور اس کی نظر کی بلندی جو اس زمانے کے حقیر واقعات کی سطح سے اسے بہت بلند کر دیتی ہیں، اس وقت تک پوری طرح ظاہر نہیں ہوئی تھیں مگر اس کے لڑکپن کے زمانے سے کوئی وقت ایسا نہیں گذرا تھا کہ اپنے وقت کے اعلیٰ ترین افراد میں اس کا شمار نہ ہوتا رہا ہو۔ وہ ہمیشہ ایک مشکل کے بعد دوسری شکل پر غالب آتا رہا اور اس کی تمام زندگی اسی میں ختم ہوئی۔ 'محرمانی' کے لفظ سے پیدا ہونے لگ اس کے نام کے ساتھ باقی رہ گیا۔ اس کے باپ ڈیوک رابرٹ نے

ولیم ڈیوک
نارمنڈی

- ۱۰۲۶ اپنے قبضے کے ایک چرم ساز کی لڑکی آرلوٹا نامی کو فیلیس کے چھوٹے سے نالے پر پکڑے دھوئے ہوئے دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔ ولیم اسی آرلوٹا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ بعد ازاں رابرٹ زیارت کے لئے گیا تو پھر اسے واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ اور ولیم بچپن ہی میں تمام مالک عیسوی میں سب سے زیادہ ۱۰۳۵ سرکش پیرنوں کا حکمراں ہو گیا۔ جوانی تک پہنچتے پہنچتے وہ ہر طرف سے عدل اور طوائف الملوک کی میں گھر گیا۔ آخر کار بد نظمی نے علانیہ بغاوت کی صورت اختیار کی۔ اپنے شکار گاہ واقع ولانکس میں اضلاع بین اور کانٹنٹن کی بغاوت کی خبر سن کر ولیم بالکل سراپیمہ ہو گیا اور اسے صرف اتنا وقت ملا کہ باغیوں کو اپنے تعاقب میں چھوڑتا ہوا دریائے واٹر سے گذر جائے۔ کین سے شمال شرقی کوہ ویلس ڈیویز کے دامن میں جانبین کے سواروں کے درمیان ایک سخت جنگ واقع ہوئی اور اسی جنگ نے ولیم کو اس کی امارت کا دائمی مالک ۱۰۴۴ بنا دیا اور وہ قدیم نارمنڈی جس پر اسکینڈینیویا کا رنگ غالب تھا ہمیشہ کے لئے اس نئی تہذیب کے اثر میں آگئی جو فرانسیسی تعلقات اور فرانسیسی زبان کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ ولیم خود اس تغیر کا ایک نمونہ تھا۔ نوجوان ڈیوک کی طبیعت میں قدیم و جدید انداز کے امتزاج کا ایک عجیب عالم نظر آتا تھا۔ قزاقانہ درشتی، تدابیر مگداری کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ ولیم جس طرح شمالی نسل کا آخری نمونہ تھا اسی طرح وہ غایت درجہ خوفناک بھی تھا۔ اس کا دیو ہیکل تن و قوتش، اس کی عظیم الشان طاقت اس کا ہیبتناک چہرہ اس کی بیباکانہ جرات، اس کے غصے کی شعلہ زنی، اس کے انتقام کی بیرحمی، ان تمام امور میں ان گزرگان بھری کی سرشت کا اثر موجود تھا جو اب تک دنیا کی لوٹ پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کے دشمن اس امر کے معترف تھے کہ آسمان کے نیچے کوئی

ٹائٹ ولیم کا برہمخابل نہیں ہے، وہ اگرچہ لڑکا تھا مگر ولیم ڈیونز میں گھوڑے اور سوار سب اس کے نیزے کے سامنے گرتے جاتے تھے۔ اس کی طبیعت کی تمام صیبت کیفیتیں اس کے بچپن کے ببادرانہ واردات میں ظاہر ہو گئی تھیں۔ جعفری مارٹل نے جب ایک زمین پر اپنا حق جتایا تو ولیم اس کے علی الرغم گھوڑے پر سوار اور باز اپنے ہاتھ پر بٹھائے ہوئے اُس زمین پر جا پہنچا گویا اس کے نزدیک جینگ اور نیکار یکساں تھے۔ اس نے پندرہ اہل آسٹو کو اُس وقت بھگایا جب صرف پانچ سپاہی اس کی پشت پر تھے۔ کوئی شخص اس کی کان جھکا نہیں سکتا تھا۔ وہ انگریزی سپاہیوں کے ایک حلقے کو اپنے عصا سے توڑتا ہوا علم کے نیچے تک پہنچ گیا۔ جن وقتوں میں دوسرے لوگ نا امید ہو جاتے تھے انہیں وقتوں میں اس کی اعلیٰ قوتوں کا خاص طور پر اظہار ہوتا تھا۔ سلیک میں جب انگریزی حملے کی تاب نہ لا کر اس کے سپاہی بھاگے ہیں تو انہیں جمع کرنے کے لئے اس کی آواز میں قمرنے کے مانند گرج پیدا ہو گئی تھی۔ موسم سرما میں جب اس نے چپٹر کی طرف کوچ کیا ہے تو وہ اپنی کمزور فوج کے آگے آگے خود پا پیادہ پھلتا تھا اور ایک موقع پر سڑک کو برف سے صاف کرنے میں خود اپنے ہاتھ سے اس نے مدد دی۔ شمالی جرأت کے ساتھ شمالی بے رحمی بھی اس سے ظاہر ہوتی رہتی تھی انسان کے ہاندوں نے اسکی فرو مانگی نسل کے اظہار حقارت کی طور پر جب کچا چڑا دیاؤں سے لٹکایا اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ ”دیباغ کے لئے کام موجود ہے“ تو ولیم نے اپنے قیدیوں کی آنکھیں نمال کر اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں قصبے کے اندر پھینک دیا۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی فتح کے بعد اس نے ہیرلڈ کی نقش کو دفن نہ ہونے دیا۔ صرف ایک نیکار گاہ کی خاطر ہمیشہ کے سیکڑوں

آدمی اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ نارقمیریا کو اس نے جس بُری طرح برباد کیا اس سے شمالی انگلستان ایک ویرانہ بن گیا۔ اُس کے مزاج تک سے ایک طرح کی ہیبت اور بے رمی ظاہر ہوتی تھی۔ بڑھاپے میں اس کا جسم بے قابو ہو گیا تھا اور علالت نے اسے مقام روئین میں صاحب فراش بنا دیا تھا۔ فلپ شاہ فرانس نے اس کی ہنسی اڑائی اور کہا کہ شاہ ولیم دت سے اس طرح پڑے ہیں جیسی کوئی عورت زچہ خانے میں پڑی ہو، ولیم نے قسم کھا کر کہا کہ جب اٹھوٹھا تو میں فلپ کے ملک میں ادائے شکر کے لئے جاؤٹھا، اور اپنے گرجے کے لئے پیش قیمت تحفہ لاؤٹھا۔ ہزار قدیلیں نذر کروٹھا۔ یہ جلتے ہوئے علم ہونے اور ان شعلوں کے اوپر لوہا چمکیگا؟ فصل کٹنے کے وقت فرانسسے سرحد کے قریب و جوار میں جلے ہوئے قصبے اور دیہات کی راکھ نے فاتح کی قسم کو پورا کیا، تنہائی کے وقت میں بھی اُس میں یہی وحشیانہ کیفیت پائی جاتی تھی۔ وہ انسان کی الفت و نفرت کی بہت کم پروا کرتا تھا۔ اُس کے ہیبتناک چہرے، اُس کے پُرغرور انداز، اُس کے سکوت اور اُس کے جوشک و حشیانہ ہیجان سے دربار میں خوف چھا جاتا تھا؛ انگریزی وقائع نگار کہتا ہے کہ ”وہ اس قدر درشت خو اور ہیبتناک تھا کہ کسی شخص کو اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔“ ایسٹم کے ساتھ اس نے جو لطف آمیز برتاؤ کیا اس سے اس کے برتاؤ کی عام سختی اور زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اسکے غصے میں بھی تنہا پسندی کی شان نکلتی تھی۔ ہیریڈ کی تخت نشینی کی خبر جس وقت اسے پہنچی ہے تو اُس نے کسی سے بات نہ کی اور نہ کسی کو یہ جرأت ہوئی کہ اس سے بول سکے، جب وہ محل سے نکل کر سنان جنگل میں پہنچا ہے اس وقت جا کر اس کا مزاج ذرا دھیمہ ہوا۔ وہ جنگلی

ہرنوں سے ایسی محبت رکھتا تھا گویا اُن کا باپ ہے۔ اس کا فرمان تھا کہ جو شخص کسی ہرن یا ہرنی کو مارے گا وہ اندھا کر دیا جائیگا۔ خود موت پر بھی اس کی زندگی کی دستک تنہائی کا رنگ پڑھ گیا۔ اُس کی آنکھ بند ہونے ہی قیاس اور امرا سب اس کے پاس سے فرار ہو گئے اور فتح کی نش برونہ دتھا فز پر پڑی رہ گئی۔ ولیم جس کی حیثیت محض ایک شمالی شخص کی تھی۔ صرف اپنی ذہانت کی وجہ سے سپہ سالار اور مدبر بن گیا تھا۔

ولیم اور
فرانس

جانری اٹل (کاؤنٹ آنجو) اس نامن طاقت کی ترقی کو رقیبانہ غماہوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے اثر سے فرانس کو دوست کے بجائے اس کا دشمن بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس خطرے نے ولیم کی حالت میں متاثر پیدا کر دیا اور ولیم ڈیوسز کے جانناز نیپلے نائٹ کے بجائے وہ ایک محتاط صاحب تدبیر بن گیا۔ فرانسیسی فوج جب سرحد سے پار اتری تو وہ ہوشیاری کے ساتھ اس کے بازوؤں کے کس پاس لگا رہا یہاں تک کہ فوج کا ایک حصہ مارٹیر کے چھوٹے سے قصبے میں خیمہ زن ہو گیا۔ ولیم کے سپاہی اس پر اچانک جا پڑے اور اسے کانکر رکھ دیا۔ دوسرے سے کو خود ڈیوک نے روکے رکھا اور انہیں اس واقعے کی خبر اس وقت ہوئی جب رالف دی لٹنی نے ایک درخت پر سے چلا کر کہا کہ ”فرانسیس! اٹھو بہت سوچکے، جاؤ اپنے ان دوستوں کو دفن کرو جو مارٹیر میں مرے پڑے ہیں“ چار برس بعد ایک اس سے بھی زیادہ مہیب حملے کا اس نے ایسی ہی عاقلانہ تدبیر سے مقابلہ کیا۔ وہ فرانسیسیوں کے بازوؤں کے اس پاس لگا ہوا خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا کہ قصبے اور گرجے لوٹے جا رہے ہیں، بین تباہ اور کین برباد ہو چکا

۱۰۵۴

ہے اور حملہ آور مقام ویرا دائل کے قریب دریائے ڈالو کو عبور کر کے
 یسو کی زر خیر زمین کو ویران و نابود کیا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے ہی موقع کی
 تاک میں تھا؛ ابھی آدمی فوج دریا سے پار ہوئی تھی کہ ڈیوک بجا یک ان
 کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ جنگ نہایت سخت ہوئی اور جیسا کہ ولیم نے پہلے ہی
 سمجھ لیا تھا دریا کے چڑھ جانے سے فرانسیسی فوج دو ٹکڑوں میں منقسم ہوئی
 اور اس پر ایک یابوسی کا عالم طاری ہو گیا۔ ایک تنگ رستے میں پھنس کر
 نارمن تیروں کی زد سے فرانسیسی سوار پیادے، اسباب کی گاڑیاں سب
 ایک ڈھیر ہو کے رہ گئے۔ ایک تنفس بھی جان سلامت لے کر نہ بھاگ
 سکا۔ شاہ فرانس دوسرے ساحل سے بے بس و مجبور اس حالت کو دیکھتا
 رہا اور کچھ کر نہ سکا وہ بھاگ کر گھر پہنچا اور جاتے ہی مر گیا۔ جافی مارل
 کے انتقال کر جانے سے فرانسیسی والیان ملک میں ولیم کا کوئی مد مقابل
 باقی نہیں رہا۔ نارمنڈی اور آنجو کے مابین، مین حد فاصل کا کام دیتا تھا،
 اور آخری دس برس سے آنجو کے قبضے میں تھا مگر اب بلا مخالفت وہ ولیم
 کے تحت میں آ گیا۔ برٹینی جو اس کے دشمنوں کے زمرے میں شامل ہو گئی ۱۰۶۰
 تھی ایک ہی دھماکے میں مطیع ہو گئی *

ان تمام بیرونی تفکرات کے باوجود خود نارمنڈی کی بابت ڈیوک کی ولیم اور
 توجہ میں مطلقاً کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ سرکش و تزاوق رئیسوں سے نارمنڈی
 بھرے ہوئے ملک میں امن و انتظام کا پیدا کرنا بڑا مشکل کام تھا ایک
 نارمن شاعر کا قول ہے کہ "نارمنوں کو کچل ڈالنا اور پیروں ہی کے نیچے دبائے
 رکھنا چاہئے کیونکہ ضرورت کے وقت وہی شخص ان سے کام لے سکتا ہے
 جو ان کے منہ میں لگام دئے رہے۔" ولیم کسی تزاوق سے ہرگز محبت نہیں

کر سکتا تھا۔ اس نے نہایت سختی کے ساتھ تاجروں اور کسانوں کی حفاظت کی اور اسی وجہ سے اس کے عہد کے ابتدائی دس برسوں میں طبقہ برین مسلسل بناوٹیں کرتا رہا، خود اسی کے عزیز و اقارب اس بددلی کے بانی تھے اور انہوں نے شاہ فرانس کو اپنی مدد کے لئے بلایا مگر مارٹیر اور ویراڈائل کی فتوحات نے باغیوں کا سرکپل دیا اور وہ ولیم کے قبضہ قدرت میں آئے۔ کچھ اس کے قید خانوں میں سڑا کئے اور کچھ جلا وطن ہو کر اپولیا و سسلی کے فاختین کے ساتھ جا ملے۔ ملک میں امن و انتظام قائم ہو گیا اور ولیم کلیسا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ روئین کا اسقف اعظم مالگر شکار اور دعوتوں کا شوقین تھا۔ ولیم نے اسے فی الفور برطرف کر دیا اور اس کی بجائے ایک پرنسنگار اور صاحب علم فرانسیسی مارلیس کو مقرر کیا۔ ڈیوک کی رہبری میں متواتر مجلسوں نے پادریوں کی اخلاقی حالت میں اصلاح پیدا کر دی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ بک کا درس علم کا مرکز ہو گیا تھا۔ دور بینی اور مروجہ شناسی ولیم کی نمایاں صفات تھیں۔ اس نے اس مدرسے کے صدر کو اپنا مشیر خاص مقرر کیا۔ جب فیلڈرز کی مثلڈا سے عقد کر کے ڈیوک نے پوپ کو اپنا نالغ بنا لیا تو لیفرنیک نے اس مناقضے میں روم کی جانبداری کی اور ڈیوک کی مخالفت کے جرم میں اسے جلا وطن ہونا پڑا۔ اس صدر مدرس کے گھر میں صرف ایک لنگڑا گھوڑا تھا وہ اسی پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ ڈیوک کو اسے نارمنڈی سے جلد نکالنے کی اس قدر بے صبری تھی کہ وہ خود اس کے پیچھے روانہ ہوا اور اسے راستہ میں جا لیا۔ مگر اس باشندہ لمبارڈی پر کسی طرح کا اضطراب طاری نہیں ہوا۔ بلکہ اُس نے بہت ہی اطمینان اور متانت سے کہا کہ ”مجھے ایک اچھا گھوڑا دیجئے

تو میں بہت جلد اس علاقے سے نکل جاؤں" اس جواب پر ڈیوک کا غصہ جاتا رہا اور اسے ہنسی آگئی اور اس ساعت سے لیفرنیک ہر معاملے میں اس کا وزیر دمشیر ہو گیا اور تمام معاملات میں خواہ اُن کا تعلق خود امارت نارمنڈی سے تھا یا ان بلند حوصلہ دلیرانہ منصوبوں سے جو انگلستان کی نوعیت جدید سے پیدا ہو گئی تھیں، وہ اس کا صلح کار رہا :

انگلستان
اور نارمن

نصف صدی سے ان دونوں ملکوں کے تعلقات یوں فیوناً ایک دوسرے سے قریب ہوتے جاتے تھے۔ رچرڈ دی فیرس (بیٹوں) کے عہد کے انتقام کے قریب انگریزی ساحل پر ڈین کی یورشوں کو نارمنڈی سے تقویت پہنچی تھی اور جاڑے کے موسم میں ان کے پڑے نارمنڈی کے بندرگاہوں میں رہتے تھے انہیں حملوں کے انتقام لینے کے خیال سے اتھلرڈ نے کامنٹن کو تباہ کرنے کے لئے ایک بیڑہ آبنائے سے باہر روانہ کیا تھا مگر اسے پسپا ہونا پڑا۔ اور اس مناقشے کا ناتر اس طرح ہوا کہ اتھلرڈ نے رچرڈ وی گڈ (بیکدل) کی بہن انا سے عقد کر لیا؛ اتھلرڈ اور اس کے لڑکوں کو شاہانِ دین کے خلاف نارمنڈی میں پناہ ملی اور اگر نارمن بیانات پر اعتماد کیا جائے تو ان کی کوشش ملک کے واپس دلانے میں اس لئے ناکام رہی کہ اُن کا بیڑا ناموافق ہوا کی وجہ سے نہ پہنچ سکا۔ بے لڑے جھگڑے تحت انگلستان پر اڈورڈ کے واپس آجانے سے نارمنوں کی حرص و آرز کے لئے انگلستان کا دروازہ کھل گیا۔ گاڈون کے جلاوطن ہوتے ہی ڈیوک ولیم انگریزی دبر ۱۰۵۱ میں آسوجو ہوا اور جیسا کہ بعد میں اس نے دعویٰ کیا اُس نے بادشاہ سے تحت انگلستان کی جانشینی کا وعدہ حاصل کر لیا اس قسم کا وعدہ جس کی تصدیق مجلس عقلا نے نہ کی ہو بالکل بے مصرف تھا اور گاڈون کی واپسی

نے کچھ عرصے کے لئے ولیم کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک طوفان کی وجہ سے اس وعدے کی تجدید ہو گئی تھی۔ ہیرلڈ ایکبار آبنائے کا گشت کر رہا تھا کہ طوفان نے اسے ساحل فرانس پر ڈال دیا اور ولیم نے اسے مجبور کیا کہ اپنی واپسی انگلستان کے معاوضہ میں ویلوں کے خزانوں پر رقم کھائے کہ وہ اس کے وعدے کی تائید کرے گا، مگر بادشاہ کے انتقال کی خبر کے بعد ہی ہیرلڈ کے تحت نشینی کی خبر آئی اور ڈیوک نے ایک پر غیظ اشتعال کے بعد تلوار کے ذریعے سے اپنے حق کو منوانے کی تیاری شروع کر دی۔ ولیم نے تلج کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس حق کا دعویٰ کرتا تھا کہ خود کو اقوام کے سامنے انتخاب کے لئے پیش کر سکے۔ اور جب بزور فتح وہ ملک پر غالب آ گیا، اس وقت اس نے فی الواقعہ ایسا ہی کیا۔ وہ تائب کی ذاتی پسندیدگی کے باعث اپنے کو اس طرح پیش کرے گا، بالیقین مستحق سمجھتا تھا، مگر ہیرلڈ کا عجلت کے ساتھ منتجب ہو جانا اس امر کا سد راہ تھا اور اسی لئے اس انتخاب کو وہ جائز نہیں تسلیم کرتا تھا، مگر اس باضابطہ دعویٰ استحقاق کے ساتھ وہ تنفر اور جوش انتقام بھی شامل ہو گئے تھے جو اس نقصان کے باعث نیز اپنی قسم توڑ دینے کی وجہ سے ہیرلڈ کی ذات سے پیدا ہو گئے تھے +

جنگ کی
شام

اس کے اس دیرانہ کارروائی کے رستے میں فی الواقعہ سخت مشکلات حاصل تھیں۔ خود انگلستان کے اندر لے کسی قسم کی تائید کی امید نہیں تھی وطن میں اسے اپنے دل برداشتہ بیرونیوں سے زبردستی رضامندی حاصل کرنا تھی۔ فرانس کے ہر حصے سے ایک غلوٹ فوج کا جمع کرنا اور اسے مینوں قائم رکھنا تھا۔ پڑے کے تیار کرنیکے لئے دزنت تک کاٹنے کی ضرورت تھی پھر

کشتیوں کا بنانا ان کا سمندر میں اُٹارنا اور ان پر طاعون کا مقرر کرنا سب کچھ اسی کو انجام دینا تھا اور اسی کے ساتھ حکومت کے عام کاموں اور ڈنکے شنشاہی (برہمنی) فرانس، بریٹینی، آبنجو، فلینڈرز اور روم سے مراسلت کرنے کے لئے وقت نکالنا تھا۔ لیکن اس کے حریف کے شکلات بھی اس سے کچھ کم نہ تھے، ہیرلڈ کو صرف ولیم ہی کے ملے کا خون نہیں تھا بلکہ اسے اپنے بھائی ہاشنگ کی طرف سے بھی اندیشہ تھا کیونکہ اس نے ناروے میں پناہ گزین ہو کر وہاں کے بادشاہ ہیرلڈ ہارڈراڈا کی امداد حاصل کر لی تھی۔ ہیرلڈ نے جو کشتیاں اور فوجیں جمع کی تھیں، وہ مینوں ساحل پر انتظار میں پڑی ہیں اس کی مستقل قوت صرف اس کے ذاتی محافظ دستے تک محدود تھی۔ مگر اس دستے کی تعداد اس قدر کم تھی کہ وہ فوج کے لئے صرف بنیاد کا کام دے سکتا تھا۔ ملکی فوج کا (جس میں تمام لڑنے کے قابل آدمی شامل تھے) کسی ایک معرکہ کے لئے طلب کر لینا آسان تھا مگر اسے قائم رکھنا مشکل تھا۔ اس قسم کی فوج کا جمع کرنا گویا تمام کار و بار کو معطل کر دینا تھا۔ بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے جو لوگ جمع ہوتے تھے وہ خود ہی اپنے کھیتوں کے جوتے، بونوالے ہوتے تھے۔ ساحل کی ماہی گیر کشتیوں سے جہازوں کا کام لیا جاتا تھا۔ ستمبر میں ان کا ایک جا رہنا ناممکن ہو گیا۔ مگر ان کا منتشر ہونا ہی تھا کہ یہ دونوں گھنٹائیں جو مدت سے ملک پر گھیر رہی تھیں ایک دم سے برس پڑیں۔ ہوا کے تیز نے ولیم کی ساحل سے بندھی ہوئی کشتیوں کو کھول دیا مگر اس تیز کے قبل ہی جس ہوانے ڈیوک کو مقید کر رکھا تھا اسی ہوانے ہیرلڈ ہارڈراڈا کی فوج کو یارکشائر کے ساحل پر پہنچا دیا۔ بادشاہ اپنے ۱۰۶۶ خانگی سپاہیوں کو لیکر عاجلانہ شمال کی جانب روانہ ہوا اور نواح یارکشائر

میں یہ مقام اسٹمفرڈ برج حملہ آوروں کو فیصلہ کن شکست دی مگر قبل اس کے کہ وہ لندن کو واپس آسکے نارمن فوج سمندر کو عبور کر آئی تھی اور ولیم ۲۸ ستمبر کو پونسی پر لنگر انداز ہو چکا تھا۔ اپنے حریف کو مقابلے پر آمادہ کرینکے لئے اس نے ساحل کو غارت کرنا شروع کر دیا۔ اس کے حسبِ مشا یہ بیرمانہ غارتگری ہیرلڈ کو لندن سے جنوب کی طرف کھینچ لانے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر بادشاہ نے یہ دانشمندی کی کہ اس فوج سے جو عجلت میں جمع کی گئی تھی حملہ آور نہیں ہوا بلکہ یہ ارادہ کیا کہ اگر وہ لڑنے پر مجبور ہوا تو وہ اس موقع پر جنگ کریگا جسے اس نے خود منتخب کیا ہو۔ ساحل سے اس قدر قریب ہو کر کہ ولیم کی غارتگری کو روک سکے وہ ایک پہاڑی پر جمع گیا۔ یہی پہاڑی بعد میں سنلیک کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ پہاڑی ہسٹینگز کے قریب کوستان سکس کی ایک آگے کو نخلی ہوئی شاخ ہے۔ ہیرلڈ کا یہ موقع لندن پر حاوی تھا۔ ولیم اپنی فوجیں مجتمع کرنے پر مجبور ہو گیا مگر جو فوج لوٹ پر بسر کرتی ہو اس کا ایک جگہ جمع کرنا درحقیقت اسے بھوکھا مارنا تھا اور اس لئے ولیم کے لئے سوا اس کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کہ یا وہ قطعی فتح حاصل کرے یا تباہ ہو جائے ۴

ماہ اکتوبر کی ایک صبح کو ہنوز تاریکی شب باقی تھی کہ ڈیوک ہسٹینگز سے سنلیک کو جانینوالی بلند زمیں سے لا ہوا، اپنی فوج کو تلمم کے تودے پر لے آیا۔ اسی جگہ سے نارمنوں نے دیکھا کہ سنلیک کی بلندی پر ایک معمولی سی خندق اور ایک لکڑی کے حصار کے پیچھے انگریزی فوج گنجان طور پر جمع ہے۔ اس فوج کا داہنا بازو دلدلی زمین سے گھرا ہوا تھا اور بائیں طرف

جنگ
سنلیک
۱۱۰- اکتوبر

جو اس موقع کا سب سے کھلا ہوا حصہ تھا، ہیرلڈ کی محافظ فوج پوری زمینیں اپنے اور بھاری بھاری تیر لٹے ہوئے دیگس کے اژدر زرین اور شاہی علم کے گرد جمع تھی۔ باقی زمین پر نیم مسلح دہقان جو ان غیر ملکوں سے لڑنے کے لئے ہیرلڈ کی طلب پر جمع ہوئے تھے انہو در انہو پھیلے ہوئے تھے عین اسی ہیپ موقع کے سامنے ولیم نے اپنے نارمن سواروں کو صف آرا کیا اور فرانس اور بریتانی کے جمع کردہ اجرتی سپاہیوں کو مخالف کے بازوؤں پر حملہ کر دیکھا حکم دیا۔ نارمن پیادوں کے ایک عام طے سے جنگ کا آغاز ہوا۔ ان کے آگے آگے نقیب ٹیلیف گھوڑے پر سوار رولینڈ کے گیت گاتا ہوا اس شان سے چل رہا تھا کہ اپنی تلوار کو چکر دیکر ہوا میں اچھالتا اور اسے پھر سنبھال لیتا تھا۔ سب سے پہلا حربہ اسی نے چلایا اور وہی سب سے پہلے میدان میں کام آیا۔ اس مضبوط حصار پر (جس کے پیچھے سے انگریزی جنگ آور "نخل جاؤ" "نخل جاؤ" کے خوفناک شور کے ساتھ برابر نیزے سے کام لے رہے تھے) یہ حملہ بیکار ثابت ہوا اور نارمن پیدلوں کی پسپائی کے بعد نارمن سواروں کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ بار بار ڈپوک نے انہیں جمع کیا اور بار بار اس مسلک حصار پر حملہ آور ہوا۔ وہ جنگجو یا نہ غضب جو اس کے نارمن خون میں جوشن تھا وہ بے حسابا توں جس نے ویس ڈیونز کے دامن کوہ میں اسے برا لگھوتہ کیا تھا، اس روز اس جوش و غضب اور غیر معمولی بہادری کے ساتھ وہ سکون دماغ، حیرت انگیز ضبط و استقلال اور خرم و تدبیر بھی پائے جاتے تھے جن کا ظہور مارٹیر اور ویرا وائل کی لڑائیوں میں ہوا تھا۔ اس کی بریتانی کے دستے دلدلی زمین میں پھنس کر بے ترتیبی کے ساتھ منتشر ہو گئے

اور فوج میں اضطراب پھیلنے کے ساتھ ہی شور مچ گیا کہ ڈیوک مارا گیا۔ ولیم نے اپنا خود سر سے اتار لیا اور چلا کر کہا ”میں زندہ ہوں اور خدا کی مدد سے اب بھی فتح حاصل کروں گا۔“ سوار سپاہیوں سے پریشان ہو کر ڈیوک نے سیدھے علم شاہی کی طرف گھوڑا اٹھایا۔ گھوڑے کے جلتے رہنے پر بھی اس کے خوفناک حصانے بادشاہ کے بھائی گرتھمہ کا کام تمام کر دیا۔ دو بار پھر اس کا گھوڑا مارا گیا، اس نے ایک سوار سے گھوڑا مانگا مگر اس بے تمیز سوار نے اپنا گھوڑا دینے سے انکار کیا، اس پر ولیم نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ ڈیوک نے اولاً اپنی فوج کی سپاہیوں کو روکا اور پھر جنگ کے شور و ہنگامے میں فرار ہی کو فتح کا ذریعہ بنا دیا؛ اس کے بیباکانہ حملے نے اگرچہ حصار کو توڑ دیا تھا مگر عقب میں جنگ آوروں کی دیوارِ حصار اب تک نارمنوں کو روکے ہوئے تھی تا آنکہ ولیم نے فرار کے حیلے سے انگریزی فوج کے ایک حصے کو اس کارآمد موقع سے باہر نکال لیا اور پھر ان بے ترتیب دستاویزین پر پلٹ کر انہیں ٹکر سے ٹکرے کر ڈالا، ٹوٹی ہوئی فوج کو الٹ دیا، اور قلب لشکر پر حاوی ہو گیا؛ اس آٹنا میں فرانسیسی اور اہل بیٹینی دونوں بازوں بہت کچھ بڑھ آئے تھے۔ تین بجے یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑی فتح ہو گئی مگر علم کے آس پاس چھ بجے تک جنگ شدت کے ساتھ جاری رہی۔ ہیرلڈ کی فوج محافظ استقلال کے ساتھ اس مقام پر جمی رہی جہاں بعد میں بیٹیل اے (خانقاہ جنگ) کا بلند منبر تعمیر ہوا۔ آخر ڈیوک کے حکم سے اس کے تیر انداز آگے بڑھے اور بادشاہ کے گرد جو لوگ بھیسٹر کی طرح سے جمع تھے ان پر تیروں کی بارش کا ہلک اثر پڑا۔ جس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا ایک تیر ہیرلڈ کی واہنی آنکھ

میں لگا، وہ بادشاہی نشانات کے درمیان گر پڑا، اور اس کی نعش پر جنگامہ آرائی کے بعد جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اِدھر رات انگریزوں کی فزری کی پردہ پوشی کر رہی تھی، اِدھر فاتح نے اپنا خیمہ ٹھیک اسی جگہ پر نصب کیا جہاں اس کا حریف گرا تھا اور مُردوں کی لاشوں کے بیچ میں کھانا کھانے اور شراب پینے کے لئے بیٹھ گیا +

رائی اور ڈاور کو قابو میں کر کے ڈیوک نے براہ کینٹربری لندن پر ولیم کوچ کیا۔ وہ بڑھتا آتا تھا اور فرقہ بندیوں اور سازس اس کا انجام دے رہی تھیں۔ ہیرلڈ کے بھائی بھی بادشاہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں کام لگے تھے۔ کھاڈون کے خاندان میں کوئی شخص تاج کا دعویدار باقی نہیں رہا تھا۔ پُرانے شاہی سلسلے میں صرف ایک لڑکا ادگار (دی اٹھلنگ) رہ گیا تھا یہ اڈمنڈ اٹرن ساند کے ان لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا بیٹا تھا جو کینوٹ کے ظلم سے ہنگری کو بھاگ گئے تھے۔ وہ اگرچہ لڑکا تھا تاہم لوگوں نے اسی کو بادشاہ منتخب کر دیا مگر اس انتخاب سے قومی مقصد کو کوئی تقویت نہیں پہنچی "نائب" کی بیوہ نے ونچسٹر کو ڈیوک کے حوالے کر دیا۔ لندن کے جمع شدہ اساتذہ بھی اطاعت کی طرف مائل تھے۔ ولیم نے جب شہر کی دیواروں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ساؤتھ وارک میں آگ لگا دی تو خود اہل شہر کا عزم بھی متزلزل ہو گیا۔ نو عمر بادشاہ کے تخت کو جو کچھ سارا تھا وہ اڈون و مارکیروالیان مرسیا و ناٹھمبریا کی ذات سے تھا، ولیم کے مقام ونگلفرڈ پر پیئرز کو عبور کرنے اور ہرٹفورد شائر کی طرف بڑھنے سے ان دونوں کو اپنے صوبوں سے منقطع ہو جایکا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس شاطرانہ چال سے فوری اطاعت حاصل ہو گئی۔ اڈون اور مارکیروالیان تمام

لندن سے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور شہر نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے۔ نارمن ڈیوک کے سامنے تاج پیش کر نیکی لئے ایک وفد حاضر ہوا اور اڈگار خود اس کا پیشرو بنا۔ انگریزی سونخ حسرت کے ساتھ لکھتا ہے کہ ”ضرورت نے انہیں اس کے سامنے پست کر دیا۔“ انہوں نے جس طرح ڈین کے سامنے سر جھکایا تھا اسی طرح نارمن کے سامنے بھی سر جھکا دیا اور ولیم نے انہیں جذبات کے ساتھ تاج شاہی قبول کیا جس طرح اس سے قبل کیوٹ نے قبول کیا تھا۔ لندن درحقیقت ایک قلعے کی تعمیر ہے جو بعد میں بڑھ کر ٹاور (برج) ہو گیا۔ قابو میں آ گیا تھا مگر ولیم کی خواہش یہ تھی کہ وہ ایک فاتح کے طور پر نہیں بلکہ ایک جائز بادشاہ کی طور پر حکومت کرے۔ اس نے وسٹ منسٹر میں اسقف اعظم الدرڈ کے ہاتھ سے اپنی نئی انگریزی رعایا کے شور بلیک بلیک میں تاج قبول کیا۔ اس کے بعد جس قدر مخالفت ہوئی وہ بغاوت قرار دی گئی اور اس کا بدلہ بڑے بڑے زمینداروں پر جرانہ کر کے لیا گیا۔ مگر اس استثنیٰ کے سوائے بادشاہ کے ہر فعل سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اڈورڈ یا الفرڈ کے بائشیں کی حیثیت سے حکومت کرنا چاہتا تھا۔ درحقیقت اس وقت تک انگلستان کا بڑا حصہ خاموشی کے ساتھ اس سے علم نہ تھا، اور یہ کہنا دشوار ہے کہ نارٹھمبر لینڈ نے یا مریا کے بیشتر حصے نے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن اگر نارویج سے دو ستر تک ایک خط کھینچا جائے تو اس خط کے مشرق میں اس کی حکومت بے بحث و تنازع مسلم تھی اور اس حصے پر اس نے ایک انگریزی بادشاہ کی طرح حکومت کی۔ اس کے سپاہی سخت ضابطہ کے تابع رہتے تھے۔ قانون یا رواج میں مطلقاً کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ لندن کے امتیازات خاص

ایک شاہی فرمان کی رو سے تسلیم کئے گئے۔ یہ تحریر اب تک شہر کے دفتر خانے میں موجود ہے اور اس کے محفوظات میں سب سے زیادہ قابل احترام سمجھی جاتی ہے۔ امن و انتظام بحال ہو گئے۔ ولیم اگرچہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تاہم اس نے کوشش کی کہ انگریزی زبان سیکھ لے تاکہ وہ اپنے دربار میں متخاصمین کے بیانات سکر خود ان کے فیصلے کرے۔ ملک میں ایسا سکون ہو گیا تھا کہ جنگ سٹلیک کے چند ہی مہینے بعد ولیم انگلستان کو اپنے بھائی اڈوڈ (اسٹیف باپ) اور اپنے وزیر ولیم فز آسبرن کی سپردگی میں چھوڑ کر خود کچھ زمانے کے لئے نارمنڈی واپس چلا گیا۔

جزو پنجم

فتوحات نارمن

۱۰۶۸—۱۰۷۱

اسناد۔ باب سابق کے ناسن مصنفین کے علاوہ آرڈرک کے بیانات بالخصوص قابل قدر و مشرح ہیں۔ گرائنل (دو قالی انگریزی **The Chronicle**) اور فلورنس (دوسرا) انگریزی اسناد میں سب سے مقدم ہیں (کیونکہ نام نہاد انگلٹ آف کرائلینڈ چودھویں صدی کی ایک جلی کتاب ہے) نارمن آباد کاری کے حالات کے لئے ڈومزڈے بک (کتاب فیصلہ جات **Domesday Book**) ہر حال میں لاجہ و لازمی ہے۔ سر ہنری اس کی تفسیر سے اس کتاب کے خاص نتائج کا مختصر حال معلوم ہو جاتا ہے۔ دوسرے درجے کے اسناد میں بیمن (ڈرہم) شمالی معاملات کے لئے کارآمد ہے۔ اور ولیم (انگریزی) اپنی اس خوبی کی

وجہ سے قابل قدر ہے کہ وہ نارمن و انگریز دونوں کے خیالات کا جامع ہے۔ لیکر ڈو نے نارمن نظام حکومت کو مشرقاً بیان کیا ہے۔ مگر اس کا بہترین مطالعہ ڈاکٹر اسٹمبر کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) اور سلیکٹ چارٹرز (فرائین منتخبہ Select Charters) میں ہو سکتا ہے۔ نوڈی کی تصنیف ایگلیا جوڈیکا (انگلستان بیود Anglia Judaica) سے یہودیوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مجموعی تاریخ کے لئے سٹریفرمین کی نارمن کونکویسٹ (فتوحات نارمن Norman Conquest) جلد چہارم دیکھنی چاہئے۔

قومی انحراف

ولیم کو فاتح کا لقب سٹلیک کی فتح کی وجہ سے نہیں بلکہ اس جدوجہد میں کامیاب ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا جو اس کے نارمنڈی سے واپس آجانے کے بعد شروع ہوئی۔ اس کی عدم موجودگی میں اسقف اوڈو کے مظالم نے اہل کنٹ کو یوسٹس (کاؤنٹ بولون) سے مدد مانگنے پر مجبور کر دیا تھا، مغرب میں نارمن جو رد تقدی کے خلاف ویلز کے شہزادوں نے بھی اسی قسم کی بغاوت کو مدد دی مگر اس وقت تک ملک کا بڑا حصہ صاف طور پر نئے بادشاہ کا طہنہ تھا۔ ڈاور، یوسٹس کے قبضے میں نہیں جانے پایا اور بہ دل لوگوں کو پناہ حاصل کرنے کے لئے دور دراز ممالک میں آئے۔ قسطنطنیہ تک بھاگنا پڑا۔ اسی زمانے سے قسطنطنیہ میں شرقی شہنشاہوں کے باڈی گارڈ کا ایک بڑا حصہ انگریزوں سے مرتب ہونے لگا۔ بہر حال ولیم ایک انگریزی بادشاہ کی حیثیت سے پھر اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ انگریزی ہی فوج کی مدد سے اس نے جنوب مغرب میں اکثر کی سرکردہ بغاوت کو فرو کیا، اور انگریزی ہی فوج کو لیکر اس نے شمال کی طرف کوچ کیا اور اپنا کام تکمیل کو پہنچایا۔ اس کے اس یقار سے اڈون اور مارکیہ دوبارہ مطیع ہو گئے۔ یارک پر قبضہ کر لینے سے ایک نئی بغاوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور دریائے ٹیز تک انگلستان سکون کے ساتھ ولیم کے قدموں کے نیچے آگیا۔

درحقیقت شلانی کا قومی انحراف ہی تھا جس نے بادشاہ کو فلاح بنا دیا۔ اس انحراف کا اشارہ بیرون ملک سے ہوا تھا۔ سویں شاہ ڈنارک دو برس سے تیاری کر رہا تھا کہ انگلستان کے معاملے میں نارنوں کا مقابلہ کرے، ہمہر میں اس کے بیڑے کے نمودار ہوتے ہی تمام شمالی اور تمام مغربی اور تمام جنوب مغربی انگلستان ایک شخص واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ اڈگار (دی اقتلنگ) نے اسکائیڈ کے پناہ گزین جلا وطنوں کے ایک گروہ کو ساتھ لیکر نارٹھمبریا کی بغاوت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جنوب مغرب میں ڈیون سمرسٹ اور ڈارسٹ کے باشندے اکسٹر اور بانٹیکوٹ کے محاصرے کے لئے جمع ہو گئے اور مغرب کی بغاوت صرف شرڈسبری کے ایک نو تعمیر نائن قلعے کی وجہ سے رُکی رہی۔ اس بغاوت کی تجویز اس خوبی سے مرتب ہوئی تھی کہ ولیم کا ساتھ بھی چکرا گیا۔ یارک کے نخل جانے اور وہاں کے تین ہزار نارن طلحہ گیر فوج کے قتل ہو جانے کی خبر اس وقت پہنچی ہے جب وہ ڈین کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک ہولناک اشتعال غضب میں بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ شمال سے ضرور انتقام لیکے رہے گا اس غیظ و غضب میں اُس نے تمبر و دور اندیشی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ولیم تازہ گیا تھا کہ ڈیون کا بیڑا مخالفت کا مرکز ہے۔ سواروں کے ایک مختصر دستے کو ہمراہ لئے ہونے نہایت عجلت کے ساتھ ہمہر تک بڑھ کر اس نے ایک بھاری رشوت کے ذریعہ سے انہیں بیکار رہنے یا واپس چلے جانے پر راضی کر لیا۔ بہ ازاں یارک کو آخر کے لئے چھوڑ کر جمع شدہ فوج کے ساتھ برسٹ مغرب کو پلٹا، اور سرحد ویلز کو شرڈسبری تک مسخر کر لیا۔ ادھر ولیم فرز آسبرن نے اکسٹر کے گرد و نواح کی بغاوت کو فرو کر دیا۔ اس کامیابی سے بادشاہ کو

آزادی مل گئی کہ شمال کے خلاف اپنی انتقام کی قسم کو پورا کرے۔ دریائے آئر کے سیلاب کی وجہ سے بہت دیر تک رکے رہنے کے بعد وہ یارک میں داخل ہوا اور دریائے ٹیز تک کا ملک آگ و تلوار سے تباہ کر دیا گیا۔ قصبہات و دیہات لوٹ کر جلا دئے گئے۔ اور باشندے قتل کر دئے گئے یا سرحد اسکاتلینڈ کے پار بھاگ دئے گئے۔ ساحل خصومیت کے ساتھ ویران کر دیا گیا تاکہ آئندہ ڈین کو حملے کے لئے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ فصل مویشی بلکہ آلات کثادری تک اس سرحد سے پانچوں کئے گئے کہ اس تباہی کے بعد قحط میں ایک لاکھ آدمی سے زائد کا تلف ہو جانا بیان کیا جاتا ہے۔ نصف صدی بعد بھی یارک سے ساٹھ میل شمال تک کی زمین پر نہ زراعت ہوتی تھی اور نہ کہیں انسان کا پتہ چلتا تھا۔ انتقام کا کام ختم ہوتے ہی لیم اپنی فوج کو ٹیز سے یارک اور وہاں سے چسٹر اور مغرب کو لے گیا۔ اس کی اولوغزی کا اظہار کہیں اس سے زیادہ ممتاز طور پر نہیں ہوا تھا جیسا اس مصیبتناک کوچ میں ہوا۔ سخت جاڑا پڑ رہا تھا، سڑکوں پر کہیں برف جمی ہوئی تھی اور کہیں پانی کے زور سے سڑکیں ٹوٹ گئی تھیں، سامانِ خوراک ختم ہو چکا تھا اور فوج بارش سے بھیگی ہوئی اور اپنے گھوڑوں تک کو کھا چکی تھی۔ اس حالت میں جب فوج کو یارکشائر و مغرب کی درمیانی ویران دلدلی زمین سے گذرینا حکم دیا گیا تو اس نے کھلم کھلا سرتابی اختیار کی۔ آنجو اور بھوننی کے سپاہیوں نے خدمت سے سبکدوشی چاہی۔ بادشاہ نے نہایت حقارت کے ساتھ ان کی درخواست منظور کر لی اور جس قدر فوج وفادار رہ گئی تھی خود ان کے آگے ہو کر ان سڑکوں پر چل نکلا جو گھوڑوں کی گزر کے قابل نہیں تھیں۔ سڑکوں کے صاف کرنے میں وہ اکثر خود اپنے ہاتھ سے اپنے آدمیوں کی

مد کرتا تھا۔ چہرے میں اس کے آجانے سے انگریزوں کی آخری امیدوں کا خاتمہ ہو گیا اور ولیم اب اپنے مفتوح ملک کا بے خرخشہ مالک ہو کر کثیر التعداد قتلوں کی تعمیر میں مشغول ہو گیا تاکہ آئندہ ان کے زور سے ملک کو مطیع رکھ سکے۔ فتح کے آخری مرحلے کے پیش آئینے قبل دو برس خاموشی کے ساتھ گذر گئے۔ ڈین کی واپسی کے بعد اپنی مدد کے لئے انگلستان کی نظر تمام تر اسکالینڈ پر پڑتی تھی۔ اڈگار (دی اٹھلنگ) نے وہیں پناہ لی تھی اور اس کی بہن مارگریٹ شاہ میکلم کی زوجیت میں آگئی تھی۔ غالباً میکلم ہی کی امداد کے یقین پر اڈون اور مارگریٹ نئی بنادت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر فاتح کی بانی اس بلا کی تھی کہ مٹا اس کا انسداد ہو گیا۔ اڈون کسی غیر معروف لڑائی میں مارا گیا اور مارگریٹ کو شرقی اضلاع کی دلدلوں میں (جہاں جند جانہاز مہمان وطن ایک جلا دطن سردار ہیرورڈ کے تحت میں جمع ہو گئے تھے) کچھ دنوں کے لئے پناہ مل گئی۔ ولیم کو ایسے پُر استقلال اور سخت مقابلے سے کہیں سابقہ نہیں پڑا تھا جیسا ان محدودے چند افراد کے مقابلے میں پیش آیا مگر بالآخر دو میل کا ایک بند دلدل کے اوپر بنایا گیا اور الی کے سر ہوجانے سے انگلستان کی آزادی کی آخری امید فنا ہو گئی۔ ایک میکلم بستور مقابلے پر قائم رہا مگر تابہ کے، فاتح اپنی تمام فوج کو ہمراہ لیکر لولینڈز (زمین پست) اور دریائے فورٹھ کو قطع کر کے اسکالینڈ کے قلب میں جا پہنچا۔ وہ دریائے ٹے تک پہنچا تھا کہ میکلم کی طاقت مقاومت نے جواب دیدیا اور اس نے انگریز لشکرگاہ میں حاضر ہو کر ولیم کے قدموں پر گر کر وفاداری کا حلف اٹھایا۔

الی کے دلدلوں میں جس جہد و جد کا خاتمہ ہوا، اس نے ولیم کی حیثیت ولیم اور کو بالکل بدل دیا۔ اب ملک پر اس کا قبضہ محض ایک منتخب شدہ بادشاہ کے جاگیری طریقہ

طور پر نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے حق انقباضی میں حق فتح کو بھی شامل کر لیا تھا۔ اس نے جس طریقہ حکومت کی ابتدا کی وہ اس کی طاقت کی اسی دہری وقت نتیجہ تھا۔ یہ طریقہ نہ تو براہِ نظم کے خالص جاگیرى طریقے کے مثل تھا اور نہ قدیم انگریزی شاہی کے اصول پر تھا۔ انب یہ ہے کہ اسے دونوں کا قائم مقام سمجھا جائے۔ اڈورڈ کے جانشین کی حیثیت سے ولیم نے قدیم انگریزی سلطنت کے عدالتی و انتظامی نظم کو قائم رکھا اور بہ حیثیت نتائج انگلستان کے اس نے جاگیرى فوجی انتظام کو اس حد تک راجع کیا جہاں تک اس کے فتوحات کے مستحکم قبضے کے لئے ضروری تھا۔ اس انتظام کی بنیاد پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ انگلستان میں جاگیرى طریقے کی ابتدا ان فوجی ندیوں یا خادموں سے ہو چکی تھی جو بادشاہ کے جنگی دستے میں بنات خاص شریک تھے اور ذاتی خدمات کے صلے میں انہیں اراضی عانتہ سے جاگیرى دیکتی تھیں۔ ازمنہ ابعد میں جاہل ادوں کی یہ جاگیرى تقسیم بہت بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ اکثر امرا نے بادشاہ کی تقلید میں اپنے مستاجرین کو اپنے تحت میں جاگیرى دیکر انہیں بجائے خود انہیں شرائط کا پابند بنا لیا تھا جن کے وہ خود پابند تھے۔ اس کے ساتھ ہی آزاد اراضی داروں کا طبقہ جس پر ابتداً انگریزی سوسائٹی کی بنا قائم ہوئی تھی، تعداد میں گھٹتا جاتا تھا۔ یہ لوگ کچھ تو اپنے سے اوپر کے طبقہ کی اتباع کی وجہ سے مگر زیادہ تر مسلسل لڑائیوں اور حملوں کے باعث مجبور ہو گئے تھے کہ اپنی آزادی کے عوض میں توسلین دربار میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حامی بنائیں۔ درحقیقت ولیم کے عہد کے قبل ہی انگلستان میں بھی جرمنی و فرانس کی طعن جاگیرى کے سامنے قدیم آزادی پابال ہو چکی تھی مگر فتح نے اس رفتار کو اور تیز کر دیا۔ انگریزی

سایا کی شدید اور عام مخالفت نے ولیم کو مجبور کر دیا کہ جس شعبے کو اس نے تلوار سے حاصل کیا ہے اس پر تلوار ہی کے زور سے قابض رہے اور اپنے تخت کے بقا کے لئے لازماً ایک ایسی مطبوع فوج قائم رکھے جو ہر وقت قوی بنادت کو کچل دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسی فوج صرف اسی طرح قائم رہ سکتی تھی کہ موجودہ قابضان اراضی کی زمینیں بکثرت ضبط کر لی جائیں۔ انگریزوں کی بنیادوں کی ناکامی نے اس کا راستہ صاف کر دیا۔ اعلیٰ طبقہ امر کا بڑا حصہ جنگ میں مارا گیا یا ملک سے فرار ہو گیا اور نیچے طبقے کے متوسلان شاہی کی جاہلادیں یا تو کل کی کل ضبط ہو گئیں یا کسی کسی نے کل زمین حوالے کر کے اس کا کوئی جز بہ حیثیت مستاجر کے لے لیا۔ ولیم نے اپنے زیادہ سزز رکھا کو جیسی بڑی بڑی جاگیریں دیں انہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبضی کیسے صحیح طور پر عمل میں آئی تھی۔ اس نے اپنے بھائی اوڈو کو اہلک خدمات کے صلہ میں دو سو علاقے کنٹ میں اور اسی قدر کسی دوسری جگہ دئے تھے۔ اور اپنے میٹیرن فرآسبرن و مانٹگویری اور سوبرے و کیر کے مانند بیرونوں کو بھی تقریباً ایسی ہی بڑی بڑی جاگیریں دی تھیں۔ خوش قسمت امر کا تو ذکر ہی کیا بد قسمت سے بد قسمت سپاہی کو بھی اس غیبت میں کچھ نسبتاً حصہ مل ہی گیا تھا، اور ذلیل ترین نارمن بھی اپنے آقا کی جدید حکومت میں دولت و قوت سے بہرہ ور ہو گیا تھا۔ لیکن چھوٹی بڑی جس قدر جاگیریں بھی دی گئی تھیں سب کے ساتھ یہ شرط تھی کہ قابض جاگیر بازنا کی طلب پر خدمت کے لئے حاضر ہوگا اور جب بڑے جاگیرداروں نے اپنے مقبوضات ماتحت مستاجروں کے درمیان تقسیم کئے تو یہ ماتحت مستاجرین بھی اپنے آقا کے لئے انہیں شرائط خدمت کے پابند کئے گئے۔

ماہمت جاگیردار حصول جاگیر کی رسم ادا کرنے کے لئے اپنے آقا کے سامنے بلا ہتیار اور برہنہ سر گھٹنوں کے بل جھکتا اور اپنے ہاتھوں کو آقا کے ہاتھ میں دیکر کہتا کہ ”اے میرے آقا میں اپنی جان، اپنے جسم، اپنے تمام اغراض دنیاوی کے لئے حضور کا تابع دار بننا ہوں اور زندگی و موت میں حضور کا غمخ و وفادار رہوں گا۔ خدا میری مدد کرے“ آقا کے بوسہ دینے سے جاگیر ہمیشہ کے لئے اسے اور اس کی اولاد کو حاصل ہو جاتی تھی۔ اس طرح پر گویا ایک پوری فوج ملک میں سکونت پذیر ہو گئی تھی اور ولیم کی طلب پر ہر وقت ایک عظیم الشان فوج اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتی تھی ✓

انگلستان کا
طبعی برین

اس قسم کی فوج مفتوحین کے مقابلے میں جیسی کچھ کار آمد تھی ظاہر ہے، مگر خود حکومت کے لئے بھی وہ کچھ کم خطرناک نہ تھی۔ ولیم نے نارمنڈی میں جس قسم کے پرنوں کو سخت دشواری سے اپنی مرضی کا تابع بنایا تھا اسی قسم کے جاگیردار پرنوں کو اس نے اپنی اس نئی مملکت میں اپنے مقابل پایا۔ امراء اطاعت قانون سے بیزار اور شاہی طاقت کو رقیبانہ نظر سے دیکھنے اور اپنے علاقوں میں بے لگام فوجی و عدالتی آزادی کے خواہاں جیسے نارمنڈی میں تھے ویسے ہی انگلستان میں بھی تھے۔ فاتح نے جس تیزی سے اس خطرے کو محسوس کیا اور جس قابلیت سے اس کا تدارک کیا اس سے اس کی اعلیٰ ذہانت کا یقین ثبوت ملتا ہے۔ قدیم نظام قانونی سے فائدہ اٹھا کر ملک کی عدالتی کارروائی کو اس نے مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، حلقے اور ضلع کی مقامی عدالتوں کو (جہاں ہر آزاد شخص رکن کی حیثیت رکھتا تھا) بدستور قائم رکھا اور

ان سب کو شاہی عدالت کے تاج کر دیا۔ اس شاہی عدالت نے انگریزی بادشاہت کے اختتام کے قریب زمانے میں مراعات کے سننے اور ہر حصہ ملک سے مقدمات کو اپنی عدالت میں طلب کرینکا حق حاصل کر لیا تھا۔ ولیم نے دسکس، مرسیا، نارٹمبر لیٹڈ کی وسیع ولایتوں کو جن سے خود حکومت کی رونق ماند پڑ گئی تھی توڑ دیا اور ضلعوں کی حکومت کے لئے شریف اپنی طرف سے نامزد کئے۔ اس طرح حکومت کا اقتدار پوری قوت کے ساتھ برقرار رہا۔ اس نے جس قدر بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں نہیں ملک میں اس طرح منتشر کر دیا تھا کہ زمینداروں کا باہمی اتحاد یا ماتحت متاجرین کے بڑے بڑے گروہوں کا کسی ایک رئیس کے ساتھ دہائی قلعہ نامکن ہو گیا تھا۔ دوسرے ممالک میں ماتحت اپنے آقا کے تمام دشمنوں کے خلاف (خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو) اس کی وفاداری کے پابند تھے۔ مگر انگلستان کے لئے ولیم نے ایک مخصوص رواج قائم کیا تھا جس کے رو سے ہر ماتحت متاجر علاوہ اپنے آقا کی وفاداری کی قسم کے براہ راست تاج کی وفاداری کی بھی قسم کھاتا تھا اور اس طرح سے بادشاہ کے ساتھ وفاداری تمام انگریزوں کا ایک اعلیٰ اور عام فرض قرار پا گئی تھی۔ نیز ہر جاگیر سے بادشاہ کے لئے جو خدمات، حقوق و رسوم معین تھے ان پر نہایت پابندی کے ساتھ عملدرآمد ہوتا تھا بشرط ضرورت ہر متاجر سال میں تین بار بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے پر مجبور تھا۔ درانتہا اپنی جاگیر پر قابض ہونیکے وقت ہر جاگیردار کو ایک بھاری جرمانہ یا معصوم ادا کرنا ہوتا تھا۔ بادشاہ اگر جنگ میں قید ہو جائے یا جب بادشاہ کا بڑا لڑکا ناٹھ بنایا جائے یا

اس کی بڑی لڑکی کی شادی ہو، ان سب صورتوں میں نقدی مدد دینی ہوتی تھی۔ جو وارث جاگیر نابالغ ہوتا تھا وہ حکومت کی سرپرستی میں رہتا تھا اور اس تمام مدت میں اس کی جائیداد کا کل نفع بادشاہ کو ملتا تھا۔ اگر جاگیر کسی عورت کی لڑکی ہوتی تھی تو اس کے عقد کا اختیار بادشاہ کو حاصل ہوتا تھا اور بالعموم سب سے بڑی قیمت لگانے والے کے ہاتھ وہ فروخت کر دی جاتی تھی۔ تمام سرزمین پر اکثر علاقے اپنے مخصوص رسوم شاہی سے زیر بار تھے اور انہیں موجبات کی تحقیق کرنے اور قلمبند کرینے کے لئے ولیم نے ہر صوبے میں کمنشنر بھیجے تھے جن کی تحقیقات ڈومز ڈے بک میں محفوظ ہے۔ بچوں کی ایک فہرست ہر علاقے میں مرتب رہتی تھی اور یہ لوگ ہر جاہد کی نوعیت، وسعت، نام و تعداد اس کے بافندوں کی حالت فتح کے قبل و بعد جائداد کی قیمت، اور بادشاہ کے رسوم کو حلفاً ظاہر کرتے تھے ۴

نارمن کا
کلیسا

جاگیردار طبقہ بیرن کے پڑشربطباع کے لئے ولیم نے کلیسا کے ذریعہ سے ایک اور روک پیدا کی۔ اس کے اولین کاموں میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے نارمنڈی سے لینفرینگ کو اصلاح کلیسا میں مدد دینے کے لئے طلب کیا اور اسپیگیٹڈ کو معزول کر کے لینفرینگ کو کیتھوری کا استغف اعظم بنا دیا، اس کے بعد بہت سے اور بھی مقتدیان دین اور رُپیان خانقاہ پر طرت کئے گئے اور ان کی جگہوں پر نارمن مقرر کر دیے گئے۔ نئے استغف اعظم نے کلیسا میں انضباط پیدا کرنے کے لئے بہت کوشش کی اور اس میں شک نہیں کہ خود ولیم بھی ایک حد تک مذہبی ترقی میں سچے دل سے کوشاں تھا۔ چنانچہ اس کا ایک جمعہ لکھتا ہے کہ

رئیسانِ خانقاہ اور اساتذہ کے انتخاب میں وہ جس درجہ ان کے زہ و علم پر خیال کرتا اُس قدر ان کی دولت و طاقت کا لحاظ نہیں کرتا تھا کسی جگہ کے خالی ہونے پر وہ اساتذہ رُوسائے خانقاہ اور اپنے دوسرے دانشمند صلاح کاروں کو جمع کرتا تھا اور ان کی مدد سے یہ تحقیق کرتا تھا کہ کون شخص دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے خدا کے گرجا پر حکومت کر سکیں گے سب میں بہتر اور دانشمند شخص ہے، لیکن یہ لوگ کیسے ہی ایماندار کیوں ہوں ان اصلاحات سے شاہی اقدار میں ضرور اضافہ ہوا۔ نئے اساتذہ اور رُوسائے خانقاہ چونکہ غیر ملکی ہوتے تھے اس وجہ سے وہ اپنی تابع جماعت سے بیگانہ رہتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ضلع و طلقے کی عدالتوں سے جہاں اساتذہ ملکی حاکموں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے مذہبی مقدمات خود اساتذہ کی عدالتوں میں منتقل کر دئے جاتے تھے اس وجہ سے ان کا عام اثر بھی گھٹ گیا تھا۔ یہ تغیر حکومت کے لئے آئندہ خطرات سے خالی نہ تھا مگر بروقت اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام سے اساتذہ کا قدیم تعلق ایک بڑی حد تک منقطع ہو گیا اور مذہبی و ملکی مساوات کی قدیم یاد دلوں سے محو ہو گئی۔ اس امر کی سختی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ کلیسا شاہی طاقت کے تابع رہے۔ بادشاہ کے روبرو جس طرح بیرن اظہارِ اطاعت کرتے تھے اسی طرح اساتذہ بھی اطاعت کا حلف اٹھاتے تھے۔ کوئی شاہی مستاجر بادشاہ کی اجازت کے بغیر ملت سے خارج نہیں کیا جاسکتا تھا، کوئی مذہبی مجلس بادشاہ کی استمراج کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتی تھی اور نہ بادشاہ کی منظوری کے بغیر کوئی قانون نافذ کر سکتی تھی، بلا شاہی اجازت کے پوپ کا کوئی خط ملک کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ پوپ کے دربار سے اب

جن حقوق کا مطالبہ ہو رہا تھا ولیم نے انہیں بڑی جرأت سے مسترد کر دیا۔ گریگری ہنٹن نے جب اس سے یہ چاہا کہ وہ اپنی مملکت کے لئے وفاداری کا اظہار کرے تو اس نے پوپ کے اس حق کے تسلیم کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔ اظہار وفاداری پر نہ میں پہلے کبھی رضامند تھا اور نہ اب رضامند ہوں۔ نہ میں نے اس کا کبھی وعدہ کیا ہے اور نہ مجھے پتہ چلتا ہے کہ میرے پیشروں نے آپ کے پیشروں سے کبھی اس قسم کا کوئی وعدہ کیا ہو۔ مگر حکومت کی سب سے بڑی صیانت بادشاہ کی دولت اور اس کی ذاتی طاقت میں غنمی تھی۔ ولیم نے اپنے ایروں اور سپاہیوں کو اگرچہ بہت بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں مگر بائیں ہمہ اپنی مملکت میں وہ خود سب سے بڑا زمیندار تھا۔ رسوم جاگیرداری کی سخت وصولی سے وچسٹر کا وسیع خزانہ (جس کی ابتدا منقوٹین کی لوٹ سے ہوئی تھی) برابر بڑھتا جاتا تھا مگر ولیم نے اضافہ آمدنی کا ایک سہل ذریعہ ان یہودی تاجروں کو انگلستان میں آباد کرنے سے نکالا جو نارمنڈی سے اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے اور بڑے بڑے شہروں میں اپنے علیحدہ محلے قائم کر کے خاص شاہی حفاظت میں آباد ہو گئے تھے۔ یہودیوں کو ملک میں کسی قسم کا استحقاق یا حق شہریت حاصل نہیں تھا۔ وہ خاص محلے جن میں وہ رہتے تھے شاہی جنگل کی طرح عام قانون سے مستثنیٰ تھے۔ یہ یہودی خالصتاً بادشاہ کی ملک سمجھے جاتے تھے اور ان کی زندگی اور ان کا مال کلیتاً بادشاہ کے ہاتھ میں تھا مگر وہ ایک ایسا بیش قیمت مقبوضہ تھا جس سے لاپرواہی برتنا آساں نہیں تھا۔ چونکہ مقامی عدالتوں میں یہودی تاجروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اس وجہ سے ایک شاہی محکمہ ان کی داد رسی

یہودیوں کا
باد کرنا

کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ ان کے تمسکات حفاظت کی غرض سے وسط مغرب کے شاہی محل کے ایک کمرے میں رکھے جاتے تھے۔ چونکہ لوگوں کو ان سے عام نفرت تھی لہذا ان کی حفاظت کی جاتی تھی کہ وہ اپنے مذہبی ارکان آزادی سے ادا کر سکیں، انہیں اجازت تھی کہ اپنے صومعے بنا کر ایک ربی اعظم کے تحت میں اپنے مذہبی معاملات کا انتظام کریں۔ اس میں شک نہیں کہ یہودیوں کا ملک میں آباد ہونا ابتداءً سلطنت کے لئے علی العموم مفید تھا۔ ان کا آنا گویا ملک میں سرمایہ داروں کا آنا تھا اور اس زمانے کی عام غیر مطمئن حالت میں جو سود وہ ضرورتاً وصول کرتے تھے اگرچہ وہ سخت تھا مگر ان کے قرضوں سے انگلستان کی صنعت و حرفت میں وہ تحریک پیدا ہو گئی جو اس کے قبل کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ فتح کے بعد کی صدی میں تعمیر کا ایک عام شوق پیدا ہو گیا جس سے تمام ملک میں ہر طرف قصر اور کلیسے قائم ہو گئے؛ مگر ان قصروں اور کلیسوں کا تعمیر ہونا یہودیوں کے قرضوں ہی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ خود یہودیوں نے اپنی تعمیرات سے ملک میں ایک نئی مثال پیدا کر دی لیکن اور سنٹ اوٹمنزیری میں اب تک بہت سی عمارات ”مکانات یہود“ کے نام سے مشہور ہیں، یہی وہ پتھر کے مکانات تھے جو اولاً انگریزوں کے ذلیل مکانوں کے بجائے تعمیر ہوئے۔ یہودیوں کا اثر صرف تجارت ہی پر نہیں تھا بلکہ اسپین اور مشرق کے یہودی مدارس سے تعلق رکھنے کی وجہ سے انہوں نے علم طبیعیات کی اشاعت کا نیا راستہ کھول دیا۔ غالباً آکسفورڈ میں ایک یہودی جلی مدرسہ بھی موجود تھا۔ خود راجر بیکن نے انگلستان کے رہیوں سے تعلیم پائی تھی مگر بادشاہ کے لئے یہودی صرف روپیہ کی ایک کل تھے۔ اپنی محنت

د جزری سے جو دولت وہ جمع کرتے تھے وہ بادشاہ کی ضرورت پر ان سے چھین لی جاتی تھی اور اگر نرم درخواستیں کامیاب نہیں ہوتی تھیں تو قید و تعذیب سے کام لیا جاتا تھا۔ جنگ یا بغاوت کے پیش آجانے پر یہودیوں ہی کی دولت شاہی خزانے کو بھرتی تھی۔ اپنے بیرونوں پر حکومت قائم رکھنے کے لئے نارمن بادشاہوں کی طاقت عبرانی صندوقوں میں مخفی تھی

جزو ششم جدید انگریزی دور

۱۰۶۱ — ۱۱۲۶

اسناو۔ آرڈرک اور انگریزی وقایع نویساں سابق کے علاوہ کنٹری کے ایک راہب ایلمر کے تصانیف ہسٹوریا نوورم (تاریخ جدید) اور *Historia Nouorum* لائف آف اینسلم (سوانح عمری اینسلم) *Life of Anselm* اولیم ثانی کے عہد کے لئے خاص ذریعہ معلومات ہیں۔ ولیم (ماہزبری) اور ہنری (ہیننگڈون) دونوں ہنری اول کے ہم عصرون ہیں۔ آخر الذکر ایک مختصر مگر صحیح تذکرہ نگار ہے اور اول الذکر ایک نئے طریقہ تاریخ نویسی کا امام ہے۔ وہ انگلستان کے حالات پر تاریخ دنیا کے ایک جزو کی حیثیت سے نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے مطالب کو زیادہ فلسفیانہ طور پر ترتیب دیکر قدامت کی طرز پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان دونوں کے حالات کے لئے دوسرے باب کا پہلا جزو دیکھنا چاہئے۔ انگلستان کے شہروں کی ابتدائی تاریخ کے متعلق سٹراسن کی انگلش میونسپل ہسٹری (انگلستان کی تاریخ بلدی لندن ۱۸۵۵ء) *English Municipal History* سے کچھ مفید مطلب باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ چارٹر رولز (سلسلہ فرامین) *Charter Rolls*

شایع کردہ کیشنران کاغذات دفتر سرکاری سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکتے ہیں سنٹ اؤٹنڈرای کے لئے جوین ڈی بریکلائڈ کی گرائل (دماغ Chronicle مرتبہ کیڈن سوسائٹی دیکھنا چاہئے۔ ڈاکٹریں کی سوشلیٹن (Monastican میں پارکشانز کے فرقہ سسرٹین کی خانقاہوں کی مشمولہ یادداشتوں سے مذہبی تجدید پر روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر اسٹین نے اپنی کانسٹیٹیوٹشل ہسٹری (تاریخ دستوری Constitutional History) میں ہسٹری کے نظم و نسق کی قابل

ولیم اور بیر

تقریب خوبی کے ساتھ توضیح کی ہے) فتح کے کام کے ختم ہوتے ہی طبقہ بیرن اور حکومت کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ ولیم نے ان بڑی بڑی ولایتوں کو جن سے سطوت شاہی ماند پڑ گئی تھی مٹا دیا تھا اور اس کے اس طرز عمل کی دانشمندی اُس وقت ظاہر ہوئی جب ان ولایت کے دوبارہ بحال کر دینے کے بعد ہی اس کے وزیر فنز آسبرن کے بیٹے راجر اور برطانوی رالف دی گیڈر (جسے بادشاہ نے اس کی خدمت سنلیک کے صلے میں نارنوک کا والی مقرر کر دیا تھا) دونوں نے سستی اختیار کی۔ یہ بغاوت بہت جلد فرو کردی گئی راجر قید خانے میں ڈال دیا گیا اور رالف کو سمندر پار بھاگنا پڑا مگر بیرنوں کو اپنی سازشوں کے لئے ایک دوسرا سرگروہ خود بادشاہ کا برادر علاقائی اسقف باؤ ہاتھ آ گیا اسقف اوڈون نے اس جیل سے کہ وہ بزور پوپ بننے کی فکر میں ہے روپیہ اور آدمی جمع کئے تھے مگر شاہی عال نے فی الفور اس خزانہ پر قبضہ کر لیا اور اسقف عین دریا میں گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ کے بذاتِ خاص حکم دینے پر بھی کسی عمدہ دار کو یہ جرات نہ ہوئی کہ ایک مقدمے کیلیسا پر ہاتھ ڈالے۔ آخر ولیم نے اسے خود اپنے ہاتھ سے گرفتار کیا اور ہنسکر کہا کہ ”میں اسقف کو نہیں بلکہ والی کنٹ کو گرفتار کرتا ہوں“ ولیم کے انتقال تک اوڈون کو قید خانے سے رہائی نہیں ملی۔ حقیقت یہ ہے کہ ولیم کی یہی چیز در شخصیت اس کے تخت کی سب سے بڑی محافظ تھی۔ انگریزی وقائع نگار لکھتا ہے کہ

جو شخص اس کی راہ میں حائل ہوا، اس کے لئے وہ ایک بلا تھا۔ والیان صوبجات جو ذرا بھی اس کے حکم کے خلاف چلتے انہیں وہ بے تامل قید خانے میں ڈال دیتا تھا۔ اسافز اور روسائے خانقاہ کے مناصب ضبط کر لیتا تھا۔ خود اس کا بھائی تک نہ بچا۔ وہ ملک میں سب سے موثر شخص تھا مگر بادشاہ نے اسے بھی قید کر دیا۔ جس شخص کو اپنی زندگی اور اپنی زمین عزیز ہو اسے لازم تھا کہ بادشاہ کی مرضی پر چلے۔ اس کی حکمرانی اگرچہ اس قدر سخت تھی مگر اسی سے ملک میں امن قائم ہو گیا۔ ان صوبتوں کے باوجود جو خود فتح کے حوادث، قلعوں کی تعمیر جنگلوں کے بند کر دئے جانے اور خزانہ و منچسٹر کے لئے جابرانہ وصولیات کی وجہ سے پیش آئی تھیں انگریز کبھی یہ نہ بھول سکے کہ اس نے ملک میں کیسا عمدہ امن پیدا کر دیا تھا۔ اس عہد کے امن کی کیفیت یہ تھی کہ آدمی سونا اچھالتے ہوئے تمام ملک میں سفر کر سکتے تھے۔ اپنی حکومت کے عام میلان اور اپنے زمانے کی عام حالت کے خلاف بنی نوع انسان کے لئے ایک عجیب و غریب طرح کا درد بھی اس کے اندر موجود تھا۔ اس کی طبیعت کی ایک نہایت قوی خصوصیت یہ تھی کہ اسے قانونی کارروائی کے ذریعہ سے خونریزی کرنے سے نفرت تھی اس نے سزائے موت کو باضابطہ منسوخ کر دیا تھا اور اس کے تمام زانہ حکمرانی پر قتل کا صرف ایک دہبہ ہے اور بس۔ اس کے لئے ایک اس سے بھی زیادہ قابل فخر امر اس غلامی کے اٹھا دینے کا فرمان تھا جو اس وقت تک بندرگاہ برٹش میں جاری تھی۔ یہی بیرحم جنگجو درشت خو و پرہیز بادشاہ ایک نرم مزاج، با وفا شوہر اور ایک مہربان باپ تھا۔ اس کی طبیعت کی تنہائی پسند خاموشی ایسٹلم کے لیے

پاک و مقدس شخصوں کے ساتھ لطف آمیز گفتگو سے بدل جاتی تھی۔ ولیم اگرچہ باغیوں اور بیرونیوں کے لئے سنگدل تھا تو لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ خدا سے محبت رکھنے والوں کے لئے وہ کیسا نرم تھا۔

طاقت اور شہرت دونوں میں فاتح اپنے تمام پیشرو تخت نشینوں سے سر بلند انگریز اور ان کے بادشاہ تھا، ڈین کا خوف ایک مدت سے انگلستان پر ایک مہیب ابر کی طرح چھایا ہوا تھا، مگر جب ولیم نے شاہ کینوٹ کے فراہم کردہ عظیم الشان بیڑے کے مقابلے کے لئے فوج جمع کی تو یہ خوف ہوا ہو گیا۔ بناوٹ کی وجہ سے ڈین کا بیڑا منتشر ہو گیا اور خود شاہ ڈین کے قتل ہو جانے سے شمال کا

خطرہ بالکل جاتا رہا۔ اسکاٹ لینڈ کو ولیم اپنے پہلے ہی حملے میں پست کر چکا ۱۰۸۵ تھا اب نیوکسیل اپان ٹائن پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کر کے اس نے اسکاٹ لینڈ پر مزید غلبہ حاصل کر لیا۔ دوسری طرف اپنی فوج کو لئے ہوئے ویلز کے قلب تک پہنچ گیا، اور تمام سرحد ویلز پر اپنے بیڑوں کو آباد کر کے اسکی باقاعدہ تسخیر شروع کر دی۔ اس کے آخری برسوں میں البتہ اس کے بیٹے رابرٹ کی بناوٹ اور فرانس کے مناقشے کی وجہ سے اس کی غیر متغیر کامیابی میں خلل پڑ گیا۔ سینٹس کو جلا کر جب ولیم اس کی ڈھلوان سڑک سے اتر رہا تھا تو چنگاریوں کے اندر اس کا گھوڑا بھڑکا اور وہ بہت زور کے ساتھ پشت زین سے نیچے گرا۔ لوگ اسے اٹھا کر اس کے وطن روٹین میں لے گئے مگر اس صدمے سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ وہ خانقاہ سنٹ گروس میں قیام پذیر تھا کہ ایک روز علی الصبح گرجے کے گھنٹے کی آواز سے جاگ اٹھا۔ ناز صبح کا وقت تھا فاتح نے شہر پر ایک نظر ڈالی اپنے ہاتھ کے لئے اٹھائے اور خاموشی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے

ساتھ ہی وہ خوف بھی جاتا رہا جس سے بیرونوں پر ہیبت چھائی ہوئی تھی اور اس کی مملکت کے دو ٹکڑے ہو جانے سے انہیں یہ امید ہو گئی کہ جس سخت حکومت کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے اب کامیابی کے ساتھ وہ اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔ ولیم نے اپنے بڑے بیٹے رابرٹ کو نارمنڈی کا وارث مقرر کیا تھا۔ اس کا دوسرا بیٹا ولیم اپنے باپ کی انگوٹھی لیکر یزری کے ساتھ انگلستان کو روانہ ہوا اور وہاں لینفرینگ کے اثر سے وہ فوراً صاحب تاج و تخت بن گیا۔ بیرونوں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر رابرٹ کے حق کی تائید کی اور اس حیلے سے ہتھیار اٹھانے پر آمادہ ہو گئے کیونکہ انہیں رابرٹ کی کمزور طبیعت سے یقین تھا کہ جاگیردارانہ آزادی کے نشوونما کے لئے وسیع میدان ہاتھ آ جائیگا۔ اسقف اڈوہاں بنادت کا سرغنہ بن گیا۔ نئے بادشاہ کا دار و مدار تامتر اس کی انگریزی رعایا کی وفاداری پر رہ گیا تھا۔ ولیم نے اپنی بادشاہی پر جو قومی رنگ پڑھا دیا تھا اس کا اثر فوراً ظاہر ہو گیا۔ دوسٹر کے اسقف ولفٹن نے (کہ انگریزی نسل کا صرف ایک یہی اسقف باقی رہ گیا تھا) مغرب میں بافیوں کو شکست دی۔ دوسری طرف بادشاہ نے شہر اور قصبے کے آزاد آدمیوں کو اپنی فوج میں اس تہدید کے ساتھ جمع کیا کہ نہ حاضر ہونیوالا ”لاٹھے“ قرار دیا جائیگا اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ روچسٹر کی طرف بڑھا جائے بیرونوں نے اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ قلعہ نشین فوج دبا پھیل جائیگی وجہ سے قلعہ حوالہ کر دینے پر مجبور ہوئی اور جب قیدی شاہی فوج کے سامنے سے گزرے تو انگریزی سپاہیوں نے ”دارورسن کا شور بلند کیا“ اس کے بعد کے زمانہ مابعد میں شاہی خاندان کے ایک قریبی

رشتہ دار اسٹیفن (الہباری) کو تخت نشین کر نیکی کے لئے سازش کی گئی مگر ہرنوں کے سرگروہ رابرٹ مورے والی تاریخ نویس کی گرفتاری اور اس کے شہانہ سازش کے قید و جلا وطنی سے طبقہ بیرن کی امیدیں پھر پامال ہو گئیں۔

طبقہ بیرن اور حکومت کی اس جدوجہد سے قومی حُب وطنی میں شاہِ آئین ازسرنو جان پڑ گئی تھی لیکن اس حُب وطنی سے محض شاہی مطلق العنانی و کلیسا کی حمایت کا کام لیا جاتا تھا اور اس سے ملک پر سخت دباؤ پڑ رہا تھا۔ کلیسا کے ایک شخص واحد نے اپنے عمل سے اس رجحان کو بدل دیا۔ ولیم آئین اپنے باپ کی مستعدی اور مفتوح انگریزوں کے ساتھ اس کی طرز عمل کا ایک بڑا حصہ ورثے میں پایا تھا مگر وہ اس کی کسی اخلاقی عظمت کا وارث نہیں ہوا تھا۔ اس کی بہ اطواری اور فضول خرچی سے شاہی خزانہ بہت جلد خالی ہو گیا اور لینفینک کے انتقال کر جانے سے اسے موقع مل گیا کہ بے روک ٹوک کلیسا کی دولت پر ہاتھ ڈالے اور اس سے اس کی کو پورا کرے۔ کسی اسقف یا رئیس خانقاہ کی جگہ کے خالی رہنے کی صورت میں اس کی آمدنی خزانہ شاہی میں جاتی تھی۔ اس لئے موت کے باعث جن مقتدیان دین کی جگہیں خالی ہوتی جاتی تھیں ولیم ان کے جانشین مقرر نہیں کرتا تھا اور اس پر وہ اس حد تک مصر تھا کہ اس کے انتقام عہد پر ایک اسقفِ اعظم چار اساتذہ اور بارہ رئیسین خانقاہ کی جگہیں خالی پڑی تھیں۔ خود کینزبری کے اسقفِ اعظم کی جگہ ایک مدت تک خالی پڑی رہی یہاں تک کہ ایک خطرناک بیماری سے خائف ہو کر بادشاہ نے ایسٹم کو (جو اس وقت اتفاقاً اپنے مدرسے کی ضرورت سے انگلستان میں آیا ہوا تھا) اس جگہ پر مقرر کر دیا۔ لوگ

ایسٹیم اٹلم
۱۰۹۳

بک کے رئیس خانقاہ کو کشان کشان بادشاہ کے بستر تک لانے اور زبردستی صلیب اس کے ہاتھ میں دیدی مگر ولیم نے بیماری سے صحتیاب ہوتے ہی خود کو ایک ایسے شخص سے رو در رو پایا جس کا نرم و محبت آمیز مزاج بادشاہ کے ظلم کے مقابلے میں بہت ہی سخت و پرہیزب ہو گیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ فتح کے بعد سے کلیسا تاج کے تاج ہو گیا تھا اور اس سے اس کی وہ خلاتی طاقت سلب ہو گئی تھی جو ظالمانہ خود مختاری کے مقابلے میں اعلیٰ قومی مقاصد کی حامی تھی اور اگرچہ ولیم اور اسقف اعظم کے درمیان اختلافات بیشتر ایسے معاملات میں ہوئے جن کا اثر براہ راست انگریزی تاریخ پر نہیں پڑتا مگر ولیم کی دیرانہ روش نے نہ صرف کلیسا کے ساتھ ذلت آمیز برتاؤ کو موقوف کر دیا بلکہ عام قوم میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس مخالفت کی صحیح کیفیت اسقف اعظم کے اس جواب سے ظاہر ہوتی ہے کہ جب کلیسا سے بے ضابطہ استحصال رقوم کے خلاف اس نے مواضع کیا اور اس پر بادشاہ نے خود اس کے تقرر کے لئے اس سے نذرانے کا مطالبہ کیا تو ایسٹیم نے پانچ سو پاؤنڈ کی ایک تعمیلی پیش کی مگر یہ رقم حقارت کے ساتھ مسترد کر دی گئی ایسٹیم نے جواب دیا کہ ”میرے ساتھ ایک آزاد شخص کا سا برتاؤ کیجئے اور میں اپنی ذات اور اپنے مال کو آپ کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گا لیکن اگر آپ میرے ساتھ ایک غلام کا سا برتاؤ کریں گے تو نہ میں آپ کے لئے ہوں اور نہ میرا مال آپ کے لئے ہے۔“ شاہ امیر کے طغیان غضب کے باعث اسقف اعظم دربار سے باہر چلا گیا اور بالآخر اس نے ملک کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا مگر اس نے اپنے فعل سے ایک مثال قائم کر دی اور ولیم کے زمانے کے ختم ہوتے ہوئے انگلستان میں ایک ایسی نئی روح

آزادی کی پیدا ہو گئی کہ فاتح کے بیٹوں میں سب سے مقتدر بیٹے نے بھی اس سے مصاحبت ہی کو قیمت سمجھا۔

۱۸۱/۱۸۱

انگلستان
ہنری اول

سپاہیانہ قابلیت میں شاہِ احمد اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ انگلستان کا تو وہ بادشاہ ہی تھا، مگر نارمنڈی بھی اس کے قبضے میں آگئی تھی اس کا بھائی رابرٹ 'ارض مقدس' کی جنگ صلیبی میں شریک ہونا چاہتا تھا اور اس ضرورت سے اس نے ولیم سے کچھ روپیہ لیکر اپنا ملک نارمنڈی اس کے پاس رہن رکھ دیا تھا۔ لی مان نے اس کے خلاف سر اٹھایا، مگر ولیم نے اس بغاوت کے فرو کرنے میں بڑی ہی مستعدی دکھائی۔ اس سرتابی کی خبر پلتے ہی جو پہلی کشتی اسے بل سکی اس میں وہ سوار ہو گیا اور باوجود طوفان کے آجائے کو عبور کر گیا۔ اس کے ہمراہیوں نے اسے اس ارادے سے باز رکھنا چاہا، مگر اس نے عقارت کے ساتھ جواب دیا کہ "بادشاہ کبھی ڈوبتے نہیں" ادھر فرمہ آف فورمہ پر دھاوا کر کے اس نے میلکم سے دوبارہ اطاعت حاصل کی اور میلکم کے بعد جب اسکاتلینڈ میں سخت بد امنی پھیل گئی تو مارگریٹ کے بیٹے اٹھلنگ کو موقع مل گیا کہ ولیم سے فوجی مدد لیکر تخت اسکاتلینڈ پر انگریزی باجگذار کی حیثیت سے ٹھکن ہو جائے۔ البتہ ویلز میں ولیم کو ایسی فیروزمندی میسر نہیں آئی۔ سنوڈن میں زرہ پوش نارمن سواروں کا سخت نقصان ہوا اور ولیم کو مجبوراً اپنی روش بدلنا پڑی تاکہ ہر پہلو پر غور کر کے آہستگی سے وہ اس ملک کو فتح کر سکے لیکن فتح و شکست دونوں کا عجیب غمناک خاتمہ ہوا۔ شاہِ احمد کو نیوفارسٹ کے ایک میدان میں کسانوں نے اس طرح مرا ہوا پایا کہ اس کے سینے میں کسی فکری یا قاتل کا تیر پیوست تھا۔ ارض مقدس میں رابرٹ کے دلیرانہ

شاہِ احمد کا انتقال
۱۱۰۰

کارناموں سے اس کی سابقہ ہزائی ناپی ہو گئی تھی مگر وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ یہاں اس کا چھوٹا بھائی ہنری باوجود بیرون کی مخالفت کے تخت انگلستان پر تاجبض ہو گیا۔ بیرون زیادہ تر اس وجہ سے ڈیک نارمنڈی کے طرفدار تھے کہ وہ اپنی آبناے کے دونوں جانب کی جائدادوں کو ایک ہی حاکم کے تحت میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان کی اس دوش سے ہنری گوجی دی کرنا پڑا جو شاہِ امر نے کیا تھا، اس نے انگریزوں کی امداد پر بھروسہ کیا، پاپوشی کے بعد ہی اس نے دو اہم کام یہ کئے کہ اولاً اپنی رعایا کو ایک فرمان عطا کیا اور دوسرے مثلاً سے عقد کر لیا۔ یہ دونوں کام اس نے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں جو طبقہ بیرون کے اس طرز عمل سے بادشاہ اور رعایا ہنری کا درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ شاہِ ہنری کے فرمان کی اہمیت صرف اسی پر مبنی نہیں ہے کہ جان کے ”فرمانِ اعظم“ کے لئے ایک قطعی مثال قائم ہو گئی بلکہ ان سے بھی وہ اہم ہے کہ فتح کے بعد جو مطلق العنانی پیدا ہو گئی تھی اسے اس فرمان نے اول بار ایک حد کے اندر محدود کیا اس میں علاوہ ان رسوم بدتر نفیریں کی گئی تھی جن کے ذریعے سے شاہِ امر نے کلیسا کو اپنا زر خرید اور اس کی دولت کو اپنا مال سمجھ لیا تھا۔ فتح اور اس کے بیٹے دونوں نے بیرونوں سے جس طرح کے غیر محدود مطالبات کئے تھے انہیں منسوخ کر کے معین مطالبے ان پر قائم کر دئے گئے۔ علوم کے حقوق اگرچہ نسبتاً بسم رکھے گئے تھے مگر کلیتہً نظر انداز نہیں گئے تھے۔ بیرون اپنے ماتحت مستاجرین کے ساتھ انصاف کرنے اور ان سے ظالمانہ جبرستانی کے ترک کر کے اپنے لئے گئے اور بادشاہ نے اپنی جانب سے یہ وعدہ کیا کہ وہ آڈورڈ کے قانون کے تحت ملک کے قدیم نظامِ حکومت کو بحال کر دیگا۔ صرف ولیم اول کے تغیرات باقی رکھے جائیں گے۔ اس کے عقد سے ان وعدوں کو ایسی نمود حاصل ہو گئی کہ ایک

ادنی ترین کسان بھی اسے سمجھ سکتا تھا۔ اڈوقہ یا مثلڈا اسکا ٹیلیڈ کے شاہ
 میسلیم اور اڈوکار اٹھنگ کی بہن مارگریٹ کی بیٹی تھی اس نے رامے کی
 خانقاہ مستورات کے اندر اپنی چچی کرسچینا کے تحت میں پرورش پائی تھی،
 خانقاہ کی نقاب بادشاہ کے ساتھ اس کے عقد کی مانع تھی، مگر ایسلیم کی
 دانشمندی نے اس وقت کو رفع کر دیا۔ سخت نشینی کے بعد ہنری کے ابتدائی
 کاموں میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اس نے ایسلیم کو واپس بلا لیا تھا۔
 مثلڈا نے اسقفِ اعظم کے روبرو حاضر ہو کر نہایت جوش کے ساتھ اپنا قصہ
 بیان کیا، اس نے کہا کہ اس زمانے میں وحشی سپاہی ملک کو غارت
 کر رہے تھے اور محض بے حرمتی کے خیال سے بچپن ہی میں اس کے
 چہرے پر نقاب ڈال دی گئی۔ اس نے بار بار نقاب کو اُتارنا چاہا مگر
 نا ملائم طعن و تشنیع اور اپنی چچی کی زودکوب کے باعث وہ مجبور ہو جاتی
 تھی۔ اس نے بیان کیا کہ ”جب میں اپنی چچی کے سامنے ہوتی تھی تو
 منہ پر نقاب ڈال لیتی تھی مگر اس کے ساتھ ہی غصہ و سرج سے کانپتی
 جاتی تھی اور اس کی نظر سے اوجھل ہوتے ہی نقاب کو سر سے کھینچ کر
 زمین پر پھینک دیتی اور اسے پیروں سے کچل ڈالتی تھی میری نقاب پوشی
 بس اسی طور کی تھی۔“ ایسلیم نے یہ سکر فوراً ہی اسے خانقاہی قیود سے
 آزاد کر دیا۔ جب اس کے سر پر تاج رکھا گیا تو اہل کلیسا اور بیرونوں
 کی شکوہ سخی، انگریزوں کے عام نعرائے مسرت کے سامنے بالکل دب گئی،
 نارمن امرانے طنزاً بادشاہ اور اس کی بیگم کو ”سکاڈرک اور سکاڈچیو“ کا لقب
 دیا تھا مگر عام رعایا کی مسرت میں یہ سب باتیں غائب ہو گئیں۔ بیعت کے
 بعد یہ پہلا موقع تھا انگریزی نسل کی ایک ملکہ انگریزی تخت پر جلوہ فرما، ہنری کا عقد

ہوئی۔ وقت آگیا تھا کہ کریڈٹ اور الفوڈ کاٹون رالف اور فاتح کے خون سے مل جائے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ آئندہ انگریز اور نارمن ایک دوسرے سے جدا رہ سکیں۔ اتحاد باہمی اس تیزی کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کہ نصف صدی کے اندر ہی اندر نارمن کا نام تک مٹ گیا اور ہنری کے پوتے کی تخت نشینی کے وقت سٹریک کے فاتح و مفتوح کے درمیان تیز کرنا محال ہو گیا۔

انگریزی
شہر

ان دونوں نسلوں کے باہمی امتزاج کی ترقی کا کچھ کچھ سراغ شہروں کی نئی آبادی سے بھی پل سکتا ہے۔ فتح کا ایک فوری نتیجہ یہ ہوا کہ بکثرت نئے آباد کار بر اعظم سے انگلستان میں آ گئے۔ نارمن سپاہیوں کی فتح کے ساتھ ساتھ نارمنڈی کے اہل حرفہ و تجارت نے بھی انگلستان پر پورا ہونے لگا۔ نارمن امراء اور رؤسائے خانقاہ جب انگلستان میں سکونت اختیار کرتے تو اپنے قصبوں اور اپنے گرجوں کے آس پاس فرانسیسی دستکاروں اور فرانسیسی شاگرد پیشوں کو جمع کرتے تھے مثلاً ولیم نے اپنی فتح عظیم کی یادگار میں موقع جنگ پر اے آف بیٹل (خانقاہ جنگ) قائم کی تھی۔ اس خانقاہ کے ارد گرد گلبرٹ خیرکی، گلبرٹ نوربان، ہنٹ خانساں، ہیو کاہب، بالڈون خیاط، انگریزی کاشتکاروں کے پہلو بہ پہلو آباد ہو گئے تھے؛ بالخصوص مستقر حکومت میں یہ حالت زیادہ نظر آتی تھی۔ ولیم کے ورود کے بہت پہلے سے لندن میں نارمن تجارتی کوششیاں موجود تھیں لیکن معمولاً ان کوششوں کی وقعت ایک تجارتی نوآبادی سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر جوں ہی لندن نے فاتح کی اطاعت قبول کی "معا رومین اور کین کے باشندے بہ تعداد کثیر اپنے ملک سے لندن میں آ گئے۔ وہ اس

شہر میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے کیونکہ ان کے تجارتی اغراض کے لئے یہ شہر بہت ہی موزوں تھا اور جن چیزوں کی تجارت سے ان کا تعلق تھا وہ یہاں زیادہ مہیا ہو سکتی تھیں۔ "ناروچ" کی طرح بعض مقامات میں یہ بھی ہوا کہ انگریزی قبضے کے قریب ہی فرانسیسی آبادکاروں نے اپنا ایک الگ حصہ بنا لیا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ لندن میں اس نوآبادی نے فوراً ہی حاکمانہ انداز اختیار کر لیا تھا۔ زائد مابعد میں لوگوں کا خیال تھا کہ مشہور اسقف اعظم ٹامس بکٹ کا باپ گلبرٹ بکٹ اپنے وقت میں لندن کا پورٹریو (حاکم بندرگاہ) یعنی موجودہ اصطلاح میں لندن کا میر تھا۔ اسٹفن کے زمانے میں خود شہر کے اندر وہ ایک بڑی جائداد کا مالک تھا اور شہر کے معاملات میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر نیا منتخب پورٹریو سالانہ اس کی قبر کی زیارت کو جاتا تھا۔ کلیسائے سنٹ پال کے صحن میں اس نے ایک چھوٹی سی عبادتگاہ بنائی تھی اور اسی عبادتگاہ میں اس کی قبر واقع تھی۔ لیکن یہ گلبرٹ انہیں نارمن غیر ملکوں میں سے تھا جو فاتح کے پیچھے پیچھے آئے تھے، "از روئے پیدائش روئیں" کا باشندہ تھا اور اس کی بیوی قبیلہ مین کی رہنے والی تھی۔

ہنری اول کے عہد میں انگلستان کے شہروں کو جو تمول و ثروت حاصل ہوئی وہ ایک حد تک اسی غیر ملکی استخراجِ خون کا نتیجہ تھی۔ ہمیں بھی شک نہیں کہ نارمن حکومت کے طویل امن و انتظام سے اس میں بہت مدد ملی۔ انگریزی قوم کے خاموشانہ ترقی میں اولاً قصبات نے قدم بڑھایا۔ مقتدیان دین و امرائے دنیاوی نے انہیں حیرت سمجھ کر ان پر نظر نہیں ڈالی اور اس وجہ سے کہیں کہیں ان میں قدیم ٹیوٹن آزادی

علا حال باقی رہ گئی تھی اور کہیں انہوں نے اسے دوبارہ حاصل کر لیا تھا۔
 قصبات ہی کے باشندے اور دکاندار تھے جو مدتوں کی جور و تعدی کے
 دوران میں حکومت خود اختیاری، آزادی، مجلس، آزادی تقریر اپنے ہمروں
 کے ذریعے سے یکساں انصاف کے حقوق کو حفاظت کے ساتھ بچا لائے۔
 انگلستان جو کچھ بھی ہے اس کے بنانے میں نانٹوں اور بیرونوں سے زیادہ
 جن لوگوں نے کوششیں کیں ان کی زندگی کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو خاموش
 اور انوکھے ناموں کی سڑکوں، قصبے کے چراگاہ و بازار امر کی پن چکی پر
 اڑوہام مجلس، قبائلی، مجلس، تجارت، مجلس، کلیسا، مجلس اہل حرفہ کے حالات کو دیکھنا
 چاہئے انہیں سے ان کی خانگی و تجارتی زندگی، ظلم و جور کے خلاف ان کی شدت
 مقاومت، حق و آزادی کے لئے ان کی مستحکم و مسلسل جدوجہد کا حال معلوم ہوگا
 ایک قصبے کے بعد دوسرے قصبے نے کس طرح آزادی حاصل کی اس کا
 درجہ بدرجہ پتہ لگانا مشکل ہے لیکن اس قدر محقق ہے کہ ان میں سے بیشتر
 قصبے شاہی اہاک میں واقع تھے جس طرح بادشاہ کے دوسرے عامل
 وغیرہ کی وصولی کے لئے عمدہ داران شاہی مقرر تھے اسی طرح ان قصبوں
 کی مینڈ لگان کے جمع کرنے اور اہل قصبہ کے معاملات کا تصفیہ کرنے کے لئے
 بھی بادشاہ کی طرف سے عمدہ دار مقرر تھے۔ انگلستان کے شہروں میں
 لندن سب سے ممتاز شہر تھا، اور پٹری نے جو فرمان اسے عطا کیا تھا
 وہی دوسرے چھوٹے بڑے شہروں کے لئے نمونہ ہو گیا۔ بادشاہ نے
 انصاف کا حق خود اہل شہر کو تفویض کر دیا تھا۔ شہر کی عدالت کا اجلاس
 ہر ہفتے ہوا کرتا تھا۔ شہر کے ہر باشندے کو یہ حق تھا کہ عدالت میں اپنے
 ہی اہل شہر کے ذریعہ سے انصاف کا خواہاں ہو۔ وہ صرف صلی تصفیہ کے

پرانے انگریزی طریقے کے پابند تھے مگر ناموں نے اب جنگ کے ذریعہ سے بھی تصفیہ معاملات کی ایک نئی صورت نکالی تھی اور جو شخص طغی کار روانی سے بچنا چاہتا تھا وہ اس طریقے کو اختیار کر سکتا تھا۔ اہل شہر کی تجارت ملک کی تمام عرض و طول میں ہر قسم کے محصول و جبرستانی سے محفوظ تھی۔ لیکن اس وقت تک تمام دوسرے مقامات کی طرح لندن کے لئے بھی بادشاہ ہی حاکم اعلیٰ کا تقرر کرتا تھا اور اس وقت تک اہل شہر کسی مجلس یا جماعت کی صورت میں بطور خود متحد بھی نہیں ہوئے تھے، مگر شہر کئی حلقوں میں تقسیم تھا اور ان حلقوں میں ایک طرح کا بلدی نظام بھی موجود تھا، ہر ایک حلقے کا ایک سرگروہ ہوتا تھا اور وہی اس پر حکومت کرتا تھا۔ علاوہ اس کے سوداگروں کی مجلسیں تھیں جن میں شرکت اختیاری تھی۔ یہ مجلسیں اپنے اراکین کی باہمی حفاظت اور عام انتظام کی ذمہ دار ہوتی تھیں۔ یہ روابط بھی اچھے بجائے خود گزور معلوم ہوتے ہیں مگر شہروں میں آزادی کی قدیم انگریزی روایتیں محفوظ تھیں اور ان سے مل کر ان روابط میں کافی مضبوطی پیدا ہو جاتی تھی۔ لندن میں جب سنٹ پال کے گرجے کا گھنٹہ بجتا تو اہل شہر اپنے سرگروہوں کے تحت میں معاملات پر آزادانہ بحث کر نیکی لئے شہر کی مجلس میں جمع ہو جاتے تھے۔ شہر کو اگر کوئی خطرہ پیش آجاتا تو اہل شہر مسلح ہو کر یہیں مجتمع ہو جاتے اور شہر کا علم اپنے سردار کو دیکر اس کی سرکردگی میں دشمن کے مقابلے کے لئے روانہ ہوتے۔ اتنی طاقت ابھی صرف چند ہی شہروں کو حاصل ہوئی تھی مگر ہنری کے عہد میں شہروں کی آزادی کے لئے فران پر فران نافذ ہوتے رہے۔ شہر کے تمام رہنے والے

اور اس کے تجارت پیشہ اشخاص بالکل رئیس شہر کے بس میں ہوتے تھے مگر اب ان زراعت کی رو سے انہوں نے زمین رقم کے عوض اپنی آزادیاں خرید لی تھیں اور رسمی مشاخر بن گئے تھے۔ وہ خود اپنی تجارت کا انتظام کرنے لگے تھے اور شہر کی عدالت کے سوا تمام دوسری عدالتوں سے مستثنیٰ ہو گئے تھے۔

سنٹ اڈمزبری

جو قصبات شاہی جاگیر میں نہیں تھے بلکہ کسی خانقاہ یا کسی قہر کے گرد آباد تھے ان کی ترقی زیادہ دیر طلب اور دشوار تھی۔ سنٹ اڈمزبری کی داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص غلامانہ حالت سے نکل کر ناکمل آزادی تک پہنچنا بھی کتنے مدارج کے طے کرنیکے بعد ممکن تھا۔ بہت سی زمینیں جن میں اڈورڈ "ٹائب" کے زمانے میں کھیتی ہوتی تھی نارمن حکومت کے دور میں ان پر مکانات بن گئے تھے۔ اس بڑی خانقاہی گرجے کی تعمیر کی وجہ سے صنایع اور سمار رئیس خانقاہ کی جائداد پر ہواہوں اور کسانوں کے درمیان آباد ہو گئے تھے : زمانے کی پریشانیوں نے مثل دوسرے مقامات کے یہاں بھی قبضے کی ترقی میں مدد دی، نیم غلام مزاعین عدالت یا آقا کے مفروضین، تجار، یہودی، سب بطبع سنٹ اڈمزبری کے زبردست سائے میں پناہ کے خواہاں ہوتے تھے، مگر یہ تمام آبادکار ہمہ تن رئیس خانقاہ کے زیر حکم تھے۔ کوئی آبادکار ایسا نہیں تھا جو رئیس خانقاہ کے خزانے میں اپنا نندانہ داخل کرنے، اس کی زمین کا نصف بیگے جوتے، کٹائی کے وقت اس کے کمیت میں کام کرنے، خانقاہ کے بارے میں اس کی بیٹروں کے بند کرنے، اور خانقاہ کے طالبوں سے ہر سال پھسلی نکلانے میں مدد دینے کا پابند نہ ہو۔ رئیس خانقاہ کی جاگیر کے

چاروں کوزوں پر چار صلیبیں نصب تھیں، ان حدود کے اندر آب و خاک سب پر اسی کی حکومت تھی۔ اراضی عامہ پر مویشیوں کے چرانیکے لئے اہل قصبہ کو محصول دینا پڑتا تھا، دھوبلی اگر اپنے کپڑے عاریت دینے سے انکار کرتے تو خانقاہ کا داروفا توشہ خانہ انہیں تالابوں پر کپڑے نہ دھونے دیتا اور جلاں کہیں پاتا ان کے کپڑے ضبط کر لیتا تھا۔ خانقاہ کے مساجد پر کسی قسم کا محصول نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ دکانوں اور مویشی خانوں کے سامنے خریداریوں کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا تھا جب تک کہ رئیس خانقاہ کے ملازم اپنی پسند کی چیزیں نہ خرید لیں، ان وقتوں کے تدارک کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اہل قصبہ اگر مجلس قبائلی میں شکایت کرتے تو مجلس کے وقت بھی رئیس خانقاہ کے عہدہ دار موجود رہتے تھے، اگر وہ اللہ میں سے زیادہ کرتے تو وہ بھی رئیس خانقاہ کا نامزد کردہ ہوتا تھا اور اسے اپنے عہدے کا نشان لینے "قرنا" رئیس خانقاہ ہی کے ہاتھوں سے ملتا تھا۔

سوسائٹی کے تمام بڑے بڑے انقلابات کی طرح اس غلامی سے بھی خلاصی خاموشی کے ساتھ مل میں آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جور و ظلم کے زیادہ تجلیف وہ قیود اکثر از خود ناپدید ہو گئے بعض کام جیسے معمولی وغیرہ پکڑنا خیف نقدی معاوضہ سے بدل دئے گئے۔ دھوبیوں کی غلامی اور کتان وغیرہ کا محصول بھی یوں ہی غائب ہو گیا، غرضکہ رسم و رواج، حذف و اقسام، دانش و نادانستہ اغماض و فراموشی، خیف جد و جسد بوقت ضرورت نذر و پیشکش کے ذریعوں سے قصبے نے بتدریج آزادی حاصل کر لی، مگر یہ تمام ترقی ہمیشہ نادانستہ ہی نہیں ہوئی تھی۔ سنٹ اڈمزبری کی تاریخ میں ایک واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، اس سے

صرف قانون کی ترقی ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اس نئے اخلاقی احساس کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ انصاف سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ اس احساس سے ملک کی عام ترقی میں بڑی مدد ملنے والی تھی۔ یہ قصبہ اگرچہ ایک غیر متوازن قصبہ تھا مگر حکمرانی و قانون سازی کے لئے تمام اہل قصبہ کے اجتماع کا دستور وہاں بحال خود برقرار تھا، انصاف کا غلدرآمد اہل قصبہ کے روبرو ہوتا تھا اور ملزم اپنے ہمسایوں کی قسم کی بنا پر بری یا سزا یافتہ ہوتا تھا؛ لیکن قصبے کے حدود کے باہر نارمن طریقہ نافذ تھا اور دیہاتوں کے مساجد جو خانقاہ کے داروغہ توشہ خانہ کی عدالت میں مقدمات لاتے تھے ان کا فیصلہ ”طریقہ جنگ“ کے موافق ہوتا تھا۔ ایک بار اس جاگیردارانہ طریقہ انصاف کے موافق ایک کسان کٹل نامی کو پھانسی دیدی گئی۔ اس سے ان دونوں طریقوں کا فرق ہر شخص کی نظر میں عیاں ہو گیا۔ اس کا جرم بظاہر ثابت نہیں تھا، مگر ڈوئل کا نتیجہ اس کے خلاف ہوا اور عین قصبے کے دروازے کے روبرو اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ قصبے کے لوگ کہنے لگے کہ ”اگر کٹل قصبے کے اندر کا رہنے والا ہوتا تو اپنے ہمسایوں کی قسم سے چھوٹ جاتا کیونکہ یہ آزادانہ حق ہیں حاصل ہے“ راہبوں تک پر اس کا یہ اثر پڑا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ان کے کاشتکار آزادی و انصاف میں اہل قصبہ کے مساوی ہوں! قصبے کے حق آزادی کو قصبے سے باہر خانقاہ کے دیہاتی مقبوضات میں بھی وسیع کر دیا گیا۔ کسان ”محصونانے میں آتے اپنے نام الڈرین کی فہرست میں درج کراتے اور حق شہریت کا نذرانہ ادا کرتے تھے“

تجدید مذہبی اس قسم کے واقعات سے جن اخلاقی انقلابات کا اظہار ہوتا ہے

انہیں مذہبی زندگی کی اس تجدید سے بھی تقویت پہنچ رہی تھی جو ہنری اول کے عہد کی نہایت نمایاں خصوصیت ہے۔ ولیم نے جن اساتذہ کا تقرر کیا تھا وہ اگرچہ پریمرگار، عالم اور اپنے کام میں مستعد تھے مگر وہ انگریزی قوم سے نہیں تھے۔ ہنری اول کے عہد تک ایک انگریز بھی انگلستان کا استغنیٰ نہیں ہوا تھا، اہل کلیسا کے اعلیٰ طبقے کی زبان اور ان کے عادات اپنے طبقے کے پادریوں اور عام رعایا کے ملک کی زبان و عادات سے بالکل متغایر تھے اور انہیں ان لوگوں سے کسی قسم کی ہمدردی بھی نہ تھی۔ یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ نظام حکومت میں گرجا کا اثر بے معطل ہو گیا۔ ایک ایسٹلم تھا جس نے ایسٹلم احمد کا مقابلہ کیا تھا۔ ایسٹلم کے چلے جانے کے بعد ہنری اول کے تمام عہد میں مذہبی آزادی کی ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی مگر ہنری کے عہد کے اختتام اور اسٹیفن کے تمام زمانے میں انگلستان کے اندر مذہبی تحریک کا بیجان جاری رہا۔ یہ تحریک فی الحقیقت ان عظیم الشان تحریکوں کا پیش خیمہ تھی جو بعد میں فراٹرز (برادران مذہبی) کے وعظ و کلف کی لولارڈی، "اصلاح" پیٹورین کے جوش اور ولسلی کے تبلیغی کام کی صورتوں میں ظاہر ہوئی تھیں۔ شہر اور دیہات ہر جگہ لوگوں نے عبادت کے لئے جماعتیں بنالیں تھیں۔ زیادہ جنگوں میں جمع ہو گئے تھے متقشف سسٹریس (جو فرقہ بینڈکٹ کی ایک شاخ تھی) جب شمال کے دلدلوں اور جنگوں میں پھیلے تو امراد عوام نے بحساں طور پر ان کا خیر مقدم کیا۔ مذہبی مقامات زہد و ریاضت کے ایک نئے جوش سے بھر گئے اور اس کا اثر ہر عام و خاص پر پڑا۔ ریواکس کا امیر واسٹرڈی اسپیک اس سے ایسا ہی متاثر ہوا جیسے

چھپاؤ کا سوداگر گلبرٹ بکٹ۔ اس تجدید مذہبی میں لندن نے پورا حصہ لیا۔ شہر کو اس پر ناز تھا کہ اس کے اندر تیرہ خانقاہی اور سو سے زائد عمارتیں موجود ہیں۔ نئی تحریک نے شہر کی ہیئت ہی بدل دی تھی، وسط شہر میں اسقف مارس نے سنٹ پال کا گرجا بنا کر شروع کیا تھا مگر وہ ناتمام رہ گیا تھا۔ اب اسقف رچرڈ ہرٹن اس کی تعمیر میں منہمک تھا۔ اس کی عایشان محرابوں کے لئے کین سے پتھر کشتیوں میں بھر کر لائے جاتے تھے۔ عوام محرابوں کی رفت و نشان کو دیکھ کر عوجھرت ہو جاتے تھے، اس کے مشورہ زمانہ صحن کو وسیع کر نیکے لئے سڑکیں اور گلیاں بیدار بنائی جا رہی تھیں۔ بادشاہ کے معنی رامیر نے اسپتہ فیڈل کے قریب سنٹ باجھو پو کا زاویہ قائم کیا اور الفون نے کرپل گیٹ میں سنٹ جانز کا زاویہ بنایا۔ قدیم انگریزی نکلنگلڈ نے ایڈ گیٹ پر ہولی ٹریٹی کے زاویہ کے واسطے جگہ نکالنے کے لئے اپنا حق ملکیت ترک کر دیا۔ اس مکان کا ایک واقعہ ہے جس سے اس وقت کے شہریوں کے مزاج کی بہت صحیح کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے بانی پرائڈ مارس نے گرجے اور حجرے کے بنانے اور اس کے لئے کتابوں اور ساز و سامان کے خرچے میں اس فراخی سے روپیہ صرف کیا کہ کھانے کے لئے کچھ باقی نہ رہا۔ زاویہ نشینوں کی حالت بالکل آخر ہو چکی تھی کہ شہر کے بعض لوگوں نے (جو حسب معمول انوار کے جلوس میں آئے تھے اور حجرے کے اندر ٹھل رہے تھے) دیکھا کہ کھانیکے کمرے میں مینوں بچی ہوئی ہیں مگر روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہے۔ یہ لوگ بیباختہ بول اُٹھے کہ ”عزت تو بہت نفیس تیار ہوئی مگر اب روٹی کہاں سے آئیگی۔“ اس جلوس میں جو عورتیں موجود تھیں ان سب

عہد کیا کہ وہ ہر اتوار کو ایک ایک روٹی لیتی آئیگی اور اس طرح صاحب زادیہ اور دوسرے قیسوں کے لئے بہت جلد روٹی کا قابل اطمینان انتظام ہو گیا، بلکہ کچھ بچ بھی رہتی۔ اس نئی تحریک سے اہل کلیسا کا ایک نیا طبقہ نظر عام پر آ گیا تھا اور اسی سے اس تحریک کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایٹلم جان (سالسبری)، اور تھیوڈوزس ٹامس (جو ہنری کے مرنے پر یکے بعد دیگرے کینٹربری کے اسقف ہوئے) وغیرہم کا جو کچھ بھی اثر تھا وہ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا جو ان کی پاکبازی و بے نفسی کی نسبت لوگوں میں شائع تھا۔ نئی تحریک نے جب مقتدایان مذہبی اور عوام کو باہم متہم کر دیا تو کلیسا کی مددہ جانی کا خاتمہ ہو گیا اور ہنری کے اختتام عہد پر اس میں اتنی زبردست قوت پیدا ہو گئی تھی کہ اس نے انگلستان کو طوائف الملوک سے بچا لیا اور اس کا یہ فعل ہمیشہ تاریخ انگلستان میں یادگار رہیگا۔

انگریزوں میں تجدید خیالات کے اس نئے دور کو ہنری رقیبانہ نظر سے ہنری کا دیکھتا تھا اور خود بالکل اس سے علیحدہ رہا، مگر اس کے عقد کی وجہ سے ایک نظم و نسق جو پیدا ہو گیا تھا اور اسے یہ موقع مل گیا تھا کہ اپنے بھائی کے حقوق اور اپنے امرا کی بددلی کے طرف سے بے پردہ ہو جائے۔ رابرٹ پورٹس میں اترا مگر اترتے ہی اُسے اُس انگریزی فوج سے سابقہ پڑا جو ایٹلم کی طلب پر بادشاہ کے گرد جمع ہو گئی تھی اور اس کے لئے سوا واپسی کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ رابرٹ کے اس طرح ناکام واپس جانے سے ہنری کو بالکل بیفکری ہو گئی اور وہ آزاد تھا کہ اپنے سرکش امرا سے جس سختی کے ساتھ چاہے سلوک کرے۔ راجر (ماننگویری)، کا بیٹا رابرٹ (بیلیم) بیرون کا سرگروہ تھا مگر شر و سبزی کی سی دشوار گزار راہ میں ساٹھ ہزار

۱۱۰۵ سے طبقہ مذہبی اور تاجر اس سے برگشتہ ہو گئے تھے اور نارن امر کی زیادتیوں نے اس پنہ رعایا کو بادشاہ (ہنری) سے طلب مدد پر مجبور کر دیا تھا۔ میدان ٹنگری میں اس کی فوجوں کا ڈیوک کی فوجوں سے مقابلہ ہوا، اور اس جنگ میں انگریزوں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ نارن سرزمین پر ایسی کامل فتح نے ہیٹنگن کی ذات کی تلافی کر دی۔ امارت مفتوحہ تلج انگلستان کے تلج ہو گئی اور ایک چوتھائی صدی تک ہنری کی پریشانی کا باعث رہی۔ نارمنڈی میں بغاوت کا سلسلہ جاری تھا، فرانسیسی مخالفت پر تلے ہوئے تھے، ہنری کا بھتیجا ولیم (فرزند رابرٹ) اپنے باپ کے تلج کے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے برابر کوششیں کر رہا تھا، ہنری کی قوتیں انہیں مشکلات کا مقابلہ کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔ لیکن انگلستان میں ہر طرح پر امن و امان قائم رہا۔ فتح نے جس طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی ہنری اول کے پر زور انتظام نے اس کے تمام جزئیات کو مکمل کر دیا بغاوت یا ضبطی کی وجہ سے بہت سی بڑی بڑی جائیدادیں بادشاہ کے قبضے میں آگئی تھیں، یہ جائیدادیں ان نئے لوگوں کو عطا کی گئیں جن کا دار و مدار شاہی عنایت پر تھا، بادشاہ نے بڑے بڑے باجگذاروں کو برباد کر کے ان کے بجائے چھوٹے چھوٹے امرا کا ایک گروہ قائم کر دیا تھا۔ عمید فتح کے پرن بین انہیں نظر حقارت سے دیکھتے تھے لیکن ان کی وجہ سے طاقتوں میں توا پیدا ہو گیا تھا اور انہی میں سے منتظین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، ہنری انہیں سے اپنے عمال و کارپرداز مقرر کرتا تھا، مالیات کی نئی ترتیب دہی سے تمام ملک

شاہی انتظام کے تحت میں آگیا تھا۔ معبد شاہی کے پادریوں میں سے معتدیہ یا وزرائے شاہی کی ایک جماعت مرتب کی گئی اور ان کا سرگروہ چانسلر (صاحب الدیوان) کے خطاب سے لقب ہوا۔ اور ان سب سے بالاتر جیمس یا نائب السلطنت تھا جو بادشاہ کی عدم موجودگی میں ولی کی حیثیت سے سلطنت کا تمام کاروبار انجام دیتا تھا۔ اس کا عملہ محل شاہی کے متعلقہ بیرونیوں میں سے منتخب ہوتا تھا اور یہی عملہ عدالت عالیہ کا کام دیتا تھا اور اسی کو عدالت شاہی بھی کہتے تھے۔ تمام باجگزاران شاہی کی عدالت سال میں صرف تین بار طلب ہوتی تھی اور یہی عدالت شاہی ان کی مستقل تعلیم مقام سمجھی جاتی تھی۔ شاہی مجلس شوریٰ کی حیثیت سے وہ قوانین پر نظر ثانی کرتی اور انہیں باضابطہ درج کرتی تھی۔ مشورہ و منظوری اگرچہ محض ضابطہ پائی تھی مگر اس سے وضع قانون میں منظوری عوام کے قدیم طریق کی ظاہری شکل برقرار تھی۔ بہ حیثیت عدالت انصاف کے وہ مراعات کی اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ کسی فریق کی درخواست پر وہ ہر ایک عدالت ماتحت سے مقدمہ اپنی عدالت میں طلب کر سکتی تھی۔ اس کا ایک ایک رکن ~~کلیئر فوں~~ کی چند عدالتوں پر نگراں ہوا کرتا تھا اور اس طرح مقامی عدالتوں سے اس کا قریبی تعلق قائم رہتا تھا۔ مالی جماعت کی حیثیت سے اس کا کام محاصل کی تفتیش و وصولی تھا۔ اس اعتبار سے وہ عدالت مال (کورٹ آف اکسچینج) کہلاتی تھی۔ یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ اسکے عمدہ دلہن شطرنج کی طرح کی ایک چار خانہ داریز کے گرد بیٹھے تھے اور اسی میز پر روپیہ گنا جاتا تھا۔ مال کے کاموں کے لحاظ سے اس کے ارکان پرنس آف اکسچینج کہلاتے تھے۔ سال میں دو مرتبہ ہر صوبے کا شیرف (ناظم) ان

بیرون کے روبرو حاضر ہوتا تھا اور شاہی جاہاد کی مشخصہ آمدنی مالگذاری مقامی عدالتوں کے جرمانے، بیرونوں کی جائداد کی جاگیردارانہ امداد وغیرہ کی تمام رقمیں یہاں داخل کرتا تھا ان تمام حاصلات میں بیرونوں کی امداد شاہی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔ ان رقوم کی ادائیگی یا ماحل قصبات کی تفتیش کے بابت مقامی اختلاطات کے طے کرنے کے لئے اس عدالت کے بیرونوں کا ایک شعبہ اضلاع میں دورہ کیا کرتا تھا۔ اولاً یہ گشت محض مالی ضروریات سے اختیار کئے گئے تھے مگر بعد کو دادرسی کی ضروریات سے بھی گشت ہونے لگے اور جموں کے گشتی حلقے قائم ہو گئے جو اب تک اٹھلستان کے قانونی انتظام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

سفید ہنری ملک کے اندر ان اصلاحات کے جاری کرنے میں مشغول تھا کہ جہاز یک بیک ایک المناک حادثے کی وجہ سے اس کی توجہ وراثت سخت کے مسئلہ کی طرف منعطف ہو گئی۔ ہنری کا بیٹا ولیم جسے ملٹلڈاکے بطن سے ہونے کے باعث انگریز محبت سے اٹھلنگ کہتے تھے، نارمنڈی سے واپسی کے وقت امرا کی ایک جماعت کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ تھا، مگر اس نے اپنے سفید جہاز کو شاہی پٹری کے دوسرے جہازوں سے پیچھے روک لیا، نوجوان امرا شراب کے نشہ میں جہاز کے تختے پر جمجوم رہے تھے پاڈری جب حسب معمول دعا کرنے کے لئے آیا تو اس پر فقرے چمت کر کے اسے بھٹکا دیا۔ آخر شاہی خزانے کے محافظین نے جہاز کی ردائی پر زور دیا، اور پچاس ملاحوں نے ڈانڈ سنبھال کر جہاز کو تیزی کے ساتھ سمندر کی طرف کھ دیا مگر دفعہ جہاز کا پہلو بندرگاہ کے دہانے پر ایک چٹان سے ٹکرایا اور آن واحد میں جہاز موجوں کی تہ میں پہنچ گیا؛ رات کی خاموشی میں

گوئیں ہوئی ایک دردناک آواز بادشاہ کے پیڑے میں سانی دی گر صبح کے قبل یہ ملک خبر بادشاہ تک نہ پہنچ سکی، اس خبر کے سنتے ہی وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور اٹھا تو اس طرح کہ پھر زندگی بھر کبھی لب تبسم آشنا نہ ہوئے۔ ہنری کے کوئی اور بیٹا نہ تھا اور اس کے تمام بیرونی دشمنوں کا گروہ باصرار اس کے سر ہوا کہ رابرٹ کے بیٹے کو اپنا وارث تسلیم کرے مگر بادشاہ کو ولیم سے نفرت اور اپنی بیٹی ملڈا سے خاص محبت تھی۔ ملڈا کا عقد شہنشاہ ہنری پنجم سے ہوا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اپنے باپ کے پاس واپس آگئی تھی اور ہر چند کہ ایک عورت کی بادشاہی جاگیر دار بیرونوں کو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے مگر ہنری نے اسی کو اپنی جانشین قرار دیا، امرا اور قیس سب مجبور کئے گئے کہ اپنی آئندہ ملکہ کی حیثیت سے اس کی اطاعت کا حلف اٹھائیں۔ ہنری کو صرف ایک دشمن کا واقعی خوف تھا اور وہ کاؤنٹ فلک والی انجو تھا۔ اس نے اس خطرے کو یوں رفع کیا کہ اسی کاؤنٹ کے لڑکے کے ساتھ ملڈا کی نسبت کر دی۔

جزو ہفتم

انگلستان و انجو

۱۱۵-۸۶۰

میں فرانس کی مجلسِ تاریخ نے جمع کر کے شائع کی ہیں (پیرس ۱۸۶۶-۱۸۶۷ء)۔ ان تحریرات میں سب سے زیادہ مشہور جیٹا کنسٹنٹم (Gesta Consuntm) ہے۔ یہ باسویں صدی کی ایک تالیف ہے اور مولف نے صرف یہ کیا ہے کہ پرلے افسانہ آئینہ روایات کو فرانسیسی مورخین کے کثیر اقتباسات کے ذریعے سے تاریخی شکل میں ڈھال دیا ہے { ڈی آجری نے بھی اسپیکلیجیم Spicilegium کی جلد دہم صفحہ ۵۳۴ میں اس کا تذکرہ کیا ہے } جافری مارٹل اور فلک آف جروسلیم کے عہد کے علاوہ اس کا باقی تمام حصہ قریب قریب بیکار ہے۔ فلک ریگن کی اپنی لکھی ہوئی مختصر سوانح عمری آنجو کی ابتدائی تاریخ کے لئے نیا ہی مستند تحریر ہے۔ جان (ارویٹر) نے جافری (حیون) کی جو ضخیم سوانح عمری لکھی ہے اس سے بھی بہت سی باتوں کا پتہ چل سکتا ہے اٹلی کی کیفیت یہ ہے کہ آرڈرک اور ’وقایع‘ دونوں اسٹیفن کے وسط عہد پر پیچکر بند ہو جاتے ہیں۔ اسی موقع پر آکر ولیم (نازیری) ’ہنگلڈن جیٹا اسٹیفنی‘ (Gesta stephenni) اور جیمس کے وقایع نگار سب کے تصانیف تمام ہو جاتے ہیں۔ جیٹا اسٹیفنی اسٹیفن کے ایک مورخ نے بہت ہی تفصیل کے ساتھ لکھی ہے اور جیمس کے وقایع نگاروں کے تحریرات اس عہد کے ابتدائی برسوں کے لئے نیا ہی کارآمد ہیں۔ ان تحریرات کو مسٹرین نے ستریں سوسائٹی کے جانب سے شائع کیا ہے۔ ہنری ثانی کے اوائل حکومت کے تعلق اٹلی کا تاریخی علم ادب بالکل سراسر جھٹ کی سوانح عمریوں اور خطوں کو کینن، رابرٹس نے بڑی محنت سے جمع کر کے رولز سیریز (سلسلہ صحائف) کے تحت میں شائع کیا ہے {

آنجو کے کاؤنٹ حکمران آنجو کے دور کی تاریخ اٹلی کے بخوبی سمجھنے کے لئے ہمیں اول خود آنجو کے کچھ حالات جاننا چاہئیں۔ ہنری ثانی اور اس کے بیٹوں نے جس طرح آنجو کی وسیع سرزمین درختے میں پائی تھی اسی طرح ان کی طرز عمل اور افتاد طبیعت بھی ان کی میراثِ خاندانی تھی۔ جس وقت سے بریٹنی کے ایک کلڑھارے کی اولاد لے نہ صرف آنجو پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ ٹورین، مین، پائٹو، گیسکوٹی، اورتی، اکومین، اور نارمنڈی کی بھی مالک ہوتی جاتی تھی (اور بالآخر نارمنڈی کی فتح کردہ وسیع مملکت کی شاہی بھی حاصل کر لی)۔ اسی وقت سے آنجو کے کاؤنٹوں کے ہر فعل سے تاریخ اٹلی کی آئندہ رفتار کے لئے سامان فراہم ہو رہے تھے۔ ان کے

خاندان کا مورث اعلیٰ الفرڈ کا ہمصر تھا۔ ڈین اس زمانے میں جس طرح
 یٹز کے گرد و نواح کو تباہ کر رہے تھے اسی طرح وہ لوہ کے قرب و جوار کو بھی
 برباد کر رہے تھے۔ اس زمانے میں فرانس و بیٹینی کے درمیان حد فاصل کے
 طور پر کچھ زمین متنازعہ فیہ تھی۔ اسی متنازعہ فیہ زمین کے وسط میں ٹارٹلف
 دی فارسٹر (بن باسی) رہتا تھا۔ اس پُر آشوب زمانے میں رہنری و شکار
 سے وہ اپنی بسر اوقات کرتا تھا۔ اور اس کے قریب، جنگل میں اس طرح
 آزادانہ رہتا تھا گویا وہ کسی سلطنت کے تواین و قواعد کا پابند نہیں ہے۔
 جنگل کی سختیاں برداشت کرتے کرتے اس نے ابھی طرح سیکھ لیا تھا کہ
 ”دشمن پر حملہ کرنے، خالی زمین پر سونے، گرسنگی و محنت کے برداشت کرنے“
 اور بنامی کے سوا اور کسی شے سے نہ ڈرنے کے طریقے کیا ہیں۔ ڈین کے
 خلاف اس نے شاہ چارلس (اقوع) کا ساتھ دیا اور اس طرح لوہ کے
 قریب بہت وسیع اراضی حاصل کر لی۔ اس کے بیٹے انگلکر نے شامیوں کو
 ٹوری اور مغربی سرزمین سے خارج کیا جسے لوٹ کر اور جلا کر ان لوگوں
 نے تباہ و ویران کر دیا تھا۔ یہی انگلکر آنجو کا پہلا کاؤنٹ ہوا، گرتارلف
 اور انگلکر کے افسانے باصویں صدی کے کسی مننی کے نتیجہ تخیل سے زیادہ وقع نہیں
 ہو سکتے۔ تاریخ میں جس قدیم ترین کاؤنٹ کا ذکر ہوا ہے وہ فلک احمد ہے فلک
 نے فرانس کے ان ڈیوکوں سے تعلق پیدا کر لیا تھا جو اب سخت سے بہت
 قریب ہوتے جاتے ہیں اور انعام کے طور پر آنجو کا منصب کاؤنٹ اسے
 مل گیا تھا۔ اس کے بیٹے کا زمانہ صلح و آشتی کے ساتھ گذرا اور ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ طوفان جنگ میں کچھ دیر کے لئے سکون سا پیدا ہو گیا تھا کیونکہ
 اس کے خاندان کے تمام اگلے پچھلے سلسل جنگ و جدل میں مصروف رہے

اپنے تمام خاندان میں فلک دی گلا (نیکدل) ہی ایک فرد ہے جس نے کوئی لڑائی نہیں لڑی۔ اسے مسرت اس سے ہوتی تھی کہ وہ نوز کے گرجے کے اندر گانے کے کمرے میں بیٹھے اور کینن (مہتمم کلیسا) کھلائے۔ ایک مرتبہ کسی مائیس (عید مارٹن) کی شام کو وہ پادریوں کے لباس میں گارہا تھا بادشاہ کیوس وی آڈریر، گرجے میں پہنچا۔ امرانے مسخر کے طور پر اس کا ڈنٹ پادی کی طرف اشارہ کیا تو بادشاہ نے ہنسر کہا ”وہ بالکل قیسوں کی طرح گاتا ہے“ مگر فلک بھی جواب کے لئے تیار تھا اس نے بادشاہ کو لکھا کہ ”اے میرے آقا! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک بے علم بادشاہ ایک تاجدار گدھا ہے“ فلک فی الواقع قیس نہیں تھا بلکہ ایک مشغول کار و دستہ حکمراں تھا، وہ اس تباہ شدہ زمین کے ایک ایک کونے کی خبر لیتا اور ہر جگہ اس و اماں قائم رکھتا، کوئی جگہ اس کے عدل و انصاف سے محروم نہیں رہی تھی۔ اس خاندان میں وہی ایک شخص ہے جسے لوگوں نے ”نیکدل“ کا خطاب دیا تھا۔

فلک کا بیٹا چافری گرس گادون (زرد قبا) بالطبع ایک جری و مشہور سپاہی سے زیادہ نہ تھا وہ اپنے طاقتور ہمسایگان بلوآے اور شامپین کے کاؤنٹوں کے تابع بن گیا۔ مگر اس کے جانشین نے پھر اس ماتحتی کے جوے کو کندھے سے اتار پھینکا۔ فلک نیرا (اسود) آنجویوں میں سب سے بڑا کاؤنٹ ہوا ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس میں ہیں ان مخصوص خصائل کا سرخ ملتا ہے جس پر یہ خاندان باوجود نقصانات کے استواری کے ساتھ دوسو برس تک جا رہا؛ فطرتی محبت کا اس میں شائبہ تک نہیں تھا نوجوانی میں اس نے اپنی ایک بیوی کو لکڑیوں کے انبار پر جلا دیا۔ افسانے میں

فلک اسود
۱۰۲۰-۹۸۴

مذکور ہے کہ جب وہ اسے اس متصل کی طرف لے چلا تو وہ نہایت ہی خوشنما و شاندار لباس پہنے ہوئے تھا۔ بڑھاپے میں اس نے اپنے بیٹے کے خلاف ایک بہت ہی سخت جنگ کی، اور جب اس کا ہزیمت خوردہ لڑکا اس ذلت کے ساتھ (جو سخت ترین دشمن کے لئے مخصوص تھی) کہ باربرداری کے جانور کی طرح اس پر چار جامہ کسا ہوا اور اس کے منہ میں لکام لگی ہوئی مٹی معافی کے لئے گھٹنوں کے بل چلنا ہوا اس کے قدموں پر گرا تو یہ بڑھاپا جوش مسرت میں چلا اٹھا کہ ”آخر تم مفتوح ہوئے۔“ فلک ہی کی ذات سے وہ ذلیل تو ہم پرستی شروع ہوئی جس نے پلینٹینٹ کے ادائل حکومت کے عہد تو ہم پرستی کو بھی مات کر دیا۔ فلک نے اگرچہ کلیسا کی زمینوں کو لوٹ لیا تھا اور اہل کلیسا کی ملازمتوں کو تحارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا مگر روز قیامت کا خوف اسے بیت المقدس لے گیا۔

یروشلیم کی سڑکوں پر وہ اس ہیئت سے نکلا کہ اس کے گلے میں رکی پڑی ہوئی تھی، پاؤں ننگے تھے، اور کندھوں پہ زور زور سے کوڑے پڑ رہے تھے۔ اس حالت میں وہ چلا چلا کر توبہ کرتا جاتا تھا گویا اس طرح اس نے شہادت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ ہربرت (لی مان) نے اسے قطعی تباہی سے بچا لیا تھا لیکن اس وفاداری کا صلہ اسے یہ ملا کہ فلک نے اُسے قید میں ڈال دیا اور اس کی زمین غضب کر لی۔ شاہ فرانس کے دربار میں اس نے دو قاتلوں کو بھیجا کہ جس وزیر نے اس کی دوستی میں خلل ڈالا ہے اسے بادشاہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر ڈالیں اور اس طرح خوف دلا کر بادشاہ کی دوستی حاصل کی۔ اس زمانے میں اگرچہ غداری، غارتگری، اور خونریزی ایک عام بات تھی مگر فلک نے جس بیدردی سے ظلم کئے تھے

آنجوتی
عظمت

اس سے وہ زمانہ بھی شدید رہ گیا۔ لوگ یہ یقین کرنے لگے کہ ہم لوگوں کی بد کرداریوں کے باعث خدا کا غضب فلک کی صورت میں ظاہر ہوا ہے مگر خدا کے غضب یا لوگوں کی بد دعاؤں سے اس کے پچاس برس کی کامیاب حکومت میں کبھی کوئی سوء اتفاق نہیں پیش آیا۔ فلک اسود کی تخت نشینی کے وقت فرانس کے بڑے صوبوں میں آنجوتی اہمیت سب سے کم تھی مگر سن ۱۷۹۲ء میں جب اس کا انتقال ہوا ہے اس وقت آنجوتی اگر دست میں نہیں تو کم از کم طاقت میں سب سے اول تھا۔ فلک ایک صاحب تدبیر، صاحب رائے، سیلے الغم اور فوری عملہ کر دینے والا شخص تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی زندگی بھر اپنے رفیبوں پر برابر فحش حاصل کرتا رہا۔ وہ ایک کار آزمودہ سپہ سالار ہونیکے علاوہ ذاتی شجاعت کا ایسا جوہر رکھتا تھا جو اس کے اخلاف کے بڑے سے بڑے شخصوں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس نے جو پہلی لڑائی لڑی ہے اس میں ایک وقت ایسا آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجوتی شکست ہو جائیگی۔ اہل بریٹنی کی ایک مصنوعی بازگشت نے آنجوتی کے سواروں کو پوشیدہ کیونگا ہوں کی قطار پر پہنچا دیا اور کاؤنٹ خود بہت زور سے زمین پر گرا، مگر آدمیوں اور گھوڑوں کے اژدہام سے نکل کر وہ بالکل تندرست تھا۔ ایک آدمی کی طرح "ڈشمنوں پر نوٹ پڑا" اور غلے کے انبار کی طرح انہیں اڑا دیا۔ انجلم میں میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ جنگجوئی کے ان خوبیوں کے ساتھ ہی اس میں سیاسی تنظیم کی قوت، دور رس اتحادات کی قابلیت، اور ملک داری کے صفات بھی موجود تھے، یہ تدبیر ملک داری آنجوتیوں میں ورثاً منتقل ہوتی رہی اور جس طرح اس خاص قابلیت

کے باعث وہ اپنے وقت کے حکمرانوں کی داغی سطح سے بلند ہو گئے تھے اسی طرح اپنی بہکاریوں کے باعث انسانی درجے سے نیچے گر گئے تھے۔ میدان کاکرو میں بریٹنی کی ہزیمت کے بعد اس نے بتدبیر جنوبی ٹورین کو اپنی سلطنت میں ضم کر لیا اور اپنی مستعد کاری سے تمام ملک کو تپوں اور خانقاہوں سے معمور کر دیا۔ اس کا ایک قلعہ اس وقت تک ڈرمل میں موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس قلعے کے تاریک برج سے کاؤنٹ اسود کی روح

لوار کی منور وادی کو دیکھ رہی ہے۔ پانٹلیوے کی فتح نے بلا سے کے ۱۰۱۶ رقیب خاندان کو پامال کر دیا، سام کے قبضے سے جنوب میں اس کی فتح مکمل ہو گئی، شمالی ٹورین بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے فتح ہوتا گیا یہاں تک کہ صرف ٹور، آنجو کے مقابلے کے لئے رہ گیا۔ قبل اس کے کہ یہ بڑھا اپنے ناتمام کام کو اپنے بیٹے کے لئے چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کرے اس نے مین کے کاؤنٹ ہربرٹ ویک ڈاک کو بھی دغا سے گرفتار کر لیا اور مین بھی اس کے بس میں آ گیا۔ جنگجوی کے لحاظ سے جازری مارٹل اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا، ایک فیصلہ کن فتح سے ۱۰۶۶-۱۰۶۰ پانٹو اس کے قبضہ قدرت میں آ گیا اور دوسری فتح سے ٹور کاؤنٹ بلوار کے ہاتھ سے نخل آیا۔ لی ان پر قابض ہو کر وہ نارمن کی سرمد تک پہنچ گیا لیکن یہاں اس کی ترقی کو ولیم فاتح نے اپنی خداداد قابلیت سے روک دیا، اس کے بعد ہی مارٹل کا انتقال ہو گیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجو کی عظمت کا خاتمہ ہو گیا ۴

جازری کے جانشین فلک ریکن کے عہد میں 'نارمن' مین پر قابض آنجوی ہو گئے تھے اور ملک اندرونی مناقشات میں مبتلا تھا۔ اس کے ازدواج

ساتھ ہی خود کاؤنٹ ریکن کی قوت انتظامی بھی کمزور تھی۔ لامحالہ آئجو اپنے رقیبوں کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا ہو گیا تھا مگر ریکن کے بیٹے فلک آف جروسلم کی تخت نشینی سے اس میں تازہ قوت آگئی۔ وہ کبھی شیرو سرنارمن امرا کو بغاوت پر ابھارتا، کبھی رابرٹ کے بیٹے ولیم کے حقوق کی اس کے چچا کنگ مقابلے میں تائید کرتا، اور فرانس کے ساتھ (جسے اب ہر طرف سے بادشاہ انگلستان اور اس کے حلیف کا ڈشان بلوا اور شامپین نے گھیر رکھا تھا) وہ ہمیشہ ایک وفادار رفیق کی طرح پیش آتا تھا، ان وجوہ سے فلک ہی ایک ایسا دشمن تھا جس سے نہی اولیٰ فی الواقع خوف کرتا تھا، اسی مخالفت کو مٹانے کے لئے بادشاہ نے یہ کیا کہ کاؤنٹ کے بیٹے جازری (حسین) کے ساتھ اپنی بیٹی مثلڈا کا عقد کر دیا۔ کوئی دوسرا تعلق اس سے زیادہ غیر ہر دل عزیز نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جس خفیہ طریقے سے اس کا عملدرآمد ہوا اس سے بیرونوں نے یہ بات پیدا کی کہ وہ اپنی قسم سے آزاد ہو گئے ہیں کیونکہ اگر کسی برین کے اولاد نرینہ نہ ہو تو وہ اپنی لڑکی کا شوہر بنیر بادشاہ کی مرضی کے تجویز نہیں کر سکتا تھا اور اسی لئے انہوں نے کینچ تان کر یہ قیاس بالمثل تایم کیا کہ مثلڈا کے عقد کے لئے ان کی رضامندی ضروری تھی۔ مثلڈا کا یہ شوہر جازری نہایت حریص شخص تھا اور اسی وجہ سے اس کی طرف سے سخت اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ اسے سین تو کہتے ہی تھے اس نے پینٹونٹ کا لقب بھی حاصل کیا تھا کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ اپنے خود میں آئجو کی ایک معمولی جھاڑو لگائے رہتا تھا۔ اس کے دعاوی کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ اس نے نارمن امرا سے

سازش کر لی اور ہنری کو اس غیر متوقع حملے کے دفعیہ کے لئے تیزی کے ساتھ سرحد پر جانا پڑا مگر اس کے پہنچ جانے سے سازش ٹوٹ گئی اور اہل آئجو واپس چلے گئے۔ بڈھا ہنری فارسٹ آف لائمنز کی طرف پلٹ گیا اور وہاں پہنچکر اس کا انتقال ہو گیا ۛ

ہنری کا
انتقال
۱۱۶۵

اسٹیفن آف
بلوائے

روٹن کے اسٹیفن عظیم نے ہنری کے بستر مرگ سے لکھا تھا کہ ”خدا اسے وہ امن عطا کرے جس کا وہ اس درجہ خواہاں تھا“ حقیقت یہ ہے کہ اس کے ساتھ نارمن حکومت کے طویل زمانہ امن کا خاتمہ ہو گیا، اس کے خیر انتقال کے ساتھ ہی ملک میں طوائف الملوک پھیل گئی اور اسی آشوب میں اس کا بھانجا اہل اسٹیفن لندن کے دروازے پر آ موجود ہوا، اسٹیفن فاتح کی لڑکی، اڈیلا کا بیٹا تھا، اڈیلا نے بلوائے کے ایک کاؤنٹ سے عقد کر لیا تھا مگر اسٹیفن کی پرورش انگریزی دربار میں ہوئی تھی اور فاتح کی اولاد میں اپنے بھائی کے سوا تمام مردوں میں وہ سب سے قریب تر وارث تھا کیونکہ اس کا مانوں زاد بھائی رابرٹ، فلیٹڈرز کی جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ اس کے دعوے کو اس کی ہردلعزیزی سے بھی تقویت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ اگرچہ محض ایک سپاہی تھا مگر اس کی خوش مزاجی، اس کی فیاضی، یہاں تک کہ اس کے اسراف نے بھی اسے سب کی نظروں میں عزیز بنا دیا تھا، لندن نے ایک عام جوش کے ساتھ اس وقت اس کا استقبال کیا جبکہ نہ کوئی امیر اس کے ساتھ شریک ہوا تھا اور نہ کسی شہر نے اس کے لئے اپنے دروازے کھولے تھے۔ قومی مجلس مرتب کرنے کے لئے نہ بیرن موجود تھے نہ مقدایان دین، مگر اس بڑے شہر نے بطور خود ان کا کام انجام دینے میں مطلقاً تامل نہ کیا۔ بادشاہ کے انتخاب میں لندن کے باشندوں کی آواز ایک مدت

سے منظوری عام کی قائم مقام سمجھی جاتی تھی، مگر لندن کا اس طرح پر بطور خود حق انتخاب کا دعوے کرنا اس آزادی کی ایک علامت تھی جو ہنری کے عہد میں تمام انگلستان میں پیدا ہو گئی تھی۔ تاج کے موروثی مشیروں کی عام موجودگی کی کچھ پرواہ نہ کر کے لندن کے اکابر و عقلماند نے نوک موٹ مجلس قبا ئلی کو طلب کیا، اور اس مجلس نے سلطنت کی بسود کے لئے خود اپنی مرضی سے بالاتفاق یہ طے کر دیا کہ "ایک بادشاہ کا انتخاب ہونا چاہئے۔" ان کے پر وقار مباحثے کا انجام اسٹیفن کے انتخاب پر ہوا۔ شہریوں نے اپنے جان و مال سے بادشاہ کی حفاظت کرنیکی قسم کھائی اور اسٹیفن نے یہ حلف اٹھائی کہ وہ اپنی پوری قوت ملک کے امن و امان اور حکومت کی بہتری میں صرف کر دینگا۔

اسٹیفن اور لندن نے اپنی قسم پوری کر دکھائی مگر اسٹیفن نے اپنی حلف کو پس پشت ڈال دیا۔ اس کی اُنیس برس کی حکومت میں ملک کے اندر جیسی ہنگامہ آرائی اور بد نظمی برپا رہی، تاریخ انگلستان میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ مثلاً کے جانبداروں نے بھی اسٹیفن کی بادشاہ کو تسلیم کر لیا تھا مگر اس کی کمزوری اور بد اطواری سے بہت جلد جاگیرداروں کو سرکشی کا موقع مل گیا۔ ۱۱۳۵ء میں جنوبی و مغربی انگلستان میں رابرٹ (ارل گلوسٹر) نے بیرونوں کو شورش پر آمادہ کرنیکا منصوبہ کیا۔ شاہ اسکا لینڈ بھی ساتھ ہو گیا اور شمالی سرحد پر اس نے اپنی فوجوں کا تاننا باندھ دیا۔ اسٹیفن خود مغرب کے باغیوں کے مقابلے پر گیا اور برٹس کے سوا شاید ہی اس نے کوئی اور قلعہ ان کے پاس باقی چھوڑا ہو۔ گیلوے اور اسکا لینڈ کے وحشی قبائل کی غارتگری و ستکاری نے اہل شمال کے جوش کو بچھ کا دیا۔

اسٹیفن اور
طبیبین

ہیرن اور آزاد اشخاص یارک میں اسقفِ اعظم تھرستون کی سیادت میں جمع ہوئے اور نارتھ الرٹن کے میدان میں پہنچ کر دشمن کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ ڈرہم کے سنٹ کتھبرٹ، یارک کے سنٹ پٹر، بورلی کے سنٹ جان اور رپن کے سنٹ ولفرڈ کے مقدس نشانات ایک تہی پر لگائے گئے اور یہ علم جنگِ علم ۱۱۳۸ چار پھیوں کی گاڑی پر نصب کیا گیا جو اس مجمع کے وسط میں کھڑی تھی۔ اہل گیلوے کے سردار نے آواز بلند یہ کہا "میں کسی قسم کی زرہ نہیں پہنے ہوں مگر آج وہاں تک پہنچو گا جہاں تک کوئی اور زرہ پوش شخص پہنچ سکیگا" اس کے ہمراہیوں نے "بیشک بیشک" کے وحشیانہ شور کے ساتھ مل کر لڑا اور عقب سے لولینڈز کے نارمن نانٹ بھی اس کے ساتھ آئے۔ اس انبوہ نے بڑی تندہی و شدت کے ساتھ علم کے گرد کے انگریزی سپاہیوں پر حملہ کیا مگر کچھ پیش نہ گئی اور سخت ہزیمت اٹھا کر تمام فوج ابری کے ساتھ کارلائل کو فرار ہو گئی۔ لیکن اسٹیفن میں سوا سپاہیانہ بہادری کے اور کوئی شاہانہ وصف نہیں تھا، ملک بہت جلد اس کی گرفت سے نکلنے لگا۔ ہنری کے مضبوط ہاتھوں سے آزاد ہونیکے بعد ہیرنوں کے قصر قصر نہیں رہے تھے بلکہ قلعے ہو گئے تھے اور حفاظت کی ضرورت سے ان کی تقلید مقتدایان دین اور ان امرانے بھی کی جو سابق بادشاہ کے عہد میں وزارت کا کام انجام دے چکے تھے۔ راجر اسقف سالسبری و نائب السلطنت اور اس کا بیٹا راجر چانسلر (صاحب الدیوان) بھی آں اضطراب عام میں مبتلا ہو گئے انہوں نے بھی اپنے قصروں کو قلعہ بند ۱۱۳۹ کر لیا اور بادشاہ کے دربار میں ایک زبردست فوج اپنے ہمراہ لیکر حاضر ہوئے۔ بادشاہ اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے ضبط سے کام نہ لے سکا اور

اس نے بمقام آکسفورڈ راجہ کو مع اس کے بیٹے چانسلر اور اس کے بھتیجے اسٹیف لکن کے گرفتار کر لیا۔ اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے تعلقے بادشاہ کے حوالے کر دیں۔ غیرت کی وجہ سے نائب السلطنت کا دل ٹوٹ گیا، سال کے ختم ہونے تک وہ مر گیا اور اس کا بھتیجا نکل آت الیٰ (خزائنچی) ملک سے نکل دیا گیا، خاندان راجہ کے زوال سے حکومت کا سارا انتظام متزلزل ہو گیا۔ بادشاہ کی زیادتیوں کے باعث طبقہ مذہبی بھی اس کی تائید پر نہ رہا اور مثلاً کے انگلستان میں وارد ہونیکارستہ کھل گیا، ملک بہت جلد دونوں حریفوں کے جانبداروں میں منقسم ہو گیا۔ مغرب مثلاً کی تائید میں تھا اور لندن و مشرق اسٹیفن کی تائید میں۔ لکن میں اسٹیفن نے شکست کھائی اور وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گیا اور تمام ملک نے مثلاً کو ملکہ تسلیم کر لیا۔ مگر جب لندن نے مثلاً سے قدیم رعایتوں کے استعمال کی اجازت چاہی تو اس نے سخاوت کے ساتھ اس استدعا کو نامنظور کر دیا۔ اس سے لندن کے باشندے سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی مثلاً کے اس غم نے کہ وہ اسٹیفن کو قید ہی میں رکھے گئی اسٹیفن کے زخا میں دو بارہ جان ڈال دی اسٹیفن کسی نہ کسی طرح قید سے چھوٹ گیا اور مثلاً کو آکسفورڈ کی طرف بھاگنا پڑا اور وہیں اسٹیفن نے اسے گھیر لیا مگر وہ سفید لباس پہنکر ایک چور دروازے سے نکل گئی اور قبل اس کے کہ اس پر کسی کی نظر پڑے برف جھے ہوئے دریا سے گذر کر ابلڈن کی جانب روانہ ہو گئی۔ چھ برس بعد وہ نارمنڈی کو واپس گئی۔ جنگ نے درحقیقت غارِ سگرمی اور خونریزی کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ جاگیردار پیرنوں کے ظلم و ستم سے

ظاہر ہو گیا کہ نارن بادشاہوں کی حکومت نے انگلستان کو کن مصیبتوں سے پناہ دے رکھی تھی۔ وقایع انگریزی کے اختتام پر اس زمانے کی مصیبتوں کی تصویر جن الفاظ میں کھینچی گئی ہے اس سے زیادہ خون چکان تصویر کسی قوم کے مصائب کی نہیں مل سکتی۔ وقایع کا بیان ہے کہ وہ آدمیوں کو الٹا لٹکا کر ان کے نیچے نہایت غلیظ دھواں کر دیتے تھے کسی کا انگوٹھا بانڈھ کر اور کسی کا سر بانڈھ کر لٹکا دیتے اور جلتی ہوئی چیزیں ان کے پیروں میں بانڈھ دیتے تھے۔ گرہ دار رستیاں لوگوں کے سروں کے گرد لپیٹ کر گھماتے تھے یہاں تک کہ رسی بھینچے میں اتر جاتی تھی، لوگوں کو ایسے قید خانوں میں بند کر دیتے تھے۔ جہاں سانپ، بچھو، اور مینٹک ریگلتے پھرتے تھے، کسی کو چھوٹے اور تنگ صندوق میں رکھ دیتے تھے جو زیادہ گہرا نہیں ہوتا تھا اور اس کے اندر نوکدار پتھر بچھے ہوتے تھے اور اوپر سے اس طرح دباتے تھے کہ اس کے تمام اعضا ٹوٹ جاتے تھے۔ اکثر قصرات میں ایک نہایت قابل نفرت و مصیبت دہ آگہ تعذیب ہوتا تھا جسے کام میں لائیکے لئے دو تین آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی ترکیب یہ تھی کہ اسے شہتیر میں لٹکا دیتے اور اس میں تیز لوبہ آدمی کی گردن کے گھیر لینے کے لائق لگا ہوتا تھا اس طرح نہ وہ بیٹھ سکتا تھا، نہ لیٹ سکتا تھا اور نہ سو سکتا تھا، اور تمام لوہے کا بوجھ اسی کے اوپر پڑتا تھا۔ ہزار ہا آدمی بھوکے پیاسے رکھ کر مار ڈالے گئے۔“

انگلستان اس جاگیردارانہ طوائف الملوک کی سے کلیسا کی کوششوں کی انگلستان بدولت رہا ہوا۔ اسٹیفن کے ابتدائی عہد میں اس کے بھائی ہنری نے وکلیسا۔

(جو ونچسٹر کا اسقف اور انگلستان میں پوپ کا وکیل تھا) یہ کوشش کی تھی کہ اسقف کی مجالس منعقد کر کے شاہی یا قومی اقتدار کی عدم موجودگی کی تلافی کرے اور کلیسا کے اخلاقی حق کے زور پر جس بادشاہ کو چاہے تخت کے ناقابل قرار دے، ہنری کے فرمان کی رو سے بادشاہ اور رعایا کے مابین جو عہد و پیمان قائم ہوا تھا وہ نظام سلطنت کا جزو ہو گیا تھا، اسقف کے فرمان سے اس میں اور نئی طاقت پیدا ہو گئی تھی مگر اس عہد و پیمان کے الفاظ کے لئے بادشاہ کو انتہا دہش تک مجبور کر دینا انہیں مجالس مذہبی کا کام تھا۔ ان مجالس نے اسقف و مثلاً کو یکے بعد دیگرے معزول کر کے زمانہ مابعد میں اڈورڈ اور رچرڈ کے معزول کئے جانے کا راستہ کھول دیا اور جینز کے معاملے میں سلسلہ جانشینی کی تبدیلی کے متعلق جو کارروائی ہوئی اُسے بھی انہیں مجالس کا اثر سمجھنا چاہئے۔ اہل کلیسا کی جانب سے اس حق کا مطالبہ اگرچہ اُن کے حد سے بڑھا ہوا اور بالکل بے اصول معلوم ہوتا تھا مگر انہوں نے اپنے اس فعل سے یہ ظاہر کر دیا کہ قوم کو عہد حکومت کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔ ہنری (ونچسٹر) اگرچہ نیم راہ و نیم سپاہی "کہلاتا تھا مگر اس کا روحانی اثر بہت کم تھا اور مذہبی طاقت کو پوری طرح کام میں نہیں لاسکتا تھا، البتہ اسٹیفن کے اختتام عہد کے قریب کینزبری کا اسقف اعظم تھیوبالڈ قوم کو ایک حقیقی اخلاقی رہبر مل گیا تھا، تھیوبالڈ کا دست راست ٹامس بگٹ تھا اور اسی تعلق کی بنا پر اس نے بعد میں بہت صحیح کہا تھا کہ ہنری کو سلطنت اور انگلستان کو آزادی کلیسا ہی کے طفیل میں

ملی ہے۔ ٹامس گلبرٹ بچٹ کا بیٹا تھا جو لندن کا صدر (پورٹریو) رہ چکا تھا اور اب بھی چیپ سائڈ میں مرسرز چپیل (سبب بزازاں) کے قریب اس کے مکان کا پتہ چلتا ہے، ٹامس کی ماں روپس اپنے وقت کی عبادت گزار عورتوں کا ایک نمونہ تھی۔ وہ ہر سال اپنے لڑکے کو اس کی سالگرہ کے موقع پر روپے کپڑے اور کھانے کی چیزوں سے وزن کرتی اور انہیں غیبوں میں تقسیم کر دیتی تھی۔ ٹامس نے ان نارمن بیرونوں اور پادریوں کی صحبت میں پرورش پائی تھی جو اکثر اس کے باپ کے گھر آتے رہتے تھے اور اس طرح خلقی آزادی کے ساتھ اس میں خوش مذاقی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ مرٹن کے مدرسے سے وہ پیرس کے دارالعلوم کو گیا اور وہاں سے واپس آکر اپنے زمانے کے نوجوان امرا کے انداز سے زندگی بسر کرنے لگا، وہ ایک کشیدہ قامت، خوش رو، روشن چشم، حاضر جواب، اور ظریف شخص تھا۔ اس کی طبیعت کا استقلال کھیل تک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا باز پانی میں گر پڑا اسے سچانیکے لئے وہ پن چکی کی دھار میں کود پڑا اور پھٹنے کے نیچے پس جانے سے بال بال بچ گیا۔ جب باپ کی دولت تلف ہو گئی تو وہ اسقف اعظم تھیوبالڈ کے دربار میں پہنچا اور انگلستان کو مصائب سے نجات دلانیکے منصوبوں میں وہ بہت جلد اسقف اعظم کا مہتمم علیہ بن گیا۔ مثلاً کا بیٹا ہنری اپنے باپ جافری کے انتقال کی وجہ سے اب نارمنڈی و آنجو کا مالک ہو گیا تھا اس نے اکوئین کی ڈچرینی (پائٹو) سے شادی کر لی تھی اور اس ذریعے سے اس کے مالک میں اکوئین کا بھی اضافہ

ہو گیا تھا، ٹامس نے تھیوبالڈ کی جانب سے ہنری کو انگلستان میں بلایا اور اس کی آمد پر اسقف اعظم نے ہنری و اسٹفن کے درمیان پڑ کر ان میں صلح کرا دی اور ولنگفرد میں ایک معاہدہ مرتب ہوا جس سے طوائف الملوک کی تمام خرابیوں کا انسداد ہو گیا اور یہ قرار پایا کہ بیرونیوں کے قلعے گرا دئے جائیں شاہی اراضیاں واپس مل جائیں اور غیر ملکی سپاہی ملک سے خارج کر دئے جائیں۔ اسٹفن بادشاہ تسلیم کیا گیا اور اس نے ہنری کو اپنا وارث قرار دیا۔ اس معاہدے کو ایک برس بھی نہیں گذرا تھا کہ اسٹفن کا انتقال ہو گیا اور ہنری انگلستان میں اسکا جانشین ہوا۔

جزو ہفتم

ہنری ثانی

۱۱۵۴ - ۱۱۸۹

[انسداد - اسقف اعظم ٹامس کے انتقال کے وقت تک کے حالات صرف خود گت کے اور ذہنیت و جان (سالیری) کے ان خطوط میں لیس گئے جنہیں گئین رابرٹن اور واکٹر جانلڈ نے جمع کیا ہے مگر اس کمی کے بعد پھر تاریخوں کا ایک وسیع ذخیرہ دیا ہوا ہے۔ ۱۱۵۴ء سے ۱۱۸۹ء تک کے لئے ہاری مقدم بند وہ دفاع ہے جو پڑھرا کے بندگت کے نام سے مشہور ہے اور جس کی نسبت ڈاکٹر اسٹیر نے یہ لکھا ہے کہ وہ غالباً شاہی خزانچی اسقف چرڈ فریٹل کی تصنیف ہے۔ ماجر (لوڈن) نے اسے سن ۱۱۸۹ء تک پہنچایا ہے۔ یہ دونوں نہایت ہی قابل قدر تصانیف ہیں اور ڈاکٹر اسٹیر نے انہیں سلسلہ صحافت (رولز) کے تحت میں مرتب کیا ہے۔ خود ڈاکٹر مومون کے وہاچوں سے ہنری کے عدہ حکومت کی آئینی تاریخ پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے۔

ولیم (نیورڈ) کی تاریخ جو ۱۹۱۱ء پر ختم ہوئی ہے ولیم (مانزبری) کی تاریخ کی طرح ادبِ تعلیم کا نوز ہے مگر اپنی صاف سیاتی اور معاملہ نمئی میں آئزرائڈ کر سے بتر ہے۔ انہیں میں رالف ہائیکر، رالف (کامپٹن) اور جروین (کینٹبری) کے دکانچ اور سنٹ ہو (لنکن) کی سوانح بڑی کو بھی غمال کرنا چاہئے ان خاص تاریخی ذرائع کے علاوہ عام علم ادب کا بھی ایک ذخیرہ موجود ہے، جس میں جان (سالبری) کے رسائل جوائس کیمبرنس کے ضخیم تصانیف والزیپ کے مفاہمت و ملاجات گلیزل کی ایک قانونی تصنیف، فزیش کے ڈائلاگ آن دی اسکیر (کالمات نزا)، Dialogue on the Exchequer (گیم اور دیس کے افسانے اور سان گرامل کی نظم داخل ہیں لارڈ شٹن کی لائق آف ہنری دی سکٹ، سوانح عمری ہنری ثانی (Life of Henry the Second) اس زمانے کے حالات کا ایک کامل و مستدل خاکہ ہے۔ کین رابرٹسن کی بیوگرافی آف بکت (تذکرہ بکت (Biography of Beket) واقعات کے لحاظ سے صحیح ہے مگر اس کا انداز خالصانہ ہے ڈاکٹر اسٹرن نے اپنے سلکٹ چارٹرز (فرائین منتخبہ میں (Select Charters) مختلف قوانین اور کالمات نزا (Dialogue de Scaecario) کو طبع کر دیا ہے۔ ان کالمات سے کیوریا رجیس (Curia Regis) کے مالی انتظامات کے منسل حالات

معلوم ہوتے ہیں [ہنری اگرچہ ابھی نو عمر تھا مگر وہ حکمرانی کے قوی عزم کے ساتھ تخت پر متمکن ہوا تھا اور اپنی زندگی بھر استقلال کے ساتھ اس ارادے پر کاربند رہا۔ اس کے جسم کی ساخت بھی ایک کارگزار و جفاکش شخص کی سی تھی اور اس زمانے کے ایک سخت ترین کام کرنے والے شخص کے مناسب حال معلوم ہوتی تھی۔ اس کے جسم و بشرے، اس کے تن و توش اور قوت، اس کے ٹمٹاتے ہوئے چہرے، باریک کترے ہوئے بال ابھری ہوئی آنکھوں، نیل کی سی گردن، بھدے اور مضبوط ہاتھوں، جھکی ہوئی ٹانگوں، ان سب سے ایک تیز طبیعت، قوی اجسم کاروباری شخص کا انداز ظاہر ہوتا تھا۔ ایک شخص جو اسے خوب جانتا تھا کہتا ہے کہ "وہ تھکننا جانتا ہی نہیں۔ صبح سے شام تک کھڑے کھڑے گزار دیتا ہے۔" ہنری کے خصائل یہ تھے کہ وہ کام میں خوش سلیقہ،

ظاہر میں لاپرواہ اور کھانے میں محتاط تھا۔ نہ خود آرام کرتا نہ اپنے نوکروں کو آرام کرنے دیتا۔ وہ باتونی، تبتس اور قوی حافظہ کا شخص تھا۔ اُس کی باتوں میں خاص دل کشی پائی جاتی تھی، محبت ہو یا نفرت، وہ دونوں کو انتہا تک پہنچا دیتا تھا۔ علیت میں بھی اس کا پایہ بلند تھا وہ بہت بڑا شکاری تھا، اس کا عام انداز ایک درشت، خوش متعل مریج کار و باری آدمی کا سا تھا، ہنری کے ان ذاتی صفات نے اس کی حکمرانی پر بھی اثر ڈالا۔ اس کی تخت نشینی سے انگریزوں اور نارمنوں میں اتحاد پیدا ہونا شروع ہوا، ہسائگی، کاروبار اور ازدواج کے تعلقات نے ان دونوں کو ایک قوم بنا دینے میں بڑی مدد دی اور ایک متحدہ قومی حس پیدا ہونے لگی جس کے ساتھ قدیم طریقہ جاگیر دارانہ کی رکاوٹیں رفتہ رفتہ بیکار ہو جانوالی تھیں۔ ہنری کی نظر میں پرانے طریقہ جاگیرداری کی بہت کم وقعت تھی۔ عام طور پر لوگ گزشتہ زمانہ کا بڑا ادب و احترام کرتے ہیں مگر اُسے اس کا مطلق خیال نہ تھا۔ وہ ایک عملی شخص تھا اور اسلئے قدیم نظام حکومت سے اس کے اصلاحات کے کام میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں ان سے اسے سخت الجھن پیدا ہوتی تھی، وہ اس بات کے سمجھنے سے بالکل قاصر تھا کہ لوگ کیوں گزشتہ زمانے کے رسوم و روایات کے اس قدر دل دادہ ہیں اور کیوں وہ انہیں ترک کر کے قطعی اور یقینی ترقیاں حاصل کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگرچہ نظری طور پر اُسے حکومت کی حریف طاقتوں سے کسی قسم کی مخالفت نہ تھی، لیکن یہ بات اُسے بالکل معقول اور صریح معلوم ہوتی تھی کہ انتظام سلطنت کی اصلاح کے لئے ضرور ہے کہ طبقہ امرا اور

کلیسا میں سے کوئی ایک پائمال کر دیا جائے۔ اس نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ اسٹرن کے زمانے میں انگلستان جس طوائف الملوک میں مبتلا ہو گیا تھا اسکا علاج یہی ہے کہ زمام حکومت اس طرح بادشاہ کے ہاتھ میں ہو کہ کسی فرتے یا طبقے کا کوئی دخل نہ رہے تمام نظم و نسق شاہی ملازمین کے ذریعے سے انجام پائے اور انتظام عامہ میں امراء محض بادشاہ کے نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس نے عدالتی و انتظامی نظم و نسق کی اصلاح کو اپنا فرض خیال کیا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ عام خیالات و جذبات کی پر زور رو بھی اسی طرف آرہی ہے۔ اس کے گرد و پیش کے لوگوں پر جن اخلاقی و معاشرتی تحریکات کا اثر پڑ رہا تھا ان کی نسبت اس نے کچھ کیا تو یہی کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ مذہب کے معاملہ میں ہنری کی حالت یہ تھی کہ دوران عبادت میں وہ سرگوشیاں کرتا، لکھنے لگتا اور تصویر کی کتابیں دیکھتا جاتا تھا، کبھی اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتا تھا اور جوش و خشت میں کلمات کھرتک بکنے لگتا تھا، لا محالہ اس بادشاہ کے وقت میں مذہب یونانیو ناب الوطنی کے متراوت ہوتا گیا۔ جس بادشاہ نے اپنی تمام ہمت اس سلطنت کے باہم تنفق رکھنے پر صرف کر دی تھی جو قومیت کی ترقی سے بالیقین تباہ ہوئیوالی تھی، اس کے ہر چار طرف سمندر کے دونوں جانب بڑی بڑی قومیں پیدا ہو گئی تھیں اگرچہ یہ ایک طرح کی جو ملیج معلوم ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ ہنری کی تمام عظمت و شوکت کی مثال ایسی ہے گویا باصویں صدی میں پندرہویں صدی کے استغورزا کو لا بٹھایا ہے اپنے ضبط، طرز عمل، اور اپنی ہوشیاری سے اپنے زمانے کے عیس ترین جذبات کے

مخالف ایک سلطنت بنا رہا ہے جس کا انجام یہ ہونا ہے کہ وہ عام پسند
 قوتیں جن کی طرف سے اس کی ہوشیاری و مستعدی نے اسے اندھا
 کر رکھا تھا، اس سلطنت کو تباہ کر دیں۔ لیکن بالقصد نہیں تو بلا قصد
 ہنری نے اپنے تمام پیشروں سے زیادہ انگلستان کو اتحاد و آزادی کیلئے
 تیار کیا اور یہ راز اس کے خاندان کے زوال کے بعد کھلا۔

ہنری او
 کلیسا

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہنری کو کلیسا کی مدد سے تخت حاصل ہوا
 تھا۔ اس کا پہلا کام یہ تھا کہ ہنری اول کے طریق کو از سر نو قائم کر کے
 ان خرابیوں کا تدارک کرے جو اس کی تخت نشینی کے وقت تک
 انگلستان میں پیدا ہو چکی تھیں۔ تھیوبالڈ کے مدد و مشورے سے غیر ملکی
 لیبرے سلطنت سے بحال دئے گئے اور باوجود بیرونوں کی مخالفت کے
 ان کے قلعجات گرا دئے گئے۔ شاہی عدالت اور مجلس خزانہ کا انتظام
 از سر نو عمل میں آیا لیکن ائمضائے عمر و ضعف جسمانی کی وجہ سے مقتدا
 اعظم عمدہ وزارت سے کنارہ کش ہو گیا اور اس کے اختیارات
 ٹامس بکٹ کے سے نوجوان و زبردست شخص کے ہاتھ میں آ گئے۔
 بکٹ مدت تک تھیوبالڈ کے متمد علیہ مشیر کی حیثیت سے کام کر چکا تھا
 اور تھیوبالڈ کے بعد بادشاہ نے اسی کو چانسلر بنا دیا۔ ٹامس اب باؤنٹا
 کی ناک کا بال ہو گیا اور بقول تھیوبالڈ "دونوں نوجوان ہم خیال
 و ہم رائے تھے"۔ ہنری اپنے چانسلر کے ہال (ایوان) میں دل لگی کرتا
 تھا، اور سڑکوں پر جاتے جاتے گھوڑے کو چکر دیکر اس کے کندھے
 سے جبا اتار لیتا تھا۔ اس نے اس عزیز کو دولت و اعزاز سے مالا مال
 کر دیا، مگر اس خیال کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ٹامس نے اس کی

طرز حکومت پر کچھ بھی اثر ڈالا ہو۔ اچھا ہو یا برا ہنری کا اصول عمل جو کچھ بھی تھا بالکل اسی کا تھا، اندرونی و بیرونی پریشانیوں کے باوجود اس نے اصلاح انتظام کے کام کو برابر جاری رکھا۔ ۱۵۵۰ء میں ویلز کی بغاوت نے اسے ایک فوج کی سپہ سالاری کرنے پر مجبور کیا دوسرے سال اُسے آبنائے کے پار صف آرا ہونا پڑا۔ وہ اس سے قبل ہی موجودہ فرانس کے ٹلٹ حصے کا مالک ہو چکا تھا۔ اس نے آبنائے میں اداؤں اپنے باپ کے ورثے میں اور نارمنڈی اپنی ماں کے ورثے میں پایا تھا اور جنوب کے سات صوبے پائٹو، سینٹون، اینگوس، لاپیچ، لوئس، پریگورڈ اور گیسکوئی۔ اس کی بیوی کے قبضے میں تھے۔ آکوئین کی فوج ہونے کے اعتبار سے ایسٹ ٹولوس کی بھی دعویٰ تھی اور ۱۵۶۹ء میں ہنری نے بروز شمشیر اس حق پر قابض ہونے کی تیاری کی، لیکن اس جنگ میں قسمت نے اس کی یادی نہ کی۔ لیوس شاہ فرانس ٹولوس میں آ پڑا اور اپنے وسیع ممالک کے نامربوط حقیقت سے آگاہ ہو چکے باعث ہنری اپنے بادشاہ کے ساتھ علانیہ مقابلہ کرنے سے مجھکتا تھا، اس نے اپنی فوجوں کو واپس کر لیا اور ۱۵۶۰ء میں سائٹے کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ ایک باضابطہ اتحاد ہو گیا اور ہنری کے سب سے بڑے بیٹے کی نسبت لیوس کی لڑکی سے ہو گئی، ماس اس تمام مہم میں اپنے سات سو ذاتی ناٹوں کے ساتھ بڑی ہی بہادری سے لڑا تھا مگر بادشاہ کو اس سے کچھ اور ہی کام لینا منظور تھا۔ تھیو بالڈ کے انتقال پر اس نے کیپٹر ہری کے راہوں اور خود ماس کو مجبور کیا کہ وہ اسقف اعظم منتخب کیا جائے اس تقرر سے ہنری کی غرض فوراً ظاہر ہو گئی۔ اس نے اسقف کے سامنے پ

ایہ تجویز پیش کی کہ جب کوئی پادری کسی جرم کا مرتکب قرار دیا جائے تو وہ جملہ اعزاز سے محروم اور بادشاہ کے حکام کے حوالہ کر دیا جائے۔ ہنری اول کے عدالتی اصلاحات سے جاگیردار پیرنوں کی مقامی عدالتیں پہلے ہی تمام اقدارات سے محروم ہو چکی تھیں، اب تمام عدالتی انتظام کے بادشاہ کے ہاتھ میں مجتمع ہو جانے میں اگر کوئی رکاوٹ حائل تھی تو وہ کلیسا کی عدالتیں تھیں، فاتح کے انتظام عدالت کی رو سے ان عدالتوں کو طبقہ مذہبی کے انصاف کا کامل اختیار حاصل تھا اور اُس زمانے کا طبقہ مذہبی ملک کے تمام تہذیب یافتہ لوگوں کو سمجھنا چاہئے۔ اساتذہ تو مطیع ہو گئے مگر مخالفت اس شخص کی طرف سے ہوئی جسے ہنری نے یہ سمجھ کر مقرر کیا تھا کہ وہ اس کے منصوبوں میں اس کا میں مددگار ہوگا۔ اپنے تقرر کے وقت سے ہمس ہمہ تن اپنے جدید فرائض کی انجام دہی میں منہمک ہو گیا۔ ہنری نے جب اسے اسقف اعظم مقرر کرنے کا منشا ظاہر کیا تو اس نے ہنس کر اپنے خوش رنگ لباس کی طرف اشارہ کیا اور کہا آپ اپنے کینٹری کے راہبوں کا سرتاج نہایت خوش لباس شخص کو تجویز کر رہے ہیں، مگر جب اس نے راہب کا لباس پہن لیا اور معتدلانے اول کا منصب اختیار کر لیا تو پھر وہ ایک پر جوش صداقت کے ساتھ تاز و نرم کو ترک کر کے رہبانیت کی طرف مائل ہو گیا، بد حیثیت وزیر بھی اس نے بادشاہ کے منصوبوں کی مخالفت کی تھی اور اپنی آئندہ مخالفت کو بھی جتا دیا تھا۔ اس نے کہ دیا تھا کہ ”آپ بہت جلد مجھ سے اسی قدر نفرت کرنے لگیں گے جس قدر اس وقت الفت رکھتے ہیں، کیونکہ آپ معاملات کلیسا میں وہ اختیار چاہتے ہیں جس پر میں

کبھی رضامند نہ ہونگا، ٹامس بکٹ کو یہ غرہ تھا کہ کلیسا کی آزادی پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا کیونکہ یہ اس کی مقدس ارث ہے لیکن ایک ہوشیار شخص کی دانشمندی سے یہ بہت بعید تھا کہ وہ ایک ایسے تبرک مقام کو جس نے ملک احمر (ریڈکنگ) جیسے ظالم و جابر کے متقابل میں علم و پارسائی کی حفاظت کی، یوں تباہ و غارت ہونے دے۔ اس معاملے میں کوئی اس کا معاون نہ تھا یہاں تک کہ پوپ نے بھی مکتا کی صلاح دی، اسقف نے اسے چھوڑ دیا اور ٹامس آخر مجبور ہوا کہ اس قانون سے اتفاق کر لے جسے جلس کلیئرڈن نے مرتب کیا تھا۔ بادشاہ نے ملک کے قدیم رواج پر زور دیا تھا، اور اس رواج کے تحقیق کے لئے سائبرس کے قریب مقام کلیئرڈن میں یہ مجلس منعقد ہوئی تھی اس تحقیقات کے متعلق بیرون اور استغفوں نے جو عرضداشت پیش کی وہی دستور کلیئرڈن کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ ایک طرح کا ضابطہ تھا جس کا بیشتر حصہ فلاح کے طریقہ پر مبنی تھا۔ اسقف اور رئیس خانقاہ کا انتخاب شاہی عمدہ داروں کے سامنے، شاہی معبد میں، اور بادشاہ کی منظوری سے ہونا قرار پایا تھا۔ منتخب شدہ مقدماتِ عظیم پر یہ شرط عاید کی گئی تھی کہ اپنے منصب پر فائز ہونیکے قبل وہ اپنی جاگیر کے لئے بادشاہ کی وفاداری اور بادشاہ کی جانب سے اس اراضی پر ایک بیرن کی حیثیت سے تابع رہنے اور محصول شاہی اور دربار کی حاضری وغیرہ جملہ جاگیردارانہ امور کی پابندی کا حلف اٹھائے۔ کوئی اسقف بلاشاہی اجازت کے ملک سے باہر نہیں جاسکتا تھا، نہ کوئی بڑا مستاجر یا شاہی ملازم بغیر بادشاہ کی مرضی کے خارج الملت کیا جاسکتا تھا نہ اس کی زمین

دستور
کلیئرڈن
۱۱۶۴

تھوڑے تعطیل کے تحت میں آسکتی تھی۔ اس ضابطہ میں جو کچھ نئی بات تھی وہ کلیسا کے عدالتی اختیارات سے تعلق رکھتی تھی۔ جب کسی پاڈری اور عام شخص کے مابین کسی مقدمہ میں یہ امر بحث طلب ہو کہ یہ مقدمہ کلیسا کی عدالت سے تعلق رکھتا ہے یا شاہی عدالت سے تو اس کا تصفیہ بادشاہ کی عدالت سے ہوگا۔ اسقف کی عدالت کو اپنے حدود اختیار کے اندر رکھنے کے لئے تمام مذہبی کارروائیوں میں ایک شاہی افسر موجود رہیگا۔ اور عدالت کلیسا میں جو پاڈری ایکبار مجرم ثابت ہو جائیگا وہ فوراً ملکی عدالت کے حدود ارضی میں آجائیگا۔ اگر انصاف میں کوئی نقص رہ گیا تو اس صورت میں اسقف اعظم کی عدالت کا مرافعہ بادشاہ کی عدالت میں ہو سکیگا۔ مگر بلا بادشاہ کی مرضی کے پوپ کی عدالت میں کوئی مراء نہ جاسکیگا۔ جہاں تک اشخاص کا تعلق تھا کلیسا اور صحن کلیسا کا امتیاز مقدس قائم رکھا گیا مگر راطاک و اشیا کے بارے میں یہ امتیاز منسوخ کر دیا گیا۔ مقتدائے اعظم نے پہلے تو ان قوانین کی منظوری سے سخت انکار کیا مگر آخر کار اسے منظور کرنا پڑا۔ لیکن بہت جلد ہی وہ اس سے پھر گیا۔ بادشاہ نے اس پر دشتناک غیظ و غضب کا اظہار کیا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی اخلاقی تائید اور ہمدردی اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس پر نہایت تعظیف وہ الزامات عاید کئے گئے اور چند ماہ بعد مجلس پارلیمنٹ میں لوگ یہ کہتے تھے کہ اس کی جان خطرے میں ہے اور سب نے اصرار کیا کہ اطاعت شاہی قبول کرے، مگر خوف و خطر کے پیش آنے پر اس شخص کی ہمت انتہائی کمال پر پہنچ گئی۔ وہ اپنے عمدہ جلیلہ کی صلیب ہاتھ میں لے کر شاہی عدالت میں گیا، امرا کو ڈانٹ بتائی کہ خیر وار مجھ پر کوئی

الزام نہ لگانا، اور پوپ سے معافہ کیا، جب وہ واپس چلا تو اس کے پیچھے
 "غدار" "غدار" کا شور بلند ہوا۔ اس لفظ پر اسقف اعظم نے پلٹ کر سختی
 کے ساتھ یہ جواب دیا کہ "اگر میں نائٹ ہوتا تو میری تلوار اس طعن کا
 جواب دیتی" رات کو وہ بھیس بدل کر بھاگ گیا اور فلینڈرز ہو کر فرانس
 پہنچا۔ چھ برس تک یہ متبادلہ نہایت تلخی اور سختی کے ساتھ جاری رہا۔
 اور پیرس میں دونوں طاقتوں کے گماشتے ایک دوسرے کے خلاف
 سازشیں کرتے رہے، اسقف اعظم کے رشتہ داروں کو انگلستان سے
 خارج کرنے میں ہنری نے بڑی بڑی ذلیل حرکتیں کیں اور انہیں
 بہت بری طرح ستایا۔ اس نے فرقہ سسرٹین کی زمینوں کے ضبط
 کر لینے کی بھی سخت دھمکی دی تاکہ پانگنی کے راہب ٹامس کو وہاں
 پناہ دینے سے انکار کر دیں۔ دوسری طرف خود بکٹ نے بھی اس قدر تشدد
 سے کام لیا اور اس کثرت سے لوگوں کو ملت سے خارج کیا کہ اُس کے
 دوست اُس سے سخت بیزار ہو گئے۔ اُن کی پیڑاری کی ایک وجہ یہ بھی
 تھی کہ وہ اس دل آزار فقرے کے برقرار رکھنے پر بھی بضد اڑا رہا
 جس کا مطلب یہ تھا کہ "میں اپنے طبقے کی آبرو کو محفوظ رکھوں گا" لیکن
 اس فقرے کے اضافے سے بادشاہ کی تمام اصلاحات عملاً بیکار ہو جاتیں
 پوپ نے نرمی برتنے کی صلاح دی، شاہ فرانس بھی کچھ دنوں کے لئے
 اس کی تائید سے دست بردار ہو گیا اور آخر میں خود اس کے پادریوں
 نے بھی سپر ڈال دی، ایک بار جب اس کے گھوڑے نے سڑک پر
 ٹھوکر کھائی تو انہیں میں سے ایک پادری نے جل کر کہا کہ "ہاں کلیسا
 اور اپنے طبقے کی آبرو کو محفوظ رکھتے ہوئے"۔ مگر تنہ اور ترک رفاقت

اس کے غم میں کسی قسم کا زلزل نہیں پیدا کر سکے۔ ہنری نے اس خوف سے کہ کہیں پوپ ملت سے خارج نہ کر دے یہ ارادہ کیا کہ اپنے بیٹے کی تاجپوشی یارک کے اسقف اعظم کے ذریعے سے عمل میں لائے۔ حالانکہ یہ اعزاز کینٹربری کو حاصل تھا۔ مگر اٹالیہ میں اپنی کامیابیوں کی وجہ سے اب پوپ کو زیادہ آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے ایک فتوے تعطل کی تہدید نے بادشاہ کو ظاہری اطاعت پر مجبور کر دیا۔ فریٹوال میں ہنری سے مصاحبت ہو جانے کے بعد اسقف کو واپسی کی اجازت ہو گئی۔ اور جب وہ کینٹربری میں داخل ہوا تو کنٹ کے لوگ مرجا اور اہلاد سہلا کے نعروں کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کے پادریوں کی نظر جب ساحل کی سفیدی پر پڑی تو کہنے لگے ”انگلستان ہے انگلستان ہے“ ٹامس نے افسردگی کے ساتھ کہا کہ ”پچاس دن بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ تم کہیں اور جانے کی تمنا کرو گے“ اس کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہنری کی طبیعت کو خوب سمجھے ہوئے تھا۔ وہ اب بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ ہنری (فرزند بادشاہ) کے نام سے اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے تھے کہ بادشاہ کے دربار سے چار ناٹ اپنے آقا کے پرچوش بیجان غضب سے برانگیختہ ہو کر سمندر سے پار آئے اور بزور اسقف اعظم کے عمل میں گھس گئے۔ اس کے کمرے میں اس کے ساتھ نہایت سخت کلاہ کر نیچے بد ہتیار لینے کو چھیٹے۔ ٹامس کے حذر اسے جلدی سے گر جا میں لے گئے وہ بغلی کمرے میں پہنچ کر گیت کے کمرے میں جانے کے لئے نیچے پر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے متاقبین حجرے کی طرف سے آپڑے، تیرہ گون گر جا کی دھندلی روشنی میں ریجنالڈ فروروس نے

بکٹ کی
واپسی
۱۱۶

چلا کر کہا کہ ”کہاں ہے عذار ٹامس بکٹ“ ان الفاظ کے ساتھ ہی مقتدرانے اعظم استقلال کے ساتھ پلٹ پڑا اور کہا ”میں یہاں ہوں عذار نہیں بلکہ خدا کا ایک قہس“ اور ایک ستون سے پیٹھ لگا کر اپنے دشمنوں کے رودر رو کھڑا ہو گیا۔ جب اس نے اپنے حملہ آوروں کی دھمکیوں اور مطالبوں کو مسترد کیا ہے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی سابقہ سپاہیانہ زندگی کی تمام جرات و قوت اس میں عود کر آئی ہے۔ فرزوس نے چلا کر کہا کہ ”تم ہمارے قید میں ہو“ اور چاروں نانٹ بڑھے کہ اسے گر جا سے کھینچ لائیں کہ اس نے بلند آواز سے کہا کہ ”ریجنیالڈ مجھے ہاتھ مت لگانا، اگرچہ تو ایک دیوث ہے مگر پھر بھی تجھ پر میری اطاعت واجب ہے“ اور یہ کہہ کر اس نے زور سے اُسے جھٹک دیا۔ فرزوس نے اس کے جواب میں ”مارو مارو“ کا شور مچایا اور پیالے ضربوں نے ٹامس کو زمین پر گرا دیا، رینلف ڈی براک کے ایک خادم نے تلوار کی ضرب سے اسقف اعظم کے پیچھے کو پاش پاش کر دیا۔ فرزوس فتحندانہ لہجے میں کہ اٹھا کہ ”بس اب ہمیں چلنا چاہئے“ یہ عذار اب کبھی نہیں اٹھیں گی“

اس دشیمانہ قتل نے تمام ممالک عیسوی میں ایک ہلکا مچا دیا۔ ہنری او بکٹ کا شمار شہدا میں ہونے لگا اور اس کی قبر پر معجزات کا ظور ہونا ^{طبعاً} شروع ہوا۔ لوگ اُسے ولی ماننے لگے اور انگریزی ولیوں میں اسے سب سے زیادہ عام ہر دلعزیزی حاصل ہو گئی۔ ہنری کو یہ ڈر تھا کہ اس خونریزی کے انتقام میں وہ خارج الملت کر دیا جائیگا مگر پوپ کی فوری اطاعت اختیار کر لینے سے وہ بچ گیا دستور کلیرینڈن کے

عدالتی قواعد بظاہر منسوخ کر دئے گئے اور جماعت اساتذہ اور خانقاہوں کی انتخاب کی آزادی پھر بحال کر دی گئی لیکن فی الاصل کامیابی بادشاہ ہی کو ہوئی، اس کے تمام دور حکومت میں مذہبی تقررات عملاً اسی کے ہاتھ میں رہے اور شاہی عدالت کا اقتدار اساتذہ کی مذہبی عدالتوں پر قائم رہا۔ اس کشمکش کے ختم ہو جانے سے ہنری کو آزادی مل گئی کہ وہ اپنے قانونی اصلاح کا اہم کام تکمیل کو پہنچا سکے۔ ہم ٹولوس سے فائدہ اٹھا کر وہ ادنیٰ مزارعین کو پہلے ہی یہ اجازت دے چکا تھا کہ میدان جنگ میں جانیکے بدل انصاف بتانے وہ اپنی ذاتی خدمات کو روپیہ کے عوض مبادلہ کر سکتے ہیں۔ اس سے طبقہ بیرن پر ایک کاری ضرب لگی اور ایک ایسا ذریعہ بادشاہ کے ہاتھ آ گیا کہ وہ اپنے ادنیٰ متاجرین کی فوجی مدد سے بے نیاز ہو گیا اور ان کے بجائے اجرتی سپاہیوں کی ایک فوج قائم کر لینے کا اسے موقع مل گیا۔ امرا کی فوجی قوت کی تخفیف کے ساتھ ہی اور بھی ایسے طریقے اختیار کئے گئے جن سے وہ عدالتی اختیارات سے بھی محروم ہو گئے۔ جوں کا گشتی حلقہ ازسرنو جاری کیا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ بیرنوں کی جاگیروں میں جا کر ان کے حقوق خاص کی جانچ کریں، اس کے ساتھ ہی شریف کا کام شاٹر کے بڑے بڑے امرا کے ہاتھ سے نکال لیا گیا اور ان قانون دانوں اور درباریوں کو دیا گیا جو پہلے ہی سے جسٹسوں کے عہدوں پر مامور تھے۔ اتفاق وقت سے بیرنوں کو اپنا کینہ نکالنے کا ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ بادشاہ کے بڑے بڑے لڑکے کو اس کی تاجپوشی کی وجہ سے ”شاہ“ کا لقب مل گیا تھا، اس نے چاہا کہ انگلستان کی سلطنت اسے تفویض کر دی جائے اور جب اس کے باپ نے اس سے انکار کیا

شیرف کی
تختتخت
۱۱

تو وہ بھاگ کر یوس شاہ فرانس کے پاس چلا گیا۔ فرانس، فلینڈرز اور اسکالینڈ، ہنری کے خلاف متحد ہو گئے۔ اس کے چھوٹے بیٹے رچرڈ و جافری، اکوٹین میں اس کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ ارل لیشر کی سرکردگی میں فلینڈرز کے اجرتی سپاہی انگلستان میں داخل ہو گئے مگر وفادار نائبان سلطنت نے سنٹ اڈمنزبری کے قریب انہیں پسپا کر دیا، لیکن یوس کے نارمنڈی میں داخل ہو جانے اور روئین کا محاصرہ کر لینے سے یہ ظاہر ہوا کہ حالت کس قدر خطرناک ہے۔ اہل اسکالینڈ سرحد کے پار آ گئے۔ راجر موبرے نے یارکشائر میں فررز (ارل ڈربی) نے وسطی اضلاع میں اور ہیون بگاڈ نے مشرقی صوبوں میں بغاوت کردی اور اس کے ساتھ ہی ایک فلینڈری پٹا تیار ہو گیا کہ ساحل پر حملہ آور ہو کر ان بنادوتوں کو مدد پہنچائے۔ اسقف اعظم ٹاس کے قتل کا بار اب تک ہنری کی گردن پر تھا اس لئے جب وہ ان خطرات کے مقابلے کے لئے بعلجبت تمام انگلستان میں وارد ہوا تو آتے ہی پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اس نے شہید کے مزار پر سر بسجود ہوا اور اپنے گناہ کے کفارے میں علی الاعلان اپنے آپ کو کورٹوں سے پٹوایا۔ بس توبہ کے کرتے ہی مسلسل نظریا ہیوں نے تمام خطرات کو رفع کر دیا۔

ولیم دی لائن (دشیر) شاہ اسکالینڈ پر انگریز بھر کی تاریکی میں سچا یک جا پڑا لہرہ اور وہ اپنے وزیر رنیف دی گنبول کے ہاتھ پڑ گیا، اہل اسکالینڈ کے "۴، فرار ہو جانے سے انگریزی باغیوں نے فوراً ہتیار ڈال دئے ہنری اجرتی سپاہیوں کی ایک فوج سمندر پار سے لایا تھا انہیں کولے کر وہ نارمنڈی کو پلٹا، روئین کا محاصرہ اٹھا دیا اور اپنے بیٹوں کو مطیع کر لیا۔ بیرونوں کی

اسٹراٹون آرمر اس بغاوت سے ان کی طاقت کو اور نقصان پہنچا۔ چند برس بعد آسٹراٹون آرمر کے ذریعے سے ملک کے قومی انتظام میں ایک جدید اصلاح عمل میں آئی اور قومی محافظ فوج جو فتح کے بعد سے ناپدید ہو گئی تھی از سر نو مرتب کی گئی۔ چونکہ فوجی خدمت کے بجائے زر نقد کا طریقہ رائج ہو گیا تھا۔ لہذا حکومت بیرون اور ان کے ماتحتین کی محتاج نہیں رہی تھی۔ اب اسٹراٹون آرمر نے اس جاگیر دارانہ انتظام کو بالکل بدل دیا اور قدیم دستور پھر مروج ہو گیا کہ ہر آزاد شخص پر حفاظت ملک کی خدمت فرض ہے۔ ہر ماٹ پر لازم تھا کہ بادشاہ کی طلب پر زرہ، ڈھال، اور نیزے کے ساتھ ہر متوسط اہل آزاد شخص نیزے اور بکتر کے ساتھ، ہر دہاتی اور غریب آزاد شخص نیزے اور خود کے ساتھ حاضر ہو، اس طرح ایک پوری مسلح قوم کی قوت حفاظت ملک کے لئے بادشاہ کی مرضی کے تابع ہو گئی۔

جن تدابیر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ہنری کے قوانین کی صرف ایک جزو تھیں، یہ بالکل سچ کہا گیا ہے کہ اس کے عہد میں قانونی حکومت کی ابتدا ہوئی، اور نارمن بادشاہوں کے خود مختارانہ اور جابرانہ طریق کے مقابلے میں ہنری کی حکومت کو ایک امتیاز خاص حاصل ہو گیا۔ ہنری اول نے جو انتظامی کام شروع کئے تھے انہیں ہنری دوم نے بیرون اور مقتدیان دین کی مجالس عظمیٰ کی منظوری سے مسلسل اصلاحات کے ذریعے سے مکمل کر دیا۔ یہ اصلاح شدہ قواعد بصورت ضوابط برابر مرتب ہوتے رہے۔ انگلستان کے عدالتی قانون سازی کی ابتدا آسٹراٹون کلیرنڈن سے شروع ہوتی ہے جس کی مقدم غرض یہ تھی کہ ملک کے انتظام کیلئے قدیم انگریزی دستور کے موافق حفاظت باہمی کے طریقے کو از سر نو جاری

کرے۔ کوئی اجنبی شخص سوا قصبے کے اور کہیں ٹھہر نہیں سکتا تھا اور وہاں بھی صرف ایک رات کے لئے، البتہ جب اس کے عمدہ چال چلن کی ضمانت دی جاتی تو اس حالت میں وہ زیادہ قیام کر سکتا تھا۔ ایسے اجنبیوں کی فہرست گشتی جہٹوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ اسنادِ جرائم کی ان دفعات میں ہمیں پچائتی فیصلے کے طریقہ کی ابتدا نظر آتی ہے جسے اکثر زیادہ قدیم زمانے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر حلقے فیصلہ ندریغہ پچائت میں بارہ پابند قانون انخاص سے (جن کے ساتھ ہر قصبے سے اور چار چار شخص شامل کئے جاتے تھے) قسم لی جاتی تھی کہ وہ اپنے ضلع کے معلوم و مشہور مجرموں کو قانونی کارروائیوں کے لئے عدالت میں پیش کریں گے۔ اس طرح پہنچ صرف گواہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ انہیں یہ حلف بھی اٹھانا پڑتا تھا کہ وہ جانچنے کے لئے نصف کا کام بھی دیں گے اور ہماری ہی کے عد کی یہ خصوصیت اب تک گریڈ جوڈی (ہما پچائیت) کے طریق کارروائی میں چلی آ رہی ہے، جس کا ایک فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ گواہوں کے اظہار لینے کے بعد مجرموں کو کارروائی کے لئے پیش کرے۔ آگے چل کر یہی طریقہ پچائتی ترقی پا کر اپنی موجودہ صورت میں آ گیا۔ اڈورڈ اول کے وقت میں جو گواہ کسی خاص واقعہ زیر بحث سے آگاہی رکھتے تھے وہ اس مقدمہ میں عام بچوں کے ساتھ شامل کر لئے جاتے تھے۔ زمانہ مابعد میں ان دو قسم کے بچوں میں فرق کر دیا گیا، آخر الذکر بلا کسی قسم کے عدالتی اختیار کے محض گواہ قرار دئے گئے اول الذکر گواہی سے بالکل الگ ہو کر بیان کردہ شہادت کی بنا پر فیصلہ کرنے والے قرار پائے اور اس طرح ان کی وہ حیثیت قائم ہو گئی جو اس زمانے میں ہے۔

اس ضابطے کے موافق ”حلفی صفائی“ پیش کرنے کا قدیم ترین انگریزی دستور برطنت کر دیا گیا۔ حلفی صفائی کے دستور میں مزم اپنے ہمسایوں اور عزیزوں کے حلف پر جرم سے بری ہو سکتا تھا، مگر ضابطہ کلینڈن نے اسے منسوخ کر دیا اور آئندہ پچاس برس تک ہما پنچات (گرینڈ جوری) کی تحقیقات کے بعد سوائے آرڈیل (یعنی طریقہ ابتلا یا خدائی فیصلے) کے کوئی دوسری کارروائی نہیں ہو سکتی تھی۔ بے گناہی اس طرح ثابت کی جاتی تھی کہ مزم ہاتھ میں گرم گرم لوہا اٹھالے اور ہاتھ نہ جلے، یا پانی میں پھینک دیا جائے اور ڈوب جائے کیونکہ تیرتے رہنا جرم کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔

جب لیٹرن کی مجلس نے ابتلا کے طریقے کو یک قلم منسوخ کر دیا تو اس وقت مزمیں کی آخری کارروائی کے لئے ایک مختصر پنچات بنائینی ضرورت واقع ہوئی۔ کلینڈن کے ضابطے کو نارٹھیپٹن کے ضابطے کے ذریعے سے

دست دی گئی جو بیرونوں کی بنادت کے بعد ہی تیار کیا گیا تھا، ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہنری نے عدالت شاہی اور اس کے جسٹوں کے گشت کو از سر نو قائم کر دیا تھا۔ نارٹھیپٹن کے ضابطے سے اس نے اس انتظام کو اس طرح مستقل اور معین کر دیا کہ تمام ملک کو چھ اضلاع میں تقسیم کر کے ہر ایک میں تین تین گشتی جسٹس مقرر کر دئے۔ جو چلتے اس وقت معین ہوئے تھے وہ کم و بیش اب تک قائم ہیں۔ ان طقوں کے قیام کی اصلی غرض مالی تھی مگر شاہی مطالبات کی وصولی کے ساتھ شاہی انصاف بھی نافذ ہوتا جاتا تھا اور اس طرح ملک کے کونے کونے میں انصاف کا پہنچانا اس وجہ سے اور بھی زیادہ موثر ہو گیا کہ شاہی حدود اختیارات سے کوئی جاگیردار کسی نوع سے مستثنیٰ نہیں رکھا گیا تھا۔ اس جدید طریقے کی

۱۱۶

آسٹریا
نارٹھیپٹن
(دستور نارٹھیپٹن)
۱۱۶۹

بڑی خرابی یہ تھی کہ اس سے ناجائز عدالتی کارروائیوں کے مواقع زیادہ پیدا ہوتے تھے اور یہ خرابیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہنری کو بہت جلد مجبور ہونا پڑا۔ ۱۱۶۸ء کچھ زمانے کے لئے جسٹسوں کی تعداد پانچ تک محدود کرنے اور ان کی عدالت کے مرافعہ خاص اپنے روبرو موجودگی مجلس پیش کئے جانیکا حکم دے۔ اس طرح اس نے "بادشاہ باجلاس مجلس" کی جو عدالت مرافعہ قائم کی اس سے مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے مختلف عدالتیں ظہور پذیر ہوتی گئیں۔ اس وقت پرلوی کاؤنسل جن عدالتی اختیارات کو عمل میں لاتی ہے اس کا ماخذ بھی یہی عدالت ہے۔ اور اسی عدالت سے چانسلر کا اختیار نصفت شعاری پیدا ہوا ہے؛ دوسری صدی میں یہی عدالت ملک کی "مجلس اعلیٰ" بن گئی اور اسی سے پرلوی کاؤنسل نے اپنی قانونی حیثیت اور دارالامرانی اپنی عدالتی حیثیت حاصل کی؛ ہنری کی اسی عدالت مرافعہ سے بعد کو عدالت اسٹارچیمبر اور پرلوی کاؤنسل کی عدالتی کمیٹی نغلی شاہی عدالت جو اس اعلیٰ اقدار عدالتی کے باعث کم تر درجے میں آگئی تھی "مشورہ عظم" قرار کے بد میں علیحدہ علیحدہ عدالتوں میں منقسم ہو گئی۔ یعنی عدالت شاہی عدالت خزانہ، عدالت معاملات عامہ، اور اڈورڈ اول کے زمانے میں ان سب کے لئے علیحدہ علیحدہ بیج مقرر ہو گئے اور ہر اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔

بیرنوں کی بغاوت کے بعد جو دس برس گزرے، ان میں ہنری کی ہنری دوم کا طاقت اپنے منتہائے عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور ایک حملے سے جس کا انتقال ذکر بعد میں ہوگا اس نے آئرلینڈ کو بھی اپنے زیر نگین کر لیا تھا، مگر فتوحات و اصلاحات قانونی کی رفتار اس کے لڑکوں کی بغاوت کی وجہ

بری طرح رک گئی۔ ہنری اور جافری کے یکے بعد دیگرے انتقال کر جانے سے ۱۱۴۳-۱۱۴۶ سے رچرڈ ولیمد ہو گیا تھا اور اکوئین اس کی تفویض میں تھا اس نے اور لیوس کے جانشین فلپ (شاہ فرانس) نے ہنری کے خلاف سازش کی اور اس سازش نے بالآخر واقعی مقابلے کی صورت اختیار کر لی رچرڈ نے ۱۱۸۹ فلپ کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور ان دونوں کی متحدہ فوجیں یکایک لی مان کے سامنے آ موجود ہوئیں۔ ہنری کو وہاں سے بے تحاشا نارتھی کی طرف بھاگنا پڑا ایک بلندی پر ٹھہر کر اس نے اس جلتے ہوئے شہر پر نظر ڈالی جو اُسے اپنی جائے ولادت ہونے کے باعث بہت ہی عزیز تھا یہ دیکھ کر اُس نے خدا کی شان میں خلاف ادب کلمات کہنے شروع کئے، چونکہ تو نے مجھ سے وہ شہر لے لیا ہے جسے میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، جہاں میں پیدا ہوا، جہاں میں نے پرورش پائی، اور جہاں میرا باپ مدفون ہے، میں بھی تجھ سے اپنا انتقام لوں گا۔ میں تجھے اس شے سے محروم کر دوں گا جو میرے اندر تجھے سب سے زیادہ عزیز ہے، اس کی موت کا وقت آ پہنچا تھا اور جیسا کہ مرینوالوں کی تمنا ہوا کرتی ہے اسے اپنے قومی دطن میں جانیکی خواہش ہونی لگی وہ ابھی سامرہی میں پڑا ہوا تھا کہ ٹور بھی مسخر ہو گیا، اور اس مفرد بادشاہ کو اپنے دشمنوں سے رحم کا خواستگار ہونا پڑا، انہوں نے اس کے خلاف سازش کرنے والوں کی ایک فہرست اسے دی۔ اس فہرست کے سرے پر اس کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے بیٹے جان کا نام تھا۔ ہنری نے یہ دیکھ کر دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور کہا، جس طرح دنیا چل رہی ہے چلے مجھے نہ اب اپنی پرولہ ہے

نہ دنیا کی "وین کے چمکتے ہوئے صاف شفاف پانی پر سے ہو کر وہ چمن میں پہنچا یا گیا اور آہستہ آہستہ یہ الفاظ کہتا ہوا کہ "شرم ہے شرم ہے ایک مفتوح بادشاہ کے لئے،" تلخکامی کے ساتھ اس دنیا سے چل بسا۔

جزو نم

آنچویوں کا زوال

۱۲۰۴ - ۱۱۸۹

اسناد - علاوہ ان اسناد کے جن کا ذکر سابق جزو میں ہو چکا ہے پھرڈ (ڈیو انز) کا دتاغ اور ڈاکٹر اسٹمبر کی مرتبہ ٹیمپریم رجز رکارڈی (Iteueravium Reg is Ricardi) پھرڈ کے عہد کے لئے کارآمد ہیں، فرانسیسی جانب کے خاص اسناد رکارڈ کی جسٹا فیسی (Gesta Philippi) اور فلز دلمی برٹانسیس (Philippis Willdmi) Britonis ہیں یہ دونوں کتابیں ڈیوچن کی ہنری فرانس اسکریپٹورز (Hist Fane Scriptoros) بلڈنجم میں دی گئی ہیں۔

ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ پھرڈ کے جنگ صلیبی کے حالات پھرڈ اول بیان کریں جس میں اس کے عہد کا ابتدائی زمانہ صرف ہوا اور جس کی وجہ سے چار برس تک تخت انگلستان خالی رہا۔ نہ ہمیں اس کی حاجت ہے کہ سسلی کے جھگڑوں، قبرس کی تیغ، یا فا کی فتح، یروشلم کے بیکار دھاوے، صلاح الدین سے عارضی صلح، واپسی میں جہاز کی تباہی اور دوبارہ برتانی میں اس کے قید ہونے کے متعلق اس وقت بحث کریں۔ ہمیں جس

امر سے غرض ہے وہ یہ ہے کہ انجام کار وہ قید سے رہا ہو کر واپس آیا اور انگلستان اگر اسے نئے خطرات سے سابقہ پڑا۔ اس کی عدم موجودگی میں سلطنت الی کے اسقف ولیم (آف لائٹ شیمپ) کی سپردگی میں تھی۔ یہ شخص سلطنت اور کلیسا دونوں کا صدر تھا کیونکہ وہ نائب السلطنت ہونیکے علاوہ پوپ کا وکیل بھی تھا۔ لائٹ شیمپ بادشاہ کا وفا دار تھا مگر اس کی طبیعت میں سخت گیری پائی جاتی تھی اور انگریزوں کو بہ نظر حسدات دکھتا تھا جس سے طبقہ بیرن میں اس کی طرف سے سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ جان ان کا سرغنہ بن گیا۔ اس نے جس طرح اپنے باپ سے بے وفائی کی تھی اسی طرح اپنے بھائی سے بھی بے وفائی کی۔ طبقہ بیرن اور شاہ فرانس کے ساتھ جان کی سازشوں کا انجام بالآخر علانیہ بناوات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مگر نئے اسقف اعظم ہیو برٹ والٹر کی قابلیت سے یہ بناوات رک گئی اور ۱۱۹۴ء میں رچرڈ کے دردد کے بعد ہی اس کا بھائی کامل طور پر مطیع ہو گیا، لیکن اگر ایک طرف ہو برٹ والٹر نے انگلستان میں امن قائم رکھا تو دوسری طرف سمندر پار رچرڈ کو ایسے خطرات سے رو در رو ہونا پڑا جنہیں وہ اپنی بالغ نظر کی وجہ سے خوب سمجھتا تھا کہ سرسری اور معمولی نہیں ہیں۔ رچرڈ اپنے باپ کی سی انتظامی قابلیت سے معرا تھا اور سیاسی خیالات میں اپنے بھائی کی طرح زیرک نہ تھا مگر پھر بھی وہ محض ایک سپاہی نہیں تھا، اسے جاں جو کھنوں میں پڑنے کا خاص شوق تھا، اپنی جسمانی طاقت پر غرور تھا کبھی کبھی ایسی فیاضیاں بھی اس سے ظہور پذیر ہو جاتی تھیں جو بالکل افسانہ معلوم ہوتی ہیں مگر ان صفات کے ساتھ اس میں

قومی عیاری، بے باکی اور شدت پائی جاتی تھی۔ وہ بالطبع ایک مدبر تھا اور جس طرح وہ اپنے منصوبوں کے سوچنے میں دلیر تھا اسی طرح ان کے عمل میں لانے میں سکون و ضبط سے کام لیتا تھا۔ اس کی رہائی کی خیر پکار فلپ نے جان کو لکھا تھا کہ ”شیطان چھوٹ گیا ہے، تم اپنی خبر لو“۔ شاہ فرانس کو جنگ صلیبی میں جو ذلت نصیب ہوئی تھی اس سے اس کی ہلک گیری کی ہوس اور مشتعل ہوئی۔ رچرڈ کی قید سے فائدہ اٹھا کر اس نے نارمنڈی پر حملہ کر دیا اور اکوٹین کے امرا بنادوت پر اٹھ کھڑے ہوئے اجنبیوں کی حکومت کا حسد، آنجوئیوں کے اجرتی سپاہیوں کے شر و فساد، ان کے مالی انتظام کی حریمانہ زیادتی کی وجہ سے ان کے دیگر صوبجات کے امرا اپنے آنجوئی حکمرانوں سے قطع تعلق کر لینے پر آمادہ ہو گئے مگر ان اسباب میں وہ بیچینی بھی شامل تھی جو ان کی حکومت کی مضبوطی اور انصاف کی سختی سے پیدا ہو گئی تھی۔ رعایا میں کسی قسم کی دفا داری نہیں پائی جاتی تھی، یہاں تک کہ خود آنجو نے (جو ان حکمرانوں کا خاندانی وطن تھا) ایسی ہی آادگی سے فلپ کا خیر مقدم کیا جیسے پائٹو نے۔ مگر جنگی قابلیت میں فلپ، رچرڈ کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا۔ رچرڈ نے اسے نارمنڈی کی سرحد پر روکے رکھا اور خود یکایک فریڈال میں اس کے خزانے کو جالیا، اور اس کے ساتھ ہی اکوٹین کے باغیوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ انگلستان رچرڈ کے فزید کی ادائیگی کی وجہ سے پہلے ہی تھی دست ہو چکا تھا اب ان جنگوں میں اجرتی فوج کے فزید اخراجات کی ضرورت سے جب ہوبرٹ والٹر نے اس پر ایک تم خلیفہ کا نیا بار ڈالا تو مصیبت کی کوئی حد نہ رہی +

شیٹوگیارڈا

نامقابل برداشت محصولات نے انگلستان کی دولت کو سمیٹ کر پھر شاہی خزانے میں بھر دیا اور ایک مختصر عارضی صلح کے دوران میں رچرڈ نے رشوت دے کر فلینڈرز کو فرانسیسی اتحاد سے نکال لیا، اور چارٹرس، شامپین اور بولون کے کاؤنٹوں کو برٹینی کے ساتھ متحد کر کے فلپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا، رچرڈ کا بھتیجا اڈو جینی کا شنشٹا منتخب ہو گیا تھا اس سے رچرڈ کو قابل قدر مدد ملی اور اس کے پچی ولیم لانگ شیمپ نے باہم اتحاد پیدا کر کے جرمن سواروں کو شاہ پیرس کے سر پر لا کھڑا کر دیا۔ مگر ان وسیع تجاویز کی کامیابی کے لئے نارمنڈی کی طرف سے اطمینان لازمی تھا، اور رچرڈ نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے نارمن رعایا کی وفاداری پر بھروسہ نہیں کر سکتا اگرچہ اس کے باپ کا سلسلہ نسب ملڈا کے واسطے سے رالف سے ملتا تھا مگر نارمن کے لئے آنجوی حکومت فی الواقع بالکل اجنبی تھی۔ ایک نارمن کے لئے یہ بالکل غیر ممکن تھا کہ وہ اس آنجوی شاہزادے کو اپنا ڈپوک سمجھے، جسے وہ بریبینکا کے اجرتی سپاہیوں کے سرگردہ کی حیثیت سے اپنی سرحد پر چکر لگاتے دیکھ چکا تھا، جس کے لشکرگاہ میں قدیم نارمن بیرونوں کے ناموں کا پتہ تک نہیں تھا اور جہاں پروانس کا ایک بہ معاش مرکیڈی اعلیٰ سپہ سالاری پر فائز تھا۔ رچرڈ نے سرحد کی حالت کے لئے اپنے نئے قلعے کا جو خاص موقع تجویز کیا اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اس امر کو سمجھتا ہے کہ نارمنڈی پر اب صرف بزور شمیر قبضہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس کا قلعہ شیٹوگیارڈ، اس کی جنگی قابلیت کی یادگار کے طور پر ازنہ وسطی کے قلعوں میں سب پر فائق ہے۔

پہر نے اس کا موقع اس جگہ معین کیا تھا جہاں دریائے سین، گیلین کے قریب یکبارگی ایک بڑے نیم دائرے کی شکل میں شمال کو ٹر جاتا ہے اور جہاں اس کے کنارے واہنی لس انڈیز کی کھڑیا چٹانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ جنگلوں کے نیلگوں قطعات دور کی پہاڑیوں پر نظر آتے ہیں، دریا کے چکر کے اندر ایک وسیع قطعہ سطح سبز زار کا واقع ہے، جس کے گرد آگود دریا چھوٹے چھوٹے سبز جزیروں سے ٹکراتا ہوا اور آسمان کے بھروسے اور نیلے رنگوں کا عکس لیتا ہوا ایک طشت سیمن کی طرح روئین کی طرف رواں ہے۔ چرچڈ اپنے نارمن دارالسلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں ایک محصور لشکر گاہ قائم کرنا چاہتا تھا اور یہ قلعہ فی الواقع اسی لشکر گاہ کا ایک حصہ تھا۔ دریا کی طرف کا راستہ اس طرح روک دیا گیا تھا کہ کاٹھ کی ایک فصیل اور کشتیوں کا ایک پل تیار کیا گیا اور دریا کی دھار کے بیچ میں ایک چھوٹے سے جزیرے پر ایک قلعہ بنایا گیا، اور واہی گیلین میں (جو اس زمانے میں ایک ناقابل گذر جنگل تھا) بادشاہ نے حصار کے اندر ایک قصبہ آباد کیا اس واہی اور دریائے سین کے زاویہ کے اندر، کھڑیا کے پہاڑیوں کی ایک شان پر جو ایک تنگ خاکنارے کے ذریعے سے عام سطح مرتفع سے ملی ہوئی ہے دریا سے تین سو فٹ کی بلندی پر سب قلعوں کا ستراج قلعہ تعمیر ہوا۔ اس کی بیرونی تعمیر اور دیواریں جو شہر اور فصیل سے متصل تھیں زیادہ تر ضایع ہو گئی ہیں مگر انسان کے ہاتھوں اور مرور و ہور سے خود اصل قلعے کو بہت کم نقصان پہنچا ہے۔ مضبوط چٹانوں میں گہری خندق، اطراف و جوانب کے تراشے ہوئے دہلے

اور خاص کی سورخ دار دیواریں عظیم الشان وسطی برج (جہاں سے
پس انٹیلینز کی بھوری بھوری چھتیں اور باہم ملی ہوئی دیواریں نظر آتی
ہیں) یہ سب اب تک بے قرار ہیں۔ اب بھی اس ویران قلعے سے ہم
اس کے الوالعزم باقی کے اُن پُر فخر اور مسرت انگیز الفاظ کا اندازہ
کر سکتے ہیں جو اپنے قلعے کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر
بیاختہ اس کے منہ سے نکل گئے تھے کہ ”میرا یہ بچہ کیسا حسین ہے اور
ابھی یہ صرف ایک ہی برس کا ہے“

رچرڈ کا انتقال
بعد کے زلزلے میں شیوگیلرڈ کے مسخر ہو جانے سے نارمنڈی جس
آسانی سے طبع ہو گئی اس سے رچرڈ کی دور بینی ثابت ہوتی ہے مگر
اس دور بینی اور ہوشیاری کے ساتھ وحشیانہ تعدی اور ہنگ و ناموس کی
طرف سے سخت بے حسی پائی جاتی تھی۔ فلپ نے جب اس قلعے کو
بنتے دیکھا تو غصے کے لہجہ میں کہا کہ ”میں اسے تسخیر کر لوں گا خواہ اس کی
دیواریں فولاد کی کیوں نہ ہوں“ اس کے دشمن نے ترکی بہ ترکی جواب
دیا کہ ”میں اسے کبھی مسخر نہ ہونے دوں گا خواہ اس کی دیواریں کھن کی
کیوں نہ ہوں“ جس زمین پر یہ قلعہ بنا تھا وہ کلیسا کی زمین تھی اور
اس کے لینے کی وجہ سے روٹین کے اسقف اعظم نے نارمنڈی کے خلائق
فتوای مطلق جاری کر دیا تھا مگر بادشاہ نے اس فتوے کا مضحکہ اڑایا
اور روم سے سازش کر کے اس فتوے کو بیکار کر دیا ایک خونخوار شاہ
دیکھ کر اس کے درباری خوف زدہ و ہراساں ہو کر بھاگ گئے، مگر
اس پر مطلق کچھ اثر نہ ہوا۔ ایک حکیم منش شخص اس کی نسبت کہتا
ہے کہ مد اگر آسمان سے فرشتہ بھی آکر اُسے اپنے کام کے چھوڑ دینے کا

حکم دیتا تو وہ اس پر بھی لعنت بھیجتا۔ نارمنڈی کی سرحد کے محفوظ کر لینے کے لئے رچرڈ کو بارہ ماہ تک سخت سخت کرنی پڑی۔ مگر اس کام کے پورے ہو جانے پر اُسے موقع ملا کہ اپنے پرانے منصب کے موافق فلپ پر ایک کاری ضرب لگائے۔ اب صرف روپے کی ضرورت رہ گئی تھی۔ یوں تو حرص اس خاندان کی عام خصلت تھی مگر رچرڈ نے اس موقع پر غیر معمولی اشتیاق کے ساتھ اس افواہ کو سنا کہ بوسین کے میدانوں میں کوئی خزانہ دستیاب ہوا ہے، جو کچھ وہاں ملا تھا وہ صرف یہ تھا کہ سونے کی ایک میز تھی اور اس کے گرد سونے کے بارہ ٹائٹ بیٹھے تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ دھینہ لارڈ چیس کا تھا۔ بہر حال دھینہ وہاں ضرور تھا۔ رچرڈ اس کی دیواروں کے گرد چکر کاٹنے لگا مگر قلعہ والوں نے استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا یہاں تک کہ بادشاہ کی حرص و حشیشانہ تہدید میں بدل گئی، اس نے قسم کھائی کہ وہ قلعے کے تمام آویروں کو پھانسی دے دیگا۔ مرد، عورت یہاں تک کہ دودھ پیتے بچے بھی اس کے ہاتھ سے نہ بچیں گے۔ اسی اثنا میں قلعے کی دیوار سے ایک تیر آکر اسے لگا

۱۱۹۹

اور وہ وہیں گر پڑا، اس کی موت بھی ایسی ہی ہوئی جیسی اس کی زندگی تھی، اس وقت بھی اس کا وہ دشتتاک جوش قائم رہا جس نے گذشتہ سات برس میں اسے گناہوں سے اقرار سے اس لئے روکے رکھا تھا کہ اگر میں نے توبہ کر لی تو فلپ کو معاف کرنا پڑیگا مگر شاہانہ فیاضی کے ساتھ اس نے اس تیر انداز کو معاف کر دیا جس کی تیر کا وہ نشانہ ہوا تھا۔

اس کے مرنے کے بعد آنجوی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ انگلستان انٹراع
نارمنڈی نے جان کو بادشاہ تسلیم کیا اور اپنی مان کی وجہ سے وہ

اکوئین پر بھی قابض ہو گیا۔ مگر آئجو'ین اور ٹورین نے آرتھر کی (جو جان کے بڑے بھائی جاری سابق ڈیوک نارمنڈی کا بیٹا تھا) اطاعت اختیار کی، فلپ، جان کا طرفدار تھا اور اس نے اپنی طمع کی وجہ سے آرتھر کا تختہ الٹ دیا۔ اس نے عملاً ملک کو اپنی حکومت میں ملحق کر لیا مگر اہل آئجو شاہ فرانس کی فوجوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور بالآخر ۱۲۰۰

جان اپنے خاندان کی تمام مملکت کا مالک تسلیم کیا گیا، پانٹو میں ایک جدید جنگ کا پیش آجانا اس کے رقیب کے لئے مملکت ثابت ہوا، بادشاہ نے تیز یلغار کر کے آرتھر کو محاصرہ مراہوگی حالت میں گھیر لیا اسے تیسہ کر کے روئین میں لے گئے اور وہیں قتل کر دیا۔ لوگوں کا یقین ہے کہ وہ اپنے چچا کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس وحشیانہ ظلم نے ۱۲۰۳

فوراً ہی فرانسیسی صوبوں میں بغاوت برپا کر دی، اور شاہ فرانس نے فوراً نارمنڈی پر حملہ کر دیا، جس آسانی سے نارمنڈی کی فتح عمل میں آئی اس کی توجیہ صرت یہی ہو سکتی ہے کہ خود اہل نارمنڈی نے مطلق کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔ نصف صدی قبل اس سرزمین پر اگر کوئی فرانسیسی نظر آجاتا تو آدرینجز سے لیکر ڈیپ تک ایک ایک کسان لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ مگر اب محض فلپ کے مطالبہ پر شہر پرشہر اطاعت قبول کرتے گئے، اور ابھی فتح کا کام تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ نارمنڈی کا صوبہ فرانس کے صوبوں میں سب سے زیادہ وفادار ہو بن گیا، اس کا بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ فلپ نے شہروں کی درخواست آزادی اور حکومت خود اختیاری کو عاقلانہ فیاضی کے ساتھ قبول کر لیا تھا، دوسرے یہ فتح ایک لشکر جبار اور جنگی قابلیت کے ساتھ

عمل میں آئی تھی۔ نارمنوں کے لئے جان کے تحت سے نکل کر فلپ کے تحت میں آجانا محض ایک غیر ملکی مالک کی حکومت سے دوسرے غیر ملکی مالک کی حکومت میں جانا تھا، اور ان دونوں غیر ملکیوں میں فلپ کم بیگانہ تھا، فرانس اور نارمنڈی کے مابین جتنے زمانے عداوت رہی تھی اتنے ہی زمانے تک موافقت بھی رہ چکی تھی، لیکن نارمنڈی اور آبنجو کے مابین ایک صدی سے برابر شدید ترین نفرت قائم تھی۔ ان دونوں ملکوں میں موافقت کبھی ہوئی ہی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں فرانس کا تابع ہو جانا فی الاصل اس اطاعت کا علی اظہار تھا جو خیالات میں ہمیشہ سے موجود تھی۔ فلپ رومین میں امرائے نارمنڈی کے فرمانروا کی حیثیت سے داخل ہوا، برضلاف اس کے خاندان آبنجو کی اطاعت تمام اطاعتوں میں ذلیل ترین اطاعت تھی کیونکہ یہ ایک اپنے ہی ہمسر کی اطاعت تھی ؎

جان اپنی نارمن رعایا کی اس طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا اور اسی وجہ سے جب فلپ کے حملے شروع ہوئے اور اسے شیٹوگیلرڈ کی خلاص میں ناکامیابی ہوئی تو اس نے مقاومت کی تمام امیدیں ترک کر دیں، جس دانشمندانہ تدبیر سے شیٹوگیلرڈ کی کمک کے لئے متہدہ نقل و حرکت تجویز ہوئی تھی۔ اس سے بادشاہ کی جنگی قابلیت کا ثبوت ملتا ہے، محاصرین کو دریائے سین کی وجہ سے دو گروہوں میں تقسیم ہونا پڑا تھا۔ ان کی فوجوں کا بڑا حصہ دریا کے پکر کے اندر سطح زمین پر خیمہ زن تھا اور ایک مختصر حصہ وادی گیمن پر قبضہ کرنے اور قرب و جوار کے ملک سے سامان رسد جمع کرنے کے لئے دریا پار اتار دیا گیا تھا، جان کی تجویز یہ تھی کہ کشتوں کے پل کو جو ان

دونوں کے درمیان ذریعہ آمد و رفت تھا تباہ کر کے فرانسیسی فوج کے اس حصہ پر حملہ کر دے جو دریا کے چکر کے اندر والی زمین پر خیمہ زن تھا اس فوج کے لئے اس پل کے سوا کوئی اور راستہ نکلنے کا نہیں تھا، اگر حملہ اسی خوبی سے عمل میں آیا ہوتا جس خوبی سے اس کا منصوبہ سوچا گیا تھا تو اس کا انجام فلپ کی بربادی ہوتا مگر دونوں حملے ایک ساتھ شروع نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یکے بعد دیگرے مسترد کر دئے گئے۔ اس پپائی سے اس تمام فوجی نظام کا شیرازہ کبھر گیا جس کے ذریعے سے اہل 'انجو' نارمنڈی پر قابض تھے۔ جان کا خزانہ ختم ہو گیا اور اس کے اجرتی سپاہی اس کے دشمن سے جانے۔ بادشاہ نے مایوس ہو کر جب خود نارمنڈی سے مدد کی درخواست کی تو وقت نخل چکا تھا۔ نارمنڈی کے امرا پہلے ہی سے فلپ سے معاملات طے کر رہے تھے اور شہروں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ فرانسیسیوں کے مسلسل محاصرے کی مدافعت کر سکیں۔ یہاں سے مایوس ہو کر جان سمندر پار گیا کہ انگلستان سے مدد حاصل کرے مگر وہاں بھی کچھ کار بر آری نہ ہوئی اور ایک بہادرانہ مقابلے کے بعد شیٹوگیلرڈ کے سفر ہو جانے سے صوبہ نارمنڈی بلا کسی قسم کی مزاحمت کے شاہ فرانس کے ہاتھ میں چلا گیا، سن ۱۲۰۴ء میں فلپ جنوب کی طرف متوجہ ہوا اور ادھر بھی اسے ویسی ہی حیرت افزا کامیابی نصیب ہوئی۔ مین 'انجو' ٹورین خیف سی مخالفت کے بعد اس کے قبضے میں آگئے اور الینز کے انتقال کر جانے سے اکوٹین کے بڑے حصے نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی، گیرون کے جنوبی ملک کے سوا

جان کے پاس برائے نام ہی کچھ باقی رہ گیا تھا، وہ ایک وسیع
 شہنشاہی کا مالک تھا جو ٹائن سے پریسینٹر تک پھیلی ہوئی تھی مگر صرف
 ایک سحرکے میں وہ محض انگلستان کا بادشاہ رہ گیا، درحقیقت شیٹوگیڈ
 کے سقوط پر انگلستان کی قسمت معلق تھی اور بس اینڈیلز کی بندیوں
 پر کے عظیم الشان دیرانے میں دیکھسی کی بات یہ ہے کہ وہ ایک
 لشکرگاہ اور ایک نظام حکومت دونوں کی تباہی کی یادگار ہے۔
 اس کے تاریک وسطی برج اور ٹوٹی ہوئی دیواروں سے نہ صرف
 سین کی خوشنما وادی پر نظر پڑتی ہے بلکہ روئیڈ کے پرگیاہ میدان
 بھی آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں +

باب سوم

منشورِ اعظم

۱۲۰۴-۱۲۶۵

جزو اول

انگریزی علم ادب بعد شاہان نارمنڈی و آنجو

[اسناد۔ اس عہد کے عام علم ادب کے لئے مشر مارلی کی انگلش رائٹرز فرام

English writers (مصنفان انگلستان از زمانہ فتح تا چاسر

rom the conquest to Chaucer Vol. I. Pt. ii.) جلد اول حصہ دوم

دیکھنا چاہئے۔ جیرلڈ ڈی بیری کے متعلق جو کچھ معلومات حاصل ہو سکتے ہیں وہ سلسلہ

صحافت میں مشر بر دور اور مشر ڈیماک کے جمع کردہ تصانیف کے دیباچوں میں

ملینگے۔ ڈالٹریپ کی نظموں کو مشر رائٹ نے کیمڈن سوسائٹی کے لئے مرتب

کیا ہے۔ اور لیاسن کی نظموں پر ایف۔ میڈن نے ترتیب دی ہے۔

جان کو نارمنڈی سے نکل کر جس نئی انگریزی قوم سے سابقہ پڑا

اس کے خصائل کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہیں انگلستان کے۔

احیاء
عربی

اس زمانے کے علم ادب پر نظر ڈالنا چاہئے، جس کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ایک خاموش انقلاب نے اب خالص علمی گروہ کو خالص مذہبی گروہ سے جدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بکٹ کے مناشے میں ہنری ثنائی کو اس سے بہت تقویت پہنچی تھی۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ کس طرح تاریخ انگلستان کے اوائل زمانے میں علم ادب مذہبی مدارس میں پیدا ہوا اور زمانے کی جہالت اور زیادتی سے بچنے کے لئے مذہب کے دامن شفقت میں پناہ لیتا رہا۔ بیڈا سے لیکر آنجوی زمانے تک تقریباً کل مصنفین پادری یا راہب تھے۔ فتح کے بعد علوم میں جان پڑ گئی جو ایک طرح کی خالص مذہبی روح تھی۔ بیکٹ نے نارمنڈی والوں کے دماغ میں ہل چل پیدا کر دی تھی، اور انگلستان کی بڑی بڑی خانقاہوں میں نارمن راہبوں کے تقرر سے یہ تحریک آبنائے انگلستان کے اس طرف بھی آگئی تھی۔ اور اس زمانے سے ”دارالانشاء“ بڑی حیثیت مذہبی عمارت کا ایک لازمی و اہم حصہ ہو گیا تھا۔ ان کمروں میں لاطینی ادب کی کتابوں کی نقلیں ہوتی اور ان کی تزئین کی جاتی تھی۔ یہ کتابیں عیسوی مذہب کی بھی ہوتی تھیں اور اس سے قبل زمانے کی بھی۔ یہیں اولیا کی سوانح عمری مرتب ہوتی تھی، اور خانقاہ کے واقعات میں سب حالات درج کئے جاتے تھے۔ مگر اس طرح مذہب کی پناہ میں دینی علوم سے زیادہ دنیوی علوم کو فروغ ہوا۔ باوجودیکہ ایسٹلم نے فلسفہ اور زہد و عبادت کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ اس پر بھی انگریزی زبان میں فقہ یا

علم الہیات کی کوئی کتاب نہ لکھی گئی۔ فتح کے بعد جس علمی ترقی کی تجویز ہوئی اس نے زیادہ تر تاریخ قدیم کا رنگ اختیار کیا۔ ڈرہم میں سنگ اور سین نے ہنری اول کے زمانے تک قومی واقعات کو لاطینی زبان میں مرتب کیا اور اس میں شمال کے معاملات کو خصوصیت کے ساتھ زیادہ جگہ دی۔ عہد اسٹیفن کے ابتدائی واقعات کو انگلستان و اسکاٹلینڈ کی درمیانی ویران سرحد کے اندر ہیکیم کے رؤسائے خانقاہ نے ضبط کیا، مگر انہوں نے محض واقعات کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کیا تھا۔ ان کے بیان میں کسی قسم کی کوئی خاص رنگینی یا خوبی نہیں پائی جاتی۔ البتہ جب کینٹزبری کے دارالانشا میں آئرن نے اولیائے انگلستان کے سیر کو مرتب کیا اور اومر نے شاہ امر اور اس کے جانشین کے مقابلے میں ایسٹلم کی جدوجہد کی تصویر دکھائی اس وقت اول اول یہ نظر آیا کہ نئے علم ادب پر انگریزی جذبات و خیالات کا کیسا تین و نمایاں اثر پڑ رہا ہے۔ ان کے بعد کے دو سو رنوں میں قومی تحریک کا اثر اور بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔ برطانیہ کے انگریز فاتحین کے جگلی گیت یا رجز کلیسائے ہنگلڈن کے ناظم اعلیٰ ہنری کی وجہ سے محفوظ رہ گئے۔ اس نے بیٹا کی تصانیف اور واقعات انگریزی سے منتخب کر کے ایک تاریخ لکھی تھی، اس میں ان گیتوں کو جا بجا نقل کر دیا تھا۔ اسی طرح ماضبری کے محافظ کتب خانہ ولیم نے نہایت محنت سے ان تمام گیتوں اور نغموں کو جمع کیا، جن میں انگریزی بادشاہوں کے متعلق عام روایا کو نظم کر دیا تھا۔ *

ولیم ہی وہ شخص ہے جو اس جدید علم ادب کی طرٹ سب سے علم ادب زیادہ راغب نظر آتا ہے۔ جس طرح اس کی ذات میں نفع و منفعت و ور بار کی آمیزش تھی، اسی طرح اس کی تصنیف میں بھی اس امتزاج کا شاہی اثر پایا جاتا ہے۔ وہ از روئے نسب انگریزوں اور نارمنوں دونوں سے تعلق رکھتا تھا، اور جس طرح اس کا خون دونوں قوموں میں منقسم تھا اسی طرح اس کی ہمدردی بھی منقسم تھی۔ تمام ممالک عیسوی میں قدیم علم ادب کی از سر نو اشاعت ہو رہی تھی، اور اس کی تحریرات کے طرز ادا سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اس علم ادب کے مطالعے ولیم (ہافزبری) کا اس پر گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ اگرچہ ایک راہب تھا مگر اس نے قدیم مذہبی انداز اور واقعات نویسی کی طرز کو ترک کر دیا تھا۔ اُس نے واقعات کے جمع کرنے میں سنہ و تاریخ کی ترتیب کا زیادہ لحاظ نہیں کیا ہے، بلکہ بیان میں دیکھی، روائی، اور سہولت م نظر رکھی ہے۔ اور اپنے تسلسل بیان کو چھوڑ کر جا بجا یورپ و کلیسا کی عام تاریخ پر نظر ڈالتا جاتا ہے۔ تاریخ نویسی کے اس جدید انداز کی وجہ سے ولیم مورخین کے اس طبقے میں سب سے اول ہے جس کا تعلق دربار سے تھا اور جو زیادہ فلسفیانہ و مدبرانہ طرز پر چلنا چاہتا تھا۔ اس فرقے میں وقائع کا مصنف جسے علم طور پر بزیوک (پٹربرو) کہا جاتا ہے اور اس کا جاری رکھنے والا روجر (ہاڈڈن) سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ یہ دونوں ہنری دوم کے زمانے میں عدالتی عمدوں پر فائز تھے اور اس درباری تعلق کی وجہ سے انہیں سلطنت کے اندرونی و بیرونی معاملات

کے متعلق بہت ہی مکمل اور صحیح واقفیت حاصل ہو گئی تھی۔ برکلی کاغذات کا نہایت ہی وافر ذخیرہ ان کے دسترس کے اندر تھا، اور یہی تعلق اس امر کا باعث تھا کہ انہوں نے اپنے وقت کے کلیسا اور سلطنت کے مناقشے کو محض سیاسی نظر سے دیکھا ہے۔

نیو برگ کے کینن ولیم کی تاریخ میں بھی مذہبی تعصب سے پوری آزادی اور اس کے ساتھ ہی قابل قدر اعتقادی قابلیت پائی جاتی ہے، حالانکہ اس نے مرکز سلطنت سے بہت دور اپنے یارک شائر کی خانقاہ میں یہ تاریخ لکھی تھی۔ بہر حال بادشاہ کا دربار ایک خالص دنیاوی علم ادب کا مرکز بن گیا تھا۔ ہنری دوم کے نائب السلطنت رنیف ڈی گلینول کی کتاب انگریزی قانون پر سب سے پہلی تصنیف ہے، اسی طرح شاہی خزانچی برڈونیل کی تصنیف ”خزانہ“ انگریزی حکومت کے متعلق سب سے پہلی کتاب ہے۔

چیرلڈ غیر مذہبی رنگ میں ان سب سے زیادہ صاف تحریر چیرلڈ ساگن ڈی بیر کی تحریریں ہیں، اگرچہ چیرلڈ ایک قیس بلکہ اسقف تھا، مگر جس طرح وہ سیاسی و مذہبی پمفلٹ نویسی کا بانی ہے، اسی طرح انگلستان کے عام پسند علم ادب کا موجد بھی ہے۔ اس کے نام چیرلڈ گبرینس سے ظاہر ہے، کہ اس کی رگوں میں نارن خون کے ساتھ ویلز کی خون بھی دوڑ رہا تھا، اور قوم کلٹک کی بے صبری اور ان کا جوش اس کی تحریروں اور نیز اس کی حالات زندگی سے ہودیداً ہے۔ پیرس میں ایک مستعد طالب علم، ویلز میں ایک مصلح آرج ڈیکن (نقیب اعلیٰ) درباری پیش نمازوں میں سب سے زیادہ

ظریف الطبع اور اساقفہ میں سب سے زیادہ پریشان کن، ہونیکے ساتھ ہی وہ اپنے وقت کے تمام مصنفین میں سب سے زیادہ زندہ دل اور خوش طبع مصنف تھا، پر شکوہ زبان لاطینی اس کے ہاتھ میں پڑ کر گویوں کی جدت طبع و معاملہ نگاری کا نمونہ بن گئی تھی۔ باوجودیکہ اس نے قدیم علم ادب کی تعلیم پائی تھی، مگر فضیلت آبی کو بالائے طاق رکھ کر اس نے اپنی جدت طرازی کی بابت ایک خاص انداز کی معذرت پیش کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”گوٹکا ہونا اس سے بہتر ہے کہ آدمی کی بات نہ سمجھی جاسکے، نئے زمانے نئی جدتوں کے خواہاں ہیں، اور اس لئے میں نے دوسرے مصنفین کا خشک و فرسودہ طریقہ بالکل ترک کر دیا ہے، اور کوشش یہ کی ہے کہ زبان کا وہ طرز اختیار کروں جو حقیقتاً آج کل مروج ہے۔“ جان اور اسقف اعظم بالڈون کے ساتھ اس نے آئرلینڈ اور ویلز کے سفر کئے تھے، ان دونوں سفروں کی کیفیتوں کے متعلق اس نے ایک رسالہ فتح آئرلینڈ اور ایک کتاب حالات ویلز لکھی ہے، اس سے اس کی مشاہدہ کی قوت اس کی مبادرت، اور اس کی معاملہ فہمی پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ بالکل اسی قسم کے دلپسند و دلیرانہ خطوط ہیں جیسے ان دنوں اخبارات کے سینڈ مرسلت میں نظر آتے ہیں۔ اس کے سیاسی رسالوں میں بھی یہی لب و لہجہ موجود ہے، اس کے وفور ظرافت، کثرت لطیفہ گوئی، حاضر جوابی، طبی تیز فہمی، نقادانہ تمسق اور صنعائی و روانی بیان کے ساتھ پیابکی و تند مزاجی بھی ایسی ملی ہوئی تھی کہ ہنری ثانی سا بادشاہ بھی اس کے حملے سے پر حذر رہتا تھا۔ تاریخ میں ہنری اور

اس کے بیٹوں کے خلاف جن ناگوار امور کا رواج ہو گیا ہے اس کا بڑا سبب جیرلڈ کے وہ لعن طعن ہیں جن سے اس نے آنجو والوں کے خلاف اپنے دل کا بخار نکالا تھا، سنٹ ڈیوڈ کی استغنی حاصل کرنیکی لا حاصل کوشش میں اس کی زندگی خراب ہوئی، مگر اس کے قلم کی تیزی نے تاج کے مقابلے میں قوم کے جوش کو ابھارنے میں بڑا کام دیا۔

افسانہ

افسانہ گوئیوں میں کیلسا سے علانیہ مخالفت کا انداز کم و بیش ابتدا ہی سے رو بہ ترقی تھا، اب سے بہت قبل ہنری اول کے دربار میں افسانہ گوئی کی بنیاد مستحکم ہو چکی تھی۔ بریمینی کے اہل کلت میں آرتھر کے افسانے ایک مدت سے ہر دل عزیز ہو رہے تھے اور خارج البلد رس ریپ ٹیوڈر کے ساتھ ساتھ ویلز میں پہنچ کر وہاں بھی شائع ہو گئے تھے، اب ملکہ ماڈ کی سرپرستی سے جافی (مانتسمہ) کے ذریعے سے ان افسانوں کو اہل برطانیہ کی تاریخ میں جگہ مل گئی۔ اس افسانہ گو نے نہایت جسارت کے ساتھ موبوٹا قصے، روایات، ادب القدامہ کے رائج الوقت خیالات، اہل دیلز کی سیکسن پر آئندہ نظریاتی کی امیدیں، جنگھائے صلیبی کے تذکرے اور چارلس اعظم کی عالمگیر سلطنت کے حالات، ان سب کو ایک کتاب میں شامل کر لیا تھا، عوام میں اسے بہت جلد قبول عام حاصل ہو گیا، الفرڈ (پورلی) نے جافی کے افسانوں کو دو قلمی تاریخ کا جامہ پہنا دیا۔ اور دو نارمن داستان گو گیمہ اور ویس نے فرانسیسی نظم میں اس کا ترجمہ کر ڈالا۔ ان افسانوں کی صحت کا

ایسا کامل اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ ہنری ثنائی آرٹھر کی قبر کی زیارت کے لئے گلیسٹری گیا اور اس کے بیٹے جافری کے ہاں جب کائینس آف بریٹنی کے بطن سے لڑکا ہوا تو اس بچے کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا، جافری کے اس ایجاد فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ راؤنڈ ہیل (مور میں) کا قصہ پیدا ہو گیا۔ بریٹنی میں آرٹھر کے قصے کے ساتھ ایک اور بھی زیادہ قدیم اور سوہوم افسانہ ساحر مرلن کا ملا دیا گیا۔ اور اس میں لینسلٹ کے قصے کا اضافہ کر کے اس وقت کے گشت کرنیوالے گویوں کو دے دیا گیا۔ وہ اسے ایک ایک امیر کے محل میں گاتے پھرتے تھے۔ اور آہستہ آہستہ اسے اس شکل میں ڈھال دیا کہ ایک عورت کی محبت میں نائٹ جاڈ وفاداری سے ہٹ گیا۔ ٹرسٹیم اور گوین کے قصے اولاً لینسلٹ کے قصے کی طرح بالکل جداگانہ قصے تھے، مگر سب اسی آرٹھر کے افسانے کے بھنور میں پھنس کر ایک ہو گئے۔ کلیسا کو پہنچنے کے قصوں کی ایسی ہر دل عزیز پر رشک ہوا اور اس نے اس کے اثر کا مقابلہ کرنے کے لئے فضی پیالہ مقدس، یا سان گرال کی نظم تیار کی اس پیالے کی نسبت یہ خیال قائم کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ کا صلیب سے بہا ہوا خون اس میں رکھا تھا، یہ پیالہ عام نگاہوں سے پوشیدہ تھا، اور صرف ان لوگوں کو نظر آتا تھا جن کے دل پاک و صاف تھے، مگر دربار کے ایک شاعر والٹر دی میپ کی لباعی نے ان دونوں رقیب افسانوں کو ایک کر دیا۔ اس نے آرٹھر اور

اس کے نائٹوں کو اس "سان گراں" کی جستجو میں بحر و بر میں پھرایا اور بالآخر سرگیلہاڈ کو طبقہ نائٹ کا کامل نمونہ قرار دے کر کامیابی کا سہرا اس کے سر پر رکھا۔ اس تخیل سے نہ اسے خود کچھ خوف ہوا اور نہ کسی اور نے اس بیباکی پر اسے لامت کی۔

والٹر ڈی میپ ہنری اول و دوم کے دربار میں افسانے کی ترقی اور تاریخ کے آزادانہ طرز تحریر کے پیدا ہو جانے سے علمی و سیاسی و مذہبی انتقاد کا ایک چشمہ ابل پڑا تھا۔ **والٹر اسی** دور کے نائیندے کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ **والٹر ڈی میپ** سرحد ویلز میں پیدا ہوا، پیرس میں طالب علمی کی بادشاہ کا نزدیک، پیش نماز، نائب السلطنت، اور سفیر رہا۔ اس کی ذہانت جس طرح مختلف حیثیات کی جامع تھی اسی طرح بغایت وسیع جہی تھی، اُس نے اپنی کتاب "رشحات دربار" میں اس وقت کے چٹکوں کو ویسی ہی آسانی سے جمع کر دیا ہے، جس آسانی سے سرگیلہاڈ کی تصویر بنا گھڑی کر دی ہے، مگر اُس کی انشا پر دہلی کا بحال اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ افسانہ نویسی کے میدان سے نکل کر اصلاح کلیسا کی طرف متوجہ ہوا ہے، اور "سقف گو لیٹہ" کی شکل میں اس نے اپنے وقت کی مذہبی خرابیوں کا ایک مرقع پیش کیا ہے۔ اس خیالی مقصد نے مذہب کے اقرار و اعتراف میں بکٹ کے ساتھ ہنری اور اس کے دربار کی خصامت کی کیفیت اس طرح کھول کر دکھائی ہے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ پھر جاتا ہے۔ ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی تباہ کاری

سہل انگاری، حرص و آرز، خفیہ بدکاری ایک ایک شے کی تصویر اُتار دی ہے۔ پوپ سے لیکر ایک دہاتی پادری تک تمام اہل کلیسا کا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ کس طرح ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے نفع کے درپے رہتا ہے۔ اگر اسقف سے کچھ بچ رہتا ہے تو نقیب اعلیٰ (آرچ ڈیکن) اسے لیتا ہے، نقیب اعلیٰ سے کچھ بچ نکلتا ہے تو ڈین (منتظم مقیم) کا شکار ہوتا ہے۔ اور ان بڑے لیٹروں کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے عمدہ داروں کا ایک بھوکا فول چکر لگاتا رہتا ہے۔ ان تصویروں سے اس بھوگو کے صفحے کے صفحے بھرے ہوئے ہیں، ان میں دکار (شدیق) بھی ہیں جو متعدد جاگیروں پر قابض ہیں، روسائے خانقاہ بھی ہیں جن کے چہرے ان کی شراب کی طرح سُرخ ہیں، راہب بھی ہیں جو طوطوں کی طرح بیٹ بیٹ کرتے اور کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر سب کی سرتاج فلسطینی اسقف گو لیتہ کی تصویر ہے۔ یہ سست عزم ایمان سے مبرا، شہوت پرستی میں غرق، بے عصمت اسقف ہے جس میں سب کے عیب ایک جگہ جمع ہیں؛

لیکن اس قسم کی لاطینی و فرانسیسی تصانیف کا شمار انگریزی زبان ادبیات میں صرف اسی حیثیت سے ہو سکتا ہے کہ وہ انگریزوں کی انگریزی کی تحریریں ہیں۔ عام قوم کی زبان ہر زمانے میں انگریزی ہی کی تجدید رہی، خود ولیم نے اس زبان کے سکھنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ خود اپنی رعایا کا انصاف کر سکے اور فتح کی ایک صدی بعد تک فاتحین کی زبان کے صرف چند الفاظ انگریزی میں دہل ہوئے

تھے۔ انگریزی علم ادب اجنبیوں کے دربار سے خارج اور لاطینی
 علما کی رقابت کا ہدف بنا ہوا تھا، پھر بھی نہ صرف مذہبی تصانیف
 اور انجیل و زبور کے منظوم ترجموں نے اسے برقرار رکھا، بلکہ
 انگریزی نثر کی یادگار عظیم ”وقائع انگلستان“ بھی اس کے قیام
 و دوام کا بڑا باعث ہوا۔ اسٹفن کے مصیبت ناک عہد میں پٹربرگ
 کی خانقاہ کے اندر اس واقعے کا سلسلہ ٹوٹ گیا مگر ”الفرڈ کے
 مقولات“ سے (جس میں ایک انگریزی بادشاہ کا مکمل نمونہ پیش
 کیا گیا ہے، اور عہد گزشتہ کی عظمت و احترام کو زندہ کیا گیا
 ہے)۔ ہنری ثانی کے عہد تک مسلسل ملکی علم ادب کا رواج رہا
 انگریزی نظم کی ایک بہت بڑی کتاب عین اس وقت تصنیف
 ہوئی ہے جب نارمنڈی ہاتھ سے نکل گئی تھی، اور جان اپنی جزیرو
 کی سلطنت میں واپس آ گیا تھا۔ ”اس ملک میں ایک قیس
 تھا جس کا نام لڈیامن تھا، وہ لیڈمیٹھ کا بیٹا تھا۔ خدا اس پر
 رحم کرے وہ اپنی حسب خواہش ریڈ اسٹون کے قریب سیورن
 کے کنارے ارنلی کے شاندار گرجے میں رہتا تھا، اس کے دل
 میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ وہ انگلستان کے شاندار کارناموں کو
 بیان کرے اور بتائے کہ لوگوں کے کیا نام تھے، وہ کہاں
 سے آئے تھے اور انگلستان کی زمین پر پہلے کون لوگ قابض
 تھے۔“ ملک میں دور و دراز سفر کر کے اس راہب نے بیڈا
 اور ویس کی تصانیف حیا کیں۔ سنٹ آلبین اور سنٹ اسٹن
 سے بھی کتابیں حاصل کیں۔ اس نے ان کتابوں کی ورق گردانی

شروع کی اور نہایت توجہ اور شوق سے ان کا مطالعہ کرتا رہا۔ خدا اس پر رحم کرے، پھر اس نے خود قلم اٹھایا اور ایک دفتر لکھ ڈالا اور صحیح واقعات کو لیکر تینوں کتابوں کو ایک کر دیا۔ لیسٹن کا گرجا اب دوسٹر شائر میں پیوڈلی کے قریب ایرلی کے نام سے مشہور ہے، اس کی نظم نی اسقیت ویس کی کتاب ”برٹ“ کی توسیع تھی جس میں بیٹا کے اقتباسات شامل کر دئے گئے تھے۔ تاریخی حیثیت سے وہ بیکار ہے مگر انگریزی زبان کی یادگار کے لحاظ سے وہ نہایت پیش بہا ہے۔ نارمن اور آنجوی عہد کے بعد انگریزی میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔ تیس ہزار سے زیادہ مصرعوں میں پچاس سے زیادہ نارمن الفاظ نہیں پائے جاتے۔ قدیم شاعرانہ روایت تک بحال خود باقی ہے، عروض میں خیف سا تغیر ہوا لیکن تشبیہات وہی کیڈمن کی چند فطرتی تشبیہات ہیں، جنگلوں کی تصویریں بھی ویسی ہی عامیانہ اور سادگی کے ساتھ کھینچی گئی ہیں۔ اسے محض اتفاق نہیں قرار دیا جاسکتا کہ عین اس وقت جبکہ قوم اور بادشاہ کے درمیان عظیم کشمکش شروع ہونیوالی تھی، انگریزی زبان میں دوبارہ ادبی جوش پیدا ہو گیا۔ مصنوعی کیفیتیں جو فتح کی وجہ سے پیش آگئیں تھیں وہ جس طرح علم ادب سے زائل ہو رہی تھیں، اسی طرح قوم کے دلوں سے بھی ان کا اثر زائل ہوتا جاتا تھا، اور ایک جدید انگلستان جس میں ڈی سیپ کی زندہ دلی اور جیرلڈ کی جسارت نے روح پھونک دی تھی جان سے مصادرت کے لئے آمادہ ہوا تھا *

جز دوم

جان
۱۱۹۹ء - ۱۲۱۶ء
۱۲۱۵ء - ۱۲۱۶ء

اسناد۔ ہمارا خاص ذریعہ معلومات وہ وقائع ہے جو والٹر کوٹری کے مموریل (یا داگرا Memoriale) میں شامل ہے۔ اس کے سوا ناجر (دو دور) کا وقائع ہے۔ سنت البز کے تذکرہ نویسوں کی تصانیف میں سب سے پہلے یہ تصنیف شائع ہوئی ہے، اسی خانقاہ کے ایک دوسرے راہب مٹیو پیرس نے بعد میں اس کتاب پر نظر ثانی کی تھی اور اسے اور بڑھایا تھا۔ اس کے بیان میں حُب وطن کا جوش زیادہ ہے۔ دورلی، ڈنٹیل اور برٹن کے اخبار اس عہد کے لئے نہایت اہم ہیں۔ شاہی صحائف (Royal Rolls) کا وسیع سلسلہ اس وقت سے نہایت ہی قابل قدر ہو گیا ہے۔ فرانسیسی مصنفین وہی ہیں جن کا ذکر جز اول میں ہو چکا ہے۔ لینٹن کے حالات کے لئے کب کی لائوز آف دی آرچ بشپس (سوانح اساقف اعظم Lines of the Archbishops) دیکھنا چاہئے۔ جدید تصانیف میں اس عہد کا بہترین بیان پیرس کی ہسٹری آف انگلینڈ (تاریخ انگلستان) جلد دوم History of England میں ملے گا۔

جان ”دورخ اگرچہ ناپاک ہے مگر جان کے ناپاک تر وجود سے اور بھی ناپاک ہو جائیگی۔“ بادشاہ کے ہمعصروں کی اس سنت رنہ پر تاریخ نے اپنے سنجیدہ فیصلے کی مہر لگا دی ہے۔ ظاہر جان میں تیزی، زندہ دلی، چالاک، خوش طبعی، آداب مجلس کی دلاویزی کے وہ تمام صفات موجود تھے جو اس کے خاندان کے ماہر امتیاز

تھے۔ اس کے بدترین دشمن بھی اس امر کے مترف تھے کہ انتظام ملک میں وہ نہایت مستعدی و توجہ سے کام لیتا تھا، وہ جیلڈ جیسے صاحبان علم کا قدردان تھا، دوستوں کو اپنی طرف راغب کرنے اور عورتوں کی محبت حاصل کر لینے کا اس میں عجیب نلکہ تھا۔ مگر باطنی طور پر وہ آنجویوں کے بدترین خصائل کا مجموعہ تھا۔ ان کی نخوت، خود غرضی، بے لگام ہوا و ہوس، ظلم و ستم، بیجیائی، وہم پرستی، عزت و صداقت کی طرف سے بے حسی، یہ تمام معائب اس کے اندر مجتمع تھے۔ اُس کے لڑکپن کا ذکر ہے کہ جب آرلینڈ کے سردار اُسے اپنا آقا سمجھ کر اظہارِ وفاداری کے لئے آئے تو اس نے ایک عجیب وحشیانہ حرکت کی کہ اُن کی ڈاڑھیاں نوچ لیں۔ اس کی ناشکر گزاری و دغا کیشی کے غم میں اس کا باپ ہلاک ہو گیا، اپنے بھائی کے حق میں وہ بدترین غدار ثابت ہوا۔ تمام ممالک عیسوی کو یقین تھا کہ اس نے اپنے بھتیجے آرٹھر (آف بریٹینی) کو قتل کر ڈالا ہے اس نے ایک بیوی کو چھوڑ دیا اور دوسری سے بھی وفانہ کی۔ وہ سزائیں دینے میں طرح طرح کے ظلم و ستم ایجاد کرتا تھا۔ بچوں کو بھوکوں مار ڈالتا، بڈھوں کے سروں پر جست کے ٹوپ رکھ رکھ کر انہیں کپل ڈالتا، اس کا دربار ایک زنا خانہ تھا، جہاں کوئی عورت شاہی ہوس پرستی سے محفوظ نہیں تھی، اس پر طرہ یہ کہ بے غیرتی کی وجہ سے وہ اس امر کو پسند کرتا تھا کہ اس کے ستم رسیدوں کی شرمناک خبریں اچھی طرح شائع ہوں، وہ جس قدر بہ کاریوں میں دلیر تھا، اسی قدر توہمات کے معاملے میں بودا تھا۔ وہ قیسوں کی

ہنسی اڑاتا تھا یہاں تک کہ اپنے جشن تخت نشینی کی رسموں میں دعا کے وقت پیٹھ پھیر کر بیٹھ گیا مگر کسی سفر میں باتے وقت جب تک گلے میں تعویذ نہ ڈال لیتا حرکت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اپنے خاندان کی بہ کرداری کے ساتھ اس نے خاندانی خوبیاں بھی ورثے میں پائی تھیں، شیتو گیلرڈ کے بچانیکے لئے اس نے جیسی اعلیٰ تجویز کی 'مراہو پر جس تیزی کے ساتھ کوچ کر کے اس نے آرتھر کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا' ان سے اس کی جنگ کی فطرتی قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ وسیع و عاجلانہ سیاسی اتحادات کے معاملے میں وہ اپنے وقت کے مدبرین سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس کے تمام عہد میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت تیزی کے ساتھ موقع کے مشکلات کو معلوم کر لیتا ہے اور ان کے تدارک کے لئے لامحدود وسائل سے کام لیتا ہے۔ براہِ علم میں جب اُس کی قوت کا خاتمہ ہو گیا تو اُس نے ایک ایسے اتحادِ عظیم کا ڈول ڈالا کہ جس کی وجہ سے فلپ خاک میں ملتے ملتے رہ گیا۔ تمام انگلستان جب یک بیک اس سے منحرف ہو گیا تو اس نے اس کے جواب میں یہ کیا کہ نہایت بے غیرتی کے ساتھ پوپ سے اتحاد کر لیا۔ جان کے زوال کو لوگ اس کی سستی اور ناقابلیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر جب اس کی سیرت پر گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ الزامات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔ اس کی زندگی سے ہمیں یہ ہولناک سبق ملتا ہے کہ نارمنڈی کا کھو دینا والا، پوپ کی غلامی کو اختیار کر نیا والا، اور انگریزی آزادی کے

خلاف مایوسانہ جدوجہد میں تباہ ہو جانے والا کوئی کم زور بے پروا عیاش شخص نہیں تھا، بلکہ آنٹیجوں میں سب سے زیادہ قابل اور نڈر شخص تھا۔

بادشاہ کی تمام قوت اس امر پر صرف ہو رہی تھی کہ بر اعظم کے کھوئے ہوئے ممالک کو دوبارہ حاصل کرے۔ خاندان آنٹیج کے ان حمایتیوں کی مدد کے لئے جو اب تک پائٹو اور گینی میں فرانس کی فوجوں کا مقابلہ کر رہے تھے، وہ بے صبری کے ساتھ یورپ اور آدمی جمع کر رہا تھا، اور ۱۲۵۰ء کے موسم گرما میں یہ مقام پورٹس ماؤتھ ایک فوج بھی جمع کر لی تھی مگر اسقف اعظم اور ولیم مارشل (ارل پیروک) کی سخت مخالفت کی وجہ سے اس منصوبے میں یکایک مزامت پیش آگئی۔ اس کے باپ نے طبقہ بیرن اور کلیسا دونوں کو کال طور پر پست کر دیا تھا مگر ان کے قائم مقاموں میں اس روش سے قومی آزادی کی ایک نئی روح پیدا ہو رہی تھی۔ جان فوراً ہی اس کے دبائیکے لئے کمر بستہ ہو گیا۔ ہیوبرٹ والٹر نے اس کی مخالفت کی مگر ایک ہفتہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا، اور اس سے بظاہر اسباب جان کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے ایک ہواخواہ کو کلیسا کا سرگروہ بنا کر کلیسا کی مخالفت کو فرو کرے۔ چنانچہ اس کے حکم سے کینٹربری کے راہبوں نے ناروج کے اسقف جان ڈی گرسے کو اسقف اعظم منتخب کر لیا۔ لیکن اس سے قبل اگرچہ باضابطہ طریق پر نہیں، تاہم اپنی ایک مجلس میں اہل خانقاہ اپنے نائب رئیس رجبینالڈ کو اسقف اعظم

فتوای
توصل

منتخب کر چکے تھے، یہ دونوں رقیب اپنا قضیہ پیش کر نیکے لئے فوراً روم کو روانہ ہو گئے۔ مگر اس کارروائی کا جو نتیجہ ہوا اُس سے وہ اور بادشاہ دونوں ششدر رہ گئے۔ انٹرنسٹ ثالث جو اُس وقت مسند پاپائی پر تھکن تھا اُس نے عالم عیسائی میں اپنا اقتدار اس قدر بڑھا لیا تھا کہ اس سے پہلے کسی پوپ کو نصیب نہیں تھا، اُس نے غور سے جانچنے کے بعد ان دونوں انتخابات کو باطل کر دیا۔ یہ فیصلہ باغلب وجہ ایک صحیح فیصلہ تھا، مگر انٹرنسٹ نے اسی پر قناعت نہیں کی، بلکہ جو راہب اس کے روبرو حاضر ہوئے تھے، انہیں حکم دیا کہ اس کے سامنے اسٹیفن لینکلن کو اسقف اعظم منتخب کریں۔ اس کارروائی کی وجہ خواہ اس کی حب جاہ قرار دی جائے یا صاف طور پر یہ کہا جائے کہ انگریزی حدود کے اندر اُسے آزادانہ انتخاب کی امید نہیں رہی تھی، مگر اس میں کلام نہیں کہ شخصی اعتبار سے اس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اسٹیفن وہ شخص تھا جو خالص علمی اور متقیانہ زندگی کے زور سے کارڈنل کے درجے پر پہنچا تھا، حالات مابعد نے اسے انگریزی مہبان وطن کی صف اول میں جگہ دی مگر بجائے خود یہ فعل ایسا تھا کہ اس سے کلیسا و بادشاہ دونوں کے حقوق غصب ہوئے جاتے تھے۔ بادشاہ نے فوراً ہی اس کی مخالفت کی اور پوپ نے جب یہ دھکی دی کہ اگر لینکلن کو اس منصب پر فائز ہونے سے روکا جائیگا تو وہ فتوائے تعطل جاری کر دیگا، تو

بادشاہ نے اس کے جواب میں یہ دھکی دی کہ وہ تمام پادریوں کو ملک بدر کر دیگا، اور جن جن اطالیوں کو وہ اپنے ملک میں کپڑے پہناتا ان کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیگا۔ لیکن انٹونسٹ ایسا شخص نہ تھا جو اپنے عزم سے باز رہے۔ انجام کار فتوائے تعطیل ملک پر صادر ہی ہو گیا۔ ملک کے تمام عرض و طول میں چند خاص فرقوں کے سوا، عبادات و اصطلاح کے اور تمام مذہبی فرائض و رسوم بند ہو گئے، گرجا کے گھنٹے خاموش ہو گئے اور مردے دفن ہونے بغیر پڑے رہے۔ بادشاہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ جن پادریوں نے اس فتوائے تعطیل پر عمل کیا ان کی زمینیں ضبط کر لیں، اور باوجود ان کے خاص حقوق کے انہیں شاہی عدالتوں کے تابع کر دیا، اور ان پر جو زیادتیاں ہوتی تھیں، ان کی کوئی داد فریاد نہیں سنی جاتی تھی۔ ایک بار جب ویلز کے ایک شخص نے کسی قیس کو مار ڈالا اور وہ جان کے روبرو لایا گیا تو کہا کہ ”اے چھوڑ دو اس نے میرے دشمن کو مارا ہے۔“ ایک برس کا زمانہ اسی طح گزر گیا، یہاں تک کہ پوپ نے جان کو خارج از ملت کرنیکی مزید کارروائی اختیار کی۔ جان اب حسب ضابطہ کلیسا کے حدود سے خارج ہو گیا تھا، مگر وہ اس نئے حکم کا بھی اسی خود سری کے ساتھ مقابلہ کئے گیا۔ اساتفہ میں پانچ اسقف سمندر پار بھاگ گئے، بد دلی ہر طرف اندر ہی اندر پھیلتی جاتی تھی۔ مگر لوگوں نے باوجود پوپ کے فتوے کے بادشاہ سے کسی قسم کا احتراز نہیں کیا۔ ناروج کے ایک آرج ڈیکن نے

اپنی خدمت انجام دینے سے انکار کیا تو وہ ٹوپ کے نیچے و باکر مار ڈالا گیا، مقتدایان دین و امرا کے لئے اس قدر اشارہ کافی تھا کہ وہ ایسی حرکت کی جرأت نہ کر سکیں۔ امرا کی کشیدگی اور کلیسا کی مخالفت کی وجہ سے اگرچہ بادشاہ بالکل تباہہ گیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قوت اور آن بان میں مطلق فرق نہ آیا۔ ابتدائے حکومت سے جان نے طبقہ پرن کی کبھی کچھ پروا نہیں کی تھی۔ تخت نشینی کے وقت اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے گزشتہ عہد کے نقصانات کی تلافی کر دے گا مگر یہ وعدہ بظاہر نہ ہوا، اور جب اس کا مکرر مطالبہ کیا گیا تو یہ جواب ملا کہ ان کے ایوانات پر قبضہ کر لیا اور ان کی وفاداری کی ضمانت میں ان کے بچوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس نے بارہا لڑائیوں کے نتیجے میں کئے، جن کو عمل میں نہ لاسکا مگر بارگراں اس کا ملک پر پڑا۔ کلیسا کے منافع اور امرا کی بغاوت کے خوف نے اس کے ظلم و ستم کو اور زیادہ کر دیا۔ اس نے ڈی بردس کو (جو امرائے سرحد میں سے ایک نہایت طاقتور امیر تھا) ملک سے نکال دیا، وہ جلا وطنی ہی میں مر گیا، اور اس کی بیوی اور اس کے پوتے پوتیوں کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شاہی قید خانوں میں فاقے کر کے مر گئے۔ جو پریشان حال اور خوف زدہ امرا اب تک دربار سے وابستہ تھے ان پر موت سے بدتر مظالم کئے گئے۔ خلاف قانون استمصال گھر کی ضبطی، غیر ملکیوں کی ترجیح، یہ تمام باتیں انہیں نفرت دلا رہی

تھیں مگر پھر بھی وہ ان زیادتیوں کے مقابلے میں کچھ نہ تھیں، جو ان کی بیبیوں اور لڑکیوں کی عزت و عصمت کے معاملے میں پیش آئیں۔ مگر طبقہ بیرن اب بھی اطاعت پر قائم رہا، اور جان نے جس سرعت کے ساتھ آئرلینڈ میں امرا کو سر اٹھاتے ہی کچل ڈالا، اور اہل ویلز کی بغاوت کو فنا کر دیا، اس سے اس کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ لوگ اس سے متفرق تھے، مگر ملک میں عام طور پر سکون رہا۔ انونسٹ کے ہاتھ میں اب صرف ایک حربہ باقی رہ گیا تھا۔ چونکہ خارج از ملت ہونیکے بعد بادشاہ عیسائی نہیں رہا تھا، اس لئے عیسائی رعایا سے طلب اعانت کا اسے کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ مالک عیسوی کے روحانی سرتاج ہونیکے حیثیت سے پاپاؤں نے اس سے قبل بھی اس حق کا دعویٰ کیا تھا، کہ وہ ایسے حکمران کو تخت سے علیحدہ کر سکتے اور دوسرے لائق شخص کو تخت دے سکتے ہیں، اب انونسٹ بھی بالآخر اس عزل و نصب پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے جان کے معزول کئے جانیکا ایک فرمان شائع کیا، اور اس کے خلاف ایک جنگ مقدس کا اعلان کر دیا، اور اپنے حکم کی تعمیل قلب شاہ فرانس کے سپرد کی جان نے اسے بھی حقارت سے دیکھا اور جس طرح پہلے حکموں کی کچھ پروا نہ کی تھی اس کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اس نے بے پروائی اور حقارت کے ساتھ پوپ کے ایلچی، کارڈنل پینڈلف کو اجازت دی کہ نارٹھیمپٹن میں خود اس کے روبرو اس کی معزولی کا اعلان پڑھ کر سٹائے۔ اس کی طلب پر بارہم ڈاؤن میں ایک کثیر فوج

جان کی
معزویت
۱۲۱۲

جمع ہو گئی اور انگریزی بیڑے نے آبنائے کو عبور کر کے کتنے ہی فرانسیسی جہازوں کو گرفتار کر لیا اور ڈبئی کو جلا دیا جس سے دشمن کے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا *

جان بادشاہ نے اپنی قوت و استعدادی کا اظہار صرف انگلستان ہی میں پوپ نہیں کیا، بلکہ فرانس کے خطے کا جن مدبرانہ کوششوں سے اس نے کامیاب مقابلہ کیا اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اس امر خاص میں اپنے باپ کا ہمپایہ تھا۔ وہ اگرچہ بدکار تھا مگر اس میں شک نہیں کہ اس کے خاندان کی سیاسی قابلیت اس میں کامل طور پر موجود تھی۔ فلپ پر جنوب سے حملہ کر نیکیے لئے اس نے پائٹو کے بیرونوں کو ابھارا، اور اس کے شمالی سرحد پر اس نے روپیہ کے زور سے فلینڈرز کے کاؤنٹ کو اپنا مددگار بنا لیا۔ آٹو شاہ جرمنی سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ جرمن سواروں سے حملہ فرانس میں مدد دینگا۔ مگر اپنی سیاسی چال کی عین کامیابی کے وقت جان نے یکایک ہمت ہار دی۔ اصل یہ ہے کہ اندرون ملک کے ایک خطرے کے ہویدا ہو جانے سے اس کی حقارت آئینر بے پردائی میں متزلزل آگیا۔ مغزولی کے حکم سے جان کے ہر دشمن کو ایک نئی قوت حاصل ہو گئی تھی، شاہ اسکالینڈ، انوسنٹ سے مراسلت کر رہا تھا، دیلز کے حکمران جنہوں نے ابھی اطاعت قبول کی تھی، پھر جنگ پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جان نے ان کے خزانوں کو پھانسی دے دی اور دیلز پر ایک نئے حملے کے لئے اپنی فوج کو جمع ہونیکا حکم دیا، فوج جمع تو ہو گئی مگر وہ بھانٹے خود ایک جدید

خطرے کا سبب بن گئی۔ علانیہ مقابلے سے بے بس ہو کر طبقہ ہیرن کا ایک ایک فرد خفیہ سازشوں میں لگا ہوا تھا، ہتوں نے قلب سے وعدہ کر لیا تھا، کہ اس کے ورود کے وقت وہ اسے مدد دینگے۔ فوج کے مجتمع ہونے سے جان خود ان معنی دشمنوں کے اندر بگھر گیا اور ان کے قابو میں آجانے سے وہ صرف اس طرح بچا کہ اس نے فوج کو بھلت تمام منتشر کر دیا اور خود قصر نائننگھم میں پناہ لی۔ اس میں متورانہ خود اعتمادی، تدابیر سیاسی کی مدار سب کچھ تھی مگر یہ راز اب اُس پر آشکارا ہو گیا کہ وہ تنہا ہے جس وقت کہ وہ روم، فرانس، اسکاٹ لینڈ اور ویلز سے برسرِ جنگ تھا، کلیسا سے اس کی مخالفت تھی، اُس وقت دفعتاً جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ صرف ایک قوت جو اُس کے پاس رہ گئی تھی اُس نے بھی غداری کی تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے جرمانوں کی معافی سے رعایا کو پھر اپنا بنا لینے کی کوشش کی۔ پوپ سے مضطربانہ مراسلت جاری کر دی، اسقف اعظم کے بلا لینے پر آمادہ ہو گیا، اور کلیسا سے جبراً جس قدر روپیہ لیا تھا اس کے واپسی کا وعدہ کیا۔ بادشاہ کے مزاج کی بے غیرتی اور عیساری اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے فوراً ہی یہ ارادہ کر لیا کہ روم کو اپنا حلیف بنا لے اور مذہبی تہمیدیات کو اپنے دشمنوں کی طرف پھیر دے اور اپنے خلاف میں روم کی کارروائیوں کو خود روم ہی کے ذریعے سے توڑ دے۔ ۱۵۔ ۱۲۱۳ء کو پوپ کے نائب پینڈولف کے سامنے اس نے اظہارِ اطاعت کیا، اپنی

جنگ

بولون

بادشاہت پوپ کو تفویض کر کے ایک باج گزار ماتحت کے طور پر اسے واپس لیا، اور پوپ کی وفاداری و فرمانبرداری کا حلف اٹھایا۔ انگلستان کو کبھی ایسی سخت قومی ذلت پیش نہیں آئی تھی۔

بعد کے زمانے میں لوگ یہ یقین کرتے تھے کہ اس خبر سے انگلستان میں ایک سستی پیدا ہو گئی ہوگی۔ سارا ملک یہ کہہ رہا ہوگا کہ وہ پوپ کا تابع ہو گیا، اس نے بادشاہت کے نام تک کو ذلیل کر دیا، وہ ایک آزاد شخص کے بجائے غلام بن گیا۔ مگر اس کے ہم عصر لوگوں کے بیان سے اس قسم کے احساس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ سیاسی کارروائی کے لحاظ سے اس اطاعت کے باعث جان کی کامیابی مکمل ہو گئی تھی۔ فرانسیسی فوج فوراً ہی بے فائدہ غصہ کرتی ہوئی منتشر ہو گئی، اور فلپ جب اس دشمن کی طرف متوجہ ہوا جسے جان نے اس کے خلاف فلینڈرز میں ابھار دیا تھا، تو اہل سلسبری کے تحت میں پانچ سو انگریزی جہاز اس بیڑے پر جاگرے جو ساحل سے لگا ہوا اس کی فوج کے ساتھ تھا اور اسے بالکل تباہ کر دیا، اتنے زمانے تک جان نے جس اتحاد کو پختہ کیا تھا آخر وہ ظاہر ہوا۔ بادشاہ خود پانچویں میں اتر، وہاں کے امرا کو اپنے پاس جمع کیا، اور کامیابی کے ساتھ لوہار کو عبور کر کے اپنے قومی وطن یئجز کو فتح کر لیا۔ اسی اثنا میں آؤ نے اپنی جرمن فوج کو فلینڈرز اور بولون کے سواروں، نیز انگریزی فوج کے ایک دستے سے تقویت دے کر شمال کی جانب سے فرانس کو دھکی دی۔ اس وقت یہ معلوم

ہوتا تھا کہ بس فلپ پر تباہی آگئی، اور حقیقت یہ ہے کہ فلپ کی قسمت کے ساتھ انگلستان کی ازادی کی قسمت وابستہ تھی مگر اس قسمت آزما موقع میں فرانس خود اپنا اور اپنے بادشاہ کا سچا جان نثار ثابت ہوا، قصبے قصبے سے لوگ فلپ کی مدد کے لئے پہنچے۔ قیس کلیسا کے جھنڈوں کے نیچے اپنے آدیوں کو جمع کر کے خود ان کے رہبر بنے، دوڑوں فوجیں للی اور بورنی کے درمیان بودن کے پل کے قریب ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ اول ہی سے جنگ کی زقار اتحادیوں کے خلاف ہو گئی۔ سب سے پہلے اہل فلینڈرز بھاگ نکلے۔ اس کے بعد وسط فوج کے جرمن، فرانسیسیوں کی کثرت تعداد سے مغلوب ہو گئے، آخر میں داہنی جانب کے انگریز اسقف بودن کے ایک شدید حملے سے منتشر ہو گئے۔ اسقف نے جس وقت حمل کیا اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا اور اسی عصا سے اس نے اہل سالبری کو گرا دیا۔ اس کا مل ہزیمت کی خبر جان کو اس وقت پہنچی جب وہ خود جنوب میں کامیابیاں حاصل کر رہا تھا۔ اس خبر سے اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ پانٹو کے امرانے مٹا اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ فوراً وہاں سے واپس ہوا اور پشیمانی اور ذلت کے ساتھ اپنے جزیرے میں پہنچا۔

انگریزوں کو جو مشورہ عظیم حاصل ہوا، اس کا باعث یہی فتح اسٹرن بودن ہوئی جان نے جس وقت پوپ کی اطاعت قبول کی تھی نیکسن اسی وقت سے وہ بیرونوں سے انتقام لینے کی فکر میں تھا انتظام

صرف اتنا تھا کہ فرانس کے میدان جنگ سے فتحیاب ہو کر لوٹے تو اس طرف متوجہ ہو۔ بیرونوں نے جب دیکھا کہ ان کی خیر نہیں تو ان میں مقاومت کا خیال پیدا ہو گیا، انہوں نے غیر ملکی مہم میں ساتھ جانے سے تو اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ خارج از ملت ہے، اور جب یہ عذر رنج ہو گیا تو انہوں نے یہ حجت نکالی کہ ملک سے باہر کی لڑائیوں میں وہ خدمت کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ اگرچہ مخالفت کی اس نئی وجہ پر جان بہت غضبناک ہوا، مگر اس نے ابھی انتقام لینے کا موقع نہیں پایا، اور ایک بڑی فتح کا خواب دیکھتا ہوا وہ پانٹو کو روانہ ہو گیا۔ اُسے یہ توقع تھی کہ اس فتح سے قلع اور امرا دونوں اس کے قدموں پر گر پڑیں گے۔ مگر جب وہ شکست کھا کر واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ امرا اب خفیہ سازش و ریشہ دوانی نہیں کرتے بلکہ علانیہ طور پر آزادی و قانون کے دعوے نے انہیں مستعد کر دیا ہے۔ اس تغیر عظیم کا سرگردہ نیا اسقف اعظم تھا جسے انونسٹ نے کینٹربری کی مسند پر متمکن کیا تھا، انگلستان میں دار ہوتے ہی اسقف اعظم نے اپنا یہ منصبی فرض سمجھ لیا تھا کہ وہ بادشاہوں کی شخصی خود مختاری کے خلاف قدیم انگریزی رواج و قانون کی حفاظت کریگا۔ جس طرح ایسٹلم نے ولیم امر کا مقابلہ کیا جس طرح تھیو بالڈ نے اسٹرن کی بے ضابطگیوں سے ملک کو نجات دلائی، اسی طرح نیٹلن، جان کے ظلم و جور سے ملک کو پاک کرنے پر آمادہ ہو گیا، اس سے پہلے ہی وہ جان کو قسم

کھانے پر مجبور کر چکا تھا کہ تائب کے قانون پر عمل کریگا اور یہ قانون ہر طرح کی قومی آزادی پر مشتمل تھا۔ جبکہ امرائے پانٹو جانے سے انکار کیا تو اس نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ ان کے خلاف ہتھیار سے کام نہ لے بلکہ قانونی کارروائی پر عمل کرے۔ لیکن اسقف اعظم کا مقصد یہ نہ تھا کہ اس طرح پر فرداً فرداً مظالم روکے بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ ملک کی قدیم آزادی کو قانون کی بنیاد پر قائم کر دے۔ پہلی اول کے وعدے مدت ہوئی فراموش ہو چکے تھے تا آنکہ جافری فریڈرٹ نائیب السلطنت نے سنٹ الزبتھ کی مجلس میں انہیں پھر یاد دلایا۔ اسی مجلس میں بادشاہ کے نام سے نائیب السلطنت نے آئندہ عمدہ حکومت کا وعدہ کیا اور تمام شاہی عمدہ داروں کو حکم دیا کہ اگر وہ اپنے جسم و جان کی کچھ قدر کرتے ہیں تو جبرستانی سے باز آئیں۔ جن لوگوں نے اس کے قبل بادشاہ کی مخالفت کی تھی ان سے بادشاہ کی جانب سے درگزر کرنے کا وعدہ کیا گیا اور ہنری اول کے قانون کا اتباع ملک کے اندر سب پر لازم قرار دیا گیا۔ لیکن نے خوب سمجھ لیا تھا کہ اس قسم کی گزشتہ مثالیں بہت مفید مطلب ہوں گی۔ چنانچہ سنٹ پال کے گرجا میں بیرونوں کے ایک دوسرے جلسے کے موقع پر اس نے ہنری اول کا فرمان پیش کیا اور لوگوں نے نہایت جوش کے ساتھ اسے اصلاحات مطلوبہ کی بنا قرار دیا، لیکن تمام امیدیں فرانسیسی مہم کے نتائج پر معلق تھیں۔ بیرون کی فتح سے جان کے مخالفین میں قوت آگئی اور بادشاہ کے انگلستان میں آنے کے بعد ہی بیرونوں

✓ خفیہ طور پر سنٹ اڈمنسٹری میں جمع ہو کر حلف اٹھایا کہ وہ اسی شاہی فرمان کے ذریعے سے حصول آزادی کا مطالبہ کریں گے اور بشرط ضرورت ہتھیار سے کام لینے میں بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔ ۱۲۱۵ء کی اوائل جنوری میں وہ مسلح ہو کر بادشاہ کے روبرو حاضر ہوئے اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ چند ہی مہینوں میں جان کو معلوم ہو گیا کہ اس مطالبے کی مخالفت بے فائدہ ہے۔ امرا اور اہل کلیسا دونوں اس کے خلاف صف آرا تھے۔ اور اپنی طرف سے جن لوگوں کو اس نے اس معاملے کی وکالت کے لئے بھیجا تھا، انہوں نے واپس آکر یہ کہا کہ فرمان کے خلاف ایک شخص بھی اس کی امداد نہیں کریگا۔ ایسٹر کے موقع پر بیرن دوبارہ مسلح ہو کر بریکلے میں جمع ہوئے اور اپنے مطالبات کی تجدید کی۔ جان چوش میں آکر چلا اٹھا کہ ”وہ مجھ سے میری سلطنت ہی کیوں نہیں مانگتے“ مگر اس کے انکار پر سارا ملک ایک شخص واحد کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ بیرنوں کی فوجیں رابرٹ فرزوالڈ کے تحت میں (جو خدا و کلیسائے مقدس کی فوج کا سپہ سالار تھا) مرتب ہوئیں۔ لندن نے اپنے دروازے کھول دیئے، آکسٹر اور لنکن نے بھی پایہ تخت کی شمال کی تقلید کی، اسکاٹ لینڈ اور ویلز سے مدد کے وعدے آنے لگے اور شمال کے بیرن اپنے لندن کے رفقا کے شریک ہونے کے لئے عجلت کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ جان کے ساتھ صرف سات ناٹ تھے اور اس کے مقابلے میں

ایک پوری کی پوری مسلح قوم تھی۔ اس نے اجرتی سپاہیوں کو بلایا تھا اور اپنے آقا پوپ سے مدد کی التجا کی تھی، مگر طلب و التجا دونوں کا وقت گزر گیا تھا۔ غم و غصہ کی حالت میں ظالم کو ضرورت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اس نے بیرونوں کو روئیمیڈ میں مشورے کے لئے بلایا۔

جزو سوم

منشورِ عظیم

۱۲۱۴ - ۱۲۱۵

اسناد - ڈاکٹر اسٹرن نے اپنے سلکٹ چارٹرز ۱ فرامین منتخبہ Select Charters میں قابل قدر توضیحات کے ساتھ منشور کی اصل عبارت نقل کی ہے اور مسٹر پیرسن نے اس کا ایک مفید خلاصہ لکھ دیا ہے

۱۲۱۵
۱۵ جون

اسٹینس اور وڈسٹر کے مابین دریائے ٹیمز کے اندر ایک جزیرہ بحث کرنے کے لئے منتخب ہوا تھا۔ ایک کنارے پر بادشاہ کا خیمہ نصب ہوا اور دوسری طرف اس دلدل میں جو اب تک روئیمیڈ کے نام سے مشہور ہے بیرونوں نے پڑاؤ ڈالا، دونوں طرف کے وکلاء درمیان کے جزیرے میں یکجا ہوئے مگر اس بحث سے جان کے غیر مشروط انقیاد پر محض ایک پردہ ڈالنا مقصود تھا۔ منشورِ عظیم پر ایک ہی دن کے اندر بحث بھی ہوئی، اتفاق بھی ہوا اور اس پر

دستخط بھی ہو گئے۔

اس کی ایک نقل ایٹک برٹش عجائب خانے میں موجود ہے، اگرچہ مرور ایام اور آتشزدگی سے کاغذ خراب ہو گیا ہے مگر شاہی مہر اس توڑے ٹوڑے ہوئے بدرنگ سے کاغذات پر صاف موجود ہے، انگریزی آزادی کی اس اولین یادگار پر (جسے ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے اور اپنے ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں) ممکن نہیں کہ نظر پڑے اور اس کی عظمت کا خیال دل میں نہ پیدا ہو جائے۔ یہی منشورِ اعظم ہے جسے ہر عہد کے مہمان وطن انگلستان کی آزادی کی بنا قرار دیتے رہے ہیں مگر بجائے خود اس فرمان میں کوئی خاص جدت نہیں تھی، نہ اس کے ذریعے سے نظام حکومت کے کسی نئے اصول کے قائم کرنیکا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اس کی تماشہ بنا ہنری اول کے فرمان پر ہے، اور اس میں جو اضافہ ہوا ہے وہ زیادہ تر ہنری دوم کے جاری کردہ عدالتی و انتظامی تغیرات کا باضابطہ تسلیم کیا جانا ہے مگر قدیم فرامین کے مبہم بیانات اب معین و مشرح قواعد سے بدل دئے گئے تھے۔ غیر تحریری رسم و رواج جنہیں قدیم فرامین نے اجمالاً تسلیم کر لیا تھا، انہیں پابند رکھنے کے لئے بہت کمزور ثابت ہوئے اور بیرونوں نے اب انہیں باطل کر کے تحریری قانون کی قید میں عاید کر دیں۔ یہی تغیر منشورِ اعظم کا باب الامتیاز ہے اثبات حقوق کا وہ زمانہ جن کا انحصار محض حافظے اور زبانی روایتوں پر تھا اور استعفیٰ اعظم سرکاری طور پر ان کا اعلان کر دیا کرتا تھا، اب تحریری آئین و

اور پارلیمنٹ کے زمانے سے بدل گیا۔ فتوائے تعطل کی کشمکش کے دوران میں یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ کلیسا میں خود اپنی حفاظت کی کس قدر قوت ہے اور جس دفعہ کے رو سے کلیسا کے حقوق تسلیم کئے گئے تھے صرف وہی دفعہ اپنی قدیم اور عام شکل میں قائم رہی مگر جب یہ فرمان عام انگریزوں کے حقوق کی بحث تک پہنچتا ہے تو ہر قسم کا ابہام رفع ہو جاتا ہے، انیس صاف الفاظ میں عدل و انصاف، حفاظت جان و مال اور شایستہ حکومت کا استحقاق دیا گیا تھا، وہ قابل یادگار دفعہ جو انگلستان کے تمام انتظام عدالت کی بنا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”کوئی آزاد شخص نہ گرفتار کیا جائیگا، نہ قید کیا جائیگا، نہ اپنی جائداد سے محروم کیا جائے نہ محافظت قانون سے خارج کیا جائیگا، نہ کسی اور طرح سے تباہ کیا جائیگا۔ آئین ملک اور امرائے قانونی فیصلوں کے سوا ہم نہ خود کسی طرح پر کسی کے خلاف کارروائی کریں گے نہ کسی اور کو ایسی کارروائی کرنیکی اجازت دیں گے“ دوسری دفعہ یہ تھی کہ ”کسی شخص کے حق و انصاف کو نہ ہم فروخت کریں گے، نہ اس سے انکار کریں گے نہ اس میں تاخیر کریں گے“ عدہائے گزشتہ کی بڑی بڑی اصلاحیں اب حسب ضابطہ تسلیم کر لی گئی تھیں، ججوں کو سال میں چار مرتبہ گشت کرنا پڑتا تھا، اور شاہی عدالت اب ملک میں بادشاہ کے ساتھ ساتھ پڑی نہیں پھرتی تھی بلکہ ایک خاص مقام پر نشست کرتی تھی۔ مگر جان کے عہد میں نا انصافی کا اس قدر خطرہ نہیں تھا جس قدر

خود اس کے اور اُس کے پیشتر کے عہد میں خلاف قانون استحصال کا خطرہ درپیش تھا۔ ہنری ثانی نے بدل خدمت کا جو طریقہ جاری کیا تھا رچرڈ نے اس کی مقدار بڑھا دی اور اپنی بہائی کے لئے روپیہ جمع کرنے میں اس سے کام لیا، اس نے (ہل کا محصول) نام رکھ کر بارہا کا منسوخ شدہ ٹین گلڈ (محصول اراضی) دوبارہ جاری کر دیا تھا، فرقہ سسٹین کے ادن اور گرجاؤں کے برتنوں پر قبضہ کر لیا تھا، جائداد منقولہ و غیر منقولہ سب پر محصول لگا دیا تھا جان نے بدل خدمت کی مقدار اور بڑھا دی، اور بیرونوں کی صلاح کے بغیر محض اپنی مرضی سے امداد، جرمانہ، رقم فدیہ، عاید کیا کرتا تھا، مشورہ عظیم نے ایک قاعدے کے ذریعے سے اس خرابی کو رفع کر دیا اور اسی قاعدے پر انگلستان کے نظام حکومت کی بنیاد قائم ہے۔ تین مروجہ حقوق جاگیرداری کی امداد علی حالہ باؤشاہ کے لئے قائم رکھی گئی تھی، دوسری تمام قسم کے محاصل کے لئے صاف تحریر کیا گیا تھا کہ ”بغیر ملک کے عام مشورے کے کسی قسم کا بدل خدمت یا مطالبہ امداد ملک پر عاید نہیں کیا جائیگا“ اس عظیم الشان مجلس کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ مقتدایان دین اور بڑے بڑے بیرن خاص تحریر کے ذریعے سے بلائے جائینگے اور دوسرے تمام متاجرین شیروں اور بیلٹ کے توسط سے طلب کئے جائینگے اور اس کی اطلاع کم از کم چالیس روز قبل دی جائیگی۔ اس قاعدے نے غالباً اس عام رواج کو منضبط کر دیا تھا جو ملک

میں پہلے سے جاری تھا مگر اس انضباط نے اسے ایک قومی حق کی شکل میں بدل دیا، اور حق بھی ایسا مہتمم بالشان کہ اسی سے انگلستان کی تمام پارلیمنٹ میں جان پڑ گئی۔

مشورہ عظیم
اور قوم

بیرنوں نے جو حقوق اپنے لئے طلب کئے وہی حقوق انہوں نے عامہ قوم کے لئے بھی طلب کئے۔ وضع ہو کہ شریف انصاف کی نعمت سب کے لئے ایک عام نعمت تھی مگر خاص غریبوں کی حفاظت کے لئے ایک اور قاعدہ بھی بنایا گیا تھا یعنی جن جرائم میں ضبطی کی سزا دی جاتی تھی اس میں کسی آزاد شخص کا مکان سکونت یا کسی سوداگر کا اسباب، یا دیہات میں رہنے والوں کی گاڑی شامل نہیں تھی، حصول معاش کے آلات کی ضبطی سے ادنیٰ ترین اشخاص بھی مستثنیٰ تھے۔ اچھر اور کسانوں کو زمینداروں کے تشدد سے بچانیکے لئے وہی انتظام کیا گیا تھا جو انتظام زمینداروں کے لئے بادشاہ کے خلاف ضابطہ استحصال کے مقابلے میں کیا گیا تھا۔ قصبات کو اپنے حقوق منیت سے منتفع ہونے بے قاعدہ محصول سے آزاد رہنے، انصاف و باہمی مشورہ و مباحثہ اور تنظیم تجارت کی طرف سے اطمینان دلایا گیا تھا۔ ”شہر لندن اپنی ہر طرح کی قدیم آزادی اور اپنی بری و بھری چنگی سے مستفید ہو، اس کے علاوہ ہماری مرضی ہے کہ تمام دوسرے شہر اور قصبے بھی اپنی ہر قسم کی آزادیوں اور محصولات چنگی سے فائدہ اٹھائیں۔ ہم ان سب کو یہ حقوق عطا کرتے ہیں“ فرقہ تجارت کا اثر دوسرے دو قانونوں سے ظاہر ہوتا ہے

جن کے ذریعے سے غیر ملکی تاجروں کے لئے سفر و تجارت کی آزادی حاصل کی گئی تھی اور تمام ملک میں ایک وزن اور ایک پیمانیکے اجرا کا حکم دیا گیا تھا۔ صرف ایک مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور ادہی سب سے مشکل مرحلہ تھا یعنی منشور کے ان احکام کی ملک میں تعمیل کس طرح جاری ہو۔ نئی خرابیاں آسانی سے رفع کر دی گئیں۔ ضمانت کے طور پر جو لوگ بادشاہ کے ہاتھ میں تھے وہ اپنے گھروں کو واپس کر دئے گئے غیر ملکی شاہس ملک سے خارج کر دئے گئے مگر ایک ایسے بادشاہ پر قابو رکھنے کا ذریعہ پیدا کرنا جس پر کسی کو اعتماد نہ ہو آسان نہ تھا۔ بیرونوں میں سے پچیس شخص منتخب کئے گئے کہ جان کو مجبور کریں کہ اس منشور پر عمل کرے اور انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ اگر منشور کے قواعد سے تجاوز کیا جائے تو بادشاہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں، یہ منشور تمام ملک میں شائع کیا گیا، اور مجلسِ حلقہ اور مجلسِ شہر میں بادشاہ کے حکم سے اس پر حلف اٹھائی گئی؛

جان اور
منشورِ عظیم

اس وقت غصے سے از خود رفتہ ہو کر جان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ ”انہوں نے مجھ پر پچیس شہنشاہ مقرر کئے ہیں“ وہ فرشِ زمین پر گر پڑا اور فرطِ غضب سے لکڑی اور پیال کو دانتوں سے نوچنے لگا لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا اس کا غصہ فوراً عیارانہ حیلوں سے بدل گیا، چند روز بعد اس نے وندسہر کو چھوڑ دیا اور کئی مہینے تک روم اور برعظیم کی مدد کے انتظار میں جنوبی ساحل پر پڑا رہا۔ روم کا تاج

ہو جانا خاص مقصد سے خالی نہیں تھا اننوسنٹ اپنی جگہ پر یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی سرکردگی میں ایک بڑی نصرانی شہنشاہی قائم کر دے اور شاہان ماتحت کو عدل و انصاف و دین و مذہب پر چلنے کے لئے مجبور کرے۔ جان اپنی جگہ یہ یقین کرتا تھا کہ پوپ کی سرپرستی میں وہ جس قدر خود مختارانہ طریقے سے چاہیگا حکومت کر سکیگا۔ پوپ کا رعب و داب ہر وقت اس کی کمک کے لئے موجود رہیگا۔ اس کے سفیر روم پہنچ چکے تھے۔ اننوسنٹ نے اس امر سے غضبناک ہو کر کہ جو سالہ ہمیشہ شہنشاہ کے اس کی عدالت مرافعہ میں آنا چاہئے تھا اسے سلطنتی و بناوت سے طے کیا جائے، منشور اعظم کو منسوخ اور اسٹیفن لیٹلٹن کو اسقف اعظم کے فرائض ادا کرنے سے معطل کر دیا، موسم خزاں کے ساتھ ہی سمندر پار سے غیر ملکی سپاہیوں کی ایک بڑھڑ لوٹے شاہی کے نیچے جمع ہو گئی اور بیرونوں کی غیر منتظم فوجوں کے خلاف بڑھ کر اس نے اہل روچسٹر کو ناقہ کشی سے اطاعت پر مجبور کر دیا، اور وسطی صوبوں کو تباہ کرتی ہوئی شمال کی طرف روانہ ہو گئی۔ جان کی سپاہ اچھری تمام سطح ملک پر ٹڈی دل کی طرح پھیل گئی، بادشاہ مظفر و منصور بروک سے پلٹا تاکہ لندن میں اپنے دشمنوں کو گھیر لے اور اس کے ساتھ ہی بیرونوں کو اور شہر لندن کو خارج از ملت کرنے کے لئے پوپ کے نئے فرمان نازل ہو گئے، مگر اہل شہر نے اننوسنٹ کی کچھ

پروا نہ کی انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ”دنیاوی معاملات کے انتظام سے پوپ کو کوئی سروکار نہیں ہے“ ان الفاظ میں گویا آئندہ زمانے کے لولارڈی خیالات کی خفیف سی جھلک پائی جاتی تھی اور استقف اعظم کے بھائی سین لینگٹن کی صلاح سے بدستور سابق کلیساؤں میں جس بجائے گئے اور نماز ادا کی گئی، دیہات و قصبات کی ناشایستہ فوج محافظ سے بادشاہ کی ترتیب یافتہ فوج کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا بایوس ہو کر بیرونوں نے فرانس سے ملک طلب کی۔ جان سے بدل لینے کے لئے قلب مدت سے موقع ڈھونڈ رہا تھا، اور اننوسنٹ کے فتوائے اخراج کے باوجود اس کے بیٹے لیوس نے فوراً انگلستان کا تلج قبول کر لیا اور ایک بڑی فوج ساتھ لئے ہوئے کنٹ میں آ پہنچا۔ بیرونوں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ جان کی فوج میں جتنے فرانسیسی نوکر ہیں وہ شاہ فرانس کے خلاف لڑنے سے انکار کر دینگے اور ایسا ہی ہوا۔ تمام صورتِ معاملات یک بیک بدل گئی، فوج کے ایک بڑے حصے نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ مجبور ہو کر بجلت تمام ویلز کی سرحد کی طرف پلٹ گیا ادھر اس کا حریف لندن میں داخل ہو گیا اور ملک کے اکثر صوبوں نے اس کی

ساتھ وکلف کے پیرد لولارڈ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ اس فرسے کو اڈورڈ سوم کے زمانے میں عروج حاصل ہوا، اور انہیں کی تعلیمات کی وجہ سے ہماری ہشتم کے زمانے میں اصلاح شدہ عقائد کے اجرا میں آسانی ہوئی یہ لوگ دو تینہ اہل کلیسا کے خلاف تھے اور ان کا انصاف خاص عقیدہ یہ تھا کہ کتاب مقدس کو ہر شخص بطور خود سمجھنے کا حق رکھتا ہے۔

اطاعت قبول کر لی صرف ڈاؤر سنختی کے ساتھ لیوس کے خلاف قائم رہا۔ بار بار یلغار کر کے جان کو بیروں کا منصوبہ توڑنے اور لکن سو رہائی دلانے میں کامیابی ہو گئی، بعد ازاں لکن میں کسی قدر ٹھہر کر شمال میں جدید کارروائیوں کے لئے اس نے دریائے ولس کو عبور کیا، مگر اس عبور میں اچانک دریا کے چڑھ جانے سے اس کی فوج مضطرب ہو گئی اور اس کا تمام سامان شاہی خزانے سمیت بہ گیا۔

خانقاہ سوائٹن ہیڈ میں اس آوارہ و پریشاں ظالم کو بنجار ارل مارشل آگیا۔ عیاشی و پر خوری نے مرض کو اور بڑھا دیا، اور نیو آرک میں موت اسے کھینچ کر لے گئی۔ مرتے ہی تمام معاملات کی صورت ہی بدل گئی اس کا بیٹا ہنری نو برس کا بچہ تھا تمام شاہی اختیارات ولیم مارشل کے ہاتھ میں چلے گئے۔ انگلستان کے مہمان وطن میں اس شخص کا درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس نو عمر بادشاہ کی تاجپوشی کے عمل میں آتے ہی ارل اور پوپ کے قائم مقام نے بیٹے کے نام سے وہی فرمان جاری کیا جس کے پیچھے باپ نے جان دی تھی صرف انتظام محاصل اور پارلیمنٹ کے دفعات اب بھی معطل رکھے گئے، امرابست جلد جلد فرانسسی لشکر گاہ کو چھوڑ چھوڑ کر علمدہ ہونے لگے کیونکہ لیوس کے ساتھ قوی رقابت اور اس کی طرف سے بیوفانی کا اندیشہ دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہنری کی کم سنی و بے بسی سفارش کر رہی تھی کہ اس کے معاملے میں رحم سے کام لیا جائے اور

باپ کی برائیوں کا عوض بچے سے نہ لیا جائے۔ ولیم مارشل کے ایک دلیرانہ اقدام نے اس کشمکش کا فیصلہ کر دیا کاؤنٹ پرچی اور رابرٹ فزوالٹر کی سرکردگی میں ایک متحدہ فرانسیسی و انگریزی فوج لندن کا محاصرہ کئے ہوئے تھی کہ مارشل شاہی قلعوں کی فوجیں جمع کر کے اس محاصرہ کے توڑنے کو بجلی کی طرح جاگرا۔ تنگ کوچوں اور ڈھلوان سڑکوں میں گھر جانے اور ادھر سے مارشل ادھر سے فوج قلعہ نشین کے ساتھ ہی حملہ کر دینے سے محاصرین مایوس و منتشر ہو کر بھاگ نکلے کاؤنٹ پرچی میدان میں کام آیا اور رابرٹ فزوالٹر قید ہو گیا۔ لیوس، ڈاور کو گھیرے ہوئے تھا، وہ بھی لندن کو واپس آ گیا اور فرانس سے کمک طلب کی، مگر ایک سخت شکست نے اس کی رہی سہی امیدوں کو بھی خاک میں ملا دیا۔ ایک چھوٹا سا انگریزی پڑھ ہیو برٹ ڈی برگ کے تحت میں ڈاور سے روانہ ہو کر ان فرانسیسی جہازوں پر حملہ آور ہوا جو آبنائے کے مشہور تفریق ایوسٹس راہب کی سرکردگی میں امدادی فوج لئے ہوئے آ رہا تھا، اس جنگ سے اس زمانے کا بحری طریق جنگ بہت خوبی سے واضح ہوتا ہے۔ انگریزی جہازوں کے عرشہ سے تیراندازوں نے بار برداری کے بڑے بڑے جہازوں پر تیر برسوں شروع کر دیے، اور دوسرے لوگوں نے دشمنوں کے منہ پر چونا پھینکنا شروع کیا، جو زیادہ پھرتیلے جہاز تھے وہ اپنے فولادی سر سے فرانسیسی جہازوں کے پہلوؤں میں ٹکرا مارنے لگے، سنگ پوینٹز کے

لاحوں کی کارروائی کی وجہ سے مخالفین کی بڑھی ہوئی تعداد پر بھی فتح انگریزوں کے ہاتھ رہی۔ ایوسٹس کا پڑھ بالکل ہی تباہ ہو گیا، شاہی فوج نے فوراً لندن کو گھیر لیا، مگر مقاومت و حقیقت ختم ہو چکی تھی۔ کیسبتھ میں ایک معاہدہ ہوا اور اس کی رو سے یوس نے یہ وعدہ کیا کہ ایک رقم معینہ کے ادا ہو جانے پر (جس کا اس نے بطور قرض کے مطالبہ کیا تھا) وہ انگلستان سے چلا جائیگا، اس کے حامیوں کو ان کی جائیدادیں واپس دے دی جائیںگی، لندن اور دوسرے شہروں کی آزادی برقرار رہے گی اور جانبین کے قیدی رہا کر دئے جائیںگے۔ اب غیر قوم کے نخل جانے سے انگلستان کے مدبروں کو دوبارہ اصلاحی کاموں کے جاری کر دینے کی آزادی مل گئی اور (کسی قدر ترمیم کے ساتھ) منشور اعظم کی جدید اشاعت سے ارل مارشل کے مزاج و طرز عمل کا صاف صاف اعلان ہو گیا۔

جزو چہارم

یونیورسٹیاں یعنی دارالعلوم

مشر ایتھی میں یونیورسٹی کے متعلق بہت کثیر مواد جمع کیا گیا ہے۔ "ابتدائی تاریخ آکسفورڈ" پر اپنے دو مضمون مطبوعہ سیکیلین یگنوں سے بھی میں نے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ "بیکن کے لئے" "سلسلہ صحافت" میں اسی کی تعریف اسپر ایڈیٹنا (Opera Inedita) دیکھنا چاہئے۔ اس میں ڈاکٹر بروڈر کا قابل قدر مقدمہ بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر وہول نے اپنی ہسٹری آف دی انڈیو سائنسز (تاریخ علوم استقرامیہ History of the Inductive Sciences) میں اس کی نسبت اظہار رائے کیا ہے،

ملکی سیاسیات کے شور و شغب سے نکل کر اب ہم اس خاموشانہ انقلاب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اہمیت کسی طرح ملکی سیاسیات سے کم نہیں ہے اور جس سے انگلستان کی قومی تعلیم کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ ہنری سوم کے عہد سے انگریزوں کے ذہنی نشوونما میں دارالعلوم کا اثر قطعی طور پر نمایاں ہونے لگا تھا۔ کیمبرج کی ابتدائی تاریخ کا حال ہمیں اس قدر کم معلوم ہے کہ وہ بمنزلہ نہ معلوم ہونے کے ہے، مگر آکسفورڈ نے جس طرح تعلیمی عظمت حاصل کی اس کے ابتدائی واقعات کا پتہ چلانیکے لئے بہت کچھ مواد موجود ہے۔ جنگ صلیبی سے تمام ممالک عیسوی میں ایک نئی تحریک یہ پیدا ہو گئی تھی کہ یورپ میں ہر جگہ بڑے بڑے مدارس، دارالعلوم کے نام سے قائم ہونے لگے تھے، مشرق اس وقت یورپ سے تعلیم میں بہت بڑھا ہوا تھا، پس مشرق کے تعلقات کے باعث یورپ میں بھی تعلیم کا ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تھا، ایڈرڈ (باتھ) کے سے سیلح قرطبہ و بغداد کے مدارس سے علوم طبیعی و ریاضی کی

ابتدائی کتابیں یورپ میں لائے تھے۔ بارہویں صدی میں ادب القدا کی تجدید نے قیصر اور ورجل کو خانقاہوں کے نصاب تعلیم میں شامل کر دیا تھا اور اسی کا اثر تھا کہ اس زمانے کی تحریرات میں اظہار علم کا ایک انداز خاص پیدا ہو گیا تھا اور ولیم (مازبری) اور جان (سالسبری) وغیرہ مصنفین نے اپنی کتابیں قدا کے اقتباسات سے بھر دی تھیں۔ پیرس کے مدارس میں منطقیانہ فلسفہ اسی سے پیدا ہوا۔ بولون کے علمائے اسی کی رہبری میں رومی قانون کو از سر نو زندہ کیا۔ جاگیرداروں کے زمانے کا ذہنی جمود اس طرح غائب ہو گیا جیسے آفتاب سے برف پگھل جائے۔ لینفرینک اور شلم کے سے گشت کرنیوالے مدرسین جدید علمی قوت کی اشاعت کے لئے بردبحر کو قطع کرتے پھرتے تھے۔ جس طرح نفع انسان کے قدیم روایات نے مالک یورپ کے آدھے باشندوں کا ایک سیلاب، اضطراب و اشتیاق ویتابی کے ساتھ مسیح کی قبر کی نظر رواں کر دیا تھا۔ اسی طرح اب تمام راہیں ان ہزاروں نوجوان طلبہ سے بھر گئیں جو ایک عام جوش میں ان مشہور درس گاہوں کو جاتے نظر آتے تھے جہاں مدرسین کا مجمع ہوتا تھا جس دنیا میں اب تک محض بیسی طاقت کا دور دورہ تھا اب اس میں ایک روحانیت جوٹرن ہو گئی تھی، وہ علما جو ہر ایک عبادگاہ میں درس دیتے پھرتے تھے سب کے سب غریب بلکہ ان میں سے اکثر غلاموں کی اولاد میں سے ہوتے تھے

لیکن لوگ انہوہ در انہوہ ان کے قدم چومنے کے لئے جمع ہو جاتے اور انہیں ماسٹر (آقا - مولانا) کہہ کر پکارتے۔ ایبلرڈ ایک ایسا دشمن تھا جس کے لئے مجالس ملکی کے تحدیدات اور کلیسا کی برق و رعد کی ضرورت تھی، صرف ایک باشندہ لمبارڈی کی تعلیم انگلستان میں اتنی پر خطر سمجھی گئی کہ اس کی ممانعت کے لئے ایک بادشاہ کو اپنی عنان توجہ ادھر پھیرنی پڑی۔ وکیریس نے جب بمقام آکسفورڈ قانون ملکی پر درس دینا شروع کیا تو اسٹفن نے اسے فوراً ہی روک دیا۔ مگر بکٹ اور جان (سالبری) پہلے ہی سے وہاں اس فن کے مطالعہ میں مشغول تھے۔ وکیریس غالباً اسقف اعظم تھیوبالڈ کا ہمان رہ چکا تھا۔ اسٹفن اس وقت کلیسا سے برسہا جنگ تھا اور شاہی اقتدار کی تباہی کے باعث جس طرح طاقت و قوت تھیوبالڈ کے ہاتھ میں جا رہی تھی اس پر وہ حسد کرتا تھا +

آکسفورڈ

وکیریس کی آمد کے وقت آکسفورڈ، انگلستان میں اول درجے کا شہر تھا۔ چرول اور بالائے ییز کے چشموں سے ایک جزیرہ نما کے بلند و خشک طبقہ پر ایک سنگین فصیل کے اندر یہ شہر واقع تھا اور شہر کے مکانات کی گنجان آبادی میں سنٹ مارٹن کا کلیسا سب میں سر بلند نظر آتا تھا۔ شہر کے مشرق و مغرب دونوں جانب کی زمینیں سر اشیب ہوئی ہوئی سب دریا سے جا ملی تھیں۔ مگر جنوبی رخ کی زمین بالکل نشیب میں تھی اور دلدل کی چراگاہوں سے گزرتی ہوئی شہر کے

پل تک چلی گئی تھی اس پاس کے جنگل اور دیرانے کوئی اور بلنگٹن کی دلہل میں واقع تھے اور شاٹور اور بیگلی کے وسیع جنگل جنوب و مشرق کے افق کو ڈھانکے ہوئے تھے۔ اگرچہ اس کے نارمن قلعے کے دو عظیم الشان برجوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا کی وادی پر حادی ہونیکے باعث آکسفورڈ کو فوجی مقام ہونے کی حیثیت حاصل ہے (کیونکہ جنوبی انگلستان کی تمام تر تجارت اس راستے سے گذرتی تھی) مگر اس کی شہر پناہ کی تمیر میں فوج کے رکھنے کا لحاظ شاید بہت ہی کم کیا گیا تھا، بلکہ شمال کے سوا اور ہر طرف سے شہر کی حفاظت صرف چروول کی دلہل اور سبزہ زار یا ان متعدد چشموں سے ہوتی تھی جو ٹیمز سے نکل کر میدان اوسنی میں پھیلے ہوئے تھے، انہیں سبزہ زاروں کے درمیان اسٹن کینس کی مثلث نما خانقاہ اور اس سے بھی قدیم سٹ فرڈسوائڈ کی خانقاہ واقع تھی اور ان دونوں خانقاہوں سے شہر میں ایک گونہ عظمت و شان پیدا ہو گئی تھی، ڈی ٹس کے نارمن خاندان کا قلعے کے اندر قیام تھا فیسل کے باہر والے قصر شاہی میں شاہان انگلستان اکثر آتے رہتے تھے اور مجالس سیاسی کے بار بار وہاں منعقد ہونے سے ظاہر ہوتا تھا کہ ملک کے اندر آکسفورڈ کس قدر سیاسی عظمت رکھتا ہے۔ عین شہر کے وسط میں دو لہندہ یہودیوں کے بس جانے سے شہر کے کاروبار میں رونق بڑھ گئی تھی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ خود یہ شہر تجارت کے لئے کس قدر موزوں ہے۔ فتح کے بعد

نارمن کے قبضہ اختیار میں آکر جس طرح دفعتاً صنعت و حرفت میں وسعت ہوئی، تجارت و دولت کو جس طرح فوری ترقی حاصل ہوئی، اس کا مشاہدہ آگسفورڈ سے بہتر کہیں اور نہیں ہو سکتا۔ شہر کے مغرب میں ایک بہت ہی شاندار و بلند قصر واقع تھا اور اس سے کچھ نیچے اتر کر سبزہ زاروں میں اوسنی کی خانقاہ تھی اور اس کی شان و زیبائش بھی قصر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ شمال کے میدان میں آخری نارمن بادشاہ نے اپنا محل یومانٹ تعمیر کیا تھا، سنٹ فرڈسوائٹ کے پادریوں نے وہ گر جا تیار کیا تھا جو مستقر اسقفی کے کلیسے خاص کے نام سے اب بھی موجود و برقرار ہے، مزید برآں نارمن حاکمان قصر نے دینداری کے خیال سے شہر کے تقریباً تمام محلوں کے گرجوں کو از سر نو بنا دیا تھا اور اپنے نئے قصر کی دیواروں کے اندر خادمان سینٹ جان کا گر جا تعمیر کر دیا تھا اس کی وجہ صاف نہیں معلوم ہوتی کہ طلبہ و مدرسین آگسفورڈ کی دیواروں کے اندر کیوں جمع ہوئے۔ ممکن ہے کہ اور مقامات کی طرح یہاں بھی کسی معلم نے قدیم تعلیمات میں جان ڈال دی ہو۔ اور اوسنی اور سینٹ فرڈسوائٹ کی خانقاہوں میں ایسے مدرسے موجود ہوں جن میں ویکریس کی تحریک سے دست پیدا ہو گئی ہو۔ مگر اس وقت تک پیرس کی آب و تاب کے سامنے یہاں کے دارالعلوم کی کوئی ہستی نہیں معلوم ہوتی تھی انگریزی طلبہ ہزاروں کی تعداد میں ولیم (چیپو) اور ایبلرڈ کے درس میں

جمع ہوتے تھے اور دوسری قوموں کی طرح انگریزوں کی حیثیت بھی فرانس کے دارالعلوم میں ایک فرقہ کی سی تھی۔ جان (سالسی) کی شہرت پیرس کے مدرس کے طور پر ہوئی، بکٹ کو اپنے مرٹن کے مدرسے سے پیرس کو جانا پڑا، مگر ہنرمی دوم کے پُر امن رہنے میں آکسفورڈ اپنے طلبہ کی تعداد اور اپنی علمی شہرت میں آہستہ آہستہ ترقی کرتا جاتا تھا، دیکریس کی آمد کے چالیس برس بعد آکسفورڈ کی علمی وقعت اچھی طرح قائم ہو گئی تھی، جیرلڈ (ویلز) کا بیان ہے کہ جب اس نے آکسفورڈ کے طلبہ کے سامنے آئرلینڈ کے ارضی و موسمی کیفیات کا خاکہ پیش کیا ہے اس وقت اس کی دیواروں کے اندر فاضل ترین و مشہور ترین انگریزی پادری موجود تھے، تیرھویں صدی کے شروع میں ملک کے اندر آکسفورڈ کا کوئی مد مقابل نہیں تھا، یورپ کی نگاہوں میں اس کا دہرہ مغز کے بڑے سے بڑے مدرسوں کے ہمسایہ تھا مگر اس وقت کے آکسفورڈ کے سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے دل سے موجودہ آکسفورڈ کے تمام خیالات کو محو کر دینا چاہئے۔ اُس زمانے کے نئے دارالعلوم میں اس قسم کی شان و شکوہ نہ تھی جسے دیکھ کر آج آکسفورڈ میں قدم رکھتے ہی ہر شخص محو حیرت ہو جاتا ہے، پُر عظمت کالجوں کے طویل سلسلے اور نارون کے درختوں کی شاندار و سایہ دار روشوں کے بجائے ازمٹہ وسطی کی ذلیل و غلیظ گلیاں تھیں اور ہزار ہا طلبہ بتدل اقامتگاہوں میں بھرے ہوئے تھے یہ طلبہ گرجا اور مکانات کے دروازوں کے اندر اپنے مدرسین کے گرو جمع ہوتے تھے اور مدرسین بھی غربت کے اعتبار سے

انہیں کے مثل تھے۔ یہ لوگ سڑکوں کے کنارے پانی پیتے، آپس میں جھگڑتے، گولیاں کھیلنے، خیرات مانگتے پھرتے تھے۔ یہی لوگ اس وقت کے طلبہ اور اساتذہ کے زرق برق مجمع کے پیشرو تھے۔ اس آتش افروز گروہ کے ہیجان و جوش کے فرو کرنے کی فکر میں حاکم بلدہ اور رئیس دارالعلوم دونوں بیکار حیران و پریشان رہتے تھے۔ نوجوان امرا کے ساتھ جو خدام دارالعلوم میں آتے تھے وہ ان کی خاندانی نزاعوں کے باعث سڑکوں پر جھگڑتے تھے۔ کنٹ اور اسکاٹلینڈ کے طلبہ آپس میں اسی قسم کی لڑائیاں لڑتے تھے جو جنوب و شمال میں باہم ہوتی تھیں۔ راتوں کو فتنہ انگیز و عیاش طلبہ شعلیں ہاتھ میں لئے تنگ گلیوں میں گشت کرتے پھرتے، حاکمان شہر کا مقابلہ کر بیٹھتے۔ اور اہل شہر کو انہیں کے دروازوں پر کانٹے ڈال دیتے تھے۔ کبھی کبھی ان اہل علم کا کوئی غول یہود کے محلہ میں گھس جاتا اور دو ایک مکانوں کو لوٹ کر ہی کھاتوں اور دستاویزوں کا نشان تک مٹا دیتا تھا، کبھی کبھی کسی طالب علم اور اہل شہر کے درمیان کسی شرابخانے میں جھگڑا ہو پڑتا اور اس سے ایک عام ہنگامہ کی صورت پیدا ہو جاتی۔ ایک طرف دارالعلوم میں سینٹ میری کے گرجا کا اور دوسری طرف شہر میں سینٹ مارٹن کے گرجا کا گھنٹہ بجتا اور فریقین ہتھیار سنبھال کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر تل جاتے۔ اس فتنہ پرداز و خانہ بر انداز گروہ کے لئے ہر ایک مذہبی اختلاف

یا سیاسی مناقشہ کسی نہ کسی جھگڑے کے اٹھنے کا پیش خیمہ ہو جاتا تھا، جس وقت انگلستان پوپ کے مطالبات سے چیں بچیں ہو رہا تھا اس زمانے میں طلبہ نے اوسنی کے رئیس خانقاہ کے مکان میں پوپ کے ایک وکیل کو گھیر لیا۔ بیرونوں کی جنگ تو بھئی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہاں اہل شہر اور طلباء دارالعلوم میں جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ پرانا مقولہ تھا کہ ”جب آکسفورڈ چاقو نکالتا ہے انگلستان میں بہت جلد فساد برپا ہو جاتا ہے۔“

مگر یہی شورش و ہیجان زندگی قوم کی علامت تھی۔ علم کی اڈمنڈرک شدید تشنگی، انہماک علمی کی حد سے بڑھی ہوئی تمنا ایک تازہ وارد عالم کے گرد ہزاروں شخصوں کو کھینچ لاتی اور پا برہنہ خیر مقدم کیا جاتا اڈمنڈرک، کنسٹری کا استغفام اور زمانہ مابعد کا ولی ایک چھوٹی سی گلی سے جو اب تک اینگڈن کے نام سے مشہور ہے بارہ برس کی عمر میں آکسفورڈ آیا تھا۔ اس نے اپنا مدرسہ خانقاہ الشیم سے متعلقہ سرائے میں قائم کیا تھا۔ اسی خانقاہ میں اس کا باپ ترک دنیا کر کے گوشہ گیر ہو گیا تھا، اس کی ماں اپنے وقت کی ایک نہایت پرہیزگار نادار عورت تھی۔ اپنے لڑکے کو وہ بالوں کے ایک قمیص کے سوا مال دنیا سے کچھ نہ دے سکی۔ اڈمنڈ نے ہر چار شنبہ کو اس قمیص کے پہننے کا عہد کیا تھا۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اڈمنڈ دوسروں سے زیادہ غریب تھا، وہ یہاں آئے ہی اس جگہ کی شریفانہ وضع اسکے

علمی جوش اور اس کے پر اسرار توشیح میں ڈوب گیا تھا ، ایک روز شام کے وقت جبکہ سینٹ میری کے گرجا پر سایہ پڑ رہا تھا اور مدرسین اور طلبہ وہاں سے نکل گئے تھے یہ لڑکا سب سے چھپکر مریم کی ایک تصویر کے پاس کھڑا ہو گیا اور ایک سونے کی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا کر اس کے ساتھ گویا منگنی کی رسم ادا کی ۔ اس قسم کے بہت آباد اور گنجان مقاموں میں بخار کا زور ہوا کرتا ہے ۔ اڈمنڈ کی تعلیم میں بھی اس سے بہت خلل پڑا مگر کئی برس تک یہاں رہنے کے بعد وہ تکمیل علوم کے لئے پیرس کو روانہ ہوا اور اپنے ایک بھائی رابرٹ کے ساتھ اس زمانہ کے طالب علموں کی عادت کے موافق مانگتا کھاتا ہوا مالک عیسوی کے اس بڑے مدرسے میں پہنچا ، یہاں ایک لڑکی نے اس کی مذہبی وضع کی کچھ پروا نہ کر کے ایسے اصرار کے ساتھ اس سے شادی کی خواہش کی کہ بالآخر اسے رضامند ہونا پڑا ۔ مگر جب وہ عقد کے لئے آیا تو مشیتِ علما کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی اور اس لڑکی نے بوقتِ توبہ و استنفار یہ ظاہر کیا ان علما نے ” فوراً ہی تکلیف دہ آسیب سے اسے نجات دلا دی“ ۔ پیرس سے واپسی کے بعد بھی اڈمنڈ کو یہی خیال رہا کہ وہ اس تصویر کو اپنی بیوی بنا چکا ہے ، آکسفورڈ پہنچ کر وہ وہاں کے مدرسین میں سب سے زیادہ ہر دلخیز مدرس ہو گیا تھا اور وہاں منطقِ ارسطو کی تعلیم ابتداً اسی کی ذات سے جاری ہوئی ۔ اس نے معبد

مریم کے قریب ہی ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر لے لیا تھا۔ اسی کمرے میں وہ مرتاضانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتا اور اس وجہ سے اکثر درس کے وقت بے اختیار سو جاتا تھا، اس کی بھوری عبادتوں تک لٹکتی رہتی تھی اور اس کے محبت آمیز و مستر انگیز اخلاق سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس پر فرانس کی تعلیم و تربیت کا اثر غالب ہے۔ شغفِ علمی اس میں عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اسکے طلبہ جو کچھ بھی چاہتے تھے اسے دے دیتے تھے۔ یہ نوجوان معلم کہا کرتا تھا کہ ”راکھ راکھ سے اور خاک خاک سے مل جائیگی“ مال دینا سے نفرت کے ساتھ شاید ایک طرح کا عالمانہ استغنا بھی اس کی طبیعت میں تھا، کیونکہ طلبہ جو کچھ نہیں لاتے تھے وہ اسے کھڑکی کے دروں میں ڈال دیا کرتا تھا اور کبھی کبھی کچھ چوٹا طالب علم اسے اڑا لیجاتا تھا۔ مگر علم بھی پریشانی اپنے ساتھ لاتا ہے، ایک مدت تک اس کے پاس صرف عمد نامہ قدیم اور فتاویٰ پوپ ہی دو کتابیں تھیں یہ کتابیں تو علومِ دنیاوی سے نفرت دلاتی تھیں مگر ان علوم کا ترک کرنا اڈمنڈ پر سخت شاق تھا۔ آخر کار اس مدرس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ماں اس کمرے میں پھر رہی ہے جہاں وہ اپنے ریاضی کے نقشے لئے کھڑا تھا۔ اڈمنڈ کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کی ماں نے کہا کہ ”یہ کیا ہیں“ اور اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی پر تین پلے ہوئے طلقے بناٹے جس میں سے ہر ایک کے

اندر اقاہم نلشہیں سے ایک ایک کا نام تھا، اور وہاں سے جاتے جاتے اس نے چلا کر کہا کہ ”بیٹا آئندہ سے یہی تیرے نقشے ہونگے۔“

دارالعلوم
اور
جاگیرداری کا
طریقہ

نئی تعلیم کی حقیقی خصوصیت اور دارالعلوم و کلیسا کی روش کا باطنی امتحان ان حالات سے بہت خوبی کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔ زمانہ قدیم کے ازمنہ وسطیٰ میں جاگیرداروں کی حکومت اور مذہبی ریاست کے اندر یہ نئی طاقت عجیب و غریب طور سے پیدا ہو گئی تھی اور دونوں کو اس سے یکساں خطرہ تھا۔ جاگیرداری کی بنا مقامی تفرقہ پر تھی یعنی ریاست سے ریاست تعلق سے تعلق الگ رہے، خاندان و نسل کا امتیاز قائم رہے، یہی طاقت کو غلبہ حاصل ہو، روابط اطاعت کا انحصار معاشرت و مقام کی حیثیت پر ہو۔ برعکس ازیں دارالعلوم اس امر کے خلاف تھا کہ اس طرح پر ایک انسان کو دوسرے انسان سے امتیاز ہو، چھوٹے سے چھوٹا مدرسہ بھی کسی مقام خاص کے لئے مختص نہیں تھا بلکہ کل یورپ کے لئے عام تھا۔ نہ صرف فرانس کا ہر صوبہ بلکہ مالک عیسوی کی ہر قوم پیرس اور پیڈوا کے مدارس میں داخل ہو کر ایک فرقہ بن گئی تھی۔ تعلیمی حدود کے اندر ایک مشترک زبان یعنی لاطینی یورپ کی تمام مختلف زبانوں پر حاوی تھی ایک عام ذہنی تعلق اور شوق مسابقت ان ذلیل جھگڑوں کے بجائے قائم ہو گیا تھا جو صوبے کو صوبے سے ملک کو ملک سے جدا کرتے تھے۔ جس کے سلجھانیکے لئے کلیسا اور سلطنت

دونوں نے کوششیں کیں اور دونوں کو ناکامیابی ہوئی۔ چاہتے تھے کہ تمام عیسائی قوموں کو ایک وسیع ”دولت عامہ“ میں مربوط کر دیں، یہ بات فی الحقیقت کچھ دنوں کے لئے دارالعلوم کے ذریعے سے حاصل ہو گئی۔ ڈیٹی کا کلام مانٹ سینٹ جینوی میں اسی شوق سے پڑھا جاتا تھا جیسے بولوگنا کی درسگاہوں میں آکسفورڈ کے طلبہ و کلف کے تحریرات پر گیو کے کتب خانوں میں گشت کرتے ہوئے پہنچاتے تھے۔ انگلستان میں صوبوں کے باہم ملا دینے کا کام اور جگہوں کی بہ نسبت کچھ ایسا مشکل یا بہت ضروری نہ تھا مگر یہاں بھی اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا، شالیوں اور جنوبیوں کے جھگڑوں نے ایک مدت تک آکسفورڈ کے نظم و انضباط کو خراب کر رکھا تھا مگر اس سے اتنا تو ہوا کہ شمالی و جنوبی آکسفورڈ کی سڑکوں پر ایک دوسرے کے آنے سنانے آ گئے۔ دوسری جگہوں کے مانند یہاں بھی قومی امتیاز کا جوش دارالعلوم کی وسیع النظری کے مقابلے میں رکا رہا۔ تیرھویں صدی کے ان اختلافات کے بعد جس سے پیرس کا فروغ خطرے میں پڑ گیا، آکسفورڈ کی درسگاہوں میں نارمن و (کیسکوئی) انگریزوں کے ساتھ غلط ہو گئے۔ بعد کے زمانے میں اون گلنڈور کی بناوت کے وقت معلوم ہوا کہ سیکڑوں اہل دیلز بھی اس کے مدرسین کے گرد جمع ہیں۔ اس عجیب الاختلاط مجھے میں معاشرت و حکومت کا نظام بالکل جمہوری اصول کے تابع تھا۔ آکسفورڈ کے طلبہ میں ایک امیر کا بیٹا ہر اعتبار سے ایک غریب ترین

درویش کے برابر سمجھا جاتا تھا، جن چیزوں پر جاگیردارانہ انتظام معاشرت کی بنا قائم تھی یعنی تمول، قوت جسمانی، مہارت سپہگری، آبا و اجداد اور نسل کا غرور، یہی چیزیں درس کے کمرے میں بے حقیقت محض تھیں۔ دارالعلوم ایک مقتدر حکومت تھی جس کی رکنیت کے لئے علمی پروانہ کی ضرورت تھی۔ علم ہی "ماسٹر" (استاد) بنا تھا۔ مدرسے میں کسی طالب علم کے لئے حکمران بننے کا صرف ایک استحقاق تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ صاحب علم ہو اور اس علمی حکومت میں سب کا درجہ یکساں تھا۔ مدرسین کی آزاد حکومت کے ارکان جب کلیساے سنٹ میری کے بغلی کمروں میں جمع ہوتے تھے، تو سب کو صلح و مشورہ دینے کا یکساں حق ہوتا تھا اور آخری فیصلہ میں سب کی رائے برابر تھی۔ خزانہ و کتبخانہ مطلقاً ان کے اختیار میں تھا۔ ہر عہدہ دار انہیں کی رائے سے مقرر ہوتا تھا اور وہی ہر طرح کے قانون تجویز اور منظور کرتے تھے ان کا سرگروہ یعنی چانسلر پہلے اسقف کا ایک نامزد کردہ عہدہ دار ہوتا تھا مگر بعد میں وہ انہیں کا ایک منتخب کردہ عہدہ دار ہونے لگا۔

دارالعلوم کی جمہوریت پسندی سے اگر جاگیرداروں کے اصول کو خطہ تھا تو ان کے تمنص و تحقیق علمی سے کلیسا بھی اندیشہ مند تھا، تمام ظاہری اعتبارات سے اہل دارالعلوم خاص اہل کلیسا معلوم ہوتے تھے۔ "فرقہ مذہبی" کے لفظ نے ازمنہ وسطیٰ میں جو وسیع معنی پیدا کر لئے تھے اس سے تمام تعلیم یافتہ لوگ پادریوں کی تعریف کے اندر آگئے تھے۔ طلبہ یا معلمین کی عمر یا لیاقت کچھ بھی ہو سب کے

دارالعلوم
اور کلیسا

”پادری“ کے لفظ میں شامل تھے، وہ ہر طرح کی دنیاوی ذمہ داری اور نکی عدالتوں کی ماتحتی سے آزاد تھے اور صرف اپنے اسقف کے قواعد کے جوابدہ اور اسی کی مذہبی عدالتوں کے حکم کے تابع تھے دارالعلوم کا یہ کلیسائی رنگ اس کے سرگروہ میں بھی صاف ہویا تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ اولاً چانسلر دارالعلوم کا عہدہ دار نہیں ہوا تھا بلکہ وہ اس مذہبی گروہ میں سے ہوتا تھا جس کے سایہ میں دارالعلوم نے نشوونما حاصل کی تھی۔ آکسفورڈ میں چانسلر اسقف لنکن کا (جس کے وسیع حدود اسقفی میں یہ دارالعلوم واقع تھا) ایک عہدہ دار ہوتا تھا مگر کلیسا کے ساتھ اس ظاہری یک رنگی نے اس کے باطنی اختلاف کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ میدان تعلیم کے اس طرح یک بیک وسیع ہو جانے سے ان خالص کلیسائی و فقہی تعلیمات کی اہمیت گھٹ گئی تھی جنہوں نے اب تک بنی نوع انسان کی تمام ذہنی قوی کو مشغول کر رکھا تھا۔ ادب القداما کا جدید رواج، ایک قدیم تر و وسیع تر دنیا کے اختلافات، ذہنی، معاشرتی و سیاسی طور پر اس زمانے سے زیادہ فراخ اور زیادہ آزاد زندگی کے معلومات وہ امور تھے جن سے مسلہ مقدمات میں شک و شبہ و انکار کا میلان پیدا ہو گیا تھا ایلیرڈ نے یہ دعوے کیا کہ عقل کو اعتقاد پر تفوق ہونا چاہئے۔ فلورنس کے شعرا بقائے روح کے متعلق تسخ آمیز بحث کرتے تھے، ڈینیٹی اگرچہ ان کو ملامت کرتا تھا مگر وہ بھی درجہ کو جبریمیا کے مثل مقدس سمجھتا تھا۔ وہ شہنشاہ جس میں اس نئی

تربیت کا اثر سب سے نمایاں نظر آتا تھا اور وہ اپنے وقت کا 'عجائب عالم' کہلاتا تھا یعنی فریڈرک شانی، آدھا پورپ اسے ایک کافر سے بڑھ کر نہیں سمجھتا تھا۔ ذی اقتدار اہل کلیسا نے علم طبیعیات کو سحر قرار دے رکھا تھا، اب اس طبیعیات کے خفیف رواج سے عیسائیوں کا مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ خطرناک تصادم پیدا ہو گیا۔ ریوں کی کتابیں، روجر بیکن کی نظروں میں اب ایک ملعون شے نہیں تھیں۔ قوطبہ کے علما اڈیلارڈ کے خیال میں بنس اور ناپاک نینر تھے روجر بیکن کی مشاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ کس آہستگی کے ساتھ اور کن مشکلات کے مقابلے میں علم نے اپنا راستہ نکالا، وہ لکھتا ہے کہ 'فلسفہ ارسطو کے ایک ایک جزو نے نہایت آہستگی کے ساتھ علمائے لاطینی میں رواج پایا اس کی طبیعیات و الہیات کا ابن رشد و فیروز کی شرحوں کے ساتھ میرے وقت میں ترجمہ ہوا ہے اور ۱۲۳۰ء تک پیرس میں اس کے خلاف فتویٰ جاری رہا کیونکہ ان میں قدم عالم و قدم زبان کا اعتراف کیا گیا ہے۔ نیز ان میں ایک کتاب خواب میں الہامات کے بابت بھی شامل تھی۔ اور خود ترجمے کے نا درست ہونیکے باعث بھی اکثر غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اس کی منطق تک کو بتدریج قبول عام اور شمول درس کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ میرے وقت میں سنٹ اڈمنڈ اسقف اعظم کینٹربری پہلا شخص ہے جس نے اس کتاب کو آکسفورڈ میں پڑھا۔ میں (معلم) زینگو سے بھی ملا ہوں جس نے اس کی کتاب اناطولیقا ثانیہ پہلے بار پڑھی تھی۔ اور

میں نے اس کے تحریرات بھی دیکھے ہیں پس لاطینیوں کی کثرت کے باوجود ان میں فلسفہ ارسطو کے جاننے والے چند ہی ایسے تھے جو کسی شمار میں تھے بلکہ اتنا بھی نہیں ہے۔ شاید ہی اس سال (۱۶۹۲ء) تک اس کا کوئی سمجھنے والا پیدا ہوا ہو۔“

بعد کے صفحات میں ہم دکھائیں گے کہ کلیسا نے اس مخالفانہ راجہ کی روش کا کس سختی کے ساتھ مقابلہ کیا اور کس طرح اس نے گداگر فراروں کے ذریعے سے دوبارہ دارالعلوم کو اپنے تابع کر لیا، مگر انہیں فراروں میں وہ لوگ بھی تھے جو دارالعلوم کی ذہنی ترقی کے بہترین نمائندے ثابت ہوئے؛ راجہ بیکن کی عمر تقریباً پوری تیرھویں صدی کے مطابق ہے، اس کے والدین شاہی خاندان سے تھے جنہیں غازی بیگلوں کی وجہ سے جلا وطن ہونا اور غربت میں دن کاٹنا پڑا تھا۔ آکسفورڈ میں اس نے اڈمنڈ (اینگلنڈ) سے تعلیم حاصل کی اور اسی کے توسط سے اولاً اسے ارسطو کی تصانیف سے واقفیت حاصل ہوئی۔ آکسفورڈ سے وہ پیرس کے دارالعلوم کو گیا جہاں اس کی موروثی دولت قیمتی تعلیمات و تجربات میں صرف ہو گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ بچپن سے میں نے علوم و السنہ پر محنت کی ہے اور تمام مشہور علماء لاطینی سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، میں نے نوجوانوں کو زبان، مساحت، حساب، نقشہ کشی، آلات کے بنانے اور بہت سے دوسرے کارآمد علوم کی تعلیم دلائی ہے، اس نے جس قسم کے علوم کے مطالعہ کا ارادہ کیا تھا ان کی راہ میں بے انتہا دشواریاں حاصل تھیں۔ اس کے پاس نہ آلات تھے اور نہ تجربات کا

موقع حاصل تھا۔ زمانہ مابعد میں اس نے شکایت لکھا ہے کہ بلا آلات ریاضی کے کسی علم میں کمال نہیں حاصل ہو سکتا اور لاطینیوں میں یہ آلات موجود نہیں ہیں اور نہ دو تین سو پاؤنڈ میں وہ تیار ہو سکتے ہیں، علاوہ ازیں عمدہ نقشوں کی از حد ضرورت ہے، نقشے ایسے ہونے چاہئیں جن سے بدو عالم سے آخر تک کے سادہ حرکات کی تحقیق روز روز کی محنت کئے بغیر ہو سکے مگر ان نقشوں کی قیمت ایک بادشاہ کے فدیہ کے برابر ہے اور بہت بڑے مصارف کے بغیر وہ تیار نہیں ہو سکتے، میں نے بارہا اس قسم کے نقشے مرتب کرنیکی کوشش کی ہے مگر ذرائع کے ناکافی ہونے اور کارکنوں کی نالائقی کی وجہ سے انہیں مکمل نہ کر سکا۔ کتابوں کا حصول مشکل بلکہ بسا اوقات غیر ممکن تھا۔ ارسطو، ابن سینا، سینکا، سیسرد اور دوسرے قدما کے فلسفیانہ تصانیف مصارف کثیر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ان کے اہم تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ نہیں ہوا ہے اور جن کا ترجمہ ہوا ہے ان کی نقلیں بھی معمولی کتب خانوں میں عام طور پر نہیں مل سکتیں۔ جہاں تک میں نے سنا ہے سیسرد کی قابل تعریف کتاب ٹری پبلکا کہیں بھی نہیں مل سکتی، میں نے دنیا کے مختلف اطراف میں اس کی جستجو کی اور بہت سے قاصد بھی بھیجے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا یہی حال سینکا کی کتابوں کا ہے۔ ہر چند کہ بیس برس سے زائد سے ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اور یہی کیفیت علم الاخلاق کی بہت سی نہایت ہی مفید کتابوں کی ہے۔ خود اسی کے الفاظ سے ہیں راجر بیکن کی تشنگی علم، صبر و محنت کا

پتہ چلتا ہے وہ ایک معلم کی حیثیت سے آکسفورڈ کو واپس آیا اور اپنے متعلمین کے ساتھ اس کی توجہ و انماک کا ایک واقعہ جان (لندن) کے قصے میں موجود ہے، یہ ایک پندرہ برس کا لڑکا تھا جس کی قابلیت نے اسے بیکن کے طلبہ کی عام سطح سے بلند کر دیا تھا بیکن نے پوپ کے پاس اس کی سفارش کی اور لکھا کہ ”جب وہ ایک غریب لڑکے کی حالت میں میرے پاس آیا تو میں نے حسبہ شد اس کی تعلیم و پرورش کا انتظام کیا خاص کر اس وجہ سے کہ طلب علم اور پاکبازی میں میں نے کسی لڑکے کو اس سے بڑھ کر نہیں پایا“ پانچ برس پیشتر میں نے اسے السنہ مختلفہ ریاضات اور علم المناظر میں تعلیم دلائی اور جس وقت سے فرمان عالی صادر ہوا ہے میں نے خود بلا معاوضہ اسے تعلیم دی ہے۔ اگرچہ ابھی نو عمر ہونے اور تعلیم کا تجربہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس کے جوہر ظاہر نہیں ہوئے ہیں مگر پیرس میں کوئی شخص اس کے برابر فلسفے کی حقیقت کا جاننے والا نہیں ہے۔ اگر وہ سن رشد کو پہنچا اور جس طرح اس نے ابتدا کی ہے اسی طرح چلتا رہا تو اس میں وہ قابلیت موجود ہے کہ وہ تمام علمائے لاطینی پر سبقت لے جائیگا۔“

جس نازش کے ساتھ اس نے اپنے طریقہ تعلیم کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تصدیق تعلیم سائیس کی اس عظیم دست سے ہوتی ہے جو اس کی وجہ سے آکسفورڈ کو حاصل ہوئی، اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ”لاطینوں میں علم المناظر کا درس اب تک بجز آکسفورڈ کے پیرس یا کسی اور جگہ نہیں ہوا ہے اور آکسفورڈ میں بھی صرف

دو بار اس کا موقع آیا۔ اس درس سے اس نے باغلب وجوہ خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے یہ وہ علم تھا جس پر اس نے دس برس محنت کی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخم تعلیم شور زمین میں ڈالا تھا۔ جس وقت فرائز دارالعلوموں میں مقیم ہوئے ہیں تمام طلبہ کی ذہنی قوت مروجہ وقت تعلیم میں جذب ہو گئی تھی۔ زمانے کا انداز سائنٹفک و فلسفی تعلیم کے خلاف تھا، طلب علم کا تدبیری چوش سرد ہوتا جاتا تھا، کلیسا و سلطنت دونوں میں صرف قانون کی تعلیم ترقی کا ذریعہ تھی۔ فلسفے سے احتراز کیا جاتا تھا اور خالص علم ادب تقریباً مفقود ہو گیا تھا، چالیس برس کے مسلسل مطالبہ کے بعد سین کو معلوم ہوا کہ ”کوئی اس کی نہیں سنتا اور وہ از باد رفتہ اور مردہ ہو گیا ہے“ معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں وہ دو تہند تھا مگر اس کی دولت ضائع ہو چکی تھی، ”اس بیس برس کے زمانے میں عام لوگوں کی روش ترک کر کے میں نے تحصیل علم میں خاص کوشش کی ہے، میں نے خرید کتب، تجربات، آلات، نقشہ جات، تعلیم السنہ اور اس قسم کے اور کاموں کے معاوضات میں دو ہزار پاؤنڈ سے زائد صرف کئے ہیں۔ اس میں ان تمام مصارف کا بھی اضافہ کرنا چاہئے جو میں نے علمائے دوستی پیدا کرنے اور لائق مددگاروں کے حصول میں برداشت کئے ہیں“ اس طرح اپنی امیدوں میں سرگرداں اور تباہ ہو کر اس نے اپنے دوست گروسیٹ کے مشورے کے موافق دنیا کو ترک کر دیا اور سینٹ فرانسس کے فرقیے کا ایک فرائز بن گیا، اس فرقیے نے غربا میں غلط کئے کا

کام تخصیص کے ساتھ اپنے ذمے لیا تھا اور اس وجہ سے یہ لوگ کتب بینی اور مطالعہ کو اپنے کام میں خلل انداز سمجھتے تھے۔ لیکن نے اس وقت تک برائے نام ہی کچھ لکھا تھا، لکھنا اس کے لئے بہت دشوار تھا کیونکہ اس کے ان نئے پیشواؤں نے اسے یہ حکم دے کر رکھا تھا کہ اگر وہ کچھ لکھیگا تو اس کی کتاب ضبط ہو جائی اور اس کے کفارے میں اسے صرف روٹی و پانی پر زندگی بسر کرنی پڑے گی لیکن اپنے خیالات کو ضبط تحریر میں لایا دلی جذبہ اہل علم کا خاص تمنائے امتیاز ہے اور ہم لیکن کے اس جوش کا اندازہ اس سے کر سکتے ہیں کہ اتفاقاً ایک عجیب موقع کے پیش آجانے سے اس نے کس مسرت سے اس سے فائدہ اٹھایا "دوستوں کی درخواست پر اس نے مختلف مضامین پر چند باب لکھے تھے" معلوم ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ تحریر باہر پہنچ گئی اور کلنٹ چہارم کے ایک چیپلین (پیش نماز) نے یہ تحریر اسے دکھائی۔ پوپ نے ان ابواب کو دیکھنے کے بعد ہی اس سے مزید تحریر کی خواہش کی لیکن مشکلات پھر اس کے سد راہ ہو گئے، جس تصنیف کا خاکہ اس نے مرتب کیا تھا، اس کے سامان، نقل، اور دوسرے اخراجات کے لئے کم از کم ساٹھ پاؤنڈ کی ضرورت تھی، اور پوپ نے ایک پیسہ بھی نہیں بھیجا تھا، اس نے اپنے اہل خاندان سے مدد کرنے کی درخواست کی مگر وہ بھی اسی کی طرح تباہ ہو چکے تھے، ایک درویش فرانس کو قرض کوئی دینا نہیں چاہتا تھا، اس کے دوستوں نے اس امید پر اپنا اسباب رہن رکھ کر روپیہ جمع کیا کہ اخراجات کلنٹ

سے واپس ل جائینگے۔ صرف یہی دشواری نہیں تھی بلکہ پوپ کی توجہ حاصل کرنے کے لئے اس خشک اور سائنٹفک مضمون کو سلیس و عام پسند بنا کر ضروری تھا، مگر جن مشکلات سے دوسرے ہمت ہار دیتے انہیں مشکلات نے راجر میں ایک طرح کی فوق العادہ قوت پیدا کر دی۔ ایک برس سے کچھ ہی زائد زمانے میں تصنیف مکمل ہو گئی اور اسے میں (کتاب بیسٹ) بجائے خود زمانہ حال کے باریک حرفوں میں بڑی تفسیح پر چھپی ہوئی ایک ضخیم کتاب ہے مگر بیکن نے اس کتاب کے ساتھ ”کتاب وجیز“ اور کتاب ”ثالث“ میں متعدد خلاصے اور ضمیمے بھی تیار کر کے پندرہ مہینے کے اندر اندر پوپ کے پاس روانہ کر دیے۔ یہ آخر الذکر کتابیں بھی خاصے جگم کی ہیں۔

ادیں خود کتاب میں اس تیز رفتاری کا کچھ پتہ نہیں چلتا ”کتاب بیسٹ“ میں اپنی ترتیب و جزئیات دونوں میں یکساں طور پر تعجب انگیز ہے، (کتاب بیسٹ) ڈاکٹر و صول کے الفاظ میں بیکن کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ ”باحث فلسفیانہ کی اصلاح کی ضرورت پر زور دے، ان وجوہ کو بیان کرے کہ کیوں علم نے اب تک حالت موجودہ سے زائد ترقی نہ کی علوم کے ان ماخذ کی طرف توجہ دلائے جن سے لایعظاً غفلت برتی گئی ہے اور ایسے دوسرے ذرائع کا پتہ چلائے جو اس وقت تک بالکل نامعلوم تھے اور ان سے جن فوائد عظیم کے حصول کی توقع تھی اس کی بنا پر لوگوں کو ان میں مشغول ہونے پر توجہ دلائے“ اس نے اس خیال کو عملی طور پر نہایت ہی دست دی ہے، اس کے وقت میں جس قدر علوم موجود تھے

ان کے ہر ایک شعبے کے متعلق تمام معلومات جمع کئے ہیں اور تبصرے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کی ترقی کی صورتیں بھی بتاتا جاتا ہے، اس میں مطلق شبہ نہیں کہ جو علمی تحقیقاتیں اس نے کیں وہ نہایت قابل قدر ہیں، لیکن جو محنت اس نے قواعد زبان اور علم اللسان کی چھان بین میں کی اور جس طرح اُس نے بار بار بیحد اصرار کیا ہے کہ کتابوں کی صحت، زبانوں کا صحیح علم، کلام کے منافی کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا لازم ہے، وہ بھی کچھ کم قابل قدر نہیں ہے۔ وہ صرف دستجو سے ریاضیات کی طرف اور ریاضیات سے علم تجزیات کی طرف توجہ ہو جاتا ہے، ریاضیات کی تحت میں اس زمانے کے تمام طبعی علوم شامل کر لئے گئے تھے۔ لیکن جوش کے ساتھ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ تیس چالیس برس کی بے توجہی نے لاطینی ممالک عیسوی میں ہر قسم کی تعلیم کو تقریباً تباہ کر دیا ہے، کیونکہ جو شخص ریاضیات سے واقف نہ ہو وہ اور علوم سے بھی واقف نہیں ہو سکتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود اپنی جہالت کا احساس نہیں کر سکتا اور نہ اس کے رفع کرنے کی کوئی تدبیر کر سکتا ہے، "جغرافیہ، وقائع نگاری، حساب، موسیقی، سب پر کچھ نہ کچھ سائنٹفک رنگ چڑھا دیا گیا ہے اور موسم، کیفیت بحر و بر، علم نجوم کے متعلق بھی ایسی ہی تیز نظری سے کام لیا گیا ہے۔ علم المناظر کو اس نے خاص طور پر مطالعہ کیا تھا، اس علم کو زیادہ وسعت سے بیان کیا گیا ہے، جو مسائل قطعاً علم المناظر کے اندر داخل ہیں ان پر بحث کرنے کے علاوہ اس نے آنکھ کی ساخت پر بھی گفتگو کی ہے، مختصہ یہ کہ بقول ڈاکٹر

دہریل "کتاب بسیط" تیرہویں صدی کی دائرۃ المعارف اور قانون جدید Novem Organum دونوں ہے۔ "راجر بیکن کی تمام مابعد کے تصانیف فی الاصل اسی بلند پایہ خیال کی تفصیل ہیں جو اس نے کلنٹ کے سامنے پیش کیا تھا، ان تصانیف کی کثرت کی کیفیت یہ ہے کہ انگلستان کے کتب خانوں سے کتاب پر کتاب برآمد ہوتی آتی ہے۔ اس قسم کی تصنیف خود اپنا بڑا انعام آپ ہے، اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے راجر بیکن کو اعتراف کی بہت کم توقع ہو سکتی تھی اور ہوا بھی ایسا ہی، معلوم ہوتا ہے کہ پوپ نے بھی کسی طرح پر اظہارِ قدر دانی نہیں کیا۔ اگر بعد کے ایک قصے کو ہم صحیح سمجھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریروں کی وجہ سے بیکن کو پوپ کے حکم سے صرف قید خانہ نصیب ہوا۔ یہ سن رسیدہ شخص جس طرح زندگی میں نامشور از یاد رفتہ اور گم نام رہا تھا، ویسی ہی اس کی موت بھی واقع ہوئی اور یہ کام ازمنہ مابعد کے لئے محفوظ رہا کہ راجر بیکن کو عالم گم نامی سے نکال کر علوم جدیدہ کے سلسلہ عظیم میں سب سے مقدم جگہ دے دے۔

جزو پنجم

ہنری سوم
۱۲۱۶ — ۱۲۷۲

اس عہد کے دو خاص مستند مورخ و جغرافیہ نویس ہیں۔ ایک ان میں سے

سلٹ البنر کا روبر (ونڈور) ہے جس کی کتاب ۱۲۳۵ء پر ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا اسی کتاب کا ذیل لکھنے والا متھیو پیرس ہے۔ روبر کے بیانات تفصیل میں مگر صحت سے بید ہیں اور اس میں شاہی و مذہبی جانبداری نہایت سخت پائی جاتی ہے۔ متھیو کے حالات میں نے اس جزو کے آخر میں بیان کئے ہیں۔ ڈیٹس میں دوری اور برن کے وقائع سے بہت سے جزئیات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تمام وقائع مسٹر لوورڈ نے ایلسر مونیسیسی (وقائع خانقاہ Annales Monastici) میں شائع کئے ہیں۔ رائل لٹری (شاہی کاتبان Royal Letters) جنہیں ڈاکٹر شرلی نے ایک قابل قدر دیباچے کے ساتھ مرتب کیا ہے پرنٹ اور کلوز رولز کے مانند نہایت ہی بیش بہا ہیں۔ روم کی مخالفت کے متعلق گروسیتس کے خطوط Grossetetes Letters مسٹر لوورڈ دیکھنا چاہئے

۱۲۱۵ء میں ارل مارش کے انتقال سے پوپ کے ایک نئے کبیل ہیبرٹ پینڈلف، اسٹفن لینکلن (جو روم سے عفو تقصیر کے بعد واپس آ گیا) ڈی برگ تھا) اور نائب السلطنت ہیو برٹ دی برگ کے ہاتھوں میں تمام معاملات آ گئے۔ تغیر کا زمانہ تھا اور نائب السلطنت کا مزاج خاص طور پر تغیر پذیر تھا، اس نے ہنری دوم کی طرز حکومت میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے قومی آزادی سے اسے بہت ہی کم بھردی تھی، اپنے آقا کی طرح وہ بھی عاتقانہ شخصی انتظام اور امن و قانون کے قائم رکھنے ہی کو حکومت کا بہترین مقصد سمجھتا تھا، مگر اس کے ساتھ ہی دوسرے انگریزوں کے مانند قومی آزادی کی کامل خواہش اس میں بھی موجود تھی غیر ملکوں سے اسے نفرت تھی اور بر اعظم کے جھگڑوں میں وہ انگریزوں کے جان و مال کے آٹان کو گوارا نہ کرتا تھا۔ اس کی قابلیت میں کوئی شک نہیں مگر اس کے کام کی دشواری معمولی دشواری نہیں تھی، روم کی مسلسل مداخلت سے اس کے

کاموں میں رکاوٹ پیش آتی رہی، پوپ کا ایک وکیل انگریزی دربار میں رہتا تھا اور انگلستان کے حاکم اعلیٰ کے قائم مقام اور نو عمر بادشاہ کے ولی ہونے کے لحاظ سے ملک کے انتظامات میں دخل دینے کا دعویدار تھا، ایک غیر ملکی خرقی بھی اب تک ملک کے اندر قدم ہانے ہوئے تھا، کیونکہ ولیم مارشل کو پٹرڈس راکس اور فاکس دی بروئی سے (جو لوئیس کے مقابلے میں بادشاہ کی بانہداری میں لڑے تھے) ضلاہی حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی، فتح کے وقت سے انگلستان کا دستلی حصہ بڑے بڑے امرا کی جائداد سے گھرا ہوا تھا، جن کی تمنا یہ تھی کہ جاگیرداروں کی سی آزادی حاصل ہو جائے، ان کا جوش سرکشی و تمرد بادشاہوں کی سخت حکومت اور اہل دربار میں بیرونوں کے ایک نئے طبقے کے پیدا ہونے سے (جو زیادہ تر شمال میں آباد کئے گئے تھے) کسی قدر رکا رہا۔

جان کے مظالم نے حصول منشور کی جدوجہد میں ان پرانے اور نئے خاندانوں کو متفق کر دیا تھا، مگر ہر ایک کی خصوصیت بتوں غیر متبدل رہی اور اس کشمکش کے اہتمام کے ساتھ ہی جاگیرداروں کے گروہ میں ان کی قدیم بے ضابطگیاں اور تاج کی فحاشیت پھر رونما ہو گئی۔ ایک زمانہ میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسٹیفن کے عہد کی طوائف الملوک کی عود کر آئی ہے، مگر نائب السلطنت میں اس زور کے کپل دینے کی کافی قوت تھی اور اسٹیفن لینکلن کی مروانہ کوششیں اس کی معاون تھیں۔ جاگیردار بیرونوں کے سرگروہ ارل چٹرنے اگرچہ بنادت بزور شمشیر برپا کر دی مگر ہیوہرٹ کی

یورش اور استقفِ اعظم کی طرف سے خارج از ملت کر دینے کی دھمکیوں سے وہ دب گیا لیکن اس سے ایک زیادہ خطرناک دشمن فاکس ذہنی (فرانسیسی) ابھی باقی رہ گیا تھا، یہ شخص چھ صدیوں کا ناظم تھا اور چھ شاہی ایوانات اس کے قبضے میں تھے اور باغی بیرونوں اور ویلز کے لیونوں دونوں سے اسے اتحاد تھا، دو ماہ کے محاصرے کے بعد اس نے اپنا قصر ڈرفڈ حوالہ کیا۔ ہیوربرٹ نے اس معاملے میں نہایت سخت گیری کی چوبیس نائٹ اور ان کے ملازمین کو جو اس قصر کے محافظ تھے قصر ہی کی دیواروں کے سامنے پھانسی دے دی، یہ ضرب کار گرفت ثابت ہوئی، شاہی ایوانات بیرونوں نے حوالہ کر دئے اور ملک میں پھر ایک بار امن و امان ہو گیا، غیر ملکی سپاہ سے آزاد ہو کر، غیر ملکی وکیل کے دل سے بھی ملک کو آزادی حاصل ہو گئی۔ لیننگٹن نے روم سے یہ وعدہ لے لیا کہ جب تک وہ زندہ ہے آئندہ انگلستان میں پوپ کا کوئی نائب نہیں بھیجا جائے گا اور ۱۲۲۱ء میں پیئرفلف کے استقف سے ملکی حکومت میں براہ راست پوپ کی مداخلت کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر استقفِ اعظم نے انگلستان کی آزادی کے لئے جو کام کئے ان کے مقابلے میں یہ خدمت کچھ بھی نہ تھی۔ اپنی زندگی بھر منشور کی حفاظت پر سب سے زیادہ اس کا خیال رجوع رہا۔ ہنسری کی

لیننگٹن
و منشور

تحت نشینی کے وقت منشور کا جو اعلان ہوا اور جس میں وہ دفعات حذف کر دئے گئے تھے جو اجرائے معمولات کے بابت بادشاہ کے اختیارات کو محدود کرتے تھے، اس کا سبب بلاشک و شبہ یہی تھا کہ استقفِ اعظم انگلستان میں موجود نہ تھا بلکہ بہ حالت ذلت

روم میں پڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بد نظمیوں کے دب جانے سے شاہی وزراء میں مقادمت کا قدیمی جوش پھر پیدا ہو گیا، جب لندن کی پارلیمنٹ میں لینگٹن نے منشور کی جدید تصدیق کا مطالبہ کیا تو بادشاہ کے مشیروں میں سے ولیم برودور نے یہ اعتراض کیا کہ وہ منشور بزور حاصل کیا گیا تھا، اور قانوناً جائز نہیں ہے۔ اسقف اعظم نے غصے میں جواب دیا کہ ”ولیم اگر تم بادشاہ سے محبت رکھتے ہو تو امن کے راستے میں تمہیں سنگِ راہ نہ ہونا چاہئے۔“ بادشاہ اسقف اعظم کے غصے سے دب گیا، اور منشور پر کاربند ہونے کا فوراً ہی وعدہ کر لیا، دو برس بعد اسقف اعظم اور بیرونوں نے ایک رقم معاونت کے معاوضے کے طور پر منشور کے بانضابطہ اعلان کا مطالبہ کیا، اور ہنری کے منظور کر لینے سے وہ اصول قائم ہو گیا جو اپنے آئینی نتائج میں نہایت کارآمد ثابت ہوا یعنی بادشاہ کو رقم دینے کے قبل نقصا کی اصلاح ہونی چاہئے۔

۱۲۲۵ء میں اسٹیفن لینگٹن کی موت انگلستان کی آزادی کیلئے سخت مہلک ثابت ہوئی۔ ۱۲۲۶ء میں ہنری نے اپنے رشد کا اعلان کیا اور اگرچہ ہیویوٹ پستور نائب السلطنت رہا مگر روم کے جھگڑوں اور بادشاہ کی خواہشوں کے مقابلے میں وہ سال بسال بے بس ہوتا گیا۔ ازمنہ وسطیٰ میں پوپ کے متعلق جو خیال قائم ہو گیا تھا اس کی رو سے تمام مالک عیسوی کا نظام ایک مذہبی مملکت کی حیثیت سے قائم ہو گیا تھا اور اس کی صورت دنیاوی سلطنتوں کے جاگیردارانہ نظام کی سی ہو گئی تھی، یعنی پوپ بجائے

ہیویوٹ
کازوال

بادشاہ کے ہو گئے اساتذہ اس کے بیرن تھے اور عام پادری فروتر
 شبین میں شامل تھے۔ جس طرح بادشاہ بوقت ضرورت اپنی رعایا
 سے امداد و معاونت کی رقوم طلب کر سکتا تھا اسی طرح یقین کیا
 جاتا تھا کہ کلیسا کا سرتاج پادریوں سے رقوم طلب کر سکتا ہے۔
 اس وقت پوپ فریڈرک ثانی کی کشمکش سے بالکل تہی دست
 ہو گئے تھے اور وہ اپنے مطالبات میں آگے بڑھتے ہی چلے جا رہے
 تھے، انگلستان کو وہ ایک ماتحت سلطنت سمجھتے تھے اور اس پر
 اپنے شہنشاہ کی مدد کو واجب جہنتے تھے۔ مگر بیرونوں نے اس امداد
 کے لئے عوام سے مطالبہ کرنے کی تجویز نامنظور کی اور پوپ کو پادریوں
 ہی پر انحصار کرنا پڑا۔ اس نے پادریوں سے ان کی کل املاک
 غیر منقولہ کا دسواں حصہ طلب کیا اور خارج از ملت کر دینے کی
 تہدید سے ان کی زبان شکایت کو بھی بند کر دیا۔ تحصیل پر تحصیل
 جاری ہو گئی، ان مرہیوں کے حقوق تک کی پروا نہ کی گئی جنہیں طبقہ
 مذہبی سے تعلق نہیں تھا۔ اور ”محفوظات“ کے نام سے انگلستان کے
 اوقاف کے تحائف پوپ کے بازار میں فروخت ہونے لگے۔ اس کے
 ساتھ ہی جن کلیساؤں میں نذر و نیاز کی آمدنی بہت زیادہ تھی
 وہاں اطالوی پادری مقرر کر دئے گئے بالآخر ہیجان عامہ نے ایک
 وسیع سازش کی صورت اختیار کی، مسلح آدمیوں نے تمام ملک میں
 خط تقسیم کئے۔ یہ خطوط ”اس تمام جماعت کی طرف سے تھے جو
 رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہو جانے پر مرنے کو ترجیح دیتے تھے۔“
 پوپ اور غیر ملکی پادریوں کے لئے جو عشر جمع کیا گیا تھا وہ چھین کر

غریبوں کو دے دیا گیا، پوپ کے گماشتوں کی زد و کوب کی گئی اور ان کے فرمان پاؤں سے روند ڈالے گئے۔ روم کے اعتراضات نے اس تحریک کی قومی خصوصیت کو اور ہویدا کر دیا، مگر جب تحقیقات کی گئی تو اس کام میں خود نائب السلطنت کا ہاتھ نظر آیا۔ جس وقت یہ زیادتیاں ہو رہی تھیں تیسرے چپ چاپ علیحدہ کھڑے دیکھتے رہے۔ اہل شورش نے اپنے فعل کی پسندیدگی کے لئے شاہی خطوط لوگوں کو دکھائے اور پوپ نے کھلم کھلا اس غداری کو ہیوبرٹ ڈی برگ کے خفیہ اشارے کی طرف منسوب کیا۔ یہ الزام ۱۲۶۹ اس وقت لگایا گیا جب بادشاہ و وزیر میں بھی نہایت مخالفت ہو گئی تھی۔ ہنری نے اس پر یہ الزام رکھا تھا کہ محض اسی کے سبب سے نارمنڈی کا ملک موروثی جو انگلستان کے باہر ہے کوشش کرنے پر بھی قبضہ میں دوبارہ نہ آسکا۔ نارمنڈی کے پیرنوں نے خود ہی جو درخواست کی تھی وہ بھی ہیوبرٹ کے عذر بیجا کرنے سے نامنظور کر دی گئی تھی اور جب پائنٹو کی ایک مہم کے لئے ایک بڑی جمعیت پورٹسماؤتھ میں جمع ہوئی تو جہاز بار برداری و سامان کی کمی کی وجہ سے وہ منتشر کر دی گئی۔ نوجوان بادشاہ نے تلوار کھینچ لی اور دیوانہ وار نائب السلطنت پر جا پڑا اس پر غداری اور فرانس کی رشوت خواری کا الزام لگایا۔ مگر یہ فتنہ فرو کر دیا گیا اور مہم اس سال ملتوی ہو گئی۔ اگلے برس جب ہنری بریتانی اور پائنٹو کے میدان میں گیا اور مہم کو ناکامیابی ہوئی تو اس کا الزام بھی ہیوبرٹ پر لگایا گیا اور کہا گیا کہ اسی کی مخالفت کی وجہ سے جنگ رک گئی۔

پوپ کی الزام دہی نے ہنری کے پیانا غضب کو اور بھی لہریز کر دیا۔ برنٹوڈ کے گرجا میں ہیوہرٹ نے پناہ لی تھی وہاں سے کشاں کشاں نکالا گیا، اور ایک آہنگر کو حکم دیا گیا کہ بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال دے مگر آہنگر نے جواب دیا کہ میں ہر طرح کی موت کے لئے تیار ہوں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اس شخص کے پیر میں بیڑی ڈالوں جس نے اجنبیوں سے ملک کو آزاد کیا اور ڈاور کو فرانس سے بچا یا۔ اسقف لندن کے معترض ہونے سے ہیوہرٹ گرجا میں پھر واپس کر دیا گیا، مگر فاقہ کشی نے اسے اطاعت پر مجبور کر دیا وہ ایک قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں بھیج دیا گیا اور اگرچہ اسے جلد رہائی مل گئی مگر سلطنت میں کسی قسم کا اختیار اسے باقی نہیں رہا تھا، اس کے زوال نے انگلستان کو بے روک ٹوک ہنری کی شخصی حکومتوں کے حوالہ کر دیا۔

ہنری کے مزاج میں کچھ ایسی شائستگی تھی کہ اس کے حکمرانی ہنری کے بہترین زمانے میں بھی لوگوں کو اس سے الٹ رہی۔ تاہم موسم کے معمولی گرجے کے بجائے اس نے دستِ فسطیح میں جو خانقاہ غیر ملکی بنائی تھی وہ اس کی صنعت پسند طبیعت کی ایک یادگار موجود ہے۔ اپنے باپ کے ظلم و جورِ حرص و ناپربہیزگاری سے وہ بالکل مبرا تھا۔ وہ اہل صنعت و اہل علم کا دوست و قدر شناس تھا، اور اپنے زمانہ کی رزمیہ نظم گوئی میں خود بھی مہارت رکھتا تھا، مگر اپنے خاندان کی مختص سیاسی قابلیت کا اس میں کچھ اثر نہ تھا وہ ایک فضول خرچ، تلون مزاج، نیک و بد دونوں حالتوں میں

شمتل ہو جانے والا طبیعت اور زبان کا بے لگام ہتک و ہرزگی میں بے پروا شخص تھا، لاجسب و مسرفانہ اطوار، نمائش میں اسے مسرت حاصل ہوتی تھی، حکومت کا ایک خیال اس کے ذہن میں تھا کہ وہ مطلق العنان ہو جائے۔ بادشاہ کا مزاج اگرچہ نہایت ہرزہ پسند تھا مگر وہ ایک کمزور شخص کی طرح ایک خاص طرز عمل پر بھج رہا تھا، اپنی سمندر پار والی مملکت موروثی کو واپس لینے کی امید اس کے دل میں جاگزیں تھی، وہ بادشاہ کے حاکم مقتدر ہونے پر یقین رکھتا تھا، مشورہ اعظم کے اقراروں کی نسبت یہ سمجھتا تھا کہ یہ وعدے بزور بادشاہ سے حاصل کئے گئے ہیں اور وہ بزور پھر مسترد ہو سکتے ہیں۔ سلاطین فرانس کو دیکھتا تھا کہ وہ سب اولوالا و خود سر ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے ہنری کے دل میں اس اختیار مطلق کی صداقت کا نقش بیٹھ گیا تھا اور اسی پر اس کی مجلس شوریٰ والے بھی اب تک مہر تھے۔ لیکن کی موت اور ہیوبرٹ ڈی برگ کے زوال سے اسے یہ آزادی مل گئی تھی کہ وہ اپنے حلقے میں ایسے فرمان پذیر وزرا کو جمع کر لے جو محض شاہی مرضی کے پورا کرنے والے ہوں۔ پائٹو اور بریٹنی کے لوگوں کا ایک فاقہ مست گردہ فوراً طلب کیا گیا کہ وہ شاہی ایوانات میں داخل ہو کر دربار سے متعلق عدالت کی خدمتوں اور انتظامی عہدوں پر مامور کیا جائے، پراونس کی ایئرز سے عقد کر لینے کے بعد ہی ملک کے سب چچا انگلستان میں آ گئے۔ پیٹر (سیواسے) کا مکان ڈی سیواسے واقع اسٹریٹڈ اب تک اس کی یادگار موجود ہے۔

یہ شخص پانچ برس بعد آیا تھا اور ایک زمانہ میں ہنری کے ارکان مجلس میں اسے سب پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔ سیواسے کا دوسرا بھائی بائٹیس اسقف اعظم اڈمنڈ کے انتقال کے بعد کینٹربری کا اسقف اعظم مقرر کیا گیا۔ ملک میں یہ وہ منصب اعلیٰ ہے جس کا درجہ صرف بادشاہت کے بعد ہے۔ اس نوجوان مقتدائے مذہب کے انداز و اطوار بھی اس کے بھائی کی طرح ایسے بیگانہ وار تھے جن سے انگریزی قوم بہت ہی غیر مانوس تھی۔ اس کے مسلح نوکر بازاروں کو لوٹ لیتے تھے، اس نے خود سنٹ ہارٹھول موہائی سنیفلڈ کے رئیس خانقاہ کو (جس نے اس کی آمد کی مخالفت کی تھی) ایک گھونسا مار کر گرا دیا، سارا لندن اس بیہودگی سے برا بھلا ہو گیا، اور پادشاہ نے جب اس کا انصاف کرنے سے انکار کیا تو اہل شہر کے ایک انبوہ کثیر نے انتقام انتقام کا شور مچا کر یہبتہ میں اس کے مکان کو گھیر لیا اور یہ اسقف اعظم بہت خوش ہوا کہ اسے سندھ پارنخل جانے کا موقع مل گیا۔ پراؤس کے اس غول کے بعد ۱۲۲۳ء میں جان کی ملکہ ازبیل (اینگولیم) کے رشتہ داروں کی آمد پائٹوس سے شروع ہوئی، ایبر وچسٹر کا آصف بنایا گیا اور ولیم (ویلنس) کو پپرک کی امارت دی گئی، شاہی دربار کا مسخرہ بھی پائٹو ہی کا ایک رہنے والا تھا۔ پائٹو کے امراء اپنے ہمراہ عورتوں کا ایک غول بھی لے آئے جو شوہروں کے تلاش میں تھیں اور بادشاہ نے تین انگریزی اربوں کا (جو اس کی تولیت میں تھے) انہیں غیر ملکیوں سے عقد کر دیا۔ انتظام کی

تمام کل ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو انگریزی حکومت یا انگریزی قانون سے ناواقف و متنفر تھے۔ ان کی حکمرانی محض طوائف الملوکی تھی، خود شاہی محل کے ملازمین لیٹروں میں داخل تھے اور شاہی دربار کے سرداروں میں غیر ملکی سوداگروں کو لوٹ لیتے تھے، رشوت نے عدالت کے انتظام کو تباہ کر دیا تھا، ایک جج ہنری ڈی ہاتھ کی نسبت یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس نے کھلم کھلا رشوتیں لیں اور متنازع فیہ جامدادوں کا خود اپنے حق میں فیصلہ کر لیا۔

بیرن و کلیسا شرائط منشور کے خلاف اس طرح کی بد انتظامی کا بلا روک ٹوک جاری رہنا انگریزی طبقہ بیرن کی سستی و نا اتفاقی ہی کی وجہ سے ہوا، غیر ملکوں کی پہلی آمد کے موقع پر سابق نائب السلطنت کا بیٹا رچرڈ (ارل مارشل) بیرنوں کے سرگروہ کی حیثیت سے شاہی مجلس شوریٰ سے غیر ملکوں کے اخراج کے مطالبے پر آمادہ ہوا اور اگرچہ امرا کے بڑے حصے نے اس کا ساتھ نہیں دیا پھر بھی اس نے ان غیر ملکی فوجوں کو جو اس کے مقابلے پر بھیجی گئی تھیں شکست دی اور بادشاہ کو صلح پر مجبور کیا، مگر عین اس موقع پر ارل مارشل کو پٹرورس راکس کی سازش کی وجہ سے آئرلینڈ جانا پڑا، وہ ایک چھوٹی سی لڑائی میں مارا گیا، اور اس کے بعد بیرنوں کا کوئی سرگروہ باقی نہیں رہا۔ اڈمز راک جسے ہم آکسفورڈ کی معلمی کی حالت میں دیکھ چکے ہیں اور جو کینٹربری کے اتقف اعظم ہونے کے مرتبہ پر پہنچ گیا تھا، اس نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ پٹرورس

دربار سے خارج کر دے مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا اسقف اعظم اور رابرٹ گروسیٹ (اسقف لنکن) کے تعرضات لا حاصل ثابت ہوئے۔ اس کے بعد بد انتظامی کا زمانہ دراز پیش آیا اس میں فینانس کی دشواریوں نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ جبرستانی پر جبرستانی کرتا جائے۔ "قوانین جنگل" استحصال کا ذریعہ بنائے گئے، اساقفہ اور خانقاہوں کے عہدے خالی رکھے گئے، امرا و مقتدیان دین سے بزور قرض حاصل کیا گیا، 'دربار شاہی خود جہاں جاتا بلا معاوضہ مکانات پر قبضہ کر لیتا۔ لیکن اس قسم کی آمدنیاں بادشاہ کی فضول خرچیوں کے پورا کرنے کے لئے بالکل ہی ناکافی تھیں، شاہی آمدنی کا چھٹا حصہ غیر ملکی لوگوں کے وظائف میں جو بہت مورد عنایت تھے صرف ہو جاتا تھا، تاج کے قرضے اس کی سالانہ آمدنی سے چہار چند ہو گئے تھے۔ ہنری ملک کی کونسل سے درخواست کرنے پر مجبور ہوا اور رقم اس شرط پر منظور کی گئی کہ بادشاہ منشور اعظم کی تصدیق کرے۔ اگرچہ اب منشور کی تصدیق کی گئی پھر بھی برابر اس سے بے پروائی برتی گئی، اور بیرونوں کے غصے کا اظہار اس وقت ہوا جب انہوں نے مزید رقم کے دئے جانے پر بالاستقلال اعتراض کیا اور اس سے انکار کر دیا مگر باوجود اس انکار کے ہنری نے کسی نہ کسی طرح اتنا روپیہ جمع کر لیا کہ پانٹو کے واپس لینے کی ہم میں زر خیر خرچ کر ڈالا۔ اس کوشش کا خاتمہ ناکامی و ذلت پر ہوا۔ ٹیلبرگ میں ہنری کی فوجیں فرانسیسیوں کے سنا سے ذلیل ہو کر اور ہزیمت اٹھٹھا کر سینٹس تک بھاگتی چلی گئیں

اور صرف ہنری نہم کے دفعۃً علیل ہو جانے اور بیماری کے باعث اس کی قوم کے منتشر ہو جانے سے بارڈیو فاتحین کے ہاتھ میں جاتے جاتے رہ گیا۔ خزانہ خالی ہو گیا تھا اور ہنری کو مجبوراً بیرون سے پھر روپے کی درخواست کرنی پڑی۔ البتہ حکومت کے اجراء کے لئے امرا کی الوالغزبی ان کے اس مطالبے سے ظاہر ہوتی ہے کہ فرمان کی تصدیق کے بعد ہی مجلس ملکی میں جسٹیسز (نائب السلطنت) چانسلر اور وزیر خزانہ کے انتخابات عمل میں آئے اور یہ تجویز ہوئی کہ ایک مستقل مجلس بادشاہ کے ساتھ رہے اور مزید اصطلاحات کو جاری کرے۔ یہ تجویز ہنری کی مخالفت اور پوپ کے امتناع کی وجہ سے شکست ہو گئی پوپ کے محصولات کا بار پادریوں پر بہت سخت پڑ رہا تھا روم اور بادشاہ سے بیکار استدعائیں کرنے کے بعد ابٹف عظیم اوسٹریا یوس ہو کر ملک چھوڑ کر پاشکنی کو چلا گیا اور پوپ کی جانب سے محصل پر محصل بد نصیب پادریوں کے سر پر وارد ہوتے رہے جنہیں مافیات، تعطیل اور ملت سے خارج کر دینے کے اختیارات حاصل تھے۔ اس عام لوٹ سے تقادمت کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا اور اس معاملے میں آکسفورڈ نے سب پر سبقت کی۔ وہاں کے طلبہ کے غول نے پوپ کے ایک دکیل پر ”سود خوار“ ”بے دین“ آوازے کس کر اسے شہ سے باہر بھگا دیا فلک فزوارین نے پیروں کی جانب سے ایک محصل کو انگلستان سے باہر نکل جانے کا حکم دیا اس کے ساتھ یہ بھی کہ دیا کہ ”اگر تم تین دن سے زائد ٹھہرو گے تو تم اور تمہارے ساتھی سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے جائیں گے“ کچھ دیر کے لئے خود ہنری بھی اس قومی غصے کی رو

آگیا، بادشاہ و امرا و مقتدیانِ دین نے اپنے خطوط میں پوپ کے اس استحصال پر اعتراضات کئے اور حکم دے دیا گیا کہ کسی طرح کی رقم ملک سے باہر نہ بھیجی جائے مگر "متوائے تعطل" کی تہدید سے پھر ہنری کو جبرستانی کے طریقے پر عود کرنا پڑا اور وہ خود روم کا شہر بن گیا۔

اس عہدِ نظمی کی داستان ایک ایسے وقائع نگار نے ہمارے **میٹھوپیرس** لئے محفوظ رکھی ہے جس کے صفحات اس جذبہ حب الوطنی کے ۱۲۰۹-۱۲۸۹ ایک نئے جوش سے چمک رہے ہیں جو عوام اور پادریوں پر اس عام ظلم کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ **میٹھوپیرس** جس طرح انگریزی خانقاہی مورخین میں سب سے آخری مورخ ہے اسی طرح وہ ان سب میں بڑا مورخ بھی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سنٹ الیزبتھ کا قلم اس کے بعد بست دنوں تک قائم رہا مگر لکھنے والے محض واقعات کے ضبط کرنے والے رہ گئے تھے جن کی نظریں خانقاہ کی چار دیواری کے اندر محدود تھیں اور ان کی تصنیف بالکل بے مزہ و بے کار ہے۔ **میٹھوپیرس** کے بیان کی وسعت و صحت، مسائل قومی و یورپی سے اس کی فراواں واقفیت، اس کی رایوں کی عام صفائی اور اسکے انصاف پر اگر کوئی نئے فائق ہے تو وہ صرف بہ حیثیت مجموعی اس کی حب الوطنی کا جذبہ و جوش ہے، وہ سنٹ الیزبتھ کے وقائع نگار کی حیثیت سے راجر (ونڈوور) کا جانشین ہوا تھا، اور وقائع کبیر (جو مدت تک **میٹھوپیرس** کے نام سے مشہور رہا ہے) نیز انگریزی تاریخ اور قدیم روس کے خانقاہ کے حالات زندگی، اس کی کثیر تصانیف

میں صرف چند کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کی کثرت سے ظاہر ہے کہ اس نے اس کام میں کس قدر زحمت کشی کی تھی۔ وہ جس مرتبہ کا مورخ تھا اسی درجے کا مصور بھی تھا۔ اور بہت سے مسودات (جو اب تک محفوظ ہیں) خود اس کے ہاتھ کے منقش کئے ہوئے ہیں۔ اہل مرسلت کا وسیع حلقہ جس میں گروسیٹ جیسے اساتذہ، ہیورٹ ڈی برگ جیسے وزرا، اور الگزینڈرووی سورفرڈ جیسے عمدہ دانشمندان تھے، سیاسی و مذہبی کارروائیوں کے تفصیلی واقعات اس کے لئے مہیا کرتا تھا۔ مشرق کے زائرین اور پوپ کے گمانستے بیرون ملک کے واقعات کی خبریں سنٹ النیز کے تحریر کے کمرہ میں اس کے پاس لایا کرتے تھے۔ سلطنت کے توقعات و فرامین اور خزانوں کی بیہوشیوں سے اقتباسات کا اسے موقع حاصل تھا اور اس نے بہت کثرت سے ان کے انتخابات دئے ہیں۔ خانقاہ میں بادشاہ کا اکثر آتے رہنا، سیاسی خبروں کا ذخیرہ اپنے ساتھ لاتا تھا اور اس وقت عظمیٰ کے لئے جس میں اس کی کمزوری و بد نظمی کی یادگار نہایت صداقت کے ساتھ محفوظ ہے، ہنری خود تحریریں بھیجا کرتا تھا، ایک بہت بڑی دعوت میں بادشاہ نے خود متھیو کو پہچان کر حکم دیا کہ سطح فرش اور تخت کے درمیانی زینے پر وہ بیٹھ جائے اور یہ خواہش کی کہ اس روز کی کارروائی کی داستان لکھ لے۔ جب وہ خود سنٹ النیز میں گیا تو اس نے متھیو کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلایا اپنے کمرے میں بیٹھ کر اس کی واقفیت کے لئے ڈھائی سو انگریزی بیروں کا نام بنام ذکر کیا، مگر ان شاہی نوازشوں کا اثر

مضمون کی تصنیف میں مطلق نظر نہیں آتا۔ وہ خود کہتا ہے کہ "تاریخ لکھنے والوں کا کام نہایت سخت ہے، کیونکہ اگر وہ سچ لکھتے ہیں تو لوگوں کو برا لگنے لگتے ہیں اور اگر غلط لکھتے ہیں تو خدا کو ناخوش کرتے ہیں۔" باوجودیکہ اس میں بنڈکٹ اور ہوڈن کی طرح کے درباری مورخین کی سی پر گوئی پائی جاتی ہے مگر اس میں ایک ایسی آزادی اور حب الوطنی بھی موجود ہے جو ان کے صفحات میں بہت کم نظر آتی ہے، پوپ اور بادشاہ دونوں کے مظالم پر وہ بحیال طور پر بے روؤ رعایت سخت نفرت کا اظہار کرتا ہے وہ درباری و کلیسائی بن کر کسی شے کو نہیں دیکھتا بلکہ ایک انگریز کی نظر سے ہر شے کو دیکھتا ہے اور اس کے وقائع کا جدید قومی لہجہ اس قوی جذبے کی ایک آواز بازگشت ہے جس نے آخر کار امرا و عوام و اہل کلیسا کو بادشاہ کے مقابلے میں آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک زبان کر دیا ہے۔

جزو ششم

فرائ

فرائ کی آمد انگلستان کے متعلق انگلستان کا رسالہ اور ایڈم مارش کے خطوط کے

علاوہ کتاب Monumenta Franciscana مانوئلا فریسیکینا میں
مستر ہرڈور کا قابل قدر دیباچہ بھی دیکھنا چاہئے۔ یہ کتاب سلسلہ رولز میں شائع ہوئی

ہے۔ اسی سلسلے میں مسٹر نوورڈ نے گروسیٹ کے خطوط بھی ترتیب دے کر شامل کئے ہیں۔ اس تمام تحریک کے عام حالات کے متعلق لمین کی لیٹن کرپینٹس (لاٹینی عیسائیت Latin Christianity) کی بلڈ چہارم کے باباً نم دہم دیکھنا چاہئے۔

ہم بد نظمی و سیاسی بد حالی کے چالیس برس بعد کے پرمسیت میدان سے گزر چکے ہیں اور اب ہم اطمینان کے ساتھ فرائز کی داستان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

انگلستان
و کلیسا

ہم دکھا چکے ہیں کہ مالک عیسوی پر پادری کبھی اس طرح کی سخت گرفت کے ساتھ مسلط نہیں ہوئے تھے، جیسے انوسٹ سوم اور اس کے بعد کے جانشینوں کے وقت میں وہ حادی ہو گئے تھے مگر عوام پر ان کی مذہبی گرفت روز بروز ڈھیلی ہوتی جاتی تھی۔ پوپوں کے قدیم تقدس کا اعتقاد جو دلوں میں تھا وہ ان کی ریاست دنیاوی کی حرص و محض ہوس دنیا میں مبتلا ہو کر تطل و اخراج کے بار بار عمل میں لانے اور مال و زر کے لئے مقدس احکام کی تذلیل کرنے سے گھٹا جاتا تھا اور ان کی طرف سے عام نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی۔ اطالیہ میں روم اور فریڈرک ثانی کے مابین جو کشمکش شروع ہو گئی تھی اس نے عقیدوں میں فساد پیدا کر دیا، جس کی وجہ سے ابیٹورس کے تبعین شعرائے فلورنس، بقائے روح کے منکر ہو گئے اور خود اس ایمان تک پر حملہ کرنے لگے، جنوبی کمال میں صوبجات لیڈگیڈاک اور پراونس نے آلیجینوں کا ارتداد اختیار کر لیا تھا اور پوپ سے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر دئے تھے۔ انگلستان

میں اگرچہ اس وقت تک مذہبی انحراف کے آثار نہیں پیدا ہوئے تھے اور خود روم کی سیاسی کارروائیاں بھی بالعموم آزادی کی مانع نہ تھیں تاہم وہاں بھی قومی معاملات میں پوپ کی مداخلت کے روکنے کا ایک احساس پیدا ہو گیا تھا۔ جان کی کشمکش کے زمانے سے پوپ کو اس مداخلت کا موقع ملا مگر انونوسنت کے قیام تطل کا لندن نے یہی جواب دیا کہ ”پوپ کو دنیاوی معاملات میں کسی قسم کی دست اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔“ خود انگریزی کلیسا کے اندر بہت سے امور اصلاح طلب موجود تھے حصول فرمان کے مناسبتہ میں کلیسا کے طرز عمل اور نیز مقتداے اعظم کے بعد کے کاموں نے کلیسا کو بہ نسبت سابق کے زیادہ ہر دلعزیز بنا دیا تھا مگر اس کی روحانی قوت اس کی سیاسی قوت سے کم تھی۔ وعظوں کے کم ہو جانے خانقاہی فرقوں کے دولت مند امرا کے طرز و طور اختیار کر لینے دیہاتوں کے پادریوں کے دیہاتوں میں نہ رہنے اور ان کی جمالت نے طبقہ قیس کو مذہبی اثر سے محروم کر دیا تھا۔ وقت کی خرابیوں نے لیکن کے اسقف گروسٹیٹ کے سے زبردست شخص کو بھی عاجز کر دیا تھا۔ اس نے اپنے قوانین کی رو سے پادریوں کے لئے میخانوں میں جانا، جوا کھیلنا، شراب کے جلسوں میں شریک ہونا، بیرونوں کے شور و شب اور عیاشی میں شامل ہونا ممنوع قرار دے دیا تھا، مگر اس قسم کے اتناعات بجائے خود ان خرابیوں کے باعث ہوتے ہیں جن کے روکنے کے لئے وہ وضع کئے جاتے ہیں۔ اساتذہ اور ڈین (ناظران کلیسا) کو ان کے

مذہبی فرائض سے علیحدہ کر کے وزارت ، عدالت ، سفارت کے کاموں پر متعین کرتے تھے۔ جان میسل کے سے پادریوں کو جو بادشاہ کے مورد عنایت تھے ایک ساتھ سیکڑوں اوقاف عطا کر دئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کے عشر خانقاہیں ہضم کر لیتی ، اور نیم گرسنہ مقتداؤں کو ان کی مذہبی خدمات کے لئے مقرر کر دیتی تھیں۔ روم سے ”معاویان“ خرید لینے سے کینن اور رہبان کی بد اطواریاں عام مذہبی انضباط کے دائرے سے نکل جاتی تھیں۔ اور ان سب کے پیچھے پیچھے ایک گروہ دنیاوی مدبرین و اہل علم کا تھا یہ لوگ درحقیقت کلیسا سے کسی طرح کی علانیہ جنگ نہیں کرتے تھے مگر اس کی خرابیوں اور غلطیوں پر سخت تسمخر کے ساتھ نظر ڈالتے تھے ۔

فرائز

دنیا کو دوبارہ کلیسا کے تحت میں لانے کی غرض سے تیرھویں صدی کے شروع میں دو مذہبی فرقے یکایک پیدا ہو گئے۔ اسپین کے ڈومینک کا جوش ان مقتدایان دین کے امیرانہ انداز کو دیکھ کر حد سے گزر گیا جو آگ اور تلوار کے زور سے ایسیجی مرتدوں کو عیسائی بنانا چاہتے تھے وہ فوراً پکار اٹھا کہ ”جوش کا مقابلہ جوش سے“ نرمی کا مقابلہ نرمی سے ”جھوٹی پاکبازی کا مقابلہ سچی پاکبازی سے“ اور دروغ گوئی کا مقابلہ راست گوئی سے کرنا چاہئے۔ اس کے آتش انگیز جوش اور زہر خشک کو اسٹائی والے فرانسس کی صوفیانہ پرہیزگاری اور جھوٹ موٹ کے فرضی جوش سے اور بھی تقویت حاصل ہو گئی تھی۔ فرانس کے حالات سے اس زمانے کی تاریکی میں روشنی کی جھلک سی

معلوم ہوتی ہے۔ گلیاٹو کی تصاویر یا ڈینیٹی کی نظم میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بے نوائی کو اپنی بیوی قرار دیا اور خود کو تمام چیزوں سے جدا کر لیا تھا، اس نے اپنے کپڑے تک اپنے باپ کے قدموں پر پھینک دئے تاکہ وہ فطرت و خدا کے ساتھ متحد ہو جائے۔ اس کی ولولہ آمیز نظم چاندنی کو اپنی بہن اور سوچ کو اپنا بھائی ظاہر کرتی ہے۔ وہ اپنی بہن ”ہوا“ اور اپنے بھائی پانی کو بلاتا ہے اُس کا آخری کلمہ ضیف آواز میں یہ تھا کہ ”مرجا اے بہن موت“ ان دونوں شخصوں کے درمیان اگرچہ تعجب انگیز فرق تھا مگر مقصد دونوں کا یہی تھا کہ کافروں کو دین دار بنائیں، ارتداد کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالیں علم و مذہب میں موافقت پیدا کریں دعوت انجیل غریبوں تک پہنچادیں۔ اس مقصد کا حصول اس طرح سوچا گیا کہ قدیم خانقاہی طریقہ کلیتہً بدل دیا جائے۔ اپنے ہمجنسوں کے نجات دلانے کی کوشش کو اپنی نجات کا وسیلہ بنایا جائے، منبروں پر وعظ کرنے کے بجائے گرجا کے حجروں میں عزت گزینی اختیار کی جائے اور رہبانیت کو انوت باہمی سے بدل دیا جائے۔ نئے ”بھائیوں“ (فرائر) کو اس امر پر مجبور کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً انہیں لوگوں سے لینے پر انحصار کریں جن سے کچھ تعلقات ہیں۔ اپنی بے نوائی کو حقیقی کر کے دکھادیں۔ گداگر فرائر کے لئے غریبوں کی خیرات پر بسر کرنا لازم قرار دیا گیا تھا وہ نہ نقد اپنے پاس رکھ سکتے تھے اور نہ زمین لے سکتے تھے

ان کے مکان تک دوسروں کی امانت میں ہوتے تھے۔ ان کے میدانِ عمل میں آنے پر جس عام جوش کے ساتھ ان کا خیر مقصد کیا گیا، اس کی رو میں روم کی طرف سے کشیدگی، پرانے فرقوں کی باہمی رقابت، دیہاتی پادریوں کی مخالفت سب ہوا ہو گئی۔ چند ہی برس میں ہزاروں ”براوران“ فرانسیس اور ڈومینک کے گرد جمع ہو گئے اور یہ گداگر واعظ اؤں کے موٹے جتے پہنے اور کمر کو رسی سے باندھے ہوئے برہنہ پا، ایشیا میں وعظ کتے اٹالیہ دگال میں ارتداد کا مقابلہ کرتے، دارالعلوموں میں درس دیتے اور غیبوں کو پند و موعظت سے نفع پہنچاتے، خود تکلیفیں اٹھاتے تھے۔

فرائز قصبات میں فرائز کا آنا خصوصیت کے ساتھ مذہبی انقلاب کا باعث ہوا زیادہ تر قصبے محض ناز پڑھانے والے جاہل ترین و بدتر قصبے پادریوں کے ہاتھ میں پڑے ہوئے تھے، ان پادریوں کی گزران بالکل ان کے نذرانے پر تھی، اہل قصبہ اور پیشہ ور لوگ گرجا کی عبادت کے شاندار مراسم، انجیل کی تصاویر اور کلیسا کی دیواروں پر کھدے ہوئے نقش و نگار سے مذہب کی جو تعلیم چاہیں جاری کر دیں، کوئی ان کا پرہاں نہیں تھا۔ پس ایسی حالت میں ان گنت لگانے والے واعظین کا جس جوش سے خیر مقدم کیا گیا اس پر ہمیں مطلق تعجب نہ کرنا چاہئے۔ یہی لوگ تھے جن کی پر جوش نصیحت اور عام فہم مذاق اور مانوس تمثیلوں نے مذہب کو میلوں اور بازاروں میں رائج کیا، ڈومینک کے فرائز

اور فرانسس کے فرائز ابیض دونوں کا یکساں مسرت کے ساتھ خیر مقدم ہوتا تھا۔ جس طرح قدیم فرقوں نے دیہاتوں کو پسند کیا تھا اسی طرح فرائز نے قصبوں اور شہروں کو پسند کیا۔ دار میں اترتے ہی وہ سیدھے لندن اور آکسفورڈ کو روانہ ہو گئے۔ راستہ نہ جاننے کی وجہ سے فرقہ فرانسس کے شروع میں دو فرائز آکسفورڈ اور بیلڈون کے درمیان جنگلوں میں راستہ بھول گئے اور رات کی تاریکی اور سیلاب کے خوف سے ابنگڈن کے راہبوں کی اقامتگاہ کی طرف مڑ گئے۔ انہوں نے جب مہمان نوازی کی درخواست کی تو ان کے پھٹے پرانے کپڑے اور غیر ملکی انداز و اطوار سے دربان نے انہیں مسخرہ و شعبدہ باز سمجھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنی تنہائی کے دفع کرنے اور تفریح کے خیال سے ٹیس خانقاہ تبرکات کا محافظ اور خزانہ دار سب ان کے خیر مقدم اور کھیل دیکھنے کے لئے دروازے تک آئے مگر اصل حقیقت کے معلوم ہونے سے جو مایوسی پیش آئی وہ ان راہبوں کے تحمل سے باہر تھی اور فرائز بری طرح ٹھوکر مار کر دروازے سے نکال دئے گئے اور انہیں درخت کے نیچے رات بسر کرنی پڑی، مگر شہریوں کے خیر مقدم نے ہر جگہ پادریوں اور راہبوں کی بد سلوکی و مخالفت کی تلافی کر دی، فرائز کا کام جسمانی و روحانی دونوں طرح کا تھا قصبوں کے اندر آبادی کی روز افزوں ترقی ازمینہ وسطی کے قوانین حفظ صحت سے باہر تھی اور بخار و با اور سب سے زیادہ خطرناک بلا جذام نے، آس پاس کے غلیظ مکانات میں گھر بنا لیا تھا

فرائیس نے اپنے مریدوں کو ایسے ہی مقامات پر جانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ فرائز فوراً ہی ہر قصبے کے ذلیل ترین و فلاکت زدہ محلے میں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے اپنا کام تکلیف دہ بیمارستان سے شروع کیا۔ وہ عام طور پر جذاہیوں کے درمیان قیام کرنے لگے، لندن میں نیوکیٹ کے گوشت کے بازار میں انہوں نے اقامت اختیار کی، آکسفورڈ میں انہوں نے اپنے لئے وہ مرطوب زمین تجویز کی جو شہر کی دیواروں اور ٹیمز کے چشموں کے درمیان واقع ہے، فرائز کے محلے بھدے احاطوں اور خندقوں سے گھرے ہوئے تھے اور اندرستی اور لکڑی کے دیسی وضع کے ذلیل جھونپڑے بنے ہوئے تھے جیسے ان کے آس پاس میں تھے۔ فرائیس کے فرقے نے پر تکلف عمارات اور کثرت اسباب تن آسانی کے خلاف (جو اس زمانے کا مذاق خاص تھا) سخت جنگ کی۔ انگلستان کے ایک صوبے کے سرگروہ پر جب دوسرے فرائزوں نے ایک مکان کے لئے زور دیا تو اس نے اعتراضاً کہا کہ ”میں مذہب میں دیواریں بنانے کے لئے داخل نہیں ہوا ہوں“ ایسا کہ رہنے والے البرٹ نے ایک سنگین حجرے کو جو ساوٹھیپٹن کے لوگوں نے ان کے لئے بنایا تھا زمین سے برابر کر دینے کا حکم دیا۔ تکیوں کی خواہش پر اس نے حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ ”آسمان کی طرف سر اٹھانے کے لئے تمہیں چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کی ضرورت نہیں ہے“ ان لوگوں میں سوا بیماروں کے اور کوئی جوتا نہیں

پہنتا تھا۔ آکسفورڈ کے ایک فرائر کو صبح کے وقت ایک جوڑا جوتوں کا مل گیا اور اس نے صبح کی نماز میں انہیں پہنا۔ رات کو اس نے خواب دیکھا کہ گلوٹر اور آکسفورڈ کے درمیان ایک پرخطر راستے میں ڈاکو اس پر ”مارو مارو“ کی آواز کے ساتھ ٹوٹ پڑے ہیں خوف زدہ فرائر چلا اٹھا کہ ”میں ایک فرائر ہوں“ فوراً ہی جواب ملا کہ ”تم جھوٹے ہو کیونکہ تم جوتا پہنکر چلتے ہو۔“ اسے غلط ثابت کرنے کے لئے فرائر نے اپنے پیر اٹھائے مگر پیروں میں جوتا موجود تھا۔ پریشانی و ندامت کے ساتھ وہ جاگ اٹھا اور جوتوں کو درپے سے باہر پھینک دیا۔

جوش علم کے خلاف اس فرقے نے جو کوششیں کیں اس میں ^{فرائر و} ^{درا العلوم} اسے نسبتاً کامیابی کم ہوئی، ان کی غربت کے عہد کی ان کے بانیوں نے جس سخت طریقے سے تعبیر کی تھی اس کی رو سے کتاب و سامانِ مطالعہ کا رکھنا بھی ان کے لئے ممنوع تھا، ایک امیدوار نے جب کتاب فراہم کی درخواست کی تو فرانسس غصے سے چلا اٹھا کہ ”میں ہی تمہارے اعمال روزانہ کی کتاب ہوں“ پیرس میں جب ایک بڑے صاحب علم کے استقبال کی خبر اس کے پاس آئی تو اس کا چہرہ متغیر ہو گیا، اس نے جواب دیا کہ ”اے میرے بیٹے مجھے خوف ہے کہ اس قسم کے علما میرے باغ کی تباہی کا باعث ہو جائیں گے۔ اصل عالم وہ ہیں جو عقل و نرمی کے ساتھ اپنے ہمسایوں کے بلند کرنے کے اچھے اچھے کام کر دکھادیں۔“ ہم کہ چکے ہیں کہ

بعد کے زمانے میں رابرٹ ہیکن کو سیاہی - کاغذ - کتاب رکھنے کی اجازت نہیں تھی اور صرف پوپ کے حکم سے اُس کے لئے اس قاعدے کا بھدت ملحوظ رکھنا ملتوی ہو سکا۔ مگر ان کے کام نے ایک خاص قسم کے علم کے حصول پر انہیں کم و بیش مجبور کر دیا۔ اپنے وعظ کو ہر دلنشین بنانے کے لئے انہیں بہت جلد دینیات کے زیادہ گہرے مطالعے کی ضرورت پیش آئی۔ انگلستان میں ان کے قدم جانے کے تھوڑے ہی زمانے کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ ہیر فرڈ، لیسنسٹر شل اور دوسرے مقامات میں تیس بیس فرائز معلم و مدرس مقرر ہو گئے تھے اور ہر دارالعلوم میں مدرسین کا ایک منضبط سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ آکسفورڈ کے ڈومینیکی فرائز اپنے نئے گرجا کے حصہ خاص میں دینیات کا درس دیتے تھے اور فلسفہ کی تعلیم بنی حجروں میں ہوتی تھی۔ فریسیسی فرائز کے اول نگران صوبہ نے بمقام آکسفورڈ اپنے فائزوں کے مکان کے اندر ایک مدرسہ بنایا اور گرو سیسٹ کو وہاں درس دینے کی ترغیب دی، لیکن کی اسقفی پر ترقی یاب ہو کر وہ فرائزوں میں تعلیم کے استحکام اور دارالعلوموں میں ان کے تقرر کے لئے مسلسل اپنے اثر کو کام میں لاتا رہا۔ اس کے شاگرد ایڈم مارشل (یعنی ڈی مارکو) نے اس کام میں اسے بہت اچھی مدد دی، اور اسی کے تحت میں آکسفورڈ کے فریسیسی مدرس نے تمام مالک عیسوی میں شہرت حاصل کی، لیٹیز پیرس اور کان نے وہاں سے معلم حاصل کئے اور درحقیقت اسی کا اثر تھا کہ اب علمی مرکز ہونے کے لحاظ سے آکسفورڈ کا درجہ پیرس سے

کسی طرح کم نہیں رہا تھا۔ تین نہایت ہی ممتاز اور مقدم صاحبان مدرسہ یعنی روجربیک ڈنس اسکولس اور آکیم اس مرے کے طلبہ میں تھے۔ اس کے بعد ہی ایک گروہ مدرسین کا پیدا ہوا جو اپنے وقت میں کسی طرح ان سے کم ممتاز نہیں تھا؛ مگر بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اس قومی تحریک کا نتیجہ ان فلسفہ زیادہ وسیع دماغی کاموں کے لئے جو اب تک دارالعلوموں کی مدراس خصوصیت ہو رہے تھے ہلک ثابت ہو رہا ہے دینیات نے اپنی اس درسی صورت میں مدرسوں میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اس کا با اثر رقیب اب صرف قانون تھا یا طب۔ فلسفہ ارسطو اب تک ازمند وسطے کے اعتقاد کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن متصور ہوتا تھا اور تعلیم میں اسے دخل نہیں ملتا تھا مگر اب مذہبی اصول کے بحث و تعین میں اس کے منطقی طریقے کے داخل ہو جانے کے باعث وہ ایک معتنم فیت بن گیا تھا۔ یہی وہ طریقہ تھا جس سے وہ بیکار کی نزاکت آفسرینی و عجائب پرستی پیدا ہوئی جسے لارڈ بیکن اس تعلیم فلسفہ کی خرابی قرار دیتا ہے لیکن فرائز کے متعلق اس عالی دماغ روشن خیال کی رائے ہے کہ اگر یہ صاحبان مدرسہ حصول صداقت کی سخت تمنا اور نہ تھکنے والے ذہن کے ساتھ مطالعہ و خیال کے انواع مختلفہ کو شامل کر لیتے تو یقیناً تعلیم و علم کی ہر قسم کی بیش بہا ترقیوں کے لئے بہت ہی اچھے ثابت ہوتے۔ اس میں شک نہیں کہ تمام غلطیوں کے

باوجود انہوں نے دلائل کی قوت اور الفاظ کی صحت استعمال کی ضرورت پر زور دیا اور ہر طرح کے مسائل زیر بحث کے لئے ایک واضح و مرتب طریقہ جاری کیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تحکم کی بلاچون و چرا اطاعت کے بجائے استدلال کی طرف توجہ دلائی۔ تحقیقات کے متعلق اس مدرسے کے طریقے نے نقادانہ میلان اور نئی صحت و صفائی نظر پیدا کی۔ یہی باعث تھا کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل مہتمم بالشانہ نہ تھے جن میں یہ لوگ مصروف رہا کرتے تھے تاہم آئندہ دو صدیوں میں ذہن انسانی میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ نشاۃ جدیدہ کے لوگ علم کے عظیم الشان طور سے فائدہ اٹھا سکے۔ نیز رعایا و بادشاہ کے درمیان آئندہ جو کشاکش پیدا ہوئی اس میں فرائز کا وسیع اثر بھی اس بے خطر تحقیقات علمی اور اس عام قومی ہمدردی کا نتیجہ تھا جو ان کے نظام ترکیبی ہی سے لازماً پیدا ہو گئی تھی ان کی یہ خصوصیت اون مناقشات کے زمانے میں صاف و غیر متزلزل نظر آئی ہے۔

آکسفورڈ کا دارالعلوم اب ان کے تعلیمی اثر کے تحت میں آگیا تھا اور وہ پوپ کے مطالبات کی مقاومت اور انگریزی آزادی کے مطالبے میں سب سے اول تھا۔ شہروں کے رہنے والے جن فرائز کا براہ راست اثر پڑا تھا وہ جنگ بیرون کے تمام زمانے میں آزادی کے نہایت قوی حامی رہے۔ ایڈم مارش، گروسیٹ اور سیمن (ارل مائٹرفٹ) دونوں کا نہایت گہرا دوست اور متمدن علیہ تھا۔

جزو ہفتم

بیرونوں کی جنگ

۱۲۶۵ — ۱۲۵۸

(اسناد۔ اس اہم زمانے کے شروع ہوتے ہی ہم تھیوپرس کی پیش امداد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مقتدر وقائع نگاروں کا یہ آخری شخص ہے سنٹ الیزبرگ میں اس کے جانشین رٹنگر کا وقائع (جسے ماسٹر آف دی رولز نے شایع کیا ہے) سفر اور بے لطف ٹکرے ہیں البتہ اس عہد خاص کے متعلق اس نے جنگ بیرون کا ایک عمدہ حصہ لکھا ہے جس سے اس زمانے کے حالات ذرا زیادہ دست سے معلوم ہوتے ہیں (اس حصے کو کیٹن سوسائٹی نے شایع کیا ہے) کچھ کچھ حالات برٹن، مرور، ڈسبیل، دورلی، اوسنی اور لینکاسٹ کے ”اخبار“ نیز شاہی خطوط (شاہ پرست) وائیکز کے وقائع اور (خاص لندن کے متعلق) لیبرڈی اینٹیکس لیجیس (Liberde Antiquis Legilues) سے معلوم ہوتے ہیں سٹربون نے اپنی کتاب بیرنزوار (Barons War) میں بیرونوں کی جنگ میں اس زمانے کا ایک مفید خلاصہ لکھ دیا ہے

بادشاہ ایک بارٹیمز میں کشتی پر جا رہا تھا کہ طوفان سے مجبور ہو کر اسے اسقف ڈرہم کے محل میں پناہ یعنی پڑی سین (ارل مانٹرفٹ) پہلے سے اسقف کا جہان تھا وہ شاہی بچے کے استقبال کو گیا اور بادشاہ کو اطمینان دلایا کہ طوفان گھٹ رہا ہے اور کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔ انری نے کج خلقی سے جوآ یا کہ ”اگر میں دنیا میں کسی طوفان سے ڈرتا ہوں تو وہ طوفان

تم ہی ہو +

انگلستان کی آزادی کے جس مرد میدان سے ہنری خائف تھا وہ خود ایک غیر ملکی شخص تھا اور اُس سیمین ڈی مانشرفٹ کا بیٹا تھا جس کا نام جنوی گال کے البنجی مردوں کے خلاف سفاکانہ جنگ کی وجہ سے یادگار ہو گیا ہے، اگرچہ اسی مذہبی جنگجو کا چوتھا بیٹا تھا مگر وہ اپنی ماں کی وراثت کے واسطے سے لیٹر کا ارل ہو گیا اور بادشاہ کی بہن یعنی ولیم مارشل دوم کی بیوہ الیز سے خفیہ عقد کر لینے کی وجہ سے شاہی خاندان سے بھی اس نے تعلق پیدا کر لیا۔ ایک اجنبی سے اس طرح دفعۃً قرابت پیدا کر لینے سے غضبناک ہو کر بیرن بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور اس میں انہیں ناکامی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے سرگروہ رچرڈ (ارل کارنوال) نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ادھر کلیسا نے الیز پر یہ الزام لگایا کہ اس نے اپنے پہلے شوہر کے انتقال کے وقت تہجد کا جو عہد کیا تھا اسے توڑ دیا۔ ۱۲۳۹-۱۲۴۰

سیمین نے اس الزام کے رفع کرنے کی غرض سے روم کا سفر کیا مگر کچھ نہ ہوا۔ واپس آیا تو دیکھا کہ ستلون مزاج بادشاہ اس سے دفعۃً برداشتہ خاطر ہو گیا ہے اور شاہی غضب کے مشتعل ہو جانے سے اسے مجبوراً ملک سے باہر چلا جانا پڑا مگر بادشاہ اس پر پھر بہت جلد مہربان ہو گیا اور زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ وہ سربر آوردہ مہربان وطن کی صف اول میں نظر آنے لگا۔ ۱۲۴۵ء میں وہ گیسکونی کا والی مقرر کیا گیا

مگر وہاں اس کے سخت فیصلوں اور گہراں محصولات کی وجہ سے (جو انتظام جاری رکھنے کے لئے ضروری تھا) سرکش امرا اس سے متنفر ہو گئے اور باشندگان گیسکونی کے شکایات کی وجہ سے بادشاہ سے علانیہ مخالفت ہو گئی۔ ارل سیمن نے یہ ۱۲۴۸ چاہا کہ اگر ہنری اپنے حسب وعدہ وہ روپیہ واپس دیدے جو ارل نے شاہی خدمت میں صرف کیا ہے تو وہ اپنی جگہ سے علیحدہ ہو جائے گا مگر ہنری نے غصے کے ساتھ اس کا یہ جواب دیا کہ ”ایک جھوٹے نڈار کے لئے وہ کسی وعدے کا پابند نہیں ہے“ سیمن نے فوراً ترکی بہ ترکی اسے یہ جواب دیا ”بس اگر تو بادشاہ کا لقب نہ رکھتا ہوتا تو جس وقت تو نے یہ الفاظ زبان سے نکالے تھے وہ وقت تیرے لئے بڑا وقت ہوتا۔“ لیکن پھر دونوں میں ظاہر اصاحت ہو گئی اور ارل گیسکونی کو واپس گیا مگر موسم سرما کے قبل ہی وہ مجبور ہو گیا کہ فرانس کو چلا جائے۔ اس کی نیکنامی کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ امراء فرانس نے شاہ یوں کے جنگ صلیب میں جانے کے باعث اس کی عدم موجودگی میں سیمن کو اپنے ملک کا ولی بنانا چاہا مگر اس نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا۔ ہنری نے خود گیسکونی کو ہموار کرنیکی کوشش کی مگر اس کی ناکامی نے اسے ۱۲۵۳ء کے اختتام کے قبل ہی بخوشی اس امر پر آمادہ کر دیا کہ اس صوبے کے سابق حکمران کو واپس بلائے تاکہ وہ اس کام کو پورا کرے۔

سیمن کی طبیعت اب اچھی طرح بنتے ہو چکی تھی۔ اسے اپنے باپ کی شدید وسعت پر ہینرگاری ورنے میں ملی تھی۔ رات ہو یا دن وہ مذہبی فرائض کی بجا آوری کا پابند تھا وہ گروسٹ کا دوست اور فرائر کا مربی تھا۔ اس کے ایڈم مارش کے خطوط میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ گیسکونی کی پیریشانیوں میں حضرت ایوبؑ کی کتاب پڑھ کر صبر حاصل کرتا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پاکباز اور خصوصیت کے ساتھ اعتدال پسند تھا کھانے پینے سونے میں بہت کم وقت صرف کرتا تھا۔ لٹنے جلنے میں وہ ایک کشادہ پیشانی اور خوش گفتار شخص تھا مگر اس کی طبیعت فطرتاً تیز اور پرجوش تھی۔ اس کو اپنی عزت کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا اس کی گفتگو جلد جلد اور زوردار ہوتی تھی۔ اپنی بات کے کٹ جانے پر اسے صبر نہیں ہوتا تھا اور مزاج بہت ہی تند تھا۔ یہ دونوں باتیں اس کی آئندہ زندگی کے لئے درحقیقت نہایت مضر ثابت ہوئیں، مگر ایک خصوصیت جو ان سب پر حاوی تھی اور جسے اس زمانے میں لوگ "استقلال" سے تعبیر کرتے تھے وہ اس کا مستحکم و غیر متزلزل عزم تھا۔ وہ حق کی طرفداری میں موت تک کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اڈورڈ اول نے اس مقولہ کو کہ "صداقت پر قائم رہو" اپنا طغرا بنایا تھا مگر فی الحقیقت یہ مقولہ ایل سیمن کے طغرا کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ اس کے خطوط میں ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اندرونی و بیرونی مشکلات سے واقف

ہونے پر بھی اس نے اس بات کو اپنے شایاں نہ سمجھا کہ
 گیسکوئی میں امن و امان قائم کرنے میں جن خطرات کا سامنا
 تھا ان کی وجہ سے اس مہم عظیم کے اختیار کرنے سے انحرار
 کر دے۔ جب ایک بار اس نے اسے قبول کر لیا تو پھر ہر طرح
 کی مخالفت، انگلستان سے کسی قسم کی مدد اور روپیہ نہ ملنے،
 اور خود بادشاہ کے علمبرہ ہو جانے پر بھی وہ اپنے عزم پر قائم
 رہا۔ یہاں تک کہ یہ کام پورا کر کے چھوڑا۔ اس کی حب الوطنی
 میں بھی یہی استوارٹی عزم پائی جاتی ہے۔ گروسیٹ کے
 خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ روم کے ساتھ مقاومت میں وہ
 استغف کا کس قدر جلد بہرہ بردار بن گیا تھا اور اس مناقشے کے
 نازک وقت میں اس نے کس طرح آپ کو اور اپنے ہمراہیوں
 کو مدد کے لئے پیش کیا تھا۔ اس نے ایڈم مارش کو گروسیٹ
 کا ایک رسالہ بھیجا جس کا نام ”سلطنت و ظلم کی حکمرانی“ تھا
 اور اس پر خود اپنی مہر کر دی تھی۔ وہ خانگی معاملات اور اپنی
 طبیعت کے متعلق اپنے دوستوں کی صلاح کو تحمل کے ساتھ
 سنتا تھا۔ صداقت شعار فرائر ایڈم نے اسے لکھا تھا کہ ”ایک
 صابر آدمی ایک مضبوط آدمی سے بہتر ہے“ اور جو شخص خود
 اپنی طبیعت پر حکمرانی کر سکے وہ اس سے بہتر ہے جو ایک شہر کو
 مسخر کر لے، اس کا کیا فائدہ ہے کہ تم اپنے ہم وطنوں کے لئے
 امن کا انتظام کرو اور خود اپنے گھر کے امن کی فکر نہ کرو“
 مگر جس قدر بد نظمی بڑھتی جاتی تھی اسی قدر ارل اپنے

ہم وطنوں کے واسطے اس کو حاصل کرنے پر آمادہ ہوتا جاتا تھا اور جب نازک وقت آپڑا اس وقت اس کے عزم و جزم کا ثمرہ ظاہر ہو گیا۔ جس حال میں دوسرے لوگ مذہب اور سست اور کنارہ کش ہوتے جاتے تھے عوام پر جوش و محبت کے ساتھ اُس قوی و بارعب سپاہی کے گرد مجتمع ہو رہے تھے جو ہر طرح کے وعدے اور تہدید اور خوف و موت کے مقابلہ میں ایک رکن رکن کے مانند اپنی قسم پر قائم تھا۔

قواعد
آکسفورڈ

انگلستان میں معاملات بد سے بدتر ہوتے جاتے تھے پوپ اب بھی کیلسا پر سخت بار ڈال رہا تھا "فنشور" کی دو مرتبہ باوقار طور پر تصدیق کی گئی مگر کسی نوع سے اس کے بروئے کار لانے میں کامیابی بھی نہ ہو سکی۔ ۱۶۲۵ء، ۱۶۲۹ء اور پھر ۱۶۲۵ء میں مجلس اعظم نے پھر ایک باضابطہ وزارت کے لئے مطالبہ کیا جس کا نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ اور ایک اچھی حکومت کے قائم کرنے کا عزم امرا میں جو ترقی کر رہا تھا اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ انہوں نے ایک رقم اس شرط سے منظور کی تھی کہ تاج کے خاص عمدہ دار مجلس کی طرف سے مقرر کئے جائیں، ہنری نے غضبناک ہو کر اس تجویز کو نامنظور کر دیا اور اپنے خانگی اخراجات کے لئے لندن کے شہریوں کے ہاتھ اپنے برتن فروخت کر ڈالے۔ بیرونوں نے سرکشی و سرتابی اختیار کی۔ مارٹوک کے ارل بیگاڈ نے جب امداد سے انکار کیا تو ہنری نے اسے یہ دھمکی دی کہ

”میں کمیت کاٹنے والوں کو بھیجوں گا کہ تمہارا کمیت کاٹ کر ڈال دیں“
 ارل بھی حاضر جواب تھا اس نے لکھا کہ ”میں ان کے سر آپ کی
 خدمت میں واپس بھیج دوں گا۔“ دربار کی فضول خرچیوں اور زراعت
 کے انحراف کی وجہ سے ہنری بالکل تہمت ہو گیا تھا، مگر باوجود
 اس کے اس نے اپنے دوسرے بیٹے اڈمنڈ کے لئے پوپ کی طرف
 سے سسلی کی بادشاہت قبول کر کے نئے اخراجات پیدا کر لئے۔
 انگریزی فوجوں کو ذلت ہو چکی تھی اور بادشاہ کا بڑا بیٹا اڈورڈ چہر
 ویلز پر لیون کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا چکا تھا۔ ۱۲۵۹ء
 کے شروع ہوتے ہی ہنری اور روم دونوں کی طرف سے نئے
 مطالبات ہوئے۔ اس سے ایک طرح کی بیچینی پیدا ہو گئی
 اور مصیبت ناک قحط نے اسے اور بھی بڑھا دیا۔ آخر یہ بے اطمینانی
 برداشت سے سجاوڑ کر گئی اور لندن کی مجلس اعظم میں بیرن مسلح
 ہو کر آئے۔ گزشتہ نصف صدی میں ”منشور“ کی قوت و کمزوری
 دونوں ظاہر ہو گئی تھی۔ اس کی قوت یہ تھی کہ وہ بیرنوں کے
 مرکز اجتماع کا کام دیتا تھا اور حقوق کا ایک ایسا معین مطالبہ تھا
 کہ بادشاہ اس کے اقرار پر مجبور کیا جاسکتا تھا۔ کمزوری یہ تھی
 کہ خود اپنے معین کردہ قواعد کے جاری کرنے کے لئے اس نے
 کوئی ذریعہ نہیں مہیا کیا تھا۔ ہنری نے بار بار ”منشور“ پر کاربند
 ہونے کی قسم کھائی مگر قسم صرف اس لئے تھی کہ پھر بلا تامل
 توڑ ڈالی جائے۔ بیرنوں نے ملک کے لئے آزادی حاصل کر لی تھی
 اور ہنری کے عہد میں ان کے ایک عرصہ تک خاموش رہنے کا

راز صرف یہ تھا کہ اس آزادی کا صحیح طور پر عمل میں لانا بہت مشکل تھا۔ اسی عقدہ لائنل کے حل کرنے کے لئے ارل سین آمادہ ہوا تھا۔ ارل گلوٹر کے ہمراہ وہ اب پھر مسلح بیرونوں کا سرگروہ بن کر آیا اور اصلاح سلطنت کے قواعد معین کرنے کے لئے چوبیس شخصوں کی ایک مجلس کے تقرر کا مطالبہ کیا۔ اس مجلس کے نصف اراکین اگرچہ شاہی وزراء و ندامتیں سے لئے گئے تھے مگر عام جذبات کا مقابلہ کرنا غیر ممکن تھا۔ قواعد آکسفورڈ کی رو سے یہ طے پایا کہ ”مجلس اعظم“ سال میں تین بار منعقد ہوا کہے خواہ بادشاہ اسے طلب کرے یا نہ کرے۔ اور اجتماع کے وقت عوام بارہ مہینے اشخاص کو منتخب کریں اور وہ پارلیمنٹوں میں اور ایسے دوسرے موقعوں پر جب بادشاہ اور اس کی مجلس انہیں بلائے آیا کریں گے، تاکہ بادشاہ کے ضروریات اور معاملات سلطنت پر بحث کریں اور یہ بارہ اشخاص جو کچھ قرار دیں گے عوام اسے ایک طے شدہ امر سمجھیں گے۔ تین مستقل کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں، ایک کلیسا کی اصلاح کے لئے ایک معاملات مال کے طے کرنے کے لئے۔ اور ایک پندرہ شخصوں کی مستقل کمیٹی حکومت کے عام کاموں میں بادشاہ کو صلاح دینے کے لئے جسٹیس (سلطنت) چانسلر (صاحب دیوان) اور شاہی استحكامات کے محافظین سے قسم لی گئی کہ وہ صرف مستقل کمیٹی کے حکم و منظوری کے بموجب کام کریں گے۔ اور ان دونوں عمدہ دلموں اور نیز خزانچی پر لازم کیا گیا کہ اختتام سال پر اپنی ہمدردائیوں کی کیفیت مجلس

قواعد آکسفورڈ
۱۶۵۹
جولائی

روبرو پیش کیا کریں۔ یہ بھی قرار پایا کہ کاؤنٹی (صوبہ) کے بڑے
 مستاجرین میں سے شریف سال بسال مقرر ہوا کریں اور ان کی
 عدالت میں دادخواہی کے لئے کسی غیر معمولی رقم کا مطالبہ نہ کیا جائے۔
 انگریزی زبان کے ایک شاہی فرمان کے ذریعے سے قواعد پر
 کاربند ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس زبان کے فزاین جو ہم تک پہنچے
 ہیں ان میں فتح کے بعد سے انگریزی زبان میں یہی پہلا فرمان ہے۔
 اس کی مخالفت صرف بادشاہ کے غیر ملکی مقربین کی طرف سے ہوئی
 مگر ایک مسلح مظاہرے نے انہیں سمندر پار بھگا دیا۔ اب درحقیقت
 تمام شاہی اختیارات مجلس اعظم کی مقرر کردہ جلسوں کے ہاتھ میں
 آگئے تھے۔ ان مجالس کی طرز عمل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے
 کہ روم کو دینی یا دنیوی حیثیت سے مال و زر کے دینے کی
 عاقبت ہو گئی، سسلی سے باقاعدہ دست برداری اختیار کی گئی۔
 اریل سین نے فرانس سے مراسلت کی اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا
 کہ کھوے ہوئے صوبوں پر سے ہنری کا ہر طرح کا استحقاق
 اٹھا لیا گیا اور ولینز سے صلح ہو گئی اور یورشوں کا بالکل خاتمہ
 ہو گیا۔ لیکن خود اندرون ملک میں بیرونوں کی کارروائیاں
 کمزور اور خود غرضانہ تھیں۔ سال مابعد میں انہوں عوام کی دباؤ
 سے قواعد ویسٹ منسٹر مستاجرین کے تحفظ حقوق اور انصاف کی
 دست کے لئے شائع کئے مگر اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوا۔ اور
 محض جاگیرداروں کا امتیاز بڑھانے کے واسطے جو ان کا رجحان
 تھا وہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ امرا و معتدایان دین غیرت کی

علاقوں میں حاضری سے مستثنیٰ کر دئے گئے۔ ارل سیمن نے فرانس سے عہد و پیمانہ کر کے واپس آنے کے بعد اصلاح کی زیادہ صحیح کارروائیوں پر زور دیا، بادشاہ کا بیٹا اڈورڈ قواعد پر کاربند ہونے کے لئے اپنی قسم پر قائم رہا اور علانیہ ارل سیمن کی تائید کی مگر ان باتوں سے کچھ فائدہ نہ ہوا گلوستر اور ہیوف بیگاڈ اصلاح کے کام میں بد عہد ثابت ہوئے اور جاگیرداروں کے ساتھ بادشاہ کے طرفدار ہو گئے۔ خود ہنری نے پوپ سے ایک فرمان حاصل کر لیا۔ اس فرمان نے قواعد کو منسوخ اور ہنری کو ان پر کاربند ہونے کی قسم سے بری کر دیا، ہنری نے ٹاور (برج) اور دوسرے قلعوں پر قبضہ کر لیا، اور ایک نیا جیٹیسیر (نائب السلطنت) مقرر کیا اور تاج کا قدیمی اقتدار از سر نو قائم کر دیا۔

بادشاہ اور لوگوں نے جب ارل لیسٹر کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ مجبوراً اٹھارہ بیرونوں کی معینے تک فرانس میں پڑا رہا اور ہنری انگلستان میں علانیہ "قواعد" کشمکش کے خلاف حکومت کرتا رہا۔ ملک کی ابتری نے اس کی حکومت کی طرف سے پھر نفرت پیدا کر دی اور ارل گلوستر کے انتقال سے اس کے مخالف کارروائیوں کی رکاوٹ رفع ہو گئی۔ ۱۲۶۳ء میں ارل سیمن پھر ملک میں داخل ہوا اور بے رودک فرقہ بیرن کا سرگروہ ہو گیا۔ لیولن (ویلز) کے خلاف اڈورڈ کے شاہی فوج لیکر روانہ ہونے کو بیرن اپنی مخالفت کی تمہید سمجھے اور ارل سیمن فوراً ہی سرحد ویلز سے ہوتا ہوا ڈاور پر بڑھا اور بالآخر لندن کے سامنے

آموجود ہوا، شہروں کی طرز عمل سے اس کی طاقت بڑھ گئی۔ فرائز کا نیا جمہوری جذبہ اب خالص اہل حرفہ میں حرکت پیدا کر رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ شہر کے انتظامات میں (جو اب تک تجارتی شہر جماعت کے زیادہ دولت مند اراکین کے اندر محدود تھا) اپنے حق کا مطالبہ کریں۔ لندن اور بعض دوسرے شہروں میں ایسا انقلاب ہو گیا تھا کہ شہر کی حکومت شہر کے ادنیٰ طبقہ والوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اس انقلاب کا مفصل ذکر بعد کو ہو گا، سردست یہ دکھانا منظور ہے کہ نئی نئی شہری حکومتیں (جو کیوں جماعت عوام) کھلانے لگی تھیں، ارل سیمن کے کام میں نہایت سرگرمی ظاہر کرنے لگیں، ایک حملہ آور مجمع نے ملکہ کو ٹاور برج سے بھاگنے میں روک لیا اور پتھروں سے اور سخت کلامی سے اسے پھر برج میں واپس چاہنے پر مجبور کر دیا۔ ہنری نے جب چاہا کہ ارل لیٹسر پر اس کے ساتھ دار کے قیامگاہ میں اچانک حملہ کر دے تو اہل لندن نے شہر کے دروازوں کو (جنہیں دولت مند شہریوں نے مقفل کر دیا تھا) توڑ ڈالا اور ارل کو شہر میں داخل کر کے اسے بچا لیا، پادری اور دارالعلوم بھی شہریوں کے ساتھ ہمدردی میں شریک ہو گئے، باوجودیکہ طرفدار شاہی نے ارل سیمن کو طعنہ دیا کہ وہ امرا کے برخلاف عوام کو اپنا شریک کار بنانا ہے، مگر عوام کے جوش سے اسے وہ طاقت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ اس کام میں سخت ترین مکر کے برداشت کرنے کے قابل ہو گیا تھا، امرا تا مگر بادشاہ کی طرف ہو گئے۔ خانہ جنگی کے خوف نے مصاکحت کے مطالبہ کو قوی کر دیا، اور اس پر اتفاق ہو گیا

کہ اس مناقشے کا فیصلہ لیوس نہم شاہِ فرانس کی تجویز پر چھوڑ دیا جائے۔ اینٹر کی پنچائت میں لیوس نے کلیئہ بادشاہ کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔ ”قواعد آکسفورڈ“ منسوخ کر دئے گئے۔ صرف ان فرامین کا عملدرآمد قائم رکھا گیا جو ان قواعد کے پیشتر عطا ہو چکے تھے۔ پنچائت اینٹر سلطنت کے تمام مال کا عزل و نصب بالکل بادشاہ کے اختیار میں دیا گیا، اور اپنی مجلسوں میں غیر ملکیوں کے بلانے کی اسے اجازت مل گئی۔ یہ بجائے خود ایک سخت ضرب تھی مگر جب لیوس کے اس فیصلے کی پوپ کے جانب سے بھی فوراً تصدیق کر دی گئی تو اس کی قوت اور بڑھ گئی۔ بیرونوں نے اپنے کو اس تصفیہ کا پابند سمجھا۔ صرف غیر ملکیوں کے اخراج کے بارے میں انہوں نے اتفاق کرنے سے انکار کیا کیونکہ انہوں نے اس مسئلہ کو تصفیہ کے لئے پیش ہی نہیں کیا تھا، مگر سین نے فوراً ہی اس فیصلے کی مخالفت کا عزم کر لیا، خوش قسمتی سے فرانسیسی فیصلے نے انگریزوں کی ان آزادیوں کو محفوظ رکھا تھا جو قواعد آکسفورڈ کے قبل انہیں حاصل ہو چکی تھیں اور سین کے لئے یہ ثابت کرنا بہت آسان تھا کہ اس فیصلے میں جو علی الاطلاق طاقت بلاشک کو دی گئی ہے وہ جس طرح قواعد کے خلاف ہے اسی طرح منشور کے بھی خلاف ہے۔ لندن نے سب سے پہلے اس فیصلے کو مسترد کیا۔ لندن کے باشندے سنٹ پال کے گھنٹے کی آواز پر جمع ہو گئے، شاہی مال کو گرفتار کر لیا اور شاہی باغات کو لوٹ لیا مگر بادشاہ کی طلب پر ایک بڑی طاقتور فوج جمع ہو چکی تھی اور

اور لیٹن نے دیکھا کہ بیرن یکے بعد دیگرے اس کا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں۔ ہرزو ایک نہ ایک بری خبر آتی رہتی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کا ایک دستہ ہنری کی فوجوں کے ساتھ مل گیا۔ دی مائنسٹ اصغر قید ہو گیا، نارٹھمپٹن پر قبضہ ہو گیا بادشاہ نے روجسٹر کے محاصرے کو اٹھا دیا، اور اڈورڈ نے اچانک لندن کو بھی لے لیا ہوتا مگر صرف ارل سین کے پر زور یلغار نے اسے بچا لیا، ہر چند کہ لوگوں نے وفاداری مگر ارل اپنے مقصد پر جا رہا۔ اس نے کہا کہ اگر صرف وہ خود اور اس کے لڑکے جنگ کے لئے باقی رہ جائینگے تو بھی وہ آخر تک لڑینگا۔ اس کی فوج کو پندرہ ہزار اہل لندن سے تقویت حاصل ہو گئی تھی وہ اس فوج کو لے کر سنک بورڈر (پانچ بندر) کو بچانے کے لئے (جنہیں بادشاہ کی طرف سے خطرہ تھا)

کو بیچ گیا، اس کوچ میں بھی بہت سے ہمراہی اس کا ساتھ چھوڑ کر پلے گئے۔ اسکس میں بمقام فلیچنگ وہ ٹھہر گیا، یہ مقام لیوس سے جہاں شاہی فوج خیمہ زن تھی صرف چند میل پر تھا، ارل سین اور نوجوان ارل گلوستر نے بادشاہ سے یہ عرض کی کہ اگر وہ "تواہد" پر کاربند ہو تو تمام نقصانات کا معاوضہ اسے ادا کر دیا جائے گا۔ ہنری نے سخت کمینہ انصار کے ساتھ اس کا جواب دیا اور اگرچہ

بہت سی سپاہ ارل کے خلاف تھی مگر اس نے جنگ کا ارادہ مصمم جنگ لیوس کر لیا، اس کی سپاہیانہ قابلیت نے فوج کی طاقت کو بڑھا دیا علی الصبح

۱۱- مئی ۱۲۱۶ء

عہ سینڈویچ، ڈاور، ہائینہ، راسنی، ہسٹنگز، یہ پانچ بندر فرانس کے بالمقابل سواحل

انگلستان پر واقع تھے اور انیس کو سنک بورڈر کہتے تھے +

کوچ کر کے اس نے شہر کے شرقی جانب کی بلندیوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں بلندیوں کی ڈھال سے حملے کے لئے اترا اس کے آدمی جن کے پشت و سینہ پر سفید صلیبیں لگی ہوئی تھیں جنگ ہونے کے قبل دعا کے لئے زمین پر زانووں کے بل جھک گئے۔ اڈورڈ ارل نے جنگ کا آغاز کیا۔ اس کے تند حملے نے لیسٹر کے بائین بازو کے لندنیوں کی صف کو توڑ دیا اور اپنی سخت عداوت کی وجہ سے وہ چار میل تک ان کا تعاقب کرتا پلا گیا اور ان کے تین ہزار آدمیوں کو قتل کر ڈالا مگر واپس آکر اس نے دیکھا کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے عقب میں دریا کے ہونے کی وجہ سے شاہی فوجیں تینگ جگہ میں گھر گئی تھیں اور ارل سمین نے ان کے قلب و میرے کو بالکل توڑ دیا تھا ارل کارنوال جسے لوگ خانا رویوں کا بادشاہ کہتے تھے قید ہو گیا خود ہنری بھی ارل کے قبضے میں آ گیا اڈورڈ نے خانقاہ تک اپنا راستہ نکالا مگر صرف اس لئے کہ اپنے باپ کی طرح خود کو بھی حوالے کر دے ۛ

سمین کی حکومت اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا ہے کہ اب انگلستان کو حصول آزادی کی امید پیدا ہو گئی ہے۔ پہلے انگریز کتوں کی طرح حقیر سمجھے جاتے تھے مگر اب وہ سر بلند ہیں اور ان کے دشمن تباہ ہو گئے ہیں۔ اس نظم نے مہمان وطن کے خیال کو بہت ہی صحت کے ساتھ ظاہر کیا ہے جو شخص نی احقیت بادشاہ ہونا چاہئے وہ اسی صورت میں ایک آزاد بادشاہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود اپنے اوپر

اور اپنی مملکت کے اوپر خوبی کے ساتھ حکومت کرے۔ اپنے ملک کی حکومت میں اسے تمام کام جائز ہیں مگر ملک کی تباہی کے لئے کوئی کام جائز نہیں۔ ایک بادشاہ کے فرائض کے مطابق حکومت کرنا اور قانون کی مخالفت کر کے سلطنت کو تباہ کرنا اور ملک کے باشندوں کو صلح دینے کا حق ہونا چاہئے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ علوم (جو اپنے قوانین کو خود ہی خوب سمجھتے ہیں) کسی معاملے کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں جو لوگ قانون کے زیر اثر ہوتے ہیں وہی ان قوانین کے اثرات کو سب سے بہتر جانتے ہیں، جو لوگ روزمرہ ان قوانین سے کام لیتے ہیں وہ ان کی نسبت سب سے بہتر واقف رکھتے ہیں اور چونکہ ان قوانین سے انہیں کے معاملات معرض خطر میں آتے ہیں اس لئے وہ لازماً ان میں زیادہ احتیاط برتنگے اور اپنی آسائش کو مد نظر رکھ کر کام کریں گے، یہ قوم کا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ ملک کے فائدے کے اعتبار سے کس قسم کے لوگوں کا انتخاب صحیح ہے، شاہی اختیارات کے آئینی قیود اپنے معاملات کے غور و فیصلہ کے لئے کل قوم کے حق اور کارکنان حکومت کے انتخاب میں ان کے اثر کے متعلق خیالات کا اظہار اس صفائی کے ساتھ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا مگر مصاحبت یوں کے معتدل شرائط سے ظاہر ہوتا ہے کہ سین کو اپنی حالت کے مشکلات کا کیسا صحیح احساس تھا، قواعد کا تصفیہ دوبارہ پنچایت کے سنا پیش کیا جانا قرار پایا، ماہ جون میں ایک پارلیمنٹ جمع ہوئی جس میں ہر صوبے سے چار ناٹ بلائے گئے تھے۔ اس نے پنچایت کی

تعمیر ہونے تک انتظام سلطنت نو شخصوں کی ایک نئی مجلس کے سپرد کر دیا، اس مجلس کے ارکان کا انتخاب ارل لیٹر اول گلوشر اور محب وطن اسقف چچسٹر کے سپرد ہوا۔ قوم کے سامنے ذمہ داری کا یہ انتظام کیا گیا کہ بیرن اور مقتدایان مذہبی کی ایک جماعت ان تین انتخاب کرنے والوں میں سے جسے چاہے علیحدہ کر دے اور انتخاب کنندے جسے چاہیں مجلس کی رکنیت سے خارج کر دیں اور جسے چاہیں مقرر کر دیں۔ یہ نظام حکومت ۱۷۵۵ء کی پیچیدہ اور حکومت خواص کی مجلسوں سے بالکل مختلف نوعیت کا تھا مگر پچائیت کی تجویز ٹوٹ گئی یوس نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے سے انکار کر دیا اور پوپ نے بیرونوں کے کام پر باضابطہ نفرین کا اعلان کیا ارل کے مشکلات روز بروز سخت ہوتے جاتے تھے۔ ملکہ نے انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے فرانس میں ایک فوج جمع کی اور ویلز کی سرحد پر بیرن اب تک ہتھیار باندھے مستعد تھے، ایک مجوس بادشاہ سے ایسے شرائط کرنا جن کی پابندی اس پر لازم ہو غیر ممکن تھا، مگر ساتھ ہی اس کے ہمراہی کو بلا شرائط چھوڑ دینا جنگ کا از سر نو جاری کرنا تھا۔ جنوری ۱۷۶۵ء میں وِسٹ منسٹر میں ایک نئی پارلیمنٹ طلب کی گئی۔ مگر بیرونوں میں محب وطن فریق کی کمی اس امر سے ظاہر ہو گئی کہ ایک سو بیس مذہبی ارکان کے مقابلے میں صرف تیس بیس ارل و بیرن آئے تھے۔ اپنی کمزوری کا یہی احساس تھا جس نے ارل سیمین کو انگریزی تاریخ میں ایک ایسی تفسیر پر مجبور کیا۔ مثل سابق اس نے ہر صوبے سے

دو ناٹ طلب کئے، لیکن ان کے علاوہ ہر قصبے سے دو شخصوں کو عوام کا پارلیمنٹ جو اہل قصبہ میں سے تھے پارلیمنٹ میں داخل کرنے کے لئے بلا کر میں طلب کیا جانا اس نے انگریزی سیاسیات میں ایک نیا دور پیدا کر دیا۔ جب اہل شہر کے اغراض کے متعلق کوئی امر زیر بحث ہوتا تھا تو صوبے کی عدالتوں میں شہروں کی طرف سے ناٹین کا حاضر ہونا مدت سے رائج تھا۔ مگر تمام ملک کی پارلیمنٹ میں ضلع کے ناٹین پر اور اسٹیف کے ساتھ اجلاس کرنے کے لئے سوڈاگروں اور تاجروں کی طلب اولاً ارل سین ہی کے حکم سے ہوئی ہے۔

یہی وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس سے ہم ارل سین کے خیالات ارل سین کا کی وسعت و دور بینی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ فتح لیوس کو چند ہی زوال ماہ گزرے تھے اور اہل شہر و سٹ منسٹر میں اپنی جگہوں پر شکن ہو چکے تھے کہ ارل کی حکومت متزلزل ہو چلی۔ ارل نے بیرونی خطرات کا کامیاب مقابلہ کیا، ملکہ نے فلیمنڈز میں اپنی سپاہی جمع کئے تھے اور حملہ کرنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں کہ بارہم ڈاؤن میں قومی فوج کے عام اجتماع سے ان منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ فرانس کی دھمکیاں رفتہ رفتہ ناسہ و پیام کی صورت میں بدل گئیں۔ پوپ کا وکیل آبنائے کو عبور کرنے سے روک دیا گیا اور اس کے اخراج عن الملت کے فتاویٰ سمندر میں پھینک دئے گئے۔ مگر خود اندرون ملک کے مشکلات یوماً یوماً خطرناک صورت اختیار کرتے جاتے تھے۔ قوم کے وفادار ہنری و اڈورڈ کا مجوس رہنا گورا نہیں کرتے تھے۔ انگریزوں کی

عام عادت ہے کہ وہ ہمیشہ کمزور کا ساتھ دیا کرتے ہیں وہ بالطبع کشیدہ خاطر ہو گئے تھے۔ بیرونوں میں محب وطن فریق ہمیشہ سے کم تھا، اب فتح کی غنیمتوں میں اختلاف ہونے کے باعث اور بھی کم ہو گیا، ارل کا انصاف اور امن عام کی حفاظت کا عزم اس کے لئے سخت مضر ثابت ہوا، جان گفرڈ نے اس لئے اس کا ساتھ چھوڑ دیا کہ ارل اسے ایک قیدی سے خلاف معاہدہ لیوس، تاوان وصول کرنے میں مانع ہوا تھا، گلوستر کا نوجوان ارل، گلبرٹ اگرچہ غیر ملکیوں کی جائدادوں سے دولت مند ہو گیا تھا مگر وہ اس وجہ سے لیوس سے نفرت کرنے لگا تھا کہ اس نے اس کے ایک فوجی کھیل تماشے کو روک دیا تھا شاہی قلعوں کے محافظین خود اپنے اختیار سے مقرر کر دئے تھے اور سرحد ویلز پر اڈورڈ کے قلعوں میں خود اپنی فوج تعینات کر دی تھی۔ گلوستر کی بددلی کارروائی سے لیوس کی پیشبندیوں کی دانائی ظاہر ہو گئی۔ ۱۲۶۵ء کی موسم بہار کی پارلیمنٹ میں اس نے علانیہ ارل پر الزام لگایا کہ اس نے اپنے مظالم کی وجہ سے لیوس کے معاہدہ کو توڑ ڈالا ہے اور خود تاج لے لینے کی فکر میں ہے۔ پارلیمنٹ کے ختم ہونے کے قبل ہی وہ اپنے مغرب کے علاقوں میں چلا گیا اور راجر ہاریم اور سرحد کے بیرونوں سے خفیہ سازش شروع کر دی ارل سین بھی بہت جلد اس کے بعد ہی مغرب کو روانہ ہوا اور بادشاہ و اڈورڈ کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔ وہ دریائے سیورن کے کنارے کنارے

شہروں پر قبضہ کرتا ہوا ہیر فرڈ کی طرف بڑھا اور آخر جون میں گلبرٹ کے قلعہ واقع گیلمارگن پر حملہ کرنے کے لئے جنوبی ویلز میں دشوار گزار راستوں سے گذر رہا تھا کہ اڈورڈ کسی نہ کسی طرح پیک نکل گیا اور لڈلو میں گلوٹسٹر سے جا ملا۔ یہ موقع بہت ہی ہوشیاری سے حاصل کیا گیا تھا اور ارل کی حالت سے فائدہ اٹھانے میں اڈورڈ نے شاطرانہ چالوں سے اپنی چالاکی ثابت کر دی وہ سیورن کے کنارے کنارے سیلاب کی طرح بڑھا اور دریا پار ہو کر شہر گلوٹسٹر اور سب پلوں پر قبضہ کر لیا، ان جہازوں کو تباہ کر ڈالا جن کے ذریعے سے لیسٹر آبنائے سے پار ہو کر برسٹل کو نکل جانا چاہتا تھا اور اس طرح اسے انگلستان سے بھی کلیتہً منقطع کر دیا۔ اس نقل و حرکت سے یہ بھی ہوا کہ ارل اور اس کے بیٹے سین کے درمیان (جو مشرق سے اپنے باپ کی کمک کے لئے بڑھ رہا تھا) اڈورڈ حائل ہو گیا۔ پھر نہایت ہی پھرتی سے باگ پھیر کر بمقام کینلور تھ اس دوسری فوج پر جا پڑا اور سخت شکست کے ساتھ اسے تلحے کے اندر بھگا دیا۔ مگر اس کی غیر حاضری سے ارل کو سیورن کی صف حائل کے توڑ دینے کا جو موقع مل گیا وہ اس کامیابی سے بڑھ گیا۔ ادھر اس ناگہانی امر کے پیش آجانے اور بالکل تین تنہا رہ جانے کے باعث سین نے مجبور ہو کر لیولن سے حلفیہ عہد و پیمان کی بنا پر مدد مانگنی اور اسی ویلز کی تازہ دم فوجوں کی مدد سے مشرق کی طرف پلٹ سکا مگر ذریعے سیورن کے پلوں اور ارل کے جہازوں پر اڈورڈ کے

تابض ہو جانے کے سبب سے سین ایک قیدی کی طرح اس کے بس میں آ گیا تھا اور ایک سخت حملے نے اسے ایک شکستہ و فاقہ کش فوج کے ساتھ ویلز کی پہاڑیوں کی طرف پلٹنے پر مجبور کر دیا سخت ناامیدی کی حالت میں اس نے شمال کی جانب ہیر فرڈ پر حملہ کیا اور اڈورڈ کے موجود نہ ہونے سے سین کو یہ موقع مل گیا کہ ۲۰ اگست کو اس نے اپنی فوجوں کو کشتیوں میں سوار کر کے سیورن کے دوسری جانب ووسٹر کے نیچے اتار دیا اس خبر سے اڈورڈ جو ابی حملے کے لئے عاجلانہ دریا کی طرف واپس آیا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ ارل شائبش کوچ پر کوچ کرتا ہوا ۴۰ کی بھج کو ایوشیم میں جا پہنچا تھا۔ ادھر اڈورڈ کے اس جوابی حملے کی وجہ سے ارل کے بیٹے کو بھی ہمت مل گئی اور وہ بھی اسی رات کوچ کر کے اسسٹر کے چھوٹے قصبے میں پہنچ گیا ان دونوں فوجوں میں اب صرف دس میل کا فاصلہ رہ گیا تھا اور ان کا مل جانا یقینی معلوم ہوتا تھا مگر طول و طویل کوچ سے دونوں فوجیں خستہ و درماندہ ہو گئی تھیں ارل بادشاہ کو اپنے ساتھ لے ہوئے تھا اور اس کی خواہش کے موافق وہ بادل ناخواستہ نماز ادا کرنے اور کھانا کھانے کے لئے ایوشیم میں ٹھہر گیا اور سین اصغر کی فوج بھی اسی لئے اسسٹر میں رک گئی ۔

بقول رابرٹ (گلوستر) یہ دونوں کمانے ہی تمام رنج و سہیبت کا باعث ہوئے کیونکہ اس یادگاریات میں اڈورڈ

جناب
ایوشیم

دیہاتوں کے اندر ہی اندر راستہ کاٹتا ہوا بہت ہی جلد بلدیون کو واپس آ رہا تھا تاکہ اس میدان پر قابض ہو جائے جو باپ بیٹوں کی فوجوں کے درمیان واقع تھا۔ یہ زمین ان دونوں کے لئے ملک ثابت ہوئی۔ صبح تک اس کی فوج اس سڑک پر قابض ہو گئی جو ایشیم سے شمال کی طرف الستر کو جاتی ہے۔ ایشیم دریا سے ایون کے اس چکر میں واقع ہے جہاں سے وہ جنوب کی جانب مڑتا ہے۔ اوورڈ نے ایک بلندی پر اپنی فوجیں ڈال دیں اور اس وجہ سے اب دریا کو عبور کرنے کے سوا نکلنے کا ایک ہی راستہ باقی نہیں رہا اور وہ اس طرح محصور بلد ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مارٹیر کے تحت میں ایک فوج دریا پار اتار دی گئی تاکہ پلوں پر قبضہ کر لے اب بازگشت کی تمام صورتیں بالکل منقطع ہو گئیں اوورڈ کی فوج کی آمد سے سین ٹو آگے بڑھا اور اولاً وہ اس فوج کو اپنے بیٹے کی فوج سمجھا۔ اگرچہ یہ خیال غلط نکلا مگر اپنے دشمنوں کی با ترتیب رفتار میں جب اس نے خاص اپنی تربیت کا اثر دیکھا تو سپاہیانہ فخر کا ایک فوری احساس اس میں پیدا ہوا۔ وہ چلا اٹھا کہ "قسم ہے سنٹ جیمز کی کہ وہ عاتقانہ انداز سے آ رہے ہیں مگر انہوں نے یہ انداز دیکھا ہے مجھی سے" ایک نظر میں اس پر نا امیدی چھا گئی ایک سٹھی بھر سواروں اور ویلز کی ایک نیم مسلح جمعیت سے شاہی فوج کے با ترتیب سواروں کا مقابلہ کرنا ممکن تھا۔ سین نے اپنے گرد کے مختصر گروہ سے کہا کہ ہمیں اپنی رجون

خدا کے سپرد کر دینا چاہئے کیونکہ ہمارے جسم تو اب دشمنوں کے ہو چکے ہیں۔ اس نے ہبوف ڈیپنسر اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو میدان سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کا شریفانہ جواب یہ ملا کہ ”اگر وہ خود مارا گیا تو انہیں زندہ رہنے کی تمنا نہیں ہے۔“ غرض تین گھنٹے میں بالکل قلع قمع ہو گیا، اہل دیار اول ہی حملے میں بھیڑوں کی طرح بھاگ نکلے اور کھیتوں اور باغوں میں جہاں جہاں ملے بے رحمی سے کاٹ ڈالے گئے۔ سیمن کے آس پاس کے نائٹوں کے مختصر گروہ نے جانبازی و مردانگی کی داد دی ایک ایک کر کے وہ گرتے رہے تا آنکہ اول بالکل تنہا رہ گیا مگر اس کی تلوار ایسی کاری بڑھی تھی کہ وہ پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ ہی گیا تھا کہ ایک نیزے کی ضرب نے اس کے گھوڑے کو زمین پر گرا دیا۔ اس پر بھی سیمن نے دشمن کے قبضہ میں جانا منظور نہ کیا یہاں تک کہ پس پشت کی ایک کاری ضرب سے وہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور ”خدا کی رحمت“ کی ایک آخری ندا کے ساتھ اس اعلیٰ عجب وطن کی روح جسم سے پرواز کر گئی ❖

باب چہارم

تین اڈورڈ

۱۲۶۵ — ۱۲۶۰

جزو اول

فتح ویلز

۱۲۶۵ — ۱۲۸۴

اسناو۔ ویلز کی عام حالت کے لئے گرلیٹھ کی بزنس کی ایڈیٹر بریم کیبری

اور اس کی عام تاریخ کے Itinerarium Cambriæ

لئے ماسٹر آف رولز کے شایع کردہ Brutny Tywysogion اور اینیلز کیبری

Annales Cambriæ کریڈاک (لیکارون) کا وقائع مترجمہ پاول اور

درنگٹن کی مشری آف ویلز (تاریخ ویلز) History of Wales دیکھنا چاہئے

اسٹفن کی کتاب لٹریچر آف دی سمری (سمری کا علم ادب Literature of the Cymry سے ویلز کی شاعری پر ایک عام نظر پڑ جاتی ہے۔ سینینوہین کو لیڈی چاروٹ گسٹ نے شایع کر دیا ہے۔ مسٹر سٹیو آرڈلڈ نے اپنے مضامین ”دی اسٹی آف کلٹک لٹریچر“ (کلٹی علم ادب پر نظر The Study of Celtic Literature میں ویلز کی شاعری کے خصوصیات بہت خوبی سے دکھائے ہیں۔ انگریزی حالات کے لئے انہیں ”خانقاہی انبار“ کو دیکھنا چاہئے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جن میں ٹریوٹ اور مریمتہ نے کچھ بے لطف ضمیمے شامل کر دیے ہیں (برٹ اور سینینوہین کے نئے ڈیٹیشن پروفیسر رس اور مسٹر بے۔ جی اوینز نے مکتب ویلز کے سلسلے میں ۱۸۷۶ء۔ ۱۸۹۰ء میں شایع کئے ہیں۔

ویلز کا
علم ادب

جنگ بیرن کی وجہ سے انگلستان میں علوم و ادبیات تھوڑے ہی زمانے کے بعد برباد ہو گئے تھے مگر ویلز میں شاندار تجدید کے باعث معاشرت و ذہنی حالت اون کی بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ بظاہر حالات تیرھویں صدی میں ویلز ایک بالکل ہی وحشی ملک معلوم ہوتا تھا، مدتوں کی سخت جنگ، خانگی مناقشات اور مالک عیسوی کی عام تعلیم و تربیت سے مستفید نہ ہونے کی وجہ سے قدیم رومی تمدن کے تمام آثار مٹ ہو گئے تھے اور غیر مفتوح برطانویوں کی حالت وحشی گلہ بانوں کی سی ہو گئی تھی۔ وہ اپنے مویشی کے دودھ پر اوقات بسر کرتے اور انہیں کا چڑا پنتے تھے۔ بے وفائی حرص کینہ توڑی ان پر غالب تھی۔ قبیلہ بندی کے سوا کوئی اعلیٰ سیاسی نظم و نسق ان میں باقی نہیں رہا تھا، آپس کے وحشیانہ مناقشات نے انہیں ہلکے ہلکے کر دیا تھا وہ صرف جنگ کے وقت یا اجنبیوں پر یورش کرنے کے لئے

باہم متحد ہو جاتے تھے ورنہ اور کسی طرح کا اتحاد ان میں پایا نہ جاتا تھا۔ مگر اس وحشی قوم کے دل میں شاعری کی ایک چنگاری اب تک باقی تھی، یہی آگ تھی جس نے چار سو برس پیشتر اینورن اور لیورک ہن کے کلام میں ظاہر ہو کر سیکسن کے مقابلے کے لئے اہل ویلز کو قوی دل کر دیا تھا۔ اس پست ترین منزل پر پہنچ کر مغنیوں کے ایک گروہ نے ویلز کی ناموشی کو یک بیک توڑ دیا۔ بارہویں صدی کی زمرہ سرائی ایک دو مغنیوں تک محدود نہیں رہی تھی بلکہ تمام قوم میں یہ جوش پھیل پڑا تھا، جیرلڈ دی بیرری کہتا ہے کہ ”جس گھر میں کوئی مسافر صبح کو آتا شام تک وہ عورتوں سے گفتگو کرنے اور ستار کی آواز سے محفوظ ہوتا رہتا۔“ قوم کے افسانہ دار علم ادب کو ویلز کی زبان میں اظہار خیال کا ایک قابل قدر ذریعہ ہاتھ آگیا جس طرح قیصر کے وقت کی لاطینی زبان کے نشوونما سے دوسری رومانوی زبانیں پیدا ہوئیں اسی طرح ویلز کی اس وقت کی زبان اسی قدیم کلٹی زبان کی ایک ترقی یافتہ صورت تھی جو قیصر کے وقت میں بولی جاتی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ ویلز کی زبان نے یورپ کی تمام رائج زبانوں سے بہت پہلے ایک بین اومعیینہ علمی شکل اختیار کر لی تھی۔ ازمنہ وسط کے کسی اور علم ادب کی ابتدائی حالت میں ایسی مفصل ترتیب نہیں پائی جاتی جیسی ویلز کے علم ادب میں ہے۔ اور اس معین بہت کے اندر کلٹی خیالات کی آزادانہ روانی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔

دور موخر کی ایک نظم میں گیون شاعر خرگوش، مچھلی، چڑیا اور روانہ گندم بن جاتا ہے، مگر قصوں میں کھٹی خیالات کا جس طرح اظہار ہوتا ہے یہ محض اس کی ایک علامت ہے۔ یہ قصے آرتھر کے افسانوں میں اپنی انتہائی حد کو پہنچ گئے ہیں۔ ان قصوں کا دل آویز مبالغہ واقعیت، روایت، امکان سب کو پس پشت ڈال کر ناممکن و غیر واقعی حالات کے بیان میں سرست نظر آتا ہے۔ آرتھر جب نامعلوم دنیا کی طرف سفر کرتا ہے تو وہ ایک شیشہ کے جہاز میں روانہ ہوتا ہے، 'نزول جنم' کی جو تصویر ایک کھٹی شاعر نے کھینچی ہے وہ ازمندہ وسطی کے خوف و ازمندہ وسطی کے احترام سب کو بالا کی طاق رکھ دیتی ہے اور جس ناٹ کو اس تلاش میں کامیابی ہوئی ہے وہ دونخ کے اندر برسوں سیر و شکار راگ و رنگ اور حسین عورتوں سے گفتگو میں بسر کرتا ہے، قصے کی دنیا خالصتہً وہم و خیال کی دنیا ہے، وہ عجائبات اور سحر آفرینوں کی ایک نئی زمین ہے، اس کے تاریک جنگلوں کی خاموشی میں صرف زہاد کی گھنٹی سے خلل پڑتا ہے، اور اس کے جنگلوں کے کھلے میدانوں میں روشنی ہیرو کی زرہ پر چمکتی ہے، ہر شکل جو شاعر کے تختہ تصویر پر حرکت کرتی ہے جگمگاتے ہوئے رنگ سے روشن نظر آتی ہے۔ دو شیزہ لڑکی شعلہ ناریشمی پوشاک میں ملبوس تھیں۔ اس کی گردن میں سرخ سونے کا ایک طوق تھا جس میں قیمتی زمرود و یاقوت جڑے ہوئے تھے، اس کا سر رتم کے منہ سے پھول سے زیادہ چمکدار تھا، اس کی جلد سمندر کے جھاگ سے زیادہ

سفید تھی، اس کے ہاتھ اور اس کی انگلیاں ان جنگلی شقائق کے پھولوں سے (جنہیں سبزہ زار کے چشموں نے سیراب کیا ہو) زیادہ پاکیزہ و خوشنما تھیں، سدھائے ہوئے باز کی آنکھ اور شاہین کی نظر اس کی نظر سے زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس کا پہلو سفید بط کے سینے سے زیادہ شفاف تھا، اس کے زسار سرخ ترین گلاب کے پھولوں سے زیادہ سرخ تھے، ”ہر جگہ پریشان تصویر ہائے خیالی کی بھی مشرقی شان نظر آتی ہے مگر اس انداز سے کہ تکلیف دہ نہ ثابت ہو۔ اہل کلٹ کی طبیعت میں ایک خاص طرح کا ذوق پایا جاتا ہے جو نظارگی حسن ہونے میں نہایت تیز اور زندگی کے جذبات اور واردات غم و خوشی پر نہایت ہی نقول معلوم ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ان میں ایک طرح کا پر زور تعلق بھی ہے جو ناممکنات سے روگرداں رہتا ہے، اعلیٰ و افضل چیزوں کی طرف سیلان ان کی خاص فطرت اور نیچر کی سحر آفرینیوں کی قدردانی ان کا خمیر ہے۔ یہ خصائل ان کے ذوق صحیح سے مل کر ان کے خیالات میں ایک اعتدال پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے مبالغے ضرور نہایت بعید از قیاس ہوتے ہیں، مگر ان کی نازک خیالی، لطافت احساس اور حسن کی سحر نامصوری سے یہ مبالغے بھی پر لطف ہو جاتے ہیں۔ کلچ کے شکاری کتوں کا اپنے آقا کے گھوڑے کے ادھر ادھر اچھلنا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ”سندر کے پرندے کھیل رہے ہیں“ اس کا نیزہ اس پھرتی سے پڑتا ہے کہ جون کی کثرت شبنم

کے زمانے میں نرکل کی پتی سے شبنم کے قطرے بھی اس طرح سے نہیں گرتے“ فطرت اور فطرتی حسن کی نکتہ آفریں و نتیجہ خیز محبت پر جوش انسانی جذبات کے اثر سے مل کر ایک نیا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ فطرت کی محبت کا یہ جذبہ گواہی کی بلند آہنگ صدا میں نہایت خوبی سے ظاہر ہوا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”میں چڑیوں کو اور ان کی سڑیلی آوازوں کو جنگل کے تمام دلنواز نعروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔“ یہی جذبہ اسے رات کی خاموشی میں چشموں کے آس پاس ایک شاداب سبزہ زار میں پنچا دیتا ہے تاکہ وہاں وہ بلبل کے نغمے سنے اور بھری موسو کے کھیل دیکھے، جب وطن بھی یہی خیالی شکل اختیار کر لیتی ہے ویلز کا شاعر سیکسن کی ہموار اور سہل انکاری پیدا کرنے والی زمین کو ناپسند کرتا ہے جب وہ خود اپنی سرزمین کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس کے ساحل، اس کے پہاڑ اس کے جنگل کے حاشیہ کے حصوں، اس کے خوشنما منظروں، اس کی واویوں، اس کے دریاؤں اور چشموں، اس کی گھاٹیوں، اسکے سفید بھری موسو، اس کی حسین عورتوں، غرض اس کی ایک ایک شے کی تعریف کرتا ہے۔ مگر اس کے بعد ہی پھر یہ نظم یکا یک افسانہ وار خیالات کے عالم میں نخل جاتی ہے۔ ”میں اس کے ان میدانوں سے محبت کرتا ہوں جو نازک شندل کے پھولوں کا لباس پہنے ہوئے ہیں، میں میریباغ کی ان دلدلوں سے الفت رکھتا ہوں جہاں میرے سرنے برف کے سے سفید بازوؤں پر

تکلیف کیا تھا "عورتوں کے متعلق اہل کلٹ کی محبت میں میون کی سی دور رسى و صداقت مفقود ہے، البتہ ان میں نزاکت آیز مسرت کا ایک طفلانہ جوش پایا جاتا ہے۔ ان کے جذبات کی یہ چمک ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کسی پہاڑ کی تیخ بستہ چوٹی پر شفق صبح کا ایک عکس پڑ جائے اس سے انہیں صرف ایک ٹھیل کی سی مسرت حاصل ہوتی ہے۔" میری محبوبہ سیب کے پھول اور سمندر کے جھاگ کے مانند سفید ہے، اس کا چہرہ اس طرح چمکتا ہے جیسے ارٹھری (جگہ کا نام ہے) پر شبنم کے موتی چمکتے ہوں، اس کے رخسار کی چمک ایسی ہے جیسے غروب کے وقت آفتاب کی روشنی۔" ویلز کے شاعروں نے فرانسیسی نغمہ سنجوں کے رندانہ و عیاشانہ انداز میں اپنے ہمدرد تر شاعرانہ جوش و خروش سے ایک طرح کا عارفانہ انداز پیدا کر دیا تھا۔ مذکورہ بالا شاعر لکھتا ہے کہ "جو شخص اسے دیکھتا تھا اس کی محبت کا دم بھرنے لگتا تھا، جہاں اس کا قدم پڑتا تھا وہاں شغل کے تختے اُگ آتے تھے۔" ویلز کا شاعر خالص تخیل کے اثر سے اپنی زیر بحث شے کو جذبات کی حد سے نکال کر مسرت و احترام کی حد میں پہنچا دیتا ہے۔ ہم کہ چکے ہیں کہ ویلز کی واقعی تاریخ کے عالم سے گزر کر اس شاعری کے عالم میں آنا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے مگر شاعری اور افسانے کی اس غیر منظم و خیالی رو کے ساتھ ایک زیادہ عمیق نغمے کا میل بھی رواں تھا۔ پرانے مغمینوں کے انداز میں جنگ کی مسرت، آزادی کی محبت، سکین کی نفرت

کے خیالات، نہایت کثرت کے ساتھ قطعوں اور گیتوں میں ظاہر کئے جاتے تھے۔ یہ گیت مبالغہ آمیز، بے لطف اور اکثر تو نثر معلوم ہوتے تھے مگر ان میں حب وطن کے جس جوش کی آگ مشتعل ہوتی تھی اس کی وجہ سے وہ بھی شاعری میں داخل کر لئے جاتے تھے۔ درحقیقت شاعری کے اس نئے جذبے کی ترقی سے ظاہر ہوتا تھا کہ انگریزی فاتح کے خلاف طولانی جدوجہد میں ایک نیا روز پیدا ہو گیا تھا۔

انگلستان
اہل و عیال

غیر مفتوح برطانیہ کا جتنا ملک باقی رہا تھا وہ ڈیوڈ ہام اور چیمبر کے فتوحات سے تین حصوں میں منقسم ہو گیا تھا، ان میں سے بھی دو حصوں کا مدتوں قبل خاتمہ ہو چکا تھا۔ دریا ہائے کلائڈ اور ڈی کا درمیانی ملک بتدریج نارٹھمبریا کے فتوحات اور سلطنت اسکاتلینڈ کی توسیع میں فنا ہو گیا تھا اور آہنائے برطانیہ و دہانہ سیورن کے درمیان کا مغربی ویلز اگرتھ کی الوالعزمی کی نذر ہو چکا تھا، مگر ان دونوں کے مابین جو وسیع حصہ واقع تھا اس نے سخت مقاومت سے ایک مدت مدید تک اپنی آزادی کو قائم رکھا۔ یہی حصہ اب ویلز کہلاتا ہے۔ برطانوی ریاستوں میں یہ سب سے بڑی اور سب سے قوی حکومت تھی اور اس کے مقابلے میں مریسیا انگریزی ریاستوں میں سب سے نو عمر اور سب سے کم طاقت ریاست تھی، حملہ آوروں کی کمزوری، نیز ان کے خانگی مناقشات (جن سے ان کی قوت اور بھی ٹوٹ گئی تھی) اہل ویلز کے معاون ہو گئے۔ مگر مریسیا نے

انگریزی ریاستوں پر تفوق حاصل کرتے ہی فتح کے کام کو آمادگی کے ساتھ شروع کر دیا، اوفاسیورن اور وائی کے درمیان کی سرحدی زمین اہل ویلز کے ہاتھ سے پہلے ہی نخال چکا تھا اب اس کے جانشین قبضوں و قریوں کو جلاتے اور باشندوں کو قتل کرتے ہوئے قلب ملک تک پہنچ گئے اور ویلز کے حکمرانوں سے مرسیا کی سیادت کا اقرار بزور شمشیر حاصل کر لیا، مرسیا کے زوال کے بعد یہ کام سٹا سیکن بادشاہوں کی طرف منتقل ہو گیا، ہودل ڈا کے قوانین سے ظاہر ہے کہ "ایرفرا کا حکمراں" "لندن کے بادشاہ" کو سالانہ خراج دیتا تھا۔ ڈین کی ممتد جنگ و جدال سے انگلستان کمزور ہو گیا تھا اور اس سے برطانویوں میں آزادی کی امیدیں پھر زندہ ہو گئی تھیں مگر ڈین لا (ملک ڈین) کے زوال کے بعد حکمرانان ویلز دو بارہ مطیع ہو گئے اور جب "سانب" کے دوران سلطنت میں لیوفرک اور گاڈون کے خاندانوں کے جھگڑے کے باعث موقع پا کر اہل ویلز سرحد کو عبور کر کے خود انگلستان پر حملہ آور ہوئے تو ہیرلڈ کی فتوحات نے انہیں پھر انگریزی سیادت کے تابع کر دیا۔ اس کی سبب سلاح فوجیں ساحل پر اتر کر پہاڑوں کے اندر تک کھس گئیں اور ویلز کے حکمران گروفڈ کا سر اپنے نشان فیروزمندی کے طور پر لے آئیں اور گروفڈ کے جانشینوں نے قیدی اطاعت پر کاربند ہونے اور شاہ انگلستان کو حسب دستور خراج ادا کرنے کا حلف

جنوبی ویلز کی ہوا تو ایک بہت ہی چابنازانہ جنگ شروع ہو گئی۔ ولیم نے فتح تمام سرحد ویلز پر بڑے بڑے امرا کی جاگیروں کا ایک سلسلہ پھیلا کر ویلز کی غارتگریوں کو روک دیا تھا۔ اپنے صوبہ چمبر کے صدر سے ہیوف دی ولف (گرگ) نے پیاپے جلوں سے فلڈٹائر کو بالکل ویران کر دیا، ایک دفاعی غار لکھتا ہے کہ ”رابرٹ بلسمی نے اپنی سروشبری کی جاگیر میں اہل ویلز کو بھیڑوں کی طرح قتل کر ڈالا، انہیں مغلوب و مقہور کر کے غلام بنایا اور بہتوں کو لوہے کی سلاخیں بھوک بھوک کر مار ڈالا“ ان بڑے بڑے پیرنوں کی حمایت و مدد سے بیشمار چھوٹے درجے کے ترکتازوں نے بھی اہل ویلز کو فتح کرنے کے لئے شاہی اجازت حاصل کر لی۔ نارمن تعلقہ داروں نے ماتمتہ اور ابرگینی پر قبضہ کر کے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا، برنڈون (نوٹاچی) نے برکناک کی امارت حاصل کر لی۔ راجہ نے (مانگلو مری نے پوائس لینڈ میں ایک قصبہ و قلعہ تعمیر کیا جس سے اب تک اس کا نام قائم ہے۔ ولیم ثانی کے عہد میں تمام قوم کی ایک وسیع بغاوت نے بالآخر اس نارمن کا غارت کیا ہوا کچھ حصہ واپس لے لیا، مانگلو میری کا نیا قلعہ جلا دیا گیا، برکناک اور کارڈین حملہ آوروں سے صاف کر دئے گئے، اور اہل ویلز قتل و غارت کرتے ہوئے انگریزی سرحد پر نوٹ پڑے۔ شاہ احمد ان دشمنوں کے مقابلے میں دو مرتبہ اپنی فوجیں پہاڑوں کے اندر تک لے گیا

مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ دشمن اپنے ہامنوں میں پناہ گزیر ہو جاتے تھے تا آنکہ کھٹا و شدت تحالیف فوج کو خستہ و در ماندہ کر کے مراجعت پر مجبور کر دیتی تھی۔ ہنری اول اپنے باپ کی حکمت علمی پر چلا اور قدم بقدم فتح کا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے فتح کا سلسلہ ساحل کی طرف سے شروع کیا کیونکہ ساحل کی زمین ہموار و فراخ تھی اور اس میں سمندر کی جانب سے آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ ویلز کے اندرونی مناقشے سے اس حملہ کو مدد مل گئی۔ رابرٹ فریبو (لارڈ گلوستر) کو ویلز کے ایک سردار نے اپنی کمک کے لئے بلایا اور جنوبی ویلز اپنے جس آخری حکمران رس ایب ہوڈ کے تحت میں متحد تھا اس کی شکست سے طوائف الملوک کی عام ہو گئی۔ اس سے رابرٹ کو موقع مل گیا اور وہ باطیسنان گلیمارگن کے ساحل پر جا اترا اور گرد و نواح کے ملک کو فتح کر کے اسے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اہل کلیر جب لفرو بیون پر اترا تو اہل فلینڈرز اور انگریزوں کی ایک فوج اس کے ساتھ تھی اور اس نے برطانوی باشندوں کو ہٹا کر پمبروک شائر کے مقام پر انگلستان خورد آباد کیا۔ چند دلیر و جانباز اشخاص نارمن لارڈ گیس کے ہمراہ کارڈیگن پہنچے اور یہاں جو شخص اہل ویلز سے لڑا کر زمین حاصل کرتا تھا وہی اس پر قابض ہو جاتا تھا۔

میں اس وقت میں جبکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ برطانوی نسل اہل ویلز کی بالکل مغلوب ہو جائے گی اہل ویلز میں ایک نیا جوش سوزن نئی زندگی

ہو گیا، حملے کی روپلٹ گئی، ویلز کے مختلف صوبے اس وقت تک علیحدہ علیحدہ مقاومت کرتے تھے اب قومی آزادی کے حاصل کرنے کے لئے سب متفق ہو گئے؛ اور ذکر ہو چکا ہے کہ ان میں ایک نئی شاعرانہ آگ بھڑک اٹھی تھی۔ ہرجنگ اور ہر جنگ اور کے لئے ایک نظم فی الفور تیار ہو جاتی تھی۔ پرانے مغنیوں کے ناموں کے زندہ کرنے میں دلیرانہ تدلیس کی گئی تاکہ قومی مقاومت میں نئی جان پڑ جائے اور ان کے ناموں سے فتح کی پیشینگوئی کی جاسکے۔ اس نئے ہیجان نظم کا سب سے زیادہ قوی اثر شمالی ویلز میں حب وطن کے جوش میں ظاہر ہوا۔ ہنری ثانی کو ان ناقابل تسخیر قلعوں سے بارہا مراجعت کرنی پڑی جہاں ”سنوڈن کے امرا“ یعنی گروفڈایب کینن کے خاندان کے حکمران تمام ویلز پر اپنے تسلط کے دعویدار تھے ایک یہ شور مچ گیا کہ پادشاہ مارا گیا اور ہنری (اسکس) نے شاہی علم پھینک دیا اور صرف بادشاہ کی غایت پامردی کی وجہ سے فوج کامل ہزیمت سے بشکل تمام بچ سکی۔ بعد کی ایک مہم میں حملہ آوروں کو طوفان بارش سے سابقہ پڑا اور اپنا ساز و سامان چھوڑ کر وہ بے سرو پا چسٹر کی جانب بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ گرے کے ترجمے میں انگریزی خوانوں کو ویلز کا جو سب سے بڑا قصیدہ ملتا ہے وہ فیروز مندی ”اون“ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ قصیدہ گو کھائی کا نغمہ فتح ہے جس میں ابرینائی سے ایک انگریزی بیڑے کے پسپا ہونے کا

حال بیان کیا گیا ہے۔ جاہلوتہ اور گروفنڈ دونوں کے بیٹوں کا نام یولن تھا۔ ان دونوں کا زمانہ حکمرانی آزادی ویلز کے آخری ایام میں قریب قریب پوری صدی پر حاوی ہے۔ ان کے عہد میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اہل ویلز کی تمناؤں کے پورے ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہا ہے۔ ان میں سے پہلا یولن ویلز کے تمام سرداروں کو مطیع کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح وہ علانیہ اپنی تمام قوم کا سرتاج بن گیا اور شاہان انگلستان کی جنگ میں ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ خاص اپنے حدود کے اندر اپنے اقتدار کے مستحکم کرنے اور قرب و جوار کے حکمرانوں پر اپنی سیادت کے قائم کرنے میں یولن ایپ جاہلوتہ کو برابر ہی فکر رہی کہ کسی طرح سے سیکسن کا جو ادہ کا مذہب سے اُتار ڈالے۔ جان کی یہ کوشش کہ اس کی بیٹی جوہینا کے عقد کے ذریعے سے وہ اس کی دوستی حاصل کر لے گا۔ بیکار ثابت ہوئی۔ سرحد کی تازہ یورشوں نے بادشاہ کو ویلز میں داخل ہونے پر مجبور کر دیا، لیکن اگرچہ اس کی فوج سوڈن تک پہنچ گئی۔ مگر سابق کی فوجوں کی طرح اسے بھی فاقہ زدہ و شکستہ حال واپس آنا پڑا کیونکہ دشمن تک کسی طرح رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ دوسرے حلقے میں کچھ کامیابی ہوئی، جنوب ویلز کے سردار اپنی نئی فرمان پذیری کو ترک کر کے انگریزی فوجوں سے مل گئے یولن اپنے قلعے میں محصور اور آخر کار اطاعت پر مجبور ہو گیا مگر عہد نامے کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ ویلز میں

۱۱۹۳
۱۲۸۳یولن ایپ
۱۱۹۳-۱۲۳۶

پھر آگ لگ گئی۔ انگریزوں کے خوف عام نے اکبار پھر اس کے سرداروں کو متحد کر دیا اور جان اور اس کے بیروں کے درمیان معرکہ آرائی شروع ہو جانے سے نئے حملے کا خوف بالکل جاتا رہا۔ ایک خارج الملت بادشاہ کی اطاعت سے بری ہو کر لیولن نے فروائٹر کے زیر اثر بیروں سے اتحاد پیدا کر لیا، بیرن بھی اپنی جگہ پر بہت خوش تھے کہ ایک ایسا حکمران ان کا شریک کار ہے جو سرحد کے امرا کو (جہاں شاہی حمایت سب سے زیادہ قوی ہے) روک سکتا ہے، ادھر لیولن نے موقع پا کر شر و سبوری کی تخیر اور پادس کا (جہاں انگریزی اثر ہمیشہ غالب رہا ہے) اسحاق کر لیا، کربار تھن اور گارڈیگن کے قلعوں سے شاہی فوجوں کو نکال دیا اور پمبروگ کے اہل فلینڈرز تک کو اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

لیولن حکمران وڈن (لارڈ آف سوڈن) کی ہر نظریابی سے ویلز کی ایپ جارجو اسیدیں بلند و بلند تر ہوتی جاتی تھیں۔ لیولن کا دربار صرف شاعروں مطربوں مغنیوں سے بھرا ہوا تھا، انہیں میں سے ایک مطرب کہتا ہے کہ ”وہ مغنیوں کے دامن میں سونا اسطرح پھینکتا ہے جیسے دختوں سے پکا ہوا پھل گرتا ہے مگر ان کے جوش کے برا نگینختہ کرنے کے لئے سونے کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔“

تمام شعرا اس کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ کوئی اسے انگلستان کا عذاب قرار دیتا۔ کوئی اسے ”آرمیوں کا عقاب“ کہتا ہے۔ ”جسے نہ لٹنے سے رغبت ہے نہ سونے سے“ کوئی اسے

اپنا سرخ نیزہ لئے ہوئے تمام آدمیوں سے سر بلند کرتا ہے۔ کوئی اس کی ”جنگ کی سرخ خود کا ذکر کرتا ہے“ جس پر گرگ خونخوار کا طرہ تھا۔ اس کی آمد کی آواز ساحل سے ٹکرانے والی موج کی ٹکر ہے جسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ تھام سکتا ہے“ کم درجے کے شعرا اس کے فتوحات کو متوازن فقروں میں جمع کر لیتے اور اسے خونریزی کی ترغیب دیتے تھے۔ ایڈر کتا ہے کہ ”قتل میں ہمت کر“ اپنے کام پر ثابت قدم رہ، انگلستان کو تباہ اور اس کی آبادی کو غارت کر دے“ شعراے دربار کی پر جوش و پرغضب نظلیں خون کی پیاسی معلوم ہوتی ہیں۔ ایک فیروز مند شاعر بیساختہ کتا ہے کہ ”اس خاموش شہر سوئسی کی اینٹ سے اینٹ بیج گئی“ ”درخشان سفید زمینوں والے سنٹ کلیز پر اب سین کا قبضہ نہیں رہا“ لیگیا کی کلیہ سوئسی کی تمام عورتوں کو ہم نے بیوہ بنا دیا“ ”اس خونخاک عقاب کی عادت ہے کہ لاشوں کا انبار لگا دیتا ہے اور بھیڑیوں کے سردار اور گوشت سے شکم پر کدوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے“ یہ بھیڑنے اور کوسے ایسے قصاب ہیں جو مردوں کے سراغ لگانے میں بہت تیز ہیں“ نظم ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے کہ ”قبر اس شخص کے لئے زندگی سے بہتر ہے جو اس وقت نگیں ہو۔ جب قرنا کی آواز لوگوں کو میدان جنگ کی طرف بلاتی ہے“

بارہوی نظموں میں بھی لیون ان سرداروں کے عام گروہ سے بلند نظر آتا ہے جو غارتگری پر بسر کرتے ہیں اور جب الوان میں

لوگ یکے بعد دیگرے گاتے ہیں تو وہ اس امر پر فخر کرتے ہیں کہ ”وہ نہ پناہ مانگتے ہیں اور نہ پناہ دیتے ہیں“ لیولن ٹرم دل عقلمند خوش مذاق طباع ہونے کے ساتھ ”قیصر اعظم“ بھی تھا جو کلٹی قوم کے منتشر اجزا کو اپنے تحت میں مجتمع کرنے والا تھا۔ ویلز کی آخری جد و جہد میں حملہ آوروں کے مقابلے میں اسے تقویت دینے کے لئے پر اسرار پیشینگوئیاں جنہیں لیولن دانا کی پیشینگوئیاں کہا جاتا تھا، ہر شخص کی زباں پر جاری تھیں۔ بڑاڈ اور آرتھر ایکبار پھر دنیا میں آنے والے تھے تاکہ کیمن کی مہلک جنگ کو انجام کو پہنچائیں، کلٹی قوم کا آخری فاتح کیڈوین اپنی قوم کی طرف سے لڑنے کے لئے اب تک زندہ تھا، ٹالیسن کی مفروضہ نظیں سمری کے استرداد کی امید ظاہر کرتی تھیں۔ بریتنی سے یں تک تمام سرزمین ان کے (اہل ویلز کے) ہاتھوں میں ہوگی اور ایک افواہ اڑیگی کہ جرمن برطانیہ سے پھر اپنے ملک آبائی کو واپس جا رہے ہیں، جافری، مائٹھ کی عجیب و غریب تصنیف میں مجتمع ہو کر ان پیشینگوئیوں کا گہرا اثر نہ صرف اہل ویلز پر بلکہ ان کے فاتحین پر بھی پڑا۔ ایک ہنوز زندہ آرتھر کے خوابوں کی تعبیر کے لئے ہنری نے اس افسانے کے ہیرو کی قبر کا کلیٹنبری میں پتہ چلایا اور خود اس کی زیارت کو گیا۔ مگر اہل ویلز کو اپنی قوم کی آخری فتح کا جیسا مضبوط اعتقاد تھا اسے نہ اس قسم کی نیرنگ بازی متزلزل کر سکی اور نہ انگریزی فتوحات۔ ویلز کے ایک سردار

(جو ہنری کی فوج میں شامل ہو گیا تھا) ہنری نے کہا کہ ”کیا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارے یہ غوغائی میری فوج کے حملے کی تاب لاسکیں گے“ سردار نے جواب دیا کہ ”میری قوم آپ کے پر زور ٹکڑے سے کمزور ہو جائے گی مگر جب تک خدا کا غضب بھی اس کے دشمنوں کے ساتھ شامل نہ ہوگا وہ ہرگز تباہ نہیں ہوگی، نہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ ویلز کی قوم و زبان کے سوا کوئی اور قوم یا زبان بروز جزا اس گوشہ دنیا کے لئے احکم الحاکمین کے سامنے جوابدہ ہوگی“ عام نظموں میں کہا گیا تھا کہ ”وہ اپنے خداوند کی حمد کریں گے اور اپنی زبان کو قائم رکھیں گے مگر باستثنائے ویلز وہ اپنا سارا ملک کھو دیں گے“ برطانوی قوم کی روز افزوں قوت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اعتقاد و پیشینگوئی سچ ہو کر رہے گی۔ ہنری سوم کے عہد کی کمزوری و اختلافات سے لیون ایپ چارڈ کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے آخر وقت تک جہاں تک ہو سکے ویلز کی آزادی کو قائم رکھے۔ البتہ اس کے بعد اسقف اعظم اڈمنڈ نے ویلز کو از سر نو انگریزی سیادت کے اعتراف پر مجبور کیا، مگر گرفتہ کے بیٹے لیون نے پھر اپنے ہمنام کی سی کامیابیوں کا نیا دور قائم کر دیا۔ اس نے عین چسٹر کے دروازوں تک تمام سرحد کو غارت کر دیا اور گلیمارگن کے فتح کر لینے سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام قوم ایک ایسی طاقت کے ساتھ متحد ہو جائے گی کہ ہر طرح کے بیرونی حملے کو

۱۲۶۷ء ویلز کا مالک بنا رہا۔ اس جنگ کے خاتمہ پر متحدہ سلطنت کی جانب سے حملے کی تہدید سے صرف اس قدر ہوا کہ اپنے اقتدار شاہی کے تسلیم کر لئے جانے پر اس نے انگلستان کی اطاعت قبول کر لی، وہ سردار جسے اس وقت تک انگریزی بادشاہ صرف حکمران ابرفراکتے تھے اب وہ ”حکمران ویلز“ کے خطاب سے لقب ہو گیا اور اس کا یہ حق تسلیم کیا گیا کہ وہ دوسرے سرداروں سے اپنے لئے حلف اطاعت حاصل کرے لیون اگرچہ اپنے انتہائی اغراض کے حاصل کر لینے کے قریب معلوم ہوتا تھا مگر پھر بھی وہ تاج انگلستان کا ایک ماتحت نہیں تھا، اور ایک نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس سے فوراً ہی اظہار اطاعت کا مطالبہ کیا گیا، اڈورڈ اول کے بچپن ہی میں ان اعلیٰ صفات کے آثار ظاہر ہو گئے تھے جنہوں نے اسے ایک عالی مرتبت انگریزی حکمران بنا دیا۔ پاس قانون کا جوش اور عمدہ حکومت کا احساس اس میں اول ہی سے پایا جاتا تھا اور انہیں خوبیوں نے اس کے عہد کو انگریزی تاریخ میں اس درجہ قابل یادگار بنا دیا، ہنری اور طبقہ بیرن کے درمیان جب کشمکش شروع ہوئی تو ابتدا میں اس نے بیرونوں کا ساتھ دیا اور کوشش کی کہ اپنے باپ کو ”قواعد آکسفورڈ“ کی پابندی پر قائم رکھے۔ بادشاہ کی

فتح ویلز

جانبداری اس نے صرف اس وقت اختیار کی جب اس نے یہ دیکھ لیا کہ اقتدار شاہی کا بالکل خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ اس خطے کے رفع ہو جانے کے بعد پھر اپنے سابق طریقے پر آگیا، فتح کی پہلی جھلک جب نظر آئی اس وقت سین کی قسمت کا حال نامعلوم تھا۔ تمام امرا اس کے خون کے پیاسے تھے مگر ان سب کے خلاف صرف اڈورڈ کی یہ رائے تھی کہ وہ زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ جب جنگ کا ہر طرح پر خاتمہ ہو گیا تو وہ خود اپنے ابن عم ہنری دی مانٹرفٹ کی لاش پر رویا اور ارل کے جنازے کے ساتھ قبر تک گیا۔ جیسا کہ خود ارل نے اپنی موت سے قبل فخریہ کہا تھا، اڈورڈ نے فن جنگ کا کمال اسی سے حاصل کیا تھا اور اس کمال نے اسے اپنے وقت کے تمام شہزادوں میں ممتاز کر دیا تھا۔ مگر اس فن جنگ سے زیادہ شریفانہ کمال اس نے حکومت خود مختاری کا حاصل کیا تھا۔ جس نے اسے حکمرانی کی حیثیت سے بلند مرتبے پر پہنچا دیا شاہی فریق کے وحشیانہ اظہارِ فیروزیہ سے بلیغہ ہو کر اس نے مفوضین کے لئے مناسب شرائط تجویز کئے اور مقاومت کے آخری آثار کو مٹا دینے کے بعد اس نے بادشاہ کی طرف سے وہ آئینی طریقہ حکومت جاری کیا جس کے پیرن لڑ رہے تھے۔ ملک میں اس قدر امن ہو گیا تھا کہ وہ فلسطین کی ایک صلیبی جنگ میں بے خوف و خطر شریک ہو سکا۔ جب اپنے باپ کے انتقال کی وجہ سے اسے وطن کو

واپس آنا پڑا تو آتے ہی ویلز کی مشکلات کا سامنا ہوا۔ بادشاہ کے متواتر مطالبہ کے باوجود لیون انظار اطاعت سے دو برس تک انکار کرتا رہا۔ آخر اڈورڈ کی طاقت صبر ختم ہو گئی اور شاہی فوج نے شمال ویلز کی طرف کوچ کر دیا۔ ویلز کی عظمت و شوکت کی عمارت ایک ہی ضرب میں ڈھک گئی جنوبی و وسطی سردار جنہوں نے حال ہی میں لیون کی وفاداری کی قسم کھائی تھی اسے چھوڑ کر اس کے دشمن انگریزوں سے آٹے۔ ایک انگریزی بیڑے نے ایٹکسی کو سفر کر لیا اور حکمران ویلز ہر طرف سے اپنے قلعے میں گھیر کر بھور ہو گیا کہ بادشاہ سے رحم کا خواستگار ہو۔ اپنی طبعی اعتدال پسندی کی وجہ سے فاتح نے صرف یہ کیا کہ کانوے تک کا سال علاقہ انگریزی مملکت میں شامل کر لیا اور یہ حکم دیا کہ لیون کے انتقال کے بعد ”حکمران ویلز“ کا خطاب موقوف ہو جائے۔ لیون پر بڑا جرمانہ کیا گیا مگر پھر وہ بھی معاف ہو گیا۔ اور سین ڈی مانٹرفٹ کی جو لڑکی الیز اس سے عقد کرنے کو جا رہی تھی اور راستے میں گرفتار ہو گئی تھی اس کا عقد بھی انگریزی دربار میں لیون کے ساتھ کر دیا گیا۔ چار برس تک بالکل خاموشی رہی مگر لیون کے بھائی ڈیوڈ نے اسے ترغیب دے کر پھر بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ سابق کی جنگ میں ڈیوڈ نے لیون کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اس صلے میں وہ انگریزی لارڈ بنا دیا گیا تھا۔ مرلن کی ایک

پیشینگوئی میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ جب انگریزی سکہ گول ہو جائیگا تو لندن میں شہزادہ ویلز کے سر پر تاج رکھا جائیگا۔ اس زمانے میں تاج کے نئے سکے مسکوک ہوئے تھے اور یہ مانعت ہو گئی تھی کہ آئندہ اپنی کو توڑ کر اس کا نصف و چہارم نہ بنایا جائے۔ اس سے یہ خیال کیا گیا کہ پیشینگوئی پوری ہو گئی ہے۔ جو ہم پیش آئے اس میں حکمران ویلز، ایوسانہ استقلال کے ساتھ سوڈن پر جا رہا اور آبنائے مینائے اور انگلسی کے درمیان پل باز ہوتے ۱۲۸۲

وقت ایک انگریزی دستے کے تباہ ہو جانے سے جنگ موسم سراتک طول پکڑ گئی۔ انگریزی فوج کو اگرچہ نہایت مصیبتیں تکلیفیں پیش آئیں مگر اڈورڈ کے استقلال میں فرق نہیں آیا۔ مراجعت کی تمام سجاویز کو نامنظور کر کے اس نے احکام جاری کر دئے کہ کراٹھن میں ایک نئی فوج تیار کی جائے تاکہ لیولن کو پوری طرح سے گھیر لیا جائے۔ حکمران ویلز اپنے کو ہستانی مامن سے ریڈنرشائر پر یورش کرنے کے لئے نکلا اور دریائے دائی کے کنارے ایک خفیف سی جنگ میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کی آزادی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ چھ ماہ کے تعاقب کے بعد اس کا بھائی ڈیوڈ گرفتار ہوا اور ایک کامل پارلیمنٹ نے اسے باغی قرار دیکر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ کانوے اور کیرارون میں مضبوط قلعوں کی تعمیر اور ضبط شدہ زمین پر انگریزی

ہیروں کے آباد ہو جانے سے چھوٹے چھوٹے سردار مطیع ہو گئے
 حکمرانی کے عاتقانہ وصف نے اڈورڈ کو "قانون ویلز" کے نام سے
 ویلز میں انگریزی قانون اور انگریزی انتظام کے اجرا پر مائل
 کیا۔ مگر اس کوشش سے فائدہ بہت کم ہوا اور ہنری
 ہشتم کے وقت سے قبل یہ کام نہ ہو سکا کہ یہ ملک فی الواقع
 انگلستان کا جزو بن جائے۔ اڈورڈ نے فی الحقیقت جو کچھ
 کیا وہ یہ تھا کہ ویلز کی طاقت مقاومت کو توڑ دیا۔ اسکے
 طریق عدل نے اس مقصد کو مکمل کر دیا اور زمانہ مابعد کی
 دو بنادتوں کے باوجود سو برس تک انگلستان کو ویلز کی
 طرف سے کوئی شدید خطرہ پیش نہیں آیا۔ باریدوں کے
 قتل عام کا جو الزام اڈورڈ پر لگایا جاتا ہے وہ محض فسانہ
 ہے، اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

جزو دوم

انگریزی پارلیمنٹ

۱۲۸۳ — ۱۲۹۵

اسناد۔ نظام پارلیمنٹ کے متعلق ایک مختصر سی کتاب

موڈس ٹینڈی پارلیمنٹ Modus Tenendi Parliamenta سے چودھویں صدی کی پارلیمنٹ کی واقعی حالت اور اس کے اختیارات کا ایک حد تک صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسٹرن نے اپنے بیش بہا مجموعہ اسناد میں اسے دوبارہ طبع کیا ہے۔ اس جزو کی بنا انہیں اسناد پر ہے۔ سرفرنس پاکریو نے اپنی ہسٹری آف دی انگلش کامن ویلتھ

(تاریخ دولت عامہ انگلینڈ) History of the English commonwealth

میں پارلیمنٹ کے اصلاحی پہلو کو بہت زور و توجیح کے ساتھ دکھایا ہے مگر اس کے نتائج اکثر عاجلانہ و متعصبانہ ہیں۔ اڈورڈ اول کے عہدے ہر طرح کے آئینی ضروریات کے لئے ہم سٹر ہیلم کے فیصلے و تحقیق پر اعتماد کر سکتے ہیں ان کی کتاب ڈیل ایجز (از منہ وسطی) ڈاکٹر اسٹرن کی کانسٹیبلوٹس ہسٹری کی دوسری جلد اس وقت شائع ہوئی جبکہ یہ تاریخ لکھی جا چکی تھی اور فہرست اسناد مرتب ہو چکی تھی، ان ضروریات کی تکمیل ہے

ویلز کی فتح کے بعد سے تاج کی ایک نئی روش اور انگلستان جدید

نئی طرز عمل اختیار کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ اپنی حکمرانی کی ابتدا ہی سے اڈورڈ نے ان بیرونی ممالک کے واپس لینے کا خواب دیکھنا چھوڑ دیا تھا جو اس کے دادا نے ضائع کر دئے تھے۔ اس نے اپنی تمام تر توجہ خود انگلستان کی استواری اور اس کی شایستہ حکومت پر قائم کر دی تھی۔ ویلز کے اسحاق اور اسکاتلینڈ کے اسحاق کی کوشش کی نسبت ہم صحیح سائے صرف اسی وقت قائم کر سکتے ہیں جب ہم ان اسقامات کو اس قومی نظم و نسق کی تجویز کا ایک جزو سمجھیں جس نے بالآخر اڈورڈ کے ہاتھ سے استحکام عدالت و قانون و پارلیمنٹ کی صورت اختیار کی۔ بادشاہ کے انگریزی

نام کی طرح اس کا انگریزی طرز عمل بھی ایک نئے دور کی علامت تھی۔ تمام باشندگان انگلستان کے ایک قوم بن جانے کے لئے جس طول و طویل زمانے کی ضرورت تھی وہ عملاً ختم ہو چکا تھا۔ اڈورڈ کے عہد سے انگلستان جدید (یعنی اس آئینی انگلستان کا جو احوال موجود ہے) آغاز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ جس طرح انقلاب سے تاریخ فرانس کے ذہن علمدہ علمدہ دور قائم ہو گئے ہیں اسی طرح اس عہد کے قبل و بعد کی تاریخ انگلستان میں کوئی انفصال پیدا ہو گیا ہے (کیونکہ انگلستان کی آئینی حکومت کے آثار ہم اس وقت سے دیکھتے آرہے ہیں جب کہ اول اول انگریزوں نے برطانیہ میں سکونت اختیار کی تھی) بلکہ جو حال انگریزی زبان کا ہے وہی اس کی آئینی حکومت کا ہے۔ الفرڈ کے عہد کی زبان وہی زبان ہے جسے اس زمانے میں انگریز بولتے ہیں مگر موجودہ انگریزی سے اس کے اس قدر متفق ہونے کے باوجود اسے ایک اجنبی زبان کی طرح سیکھنا پڑتا ہے، برخلاف ازیں چاسر کی انگریزی قومی زبان کی پیدائش اور اس کے نشو و نما کا مطالعہ کر سکتا ہے مگر سو خرا لہ کر سے اس کا ایک لڑکا بھی ٹرائس اور کریٹڈا کے قصے کا لطف اٹھا سکتا ہے اور کینٹربری کے زائیرین کی خوش طبعی کو سن سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح نہایت ابتدائی قوانین کا علم مابعد کے وضع قوانین اور اس کی اصل و ارتقا

کے صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لا بد ہے، اور اسی طرح پارلیمنٹی دستور کے اصول کے لئے فٹج کے قبل کی مجلس عقلا اور اس کے بیرون کی مجلس اعظم کے حالات کا مطالعہ کرنا لازمی ہے۔ لیکن اڈورڈ نے اپنے آخری عہد میں جو پارلیمنٹیں جمع کی تھیں وہ بعد کی پارلیمنٹوں کے لئے محض توضیحی مثال کا کام نہیں دیتیں بلکہ وہ ہر اعتبار سے ہو بہو ویسی ہی پارلیمنٹیں تھیں جیسی اس وقت سنٹ اسٹفن میں جمع ہوتی ہیں اور اڈورڈ کا کوئی قانون اگر نسخہ ہوا ہو تو وہ انگریزی ^{لت} عدا میں ویسی ہی باضابطہ قوت رکھتا ہے جیسے خود عدو کٹوریا کا قانون۔ مختصر یہ کہ نظام حکومت کی قیام ہستی کے متعلق طویل جدوجہد کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو جدوجہد ہوئی وہ مثل سابق کے سیاسی تنظیمات کے اساس واقعی پر اثر نہیں ڈالتی بلکہ وہ حوادث زمانہ کے مدارج ہیں جن سے انگلستان نے یہ سیکھا ہے (اور اب تک سیکھ رہا ہے) کہ کیونکر وہ اپنی قومی زندگی کی محفوظ طاقتوں سے بہترین کام لے اور کن عاقلانہ تدابیر سے انہیں ترقی دے، اپنی معاشرۂ و سیاست کے دونوں پلوں میں کس طرح توازن قائم کرے اور کس طرح اپنی آئینی صورتوں کو زمانے کے تغیر پذیر حالات کے موافق بنائے۔ فی الحقیقت اڈورڈ کے عہد سے ہم انگلستان جدید سے رو در رو ہوتے ہیں، بادشاہ امرا، دارالعلوم کے ارکان، عدالتہائے انصاف، نظم و نسق عامہ کی

شکلیں، مقامی تقسیم اور صوبہ دار حدود اختیارات، کلیسا و سلطنت کے تعلقات ایک بڑی حد تک خود سوسائٹی کا قالب، غرض ان تمام چیزوں نے اس زمانے میں وہ صورتیں اختیار کر لی تھیں جن پر وہ حقیقتہً اب تک برقرار ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس تغیر عظیم کا ایک بڑا حصہ اس زمانے کے عام مذاق کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اس زمانے کا میلان ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ صدی میں جو جدید و پر زور اصول قائم ہو چکے تھے انہیں متعینہ شکل میں لانے۔ جس تیرھویں صدی کا آغاز بائیان کار اور موجودوں اور دریافت کنندوں کا عہد تھا اسی طرح اس صدی کے خاتمہ میں مقننین کا دور دورہ ہوا۔ زمانے کے درخشاں ترین اشخاص اب بیکن، ارل سیمن یا ڈراپس (اسپینی) نہیں رہے تھے بلکہ اب سنٹ لیوس (فرانسیسی)، الفانسو دانشمند وغیرہ سربراہ اور دکان عصر سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ مدبر، ناظم، اور قوانین تنظیمات کے بانی تھے۔ اسی گروہ سے اڈورڈ کا بھی تعلق تھا۔ اس کی طبیعت میں حقیقی جدت یا سیاسی ندرت مطلق نہ تھی، مگر نظم و ترتیب کی توت اس میں اعلیٰ درجہ کی تھی، اور قانون سے اس کی پرجوش محبت کبھی کبھی اسے قانونی چیلے اختیار کرنے تک پر مائل کر دیتی تھی۔ اصلاحات عدالت کی طرف اس کی توجہ اس درجہ مصروف تھی کہ اگر اسے انگریزی جسیٹینس نہ کہیں تو

اصلاحات
عدالت

کم از کم اسے ایک ایسا صاف نظر، صاحب عمل شخص تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا جو اپنے سابقین کے تباہ کردہ کاموں کو ایک ترقی یافتہ، اصلاح شدہ، اور پائیدار شکل میں لائیوالاتھا۔ اسکی مقدم فکروں میں سے ایک فکر یہ تھی کہ ہنری ثانی نے جن اصلاحات کی بنا ڈالی تھی انہیں مکمل کرے دیوانی کے اختیارات کی سب سے زیادہ اہم عدالت عدالت شیرن یعنی صوبہ کی عدالت تھی۔ عدالت کی وسعت اختیارات اور شیرف کا ایک شاہی افسر ہونا ہر طرح بحال خود برقرار رہا مگر اعلیٰ عدالتیں دینے کنگس بیچ (عدالت شاہی) عدالت خزانہ اور عدالت عامہ جو فرماں اعظم کے بعد شاہی عدالت

سے منقسم ہو کر بنی تھیں، ان میں سے ہر ایک کے لئے تین عام علیحدہ علیحدہ بیچ مقرر ہوئے۔ یہ تین فی الاصل تفریق عمل کی تکمیل تھی اور مدت سے اس کا سلسلہ جاری تھا۔ اس سے بہت زیادہ اہم کام یہ ہوا کہ قانون عامہ کے پہلو پہ پہلو ایک عدالت بصفت شعاری Equity..... قائم کی گئی۔ ہنری ثانی نے اپنی اصلاح کی اصلاح میں قدیم شاہی عدالت کو جو اس وقت تک آخری عدالت مرافعہ کا کام کرتی رہی تھی اس طرح منقسم کر دیا کہ خالص قانونی ججوں کو مشیروں کے عام گروہ سے علیحدہ کر دیا، مجلس شوری سے اسی طرح علیحدہ ہو کر ان ججوں نے ”شاہی عدالت“ کا نام اور اس کے معمولی فرائض برقرار رکھے، اور جن مقدمات میں

وہ انصاف نہ کر سکتے تھے وہ خاص شاہی مجلس شوری کے
ملاحظہ کے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ”بادشاہ مع مجلس شوری“
کے اس آخری اختیار میں اڈورڈ نے وسیع ترقی پیدا کی۔
اس کی مجلس وزرا یعنی اعلیٰ مستقل عدالت اور تاج کے قانونی
عہدہ داروں نے پہلے بار اپنے عدالتی منصب کے لحاظ سے
ان تمام مظالم کی اصلاح اپنے لئے محفوظ کی جن کا فیصلہ
ماتحت عدالتیں اپنی کمزوری، پاسداری یا رشوت خواری کی
وجہ سے نہ کر سکی ہوں اور خاص کر زیادہ طاقتور بیرونوں کے
خلاف قانون فسادات کی اصلاح انہوں نے اپنے ہاتھ میں رکھی
کیونکہ یہ لوگ عام ججوں کے اختیار کی پروا نہیں کرتے تھے۔
اگرچہ پارلیمنٹ نے اسے رقابت کی نظر سے دیکھا مگر آئیوالی
دو صدیوں تک مجلس کا اختیار بظاہر مستعدی کے ساتھ
عمل میں آتا رہا۔ ہنری ہفتم کے عہد میں اس نے کورٹ
آف سٹارچیمبر (عدالت ستارہ منزل) کے نام سے قانونی و
آئینی شکل اختیار کی، اور اس کے اختیارات اس وقت تک
پریوی کاؤنسل کی جوڈیشل کمیٹی (مجلس عدالت) کے
ذریعہ سے عمل میں آتے ہیں۔ مگر بادشاہ کا یہ بھی فرض
تھا کہ جہاں اس کی عدالتیں انصاف سے قاصر رہیں وہ
خود اس کا تدارک کرے، اس کا نتیجہ چانسلر (صاحب دیوان)
کے اختیار کی صورت میں ظاہر ہوا، سلطنت کا یہ اعلیٰ
عہدہ دار غالباً ابتدا میں مجلس کے فرائض عدل انجام

دینے کے وقت اس کا صدر ہوا کرتا تھا مگر بہت ہی اوائل زمانے میں اس نے خود اسی نوعیت کے آزادانہ اختیارات عدالت حاصل کر لئے تھے۔ اگر ہم عدالت جینسری کے آغاز کو یاد کریں تو ہماری سمجھ میں آجائے گا کہ کس طرح آہستہ آہستہ اس عدالت نے اپنے موجودہ اختیارات حاصل کئے۔ رعایا کے تمام شکایات خاص کر سرکاری عمال اور طاقتور ظالموں کی بد اعمالیوں کے متعلق جس طرح مجلس شاہی کے روبرو پیش ہوتے تھے اسی طرح عدالت جینسری کے روبرو بھی پیش ہوتے تھے۔ اور ان میں نابالغوں کی ولایت، جینز، یواؤں کا گزارہ کراری، اور عشر کے مقدمات بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس ”نصفت شعاری“ کا اختیار عام قانون کی ناقص کیفیت اور اس کے اصلاحی و غیر قابل عمل قواعد کی وجہ سے پیدا ہوا، جس طرح مجلس شاہی ان حالات کا تدارک کیا کرتی تھی جہاں خود قانون نا انصافی بن جاتا تھا اسی طرح عدالت جینسری بلا لحاظ عام عدالتی ضوابط کے کسی فریق کی درخواست پر ان شکایات میں مداخلت کرتی تھی جن کا مناسب علاج قانون نے تجویز نہیں کیا تھا۔ چانسلر (صاحب دیوان) کے اختیارات کی مناسب توسیع نے اسے اس قابل کر دیا کہ دغا، غدر و حادثات اور بد عمدی کا تدارک کر سکے، اور اس کے اختیار کا یہ حصہ بعد کے زمانے میں مذہبی مجامع کے قانون قبضہ اراضی کے اثر سے بہت زیادہ بڑھ گیا۔

چاہلر کے جداگانہ اختیارات کے اول علمبرآمد کی ابتدائی تاریخ
کچھ بھی ہو، مگر وہ اڈورڈ اول کے زمانہ میں پوری طرح قائم
ہو چکے تھے +

اڈورڈ
کی
وضع قوانین

اپنے عدالتی اصلاحات کی طرح وضع قوانین میں بھی اڈورڈ
نے انہیں اصولوں میں سنجیدہ و استواری پیدا کی جنہیں ہنری
ثانی علی صورت میں لا چکا تھا۔ اس کے صاف و قطعی قوانین
سے ظاہر ہو گیا کہ وہ کلیسا کے آزادانہ اختیارات عدالت کو
محدود کرنے میں ہنری دوم کی کارروائی کو مکمل کرنے کا عزم

کر چکا ہے۔ وہ اس ارادے پر مستحکم تھا کہ عام قومی مصارف
میں کلیسا کو اپنا مناسب حصہ لینے پر مجبور کر کے اسے کامل
طور پر ایک قومی کلیسا بنا دے اور روم کے اوپر اس کے
روز افزوں انحصار کو توڑ دے۔ مذہبی جماعت کی خودسرانہ
مقاومت کا جواب ویسی ہی زوردار طریقے سے دیا گیا کلیسا
کی زمین کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ
سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایک مردے کے ہاتھ میں ہے، اس
زمین سے شاہی خدمات کی بجائے آوری ساقط ہو جاتی تھی، مگر
اب قانون سورٹین (دست مردہ) کی رو سے یہ حکم ہو گیا کہ
کوئی زمین اس طرح علیحدہ نہ کی جائے کہ اس پر سے
شاہی خدمات کی انجام دہی ترک ہو جائے۔ یہ رقید غالباً
ملک کے لئے علی العموم مفید نہیں ہوئی کیونکہ اہل کلیسا
ملک کے بہترین زمیندار تھے اور مذہبی مقننین نے اپنی

طباعتی سے بہت جلد اس شرط سے بچنے کا پہلو نکال لیا، مگر اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس قسم کی کوششوں سے بدگمانی بڑھ رہی تھی کہ جو شے قوم کی ہے اسے قوم کے عام ضروریات و فوائد کے کام میں لانے سے روکا جائے۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ پادریوں میں سخت آزدگی پیدا ہو گئی مگر اڈورڈ اپنے ارادے پر مستقل رہا اور جب اساتذہ نے یہ تجویز کی کہ اوقاف کے مقدمات یا جن امور کا اثر اہل کلیسا کے ایشیا پر پڑتا ہو ان میں دخل دہی سے شاہی عدالتیں روک دی جائیں تو اسے ان کی تجاویز پر فوری ضمانت جاری کر دی۔ قرۃ تجار کے متعلق (۲)

اس کے فکر کا اظہار "قانون تاجران" سے ہوتا ہے اس قانون میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ تاجروں کے قرضوں کی چٹری کی جائے اور ان کے وصول کرنے کے لئے قرضداروں کا اسباب قرق کر لیا جائے اور انہیں قید کیا جائے۔ نظم عامہ کے اجواکے لئے اڈورڈ کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ قانون وینچسٹر ۱۲۸۵

ہے۔ اس قانون نے قومی پولیس اور قومی محافظت کے قیدی قانون دبحر انتظامات کو دوبارہ زندہ کیا اور انہیں از سر نو ترتیب دیا۔ اس قانون میں طفوں کی کارروائی، حفاظت و نگرانی کے فرائض، ملک کی فوج محافظ کے اجتماع کا طریقہ جس طرح ہنری ثانی نے "قانون اسلمہ" کے ذریعے سے مدون کیا تھا اسی طرح با ترتیب قائم کیا گیا۔ حملے اور بغاوت کی صورت میں بادشاہ کی خدمت کے لئے اور بوقت شور و غل مجرموں کے

تعاقد کے واسطے ہر شخص کو تمام ہتھیار تیار رکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ہر ضلع اپنے اندرون حدود کے جرائم کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ رات ہوتے ہی قصبے کے دروازے کا بند ہو جانا لازم تھا اور تمام اجنبیوں کا فرض تھا کہ ناظمان شہر کے روبرو اپنی کیفیت پیش کریں۔ مسافروں کو تراقوں کے ناگمانی حملے سے محفوظ رکھنے کے لئے عام شاہراہوں کے دونوں جانب دو دو سو فٹ تک تمام جھاڑیاں صاف کر دی گئی تھیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ملک کی معاشرۃ اور طبی حالت کیا تھی، اس قانون کے عائد آمد کے لئے ہر شائر (ضلع) میں کانسرویٹرز آف دی پیس (محافظان امن) کے لقب سے نائٹ مقرر کئے گئے تھے جب ان مقامی محافظان امن سے زیادہ سہولت محسوس ہوئی اور ان کے اختیارات بہت بڑھ گئے تو ان کا لقب جسٹس آف دی پیس ہو گیا اور یہی نام اب تک قائم ہے۔ وہ عظیم کارروائی جو عام طور پر قانون شہنشاہی (کوئی ایپٹروز) کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ان قانونی کوششوں کا نمونہ ہے کہ جن سے تمام ملک میں ایک وسیع انقلاب معاشرۃ کے روبرو ترقی ہونے کا اظہار ہوتا ہے، بڑے بڑے بیرونوں کی تعداد یو ایف او آ گھٹی جاتی تھی، برخلاف ازیں دیہاتوں کے طبقہ متوسط اور زیادہ متمول عوام کی تعداد قومی دولت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھی اس ترقی کے ساتھ صاحب جائداد بننے کی خواہش بھی ترقی پذیر ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے بیرونوں کے مستاجر اپنے آقا کے لئے

جن شرائط کے پابند ہوتے تھے انہیں شرائط پر وہ اپنی زمینیں اپنے ماتحت مستاجروں کو دیدیتے تھے۔ طبقہ بیرن اگرچہ ان ضداً کو پوری طرح حاصل کرتا تھا جن کے معاوضہ میں اس نے ابتداً زمین دی تھی مگر نئے مستاجرین کے فوائد جاگیر داری کو دوسرے ہاتھوں میں جاتے ہوئے دیکھنا انہیں ناگوار تھا۔ یہ فوائد تولیت امداد اور اسی قبیل کے اور ذرائع سے حاصل ہوئے تھے، مختصر یہ کہ زمین کی تقسیم در تقسیم اور اس کی بہتر کاشت سے جائداد کی ترقی حیثیت کو وہ حاسدانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ اس کارروائی کو اس طرح روکدے کہ زمین کی علیحدگی کی صورت میں مستاجر ماتحت، دوسرے مستاجر کا تابع نہ رہے بلکہ براہ راست مالک اول سے اس کا تعلق ہو جائے مگر اس قانون سے انتقال اراضی یا اس کی تقسیم زیر تقسیم کے رکھنے کے بجائے اس میں اور ترقی ہو گئی۔ قبل ازیں ہر مستاجر مجبور تھا کہ کم از کم اس قدر زمین اپنے پاس رکھے کہ اپنے آقا کے خدمات کو انجام دے سکے مگر اب وہ آزادی کے ساتھ کل زمین مع خدمات کے نئے قابض کی طرف منتقل کر دیتا تھا۔ یہ کارروائی بالکل ویسی تھی جیسی اس زمانے میں ”حق مستاجرانہ“ کی فروخت ہے۔ اس طرح جو جائدادیں ہیں وہ کیسی چھوٹی کیوں نہ ہوں مگر ان کا بیشتر حصہ براہ راست تاج سے وابستہ ہو گیا اور شہنشاہ اور آزاد اراضی داروں کا

ملک کی
مجلس عظم

یہ فروتر طبقہ اس وقت سے تعداد و اہمیت میں برابر بڑھتا گیا۔
 انگلستان کی پارلیمنٹ اسی تمدنی انقلاب اور اڈورڈ اول
 کے وسیع تدبیر کا نتیجہ ہے، فتح کے قبل کی مجلس عقلا اور اس کے
 بعد بیرونوں کی ”مجلس اعظم“ کسی اعتبار سے مجلس نیابتہ نہیں
 تھی، مقدم الذکر میں اصولاً کل آزاد مالکان اراضی شامل
 سمجھے جاتے تھے مگر عملاً ابتدائی زمانے سے یہ مجلس ارل
 اعلیٰ امر، اساقف، اور نعل شاہی کے عہدہ داران و خدام تک
 محدود ہو گئی تھی، فتح سے اس مجلس کے اجزائے ترکیبی میں
 کوئی فرق نہیں پیدا ہوا، کیونکہ نارین بادشاہوں کی مجلس عظم
 میں بادشاہ کے تمام براہ راست مستاجرین، اساقف، بڑے بڑے
 رؤسائے خانقاہ اور دربار کے اعلیٰ عہدہ دار شامل سمجھے جاتے
 تھے مگر یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ اساقف اور رؤساء خانقاہ کی
 رکنیت کی آزادانہ حیثیت روز بروز بیرن کی حیثیت سے
 بدلتی جاتی تھی اور اگرچہ مجلس کی صورت ترکیبی بحال خود
 قائم رہی مگر حقیقتہً اس کی حالت میں بہت بڑا تغیر پیدا
 ہو گیا تھا، ”عقلا“ کے ایک آزاد مجمع سے تنزل کر کے
 اب اس کی حیثیت جاگیرداروں کے شاہی دربار کی سی ہو گئی
 تھی۔ اس کے فرائض بالکل ہی بدلے نام رہ گئے تھے اور اس کے
 اختیارات صرف اس قدر تھے کہ بے چون و چرا تاج کی طرف
 سے اہاد کے جملہ مطالبات کو منظور کر لے۔ تاہم کسی اہم مالی
 و سیاسی انتظام کے قانوناً جائز ہونے کے لئے اس کا مشورہ اور

منظوری "ضروری تھی اور ہنری ثانی کے مقننین نے جب شہنشاہی نظریا پیدا کئے جن کا منشا یہ تھا کہ وضع قانون کا کلی اختیار خود بادشاہ حاصل ہے تو اس مجلس کی محض موجودگی ہی ان کے دعوے کے موثر طور پر باطل کرنے کے لئے کافی تھی۔ فی الحقیقت ہنری ہی کے تحت میں یہ مجلسیں زیادہ منظم اور ان کے فرائض زیادہ اہم ہو گئے۔ جن اصلاحات کے لئے اس کا عمد ممتاز ہے وہ اسی مجلس اعظم سے شایع ہوتے تھے اور مالی معاملات تک پر مجلس میں بحث کی اجازت تھی۔ مگر فریاز اعظم کے عطا ہونے کے قبل تک محصولات کے متعلق اس کے اختیارات باضابطہ مسلم نہیں ہوئے تھے اور نہ اصول قرار پایا تھا کہ مروجہ جاگیرداروں کی امدادوں کے سوا اور کوئی محصول بلا ملک کی مجلس عام کی منظوری کے عاید نہیں کیا جا سکتا۔ اسی فریاز اعظم نے اول اول اس مجلس کی ہیئت قطعی طور پر مشخص کی۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ اصولاً اس مجلس میں وہ تمام لوگ شامل سمجھے جاتے تھے جن کی اراضی براہ راست تاج سے متعلق تھی۔ مگر جن اسباب سے "مجلس عقلا" کی شرکت بڑے بڑے امرا تک محدود ہو گئی تھی انہیں اسباب کا پیرنوں کی مجلس کی ترکیب واقعی پر بھی اثر پڑا، معمولی مستاجرین اور نائٹ (یعنی نیچے درجے کے بیرن) کی حاضری جس طرح خود انکے لئے اخراجات کی وجہ سے تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی اسی طرح ان کا اجتماع ان کی کثرت امداد اور اعلیٰ امرا پر ان کے انحصار کے

بافت تاج کے لئے بھی خالی از خطر نہ تھا اس لئے ہنری اول ہی کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بیرونوں اور ”چھوٹے بیرونوں“ کے درمیان میں فرق مسلم ہو گیا تھا۔ مجلس بالعموم مقدم الذکر طبقہ پر مشتمل ہوتی تھی اور موخر الذکر سے بادشاہ کے مستاجرین کا حصہ کثیر مرتب تھا لیکن اگرچہ ان کی شمولیت کم ہو گئی تھی مگر ان کا حق شمولیت ہر طرح پر بحال تھا، منشور اعظم میں جس طرح یہ قاعدہ قرار پایا کہ مقتدایان دین اور بڑے بڑے بیرون خاص تحریر کے ذریعے سے طلب کئے جائیں گے اسی طرح یہ قاعدہ بھی یادگار ہے کہ تاج کے تمام براہ راست مستاجرین کے نام فیرون کے ذریعے سے عام طلبی کا حکم جاری کیا جائیگا۔ اس کا انشاء غالباً یہ تھا کہ نیچے درجے کے بیرونوں کو اپنے معطل شدہ حقوق کو کام میں لانے پر آمادہ کیا جائے۔ مگر چونکہ یہ فقرہ فرمان کی اشاعت ہانے مابعد سے حذف کر دیا گیا ہے اس لئے یہ شک ہوتا ہے کہ اس اصول کا استعمال نہایت ہی محدود رہا۔ ہنری ثالث کے عہد کی بعض مجلسوں میں نیچے طبقہ کے چند نائٹوں کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے شاید یہ اسی قرب و جوار کے لوگ تھے جہاں مجلس منعقد ہوتی تھی لیکن اس کے جانشین کے عہد میں بھی مجلس اعظم مدت تک محض بڑے بیرونوں، مقتدایان دین اور تاج کے عہدہ داروں کا مجمع بنی رہی جس کے بدلنے میں منشور اعظم ناکام رہا تھا اسے اب زمانے کے تمدنی حالات نے سرانجام دیا۔ ان میں

سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہ تھا کہ بڑے امرا کی تعداد برابر گھٹتی جاتی تھی۔ قابضین امارت کے خاندانوں کے فنا ہو جانے سے طبقہ اراک کی امارت زیادہ تر تاج کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ بڑے بیرونوں کی جاگیروں میں سے بہت سی جاگیریں خود وارثوں میں تقسیم ہو کر عملاً معدوم ہو چکی تھیں اور بہتوں کا اس وجہ سے خاتمہ ہو گیا تھا کہ بہت سے کم ثروت بیرونوں نے خود انکار کر کے اس منصب سے اپنی جان چھڑائی تھی تاکہ وہ کثیر محصولات اور پارلیمنٹ کی شمولیت کے اخراجات سے بچ جائیں۔ یہ کمی کس حد تک پہنچ گئی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اڈورڈ کے عہد کی ابتدائی مجالس میں شکل سے سو بیرون شریک ہوتے تھے۔ مگر جس تیزی کے ساتھ ان بیرونوں کی تعداد گھٹ رہی تھی جنہیں واقعی شرکت پارلیمنٹ کا اعزاز و امتیاز حاصل تھا اسی تیزی کے ساتھ ان چھوٹے بیرونوں کی تعداد بڑھ رہی تھی جن کا حق شمولیت محض ایک آئینی افسانہ ہو کر رہ گیا تھا ملک کا دائمی امن، اس کی تجارت کی وسعت اور اس کی کثرت برآمد سے دیہات کے طبقہ متوسط اور نیز آزاد اراضی داروں اور متمول عوام کی تعداد اور ان کی آمدنی بڑھ رہی تھی۔ ہم ابھی ابھی دکھا چکے ہیں کہ حصول اراضی کا شوق کس قدر ترقی پذیر تھا اور اسی وجہ سے یہ عہد انگلستان کے اراضی داروں کی تاریخ کا نہایت نازک زمانہ بن گیا تھا ایک حد تک یہ

میلان سو برس پہلے بھی رہ چکا تھا اور قصبات کے صاحبان جائیداد کی اسی ترقی پذیر اہمیت کا احساس تھا جس کی وجہ سے بیرونوں کو حصول فرمان کے وقت یہ خیال ہوا کہ وہ انہیں مجلسِ اعظم کے مباحث میں حصہ لینے کی طرف راغب کریں مگر یہ کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ پیرن ان کے اس وجہ سے خواہاں تھے کہ انہیں بادشاہ کے مقابلے میں اپنا معاون بناویں اور خود بادشاہ اس وجہ سے ان کی حاضری کو پسند کرتا تھا کہ اس ذریعے سے وہ محصولات کو زیادہ موثر کر دے، جب تک مجلسِ اعظم امراتِ عظام کی مجلس رہی اس وقت تک بادشاہ کے وزراء کے لئے ضروری تھا کہ سلطنت کے دوسرے طبقات سے ان کے حصص محصولات کے لئے جداگانہ معاملت کریں۔

مجلسِ اعظم میں جو رقم طے پاتی تھی اس کی پابندی صرف انہیں بیرونوں اور مقتدایانِ دین پر عاید ہوتی تھی جنہوں نے اسے طے کیا تھا۔ قبل اس کے کہ قصبات اکلیدسا اور ضلع کے رقوم شاہی خزانہ میں پہنچیں اکسچیکر (خزانہ) کے عمدہ داروں کو ہر قصبہ کے ناظم، ہر ضلع کے شیرف، اور عدالت شیرف، اور استغفی کے آرک ڈیکن (شٹاس سے) جداگانہ مراسلت کرنا پڑتی تھی، اڈورڈ کے آخری زمانے میں جب تاج کے ضروریات بڑھ گئے تو اس قسم کی معاملت زیادہ تکلیف دہ و مایوس کن ثابت ہونے لگی اور مالی صوابدید اس میں نظر آئی کہ مجوزہ محصول کے لئے خود مجلسِ اعظم کے اندران تمام

طبقات کی رائیں لے لی جائیں +
چھوٹے درجے کے بیرون کی شخصی حاضری کا قدیم طریقہ شائرِ ضلع
نصف صدی قبل ٹوٹ چکا تھا اب ایسے وقت میں کہ کے نائٹ
ان کی تعداد سابق سے بدرجہا زیادہ ہو گئی تھی اس کی تجدید
دشوار تھی مگر حسن اتفاق سے اس مشکل سے بچنے کی ایک
صورت خود اسی عدالت کی نوعیت سے پیدا ہو گئی جس کی
وساطت سے صاحب جائداد طبقہ نائٹ کو طلب کیا جاتا تھا
ہنری اور اڈورڈ کے متعدد اصلاحات عدالت میں عدالت
شائر (ضلع) کے اندر کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس
عدالت کا اب تک کسی مشہور تودے یا کسی ازباز رفتہ
زمانے کے شاہ بلوط کے نیچے جمع ہونا اس زمانے کو یاد دلاتا
تھا۔ جب آزاد سلطنت نے شائر (ضلع) کی اور اس کی
مجلس قبائلی نے کاؤنٹی کورٹ (عدالت صوبہ) کی حیثیت
نہیں اختیار کی تھی۔ اس عدالت میں آزاد اراضی داروں کا
اجتماع بدستور سابق ہوتا رہتا تھا۔ اگر کچھ فرق ہوا تھا تو
صرف اتنا کہ بادشاہ کی جگہ بادشاہ کے ناظم نے لے لی تھی
اور نارمن قانون نے اسقف کو ہٹا کر چار تفتیش کنندوں کو
شیرف کے ساتھ شامل کر دیا تھا، شیرف جب اپنے وردی پون
خدام کے حلقے کے اندر سے بادشاہ کے احکام پڑھ کر سناتا تھا
اس کے مطالبہ امداد کا اعلان کرتا تھا۔ مجریں اور مقامی بچوں
کی تحقیقات اس کے سامنے پیش ہوتی تھی یا وہ ان لوگوں کے

دیوانی و فوجداری کے مراعات سنتا تھا جنہیں عدالت حلقہ کے فیصلے سے شکایت ہوتی تھی تو اس وقت اس کے گرد کے مجمع میں مقامی نائٹ، عوام، اور صوبے کے کانسٹابل سب کے قائم مقام موجود ہوتے تھے۔ صرف عدالت صوبہ میں شریف چھوٹے درجے کے بیروں کو مجلس عظمیٰ کی شرکت کے لئے قانوناً طلب کر سکتا تھا اور اسی مجلس کے علی نظام میں تلج کو اس مشکل کا حل مل گیا جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے، کیونکہ اصول نیابت جس سے بالآخر یہ مشکل حل ہوئی خود عدالت ضلع کے ساتھ لازم و ملزوم کا حکم رکھتا تھا، دیوانی و فوجداری کے تمام مقدمات میں شریف بارہ حلیفوں (مشخصین) سے رائے لیتا تھا۔ یہ لوگ اگرچہ حسب ظاہر خاص اس غرض کے لئے متعین نہیں ہوتے تھے مگر عملاً وہ تمام صوبے کی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ ہر حلقے سے بارہ بارہ حلیف نائٹ ہو کر آتے تھے۔ یہی لوگ جوار (صاحب حلیف) کہلاتے تھے، انہیں کے توسط سے ضلع کے پیشکش عمدہ داران شاہی کو دئے جاتے تھے اور عام محصول میں ضلع کے حصے کا تعین انہیں سے طے پاتا تھا اس مجمع کے حواشی پر اہل زراعت جمع ہوتے تھے جو آج کل کے گاڑباؤں اور بلوائیوں کے مانند بھورے رنگ کے لمبے فروک پنپے تھے یہ لوگ پانچ پانچ کی چھوٹی چھوٹی ٹنگریوں میں منقسم ہو جاتے تھے جن میں ایک سر پنچ اور چار اس کے

معاون ہوتے تھے اور یہی لوگ اہل زراعت کی قائم مقامی کرتے تھے۔ اگر درحقیقت سائزر (ضلع) کی یہ عدالتیں ابتدائی انگریزی مجالس قبائل کی جانشین سمجھی جائیں تو بجا طور پر یہ دعوے کیا جاسکتا ہے کہ پارلیمنٹی نیابت کا اصول انگریزوں کی قدیم ترین تنظیمات میں داخل تھا۔ مگر مجلس عظمیٰ کے نظام کے تئیر میں یہ اصول بہت ہی آہستگی اور احتیاط کے ساتھ عمل میں لایا گیا۔ جان کے اعتماد عہد تک کے قریب زمانے میں ہر صوبہ سے چار ذی فہم "نائٹوں" کی طلبی آئندہ کے تغیرات کا پیش خیمہ معلوم ہوتی تھی۔ عہد بعد کے مناقشے میں دونوں فریق کو مقامی امداد کی ضرورتیں محسوس ہوئیں اور ہنری اور طبقہ بیرن دونوں نے سلطنت کے عام معاملات کے انصرام کے لئے "ہر سائزر سے نائٹوں کو طلب کیا" اس میں بھی شک نہیں کہ اسی ضرورت سے ارل سین نے اپنی ۱۲۶۴ء کی مشہور پارلیمنٹ کے لئے ہر ضلع سے نائٹوں کے انتخاب کا حکم دیا تھا، اڈورڈ کی تخت نشینی کے وقت سے مسلسل حاضری کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، مگر اس کے بعد بھی ایک مدت تک نائٹ تشخیص محصول کے لئے مقامی نائبین سے زیادہ نہیں سمجھے جاتے تھے اور مجلس عظمیٰ کے عام معاملات میں انہیں دخل نہیں حاصل تھا، چنانچہ حق شنشاهی کا قانون نائٹوں کے آنے کے قبل ہی مجلس میں منظور ہو گیا، پارلیمنٹ کے

مباحث میں ان کی شرکت اور ان کی باقاعدہ مسلسل
حاضری صرف ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ سے شروع ہوتی ہے
مگر اس کے قبل ہی ان کی سیاسی حیثیت میں ایک
بہت ہی بڑا اصولی تغیر اس وجہ سے ہو چکا تھا کہ حق
انتخاب تمام آزاد اراضی داروں کو عطا کر دیا گیا تھا۔ ہم
یکمہ چکے ہیں کہ جس طبقہ کو مجلس عظمیٰ میں نشست کا حق
تھا وہ نیچے درجے کے بیرونوں کا طبقہ تھا اور نائٹ اصولاً
اس طبقہ کے قائم مقام تھے۔ مگر چونکہ انتخاب کوئی (صوبہ)
کے مستقر میں ہوتا تھا اس لئے کسی ایسی قید کا لگانا کہ
جس سے نائٹوں اور دوسروں میں امتیاز ہو سکے ناممکن تھا
اس مجمع میں کل آزاد اراضی دار شامل ہوتے تھے اور
شیرف کے لئے عوام کی ”ہاں ہاں“ کو ان بیرونوں کی
”ہاں ہاں“ سے تمیز کرنا دشوار تھا اس لئے ان نائٹوں
کی شمولیت کے اول وقت سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ
وہ صرف طبقہ بیرون کے نہیں بلکہ کل ضلع کے قائم مقام
سمجھے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس انقلاب سے تمام آزاد
ارضی دار حکومت ملک میں شریک ہو گئے۔

قصبات تلج نے اپنے خزانہ مشکلات کی وجہ سے قصبات کے
کی نیابت قائم مقاموں کو مجلس عظمیٰ میں داخل کر کے ایک بہت ہی
بڑے انقلاب کا راستہ کھول دیا، ہر ضلع سے نائٹوں کی
شمولیت کو قدیم حق قرار دیا جا سکتا تھا مگر قومی مشورت

میں اہل قصبات کی شرکت کا کوئی حق قدیم ثابت نہیں تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی دولت کی روز افزوں ترقی قومی محصولات میں ان کی اہمیت کو یوں فیوناً بڑھاتی جاتی تھی۔ شہروں نے اب سے بہت قبل "قصبہ کی زمین" خرید کر خود کو بادشاہ کے جملہ مطالبات و تاوان سے آزاد کر لیا تھا، بالفاظ دیگر انہوں نے بادشاہ کو بہ حیثیت اس کے مالک اول ہونے کے غیر معین مطالبات کے عوض ایک معین سالانہ رقم ادا کرنا قبول کر لیا تھا اور اس رقم کو وہ خود اپنے حکام کے توسط سے آپس میں حصہ رسدی تقسیم کر لیتے تھے۔ ہر ایک بڑے صاحب جائداد کی طرح بادشاہ کا جو کچھ حق باقی رہ گیا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ جب مجلس عظمیٰ کے پرنوں پر قومی ضروریات کے لئے کوئی رقم عاید کی جاتی تھی تو اسی کے مثل ایک رقم "اختیاری مدد" نام سے وہ اپنے دیگر مستاجرین اراضی پر بھی قائم کر دیتا تھا، مگر طبقہ تجارتی روز افزوں دولت سے فائدہ اٹھانے کی طمع قانونی پابندیوں سے زیادہ قوی ثابت ہوئی اور ہم دیکھتے ہیں ہنری سوم اور اس کے بیٹے دونوں نے بلا مجلس کی اجازت کے لندن تک پر محض اپنی مرضی سے محصول لگانے کا حق از خود اختیار کر لیا تھا۔ درحقیقت اہل قصبہ کو یہ حق تھا کہ وہ شاہی عمال کے مطالبے پر اس قسم کی "بے قاعدہ امداد" سے انکار کر دیں مگر تجارت کی ضرورتوں اور بازاروں کے

بند ہو جانے سے انہیں مجبور ہو جانا پڑتا تھا۔ لیکن اس قسم کی "امداد" کے حاصل کرنے کے لئے ہر بار عمال خزانہ اور قصبے کے درمیان ایک بڑی کشمکش ہوا کرتی تھی اور جب اہل قصبہ رقم مطلوبہ کو زیادہ سمجھتے تھے تو اکثر حیلہ و حوالہ اور تاخیر سے بادشاہ کو اپنے اصلی مطالبات کی کمی اور سمجھوتے پر مجبور کر دیتے تھے پس مجلس عظمیٰ میں قصابات کے نمائندوں کو شریک کرنے کی خواہش انہیں اسباب پر مبنی تھی جن کے سبب سے شائر کے نمائندے مجلس میں شامل کئے گئے تھے، مگر اس پرانے آئینی دستور کا توڑنا بھی آسان نہیں تھا۔ سب سے اول اول سین نے اپنی دور اندیشی سے اس کی جرأت کی اور ۱۲۶۷ء کی پارلیمنٹ میں ہر قصبہ سے دو دو شخصوں کو طلب کیا، لیکن اس بڑے محب وطن کے دور رس و مدبرانہ خیال کو حسن قبول حاصل ہونے کے لئے وقت درکار تھا، قصبوں کے قائم مقاموں کے داخل مجلس ہونے کی چند مثالیں ملتی ہیں مگر ان کی قلت تعداد اور ان کی ضعیف کی بے ترتیبی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا بلانا زیادہ تر اس غرض سے تھا کہ مجلس عظمیٰ کو مال کے متعلق اطلاع حاصل ہو نہ یہ کہ وہ سلطنت کے ایک طبقہ کے قائم مقام سمجھے جائیں مگر سال بسال ان کے شمول کی ضرورت زیادہ قوی ہوتی جاتی تھی اور ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ گویا ۱۲۶۷ء کی

پارلیمنٹ ہو گئی، ایوشیم میں جب اڈورڈ نے پیشقدمی کی تھی تو ارل سیمن نے اس کی فوجی قابلیت کو دیکھ کر کہا تھا کہ مجھ ہی سے اس نے یہ فن سیکھا ہے، بادشاہ ہو کر جب اڈورڈ نے اپنے ملک کے ہر شہر، قصبہ اور بڑے قریات سے دو دو شخصوں کو بلایا تاکہ وہ مجلس عظمیٰ میں نائٹ امرا اور بیرونوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھیں تو سیمن کی روح نے بیساختہ کہا ہوگا کہ ”مجھ ہی سے اس نے یہ سیکھا ہے“ بادشاہ کے لئے یہ تغیر ابتدا ہی سے مفید تھا، پارلیمنٹ میں اہالیانِ قصبہ جو امداد منظور کرتے تھے وہ خزانہ کی سابقہ زبردستیوں سے بہت زیادہ نفع بخش تھی۔ دیگر طبقات سے ان کی رقم کا تناسب بالعموم رسواں حصہ زیادہ رہتا تھا، ان کے قائم مقام بھی بیرونوں اور شائر کے ناموں کی بہ نسبت تاج کے زیادہ مطیع رہتے تھے، اڈورڈ کے عہد میں صرف ایک موقع پر وہ حسب عادت تاج کی تائید کرنے سے ڈگمگائے تھے، درحقیقت ان کا قابو میں رکھنا آسان تھا کیونکہ قائم مقامی کے لئے قصبات کا انتخاب کلیتہً بادشاہ کے ہاتھ میں تھا اور بادشاہ اپنی مرضی سے ان کی تعداد گھٹا بڑھا سکتا تھا۔ ان کا تعین شیرف پر منحصر تھا اور مجلس شاہی کے ایک اشارے پر ولٹس کا شیرف انتخاب کنندگان قصبات کی تعداد گیارہ سے گھٹا کر تین کر دیتا تھا یا گیس کا شیرف یہ ظاہر کر دیتا کہ کاؤنٹی

(صوبہ) کے حدود کے اندر اسے صرف ایک قصبہ وانسکوم کا
 ملا ہے۔ اس اختیار شاہی کے عملدرآمد میں قصبات کی طرف
 سے کسی طرح کی دقت نہیں پیدا کی جاتی تھی کیونکہ انہیں
 خود اپنی نیابت کی چنداں پروا نہیں تھی۔ اس وقت یہ
 گمان کرنا بھی مشکل تھا کہ جس طاقت کے سامنے بادشاہ
 کو بھی جھکنا پڑیگا وہ انہیں غریب تاجروں کے اندر مخفی ہے
 جو صرف اس لئے بلائے جاتے تھے کہ اپنے قصبات کے
 حصص معمول کی تشخیص کریں اور جس طرح ان کی حاضری
 خود ان کے لئے اور ان کے قصبات کے لئے بار تھی اسی طرح
 ان کا حاضر کرنا بادشاہ کے لئے بھی خالی از وقت نہ تھا۔
 عام اہل قصبہ کو ان کے انتخاب سے بھی کچھ دلچسپی نہ تھی
 کیونکہ ان کا انتخاب چند خاص اہل قصبہ (جو اسی غرض
 کے لئے متعین کئے جاتے تھے) صوبہ کی عدالت میں کیا کرتے
 تھے۔ مگر ان کے قیام کا خرچ ایک بار تھا جس سے
 نکلنے کے لئے قصبات نے جان توڑ کوششیں کیں، یہ خرچ
 اہل قصبہ کو دو شلنگ یومیہ کے حساب سے قصبہ کی طرف
 سے ملتا تھا اور نائٹ کو چار شلنگ کا ڈنٹی (صوبہ) کی
 طرف سے؛ بعض قصبات پر مقرر تھا کہ شرف کی طلب پر
 کسی کا انتخاب ہی نہ کریں، بعضوں نے اس تکلیف وہ
 حق سے معافی کے پروانے حاصل کر لئے تھے۔ اڈورڈ اول
 نے جن ایک سو پینسٹھ قصبات سے قائم مقام طلب کئے تھے

اُس میں سے ایک تہائی سے زیادہ نے ایک بار فرمانِ شاہی کی تعمیل کرنے کے بعد پھر اپنے طرف سے قائم مقام بھیجنا چھوڑ دیا، اڈورڈ سوم کے عہد سے ہنری ششم کے عہد تک لنکا شائر کا شیرف اس صوبہ سے ”بوجہ اس کی غربت کے“ کسی ایک قصبہ کا نام بھیجنے سے بھی قاصر رہا۔ خود قائم مقاموں کو بھی حاضری کی اس سے زیادہ فکر نہیں تھی۔ جس قدر ان کے قصبات کو ان کے بھیجنے کی فکر تھی۔ دستِ منظر تک کے سفر کی زحمت و خرچ برداشت کرنے سے دیہات کے مشغول کار زمیندار اور کفایت شعار تاجر دونوں پہلوتی کرتے تھے۔ ان کی حاضری کے اطمینان کے لئے اکثر قانونی کارروائیوں کی ضرورت پڑا کرتی تھی۔ اب بھی بکثرت ایسے احکام موجود ہیں کہ دائرہ رول روس ”آئریلوں اور چارگاہوں کے گھوڑوں کی ضمانت دے کہ وہ پارلیمنٹ کی شرکت کے لئے معینہ دن پر بادشاہ کے روبرو حاضر ہوگا“ مگر باوجود اس قسم کی رکاوٹوں کے ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کے وقت سے قصبات کے قائم مقاموں کی حاضری مسلسل خیال کی جا سکتی ہے جس طرح نیچے طبقہ کے بیرون کی نیابت ایک تبدیلی تفریح سے شائر کی نیابت میں تبدیل ہو گئی تھی، اسی طرح قصبات کی نیابت (جو اصولاً شاہی جائداد تک محدود تھی) اڈورڈ کے وقت سے عملاً ان تمام قصبات پر وسیع معلوم ہوتی ہے جو اپنے قائم مقاموں کے خرچ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے تھے۔

خود پارلیمنٹ کے اندر اسی طرح کے ایک تدریجی تغیر سے اہل
 قصبات جو ابتداً صرف محصول کے معاملات میں شرکت کی
 غرض سے بلائے جاتے تھے، سلطنت کے دوسرے طبقات
 کے ساتھ مشورت و اختیارات میں تمام و کمال شریک
 ہو گئے +

ابتدائی پارلیمنٹیں کے شمول سے انگلستان کی نیابت نظام حکومت کی عادت
 ۱۲۹۵ء کی مجالس میں اہل قصبات اور شائر کے نائبوں
 مکمل ہو گئی تھی۔ بیرون کی مجلس عظمیٰ سلطنت کی پارلیمنٹ
 بن گئی تھی۔ اس پارلیمنٹ میں سلطنت کے ہر طبقہ کی
 نیابت موجود تھی اور منظوری حاصل، وضع قانون اور
 بالآخر نگرانی حکومت میں سب کو شرکت حاصل ہو گئی۔
 لیکن اگرچہ تمام ضروری حیثیتوں میں پارلیمنٹ کی نوعیت
 اُس وقت سے اِس وقت تک یکساں رہی ہے پھر بھی
 بعض قابل لحاظ خصوصیات ایسے ہیں جن میں ۱۲۹۵ء کی
 مجلس سنٹ اسٹفن کی موجودہ پارلیمنٹ سے بہت ہی مختلف
 تھی، اس میں سے بعض اختلافات وہ ہیں جو خود مختلف
 طبقات کی زیادتی اختیارات اور تغیر تعلقات فیما بین سے
 پیدا ہوئے، ان پر غور کر لیتا ہیں بعد کو موقع ملیگا، مگر
 ایک بہت ہی حیرت انگیز فرق پادریوں کی شرکت کا ہے
 اڈورڈ اول کی پارلیمنٹ میں اگر کوئی امر ایسا ہے جسے
 اس کی خصوصیت خاص کہہ سکتے ہیں تو وہ طبقہ کلیسا کی

نیابت کی تجویز ہے، ۱۲۹۵ء کے قبل بادشاہ نے کم از کم دو بار پادریوں کی مجلسِ عظمیٰ میں کلیسا کے پراکٹروں (وکلا) کو بلایا تھا مگر کیسا کی نیابت کی کامل نیابت کا قطعی انتظام ۱۲۹۵ء میں ہی ہوا۔ اسی سال ان کی شرکت پارلیمنٹ کے لئے اساقف کے حکم احضار میں یہ فقرہ بڑھایا گیا کہ تمام آرک ڈیکن (شماس) ڈین (ناظم کلیسا) بذات خاص حاضر ہوں اور خانقاہی گرجوں کے صدر ہر خانقاہی عبادت گاہ سے ایک وکیل، اور حدود استغنی کے تمام پادریوں کے طرف سے دو نائب بھیجے جائیں۔ احکام احضار میں یہ فقرہ اب تک درج ہوتا رہتا ہے مگر ان پادریوں کی مستحکم مخالفت نے اس کے عملی اثر کو اول ہی سے باطل کر دیا تھا۔ قصبات جس کام کے کرنے سے عاجز رہے پادریوں نے اسے عملاً کر دکھایا معلوم ہوتا ہے کہ اڈورڈ کے وقت میں حکم شاہی سے مجبور ہو کر انہیں پارلیمنٹ میں آنا پڑا مگر اس طرح آنے پر بھی انہوں نے باسرا اپنی نشست علیحدہ رکھی اور سوا اپنے صوبے کی مجالس یا کینٹربری د یارک کے اجتماعات کے دوسری جگہ محاصلات کے لئے رائے دینے سے انکار کر دیا، اس صورت میں بادشاہ کو بھی ان کی مسلسل حاضری پر اصرار کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ ان کی حاضری اگرچہ اب بھی کبھی کبھی اہم موقعوں پر ہوتی رہتی ہے مگر وہ اس قدر محض برائے نام ہوتی ہے کہ پندرہویں ہی صدی کے آخر تک بالکل کالعدم

ہو گئی تھی۔ اپنی ہستی کو ایک منفرد و با امتیاز طبقہ کی حیثیت سے قائم رکھنے کے جوش میں پادریوں نے اس اختیار کو پس پشت ڈال دیا جس پر اگر وہ قائم رہتے تو سلطنت کی شایستہ ترقی میں خطرناک رکاوٹ پیش آگئی ہوتی مشاغل دارالعوام کا نصف حصہ پادریوں سے بھرا ہوتا اور ان کی اس تعداد کو ملک کی ایک تہائی جائداد کے مالک ہونے سے بھی تقویت مل جاتی تو یہ خیال کرنا مشکل ہے کہ "اصلاح" کے تغیرات عظیم کیونکہ عمل میں آتے۔ یہ تغیر بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کے اجلاس بتدریج وسیع اور گہرے ہو گئے۔ قدیم قوانین کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں پارلیمنٹ کا اجتماع ونچسٹر ایکن برنل اور نارٹھیمپٹن کے سے مختلف مقامات پر ہوا کرتا تھا۔ یہ زمانہ مابعد کا واقعہ ہے کہ پارلیمنٹ جزیرہ تنہا کی دلدل کے ایک نو آباد قریہ میں جو اریٹیز کے سر بلند محل کے قریب اس بڑے گرجے کے پاس مستقلاً قائم ہو گئی جو نائٹ کے قدیم گرجا کی جگہ پر اڈورڈ کے وقت میں زیر تعمیر تھا۔ ممکن ہے کہ پارلیمنٹ کے اس جگہ کے دائمی قیام کی وجہ سے جس طرح اس کی آئینی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہو اسی طرح اس کے اعلیٰ عدالت مرافعہ کی حیثیت گھٹ گئی ہو، پارلیمنٹ جس اعلان کے ذریعے سے طلب ہوتی تھی اس میں مندرج ہوتا تھا کہ تمام لوگ جو بادشاہ سے بمعیتہ اجلاس پارلیمنٹ کسی رحم

اجلاس پارلیمنٹ
کا وسط نشتر
میں محدود ہوا

پارلیمنٹ
حیثیت
عدالت

خواستگار ہوں، یا جنہیں ایسے معاملات میں کوئی دعویٰ کرنا ہو جن کا مرافعہ یا تعین معمولی طریقہ قانون سے نہ ہو سکتا یا جنہیں بادشاہ کے وزیروں، جسٹسوں، ناظموں یا محصلوں سے کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہو یا جن پر غیر واجبی تشریح ہوئی ہو یا امداد امانت کی رقم یا محصول زائد لگایا ہو۔ وہ اپنی درخواستیں محل ویسٹ منسٹر کے دیوان میں پیشکاروں کے روبرو پیش کریں اس قسم کی درخواستیں بادشاہ کی مجلس شوریٰ میں بھیج دی جاتی تھیں اور یہ غالباً اس عہد کے حدود اختیار کی وسعت تھی۔ اور اسی سے بعد میں عدالت نضت شعاری پیدا ہوئی جس سے ہر جدید پارلیمنٹ کے کھلنے پر بذریعہ دارالامرا رعایا کی طرف سے ”فیصلہ کنندگان عرض“ کا باضابطہ انتخاب عملاً معطل ہو گیا، اگرچہ رواجاً یہ انتخاب اب بھی ہوتا رہتا ہے مگر کسی زیادہ قدیم دستور کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ یا اس کے وزرا کے ہاتھ سے رعایا کو جو نقصان پہنچا ہو ان کے مرافعہ کے لئے وہ ہمیشہ پارلیمنٹ ہی پر نظر ڈالتی تھی +

جزو سوم فتح اسکاتلینڈ

۱۲۹۰ — ۱۳۰۵

[اسناد۔ اس عہد کی لکھی ہوئی خود اسکاتلینڈ کی کوئی تاریخ

موجود نہیں ہے۔ نابیا ہیری کی تالیف پتانی اس کے ہیرو (ویلیم) کے انتقال کے دو سو برس بعد کی ہے۔ خود انگلستان کے وقائع بھی بہت مختصر اور نادرست ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم اینلز اینگلی لٹ اسکاٹی (اخبار انگلستان و اسکاٹ لینڈ Annales Anglievet Scotial) اور اینلز رگنی اسکاٹی (اخبار حکومت اسکاٹ لینڈ Annales Regni Scotiac) ریشنگز کا وقائع اور اس کی جستا ڈورڈ قوی پیری (تاریخ اڈورڈ اول Geste Edwardi Prince) اور اخبار کے تین ٹکڑے ہیں (یہ سب سلسلہ صحافت میں شائع ہوئے ہیں) ڈانسنگم کی تاریخ کا جو حصہ اس عہد سے تعلق رکھتا ہے اسے اس کے آخری اڈیٹر مسٹر رلی نے ریشنگز کی طرف منسوب کیا ہے، مگر ہماری واقفیت کا خاص ذریعہ وہ کثیر سرکاری کاغذات ہیں جو ریکر کی فیڈرا (Faedra) اور روٹوبی اسکاٹی (Rotub Scotiae) اور سر فرینس پالگریو

کے مرتبہ "اسناد و کاغذات در بارہ تاریخ اسکاٹ لینڈ" Documents and

Records illustrative of the History of Scotland میں محفوظ

ہیں۔ مسٹر رابرٹس نے اپنی تصنیف اسکاٹ لینڈ ایڈر ہر رلی کننگز (اسکاٹ لینڈ

زیر حکومت شاہان پیشین Scotland under her Early Kings) میں

بہت خوبی سے مناقشات کے قبل کے زمانے کی تصویر کھینچی ہے۔ اور

مسٹر برٹن نے اپنی ہسٹری آف اسکاٹ لینڈ (تاریخ اسکاٹ لینڈ History of

Scotland) میں خود مناقشے کے حالات نہایت صحت و صفائی سے

بیان کئے ہیں۔ اڈورڈ کی جانب سے سر فرینس پالگریو کی تصنیف

کا دیباچہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور مسٹر فرینس کا مضمون

شاہان انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے تعلقات باہمی" دیکھنا چاہئے

جن آئینی تغیرات کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ان میں خود
اڈورڈ اول ۱۲۶۲-۱۳۰۶ اڈورڈ اول کی خصوصیات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مگر اس کے

عہد کے نصف آخری میں اسکاٹ لینڈ سے جو جنگ جاری رہی اس میں اس کی خصوصیت اپنے انتہائی اوج پر پہنچ گئی تھی۔

اپنے وقت اور اپنی رعایا کے درمیان اڈورڈ بچہ شننا و صفت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ صحیح ترین مفہوم میں ایک قومی بادشاہ تھا۔ جبکہ بیرونی فتح کا آخری اثر بھی زائل ہو گیا تھا، شلاک کے فاتحین و مفتوحین کی اولاد ایک دوسرے میں مخلوط ہو کر ہمیشہ کے لئے ایک قوم انگریزی بن گئی تھی، اس وقت انگلستان کا حکمراں وہ شخص تھا جسے اہل ملک غیر نہیں بلکہ اپنا سمجھتے تھے۔ بادشاہ کے سہلے بال اور قدیم بادشاہوں سے مماثلت پیدا کرنے والے نام کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سی باتیں ایسی تھیں جن میں قومی روایات کا نشان ملتا تھا۔ اڈورڈ کا مزاج تک بالکل انگریزوں کا سا تھا۔ وہ اچھائی اور برائی دونوں میں اپنی زیر حکومت قوم کے صفات کا آئینہ تھا۔ انہیں کے مانند وہ خود سر، متکبر، ضدی، پر استقلال، سخیلات میں سست، ہمدردی میں تنگ نظر، اپنے حقوق پر مصر اور اپنے غرور میں غیر مغلوب تھا مگر انہیں کے مانند وہ فی الجملہ منصف، خود غرضی سے مبرا، جفاکش، ایماندار، صداقت و خود داری پر مغرورانہ کاربند، اعتدال پسند، اپنے فرض کی عزت کرنے والا اور مذہب کا پابند۔ اس میں شک نہیں کہ

آنچویوں کا پرغیظ و غضب غصہ اسے وراثت میں ملا تھا جب غصے میں آکر وہ سزا دیتا تھا تو اس کی سزا میں رحم کو دخل نہیں ہوتا تھا، ایک راہب نے کسی ایسے ہی طوفان غضب کے وقت میں اس کے سامنے کچھ غدر لیکر حاضر ہوئی جرأت کی مگر محض اس کی غضبناک شکل کو دیکھ کر وہ مردہ ہو کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ لیکن زیادہ تر اس کے جذبات فیاضانہ، قابل اعتماد، بے رحمی سے متنفر اور عفو و درگزر کی طرف مائل ہوتے تھے، اس نے اپنے بڑھاپے میں کہا تھا کہ ”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے مجھ سے رحم کی درخواست کی ہو اور میں نے اس سے انکار کیا ہو“ اس کی سختی پسند سپاہیانہ شرافت اس انداز کی تھی کہ وہ فالکرک میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ خالی زمین پر بیٹھا اور ہم ویلز میں لیٹروں سے بچی ہوئی شراب کے پیسے کو اپنے صرف میں لانے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے ہمراہی سپاہیوں سے کہا کہ ”میں ہی ہوں جس نے تمہیں اس حالت میں مبتلا کیا ہے، میں کھانے پینے میں تم پر کسی طرح کی فوقیت رکھنا نہیں چاہتا۔“ اس کی ظاہری متکبرانہ اور تشدد آمیز وضع کے اندر فی الواقع ایک عجیب قسم کی نرمی و احساسِ محبت موجود تھا۔ رعایائے سلطنت کے ہر فرد کو اُس بادشاہ سے قرب حاصل ہو گیا تھا وہ اپنے باپ کے انتقال کی خبر سن کر زار زار روتا رہا، اگرچہ یہ خبر خود

اس کے بادشاہ ہونے کی نوید تھی۔ اس کے انتقام کا سخت ترین جوش اس وقت ظاہر ہوا، جب اس کی ماں کی اہانت ہوئی، اس نے اپنے محبت و غم کے نشان کے طور پر جہاں جہاں اس کی بیوی کا جنازہ ٹھہرا صلیب نصب کی۔ اڈورڈ نے اپنے ویلز کے دوست کلنی کے رئیس خانقاہ کو لکھا تھا کہ میں زندگی میں اس سے مشفقانہ محبت رکھتا تھا، اور اب کہ وہ اس دنیا سے گزر گئی ہے میں نے اس سے محبت کرتا ترک نہیں کیا ہے، اس کی جو کیفیت ماں اور بیوی کے معاملے میں تھی وہی کیفیت اپنی عام رعایا کے ساتھ تھی سابق انجیلوں کے خود ساختہ تفرد پسندی کا اثر اڈورڈ میں بالکل نہیں تھا۔ فتح کے بعد سے وہ پہلا انگریز بادشاہ تھا جو اپنی رعایا سے ذاتی محبت رکھتا تھا اور ان کی طرف سے بھی اسی قسم کی محبت کا متمنی تھا، رعایا پر اس کے اعتماد ہی کا نتیجہ تھا کہ انگلستان کی پارلیمنٹ وجود میں آئی اور رعایا ہی کے فکر بہبود کے نتیجے وہ اہم قوانین ہیں جنہیں انگریزی قوانین میں سب پر تقدم حاصل ہے، رعایا سے اس کی جس قدر کشمکش ہوئی اس میں بھی رعایا نے دیکھ لیا کہ اس کے انداز طبیعت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا، اس کے عہد میں رعایا اور بادشاہ کے درمیان اگرچہ نہایت سخت تنازعات پیش آئے مگر دونوں متخاصمین سے کسی نے بھی ایک لمحے کے لئے دوسرے کی قابلیت و محبت میں شک نہیں کیا، انگریزی تہذیب میں

شاید ہی کوئی اور منظر اس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا ہو کہ جب ”منشور“ کے متعلق طولانی جھگڑے کا خاتمہ ہوا تو اڈورڈ، دست منسٹر ہال میں اپنی رعایا کے رو در رو کھڑا تھا اور یکایک اس کے آنسو جاری ہو گئے، اور اس نے صاف لفظوں میں یہ اقرار کیا کہ وہی اس معاملے میں غلطی پر تھا *۔

سپہگری کا
اثر

مگر اڈورڈ کی ایسی زود حسی اور فراخ دلی نے اس میں بیرونی اثرات کے قبول کر لینے کی قابلیت پیدا کر دی تھی جن سے اس کی زندگی میں عجیب تقابل رونما ہو گیا تھا، جس اول بادشاہ کی طبیعت میں صاف طور پر انگریزی اثر غالب تھا اسی بادشاہ کے عہد میں انگریزوں کے اطوار، ان کے علوم، ان کے ادبیات اور ان کے قومی خصائل پر نہایت مہلک طور پر غیر ملکی اثر پڑا۔ فلپ آگسٹن کے وقت سے فرانس کے ایک متحد و منظم شاہی کی صورت اختیار کر لینے سے اب مغربی یورپ پر اس کا اثر حاوی ہوتا جاتا تھا، فرانسٹ کی اس دہہ مشہور سپہگری درحقیقت بلند خیالی، شجاعت، محبت اور اخلاق کی ایسی نقالی تھی جس میں اصلی و حقیقی شرافت کی جگہ بدتریں بدکاری، تنگ ترین خود پرستی، اور مصائب انسانی کی طرف سے وحشیانہ لاپرواہی پیدا ہو گئی تھی۔ سپہگری میں یہ اوصاف بالتخصیص فرانسیسیوں کے پیدا کردہ

تھے۔ مگر اڈورڈ کی طبیعت ایسی شریفانہ واقع ہوئی تھی کہ اس قسم کی سپہگری کی ذلیل خصلتیں اس میں نام کو نہ تھیں۔ اس کی زندگی پاک تھی، اس کی پرہیزگاری (بجز اس کے کہ اپنے وقت کے توہم پرستی سے متاثر ہو جائے) مردانہ اور سچی پرہیزگاری تھی، اور اپنے فرائض کے اعلیٰ احساس کی وجہ سے وہ اپنے جانشینوں کی سی مہذب عیش پرستی سے بھی بچا رہا۔ مگر زمانے کے رنگ سے بالکل ہی الگ ہو جانا بھی بہت مشکل تھا۔ اڈورڈ کی پر جوش خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے وقت کی اعلیٰ "سپہگری" کا ایک نمونہ ہو، اس نے فوجوانی ہی کے زمانے میں ایک تجربہ کار سپہ سالار ہونے کی شہرت حاصل کر لی تھی، ایشیم میں اس کی عاقلانہ پیش قدمی کی وجہ خود اہل سین نے کی تھی، اور ہم دینز میں اس نے ایسے انتظام و عزم کا اظہار کیا کہ شکست ہوتے ہوتے اس نے فتح حاصل کر لی۔ وہ لیوس میں سواروں کے پر زور حملہ کا وہی سپہ سالار تھا، رسد رسانی کا ایسا انتظام اوسے سے ہو سکا کہ لوینڈز کے سے دشوار گزار ملک میں فوجوں پر فوجیں بھیج سکتا تھا، بڑھاپے میں اس نے انگریزی تیراندازی کی قدر بہت جلد سمجھ لی اور فالکرک میں اسی کو فتح کا ذریعہ بنایا مگر اڈورڈ کو ایک نائیٹ کی حیثیت سے اپنی شہرت کے مقابلے میں اپنی سپہ سالاری کی شہرت ایک حقیر سے معلوم ہوتی تھی۔ اپنی رعایا کے مانند شہانہ جنگ سے

اسے بھی پوری رغبت تھی۔ فی الحقیقت اس کا جسم بھی ایک پیدائشی سپاہی کا سا تھا، دراز قامت، کشادہ سینہ، اور قوی ہیکل ہونے کے ساتھ ہی ثابت قدمی و کاردانی دونوں اس میں موجود تھیں۔

جب ایوشیم کے بعد دیو قامت و شہرہ آفاق نائٹ ایڈم گرڈن سے اس کا مقابلہ ہوا تو اس نے تن تنہا اس سے دوہائی دلوادی، اپنے ابتدائی عہد میں چیلن کے ٹورنامنٹ (مصادرت) میں اس نے محض اپنے زور بازو سے اپنی جان بچائی۔ مبادرت کی یہی الفت تھی جس کی وجہ سے وہ اس زمانے کی بے اہل و متبذل ”سپہگری“ کی طرف راغب ہو گیا تھا۔ اس کی ”کنلورتھ کی گول مینز“ پر امیر اور بیگیں لباس فاخرہ پہنے ہوئے بیٹھتی تھیں، جس سے آرتھر کے دربار کی مٹی ہوئی شان و شوکت پھر تازہ ہو گئی تھی، افسانہ پسندی کے جھوٹے رنگ نے سنجیدہ ترین سیاسی عزم میں جذبات پیدا کر دیے۔ چنانچہ شاہی مینز سے اٹھتے اٹھتے اڈورڈ نے جوش میں آکر اپنے سامنے کی تشری پر ”بط کی قسم“ کھائی کہ وہ اسکاٹلینڈ سے کامن کے قتل کا بدلہ لیتا۔ اس ”سپہگری“ نے اس پر ایک اور بہت برا اثر یہ ڈالا کہ اس نے اپنی ہمدردی شرفا کے طبقے تک محدود کر دی تھی اور کسان اور اہل حرفہ کو رحم کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اگرچہ بے عیب اور مسلم نائٹ تھا، مگر وہ خاموشی کے ساتھ

بروک کے باشندوں کے قتل عام کو دیکھتا رہا اور ولیم ولیمس کو وہ ایک عام رہن سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔

اڈورڈ کی طبیعت پر بادشاہت، جاگیرداری، اور قانون کا اثر کے نئے فرانسیسی خیال کا اثر کسی طرح ”سپسگری“ کے فرانسیسی تخیل سے کم نہیں پڑا تھا، قانون پیشہ طبقے کی ترقی ہر جگہ رواجی حقوق کو تحریری حقوق میں، وفا شعاری کو اطاعت میں، سرپرستی جیسے کمزور رشتوں کو معین تابعداری میں بدلتی جا رہی تھی۔ مگر یہ امر بالخصوص فرانسیسیوں یعنی سنٹ لیوس اور اس کے جانشینوں کے اثر سے ہوا کہ زہمی قانون کے شہنشاہی اصول زمانے کے طبعی میلان پر حاوی ہو گئے۔ جب قیصروں کی ”مقدس جلالت“ قانونی تاویلات سے جاگیردار بیرونوں کے کسی تاجدار کی طرف منتقل کردی جاتی تھی تو ہر طرح کے تعلقات باہمی میں فرق آجاتا تھا کوئی ماتحت اگر اپنے آقا کی خدمت ترک کر دیتا تو پہلے وہ ”سرکشی“ تھی مگر اب ”عداری“ ہو جاتی تھی اور اس کے بعد بھی اگر وہ مقاومت کرتا تو یہ امر خاص ”تقدس شاہی کے خلاف“ سمجھا جاتا تھا۔ اڈورڈ نے عدالت اور پارلیمنٹ میں جس قسم کی اصلاحات کیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کے قانونی خیالات میں صحیح اور کار آمد اجزا کو بخوبی پرکھ سکتا تھا، مگر قانون کی قطعیت سخت گیری اور تنگی حدود میں ضرور کوئی شے ایسی تھی

جو اس کے دل کے موافق تھی۔ وہ کبھی بالا راہہ نا انصافی نہیں کرتا تھا، مگر خود انصاف کرنے میں وہ اکثر سخت گیر ہو جاتا تھا، وہ قانونی حیلوں کو پسند کرتا اور قانون کے لفظ سے فائدہ اٹھانے پر بہت آمادہ رہتا تھا۔ شاہی کا جو اعلیٰ خیال اس نے سنٹ لیوس سے حاصل کیا تھا، وہ اس کے اس قانونی رجحان طبیعت سے مل کر اس عہد کے بدترین واقعات کا باعث ہوا۔ حقوق و آزادی اگر کسی فرمان یا کتاب میں مندرج نہ ہوں تو اڈورڈ انہیں ہرگز تسلیم نہیں کرتا تھا، اور خود اس کی شرافت طبعی اپنے تاج کے خیال عظمت کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاتی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ اسٹاپینڈ کیونکر اس قانونی معاملت سے سرتابی کر سکتا ہے جس کی رو سے اس کی قومی آزادی کا انحصار ان شرائط پر ہو گیا تھا جو اس کے تحت کے ایک دعویدار سے بزور حاصل کئے گئے تھے، اور نہ وہ خود اپنے بیرونوں کے ان محصولات سے (جنہیں ان کے آبا و اجداد ادا کرتے رہے تھے) انصار کو غداری کے سوا کچھ اور سمجھ سکتا تھا۔ اڈورڈ کی اسی متضاد طبائع میں اس کی غلط انجاری و معذرتی اور اس کی شرافت و رذالت کے اسی عجیب و غریب اتحاد میں ہمیں ان الزامات کی وجہ تلاش کرنا چاہئے جو اُس زمانے سے اس وقت تک سختی کے ساتھ اس پر

عائد کئے گئے ہیں +

اہل اسکاٹ لینڈ سے اڈورڈ کے تنازع کو اچھی طرح سمجھنے اسکاٹ لینڈ کے لئے یہیں ان تمام معانی سے قطع نظر کرنا چاہئے جو "اسکاٹ لینڈ" اور "اسکاٹ قوم" کے لفظوں سے اب ہم سمجھتے ہیں۔ چودھویں صدی کے شروع میں اہل اسکاٹ لینڈ کی سلطنت چار ضلعوں پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک کی قومیت، زبان (یا کم از کم اس خاص شعبہ) اور تاریخ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ ان میں سب سے اول لولینڈ (نشیب) کا ضلع تھا، یہ ضلع کسی وقت میں سیکسنی کہلاتا تھا، اور اب لوتھین اور مرس (علاقہ سرحدی) کے نام سے مشہور ہے، سرسری طور پر اسے فورٹھ اور ٹوڈ کی درمیانی سرزمین سمجھ لینا چاہئے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ انگریزوں کی فتح برطانیہ کے اختتام پر سلطنت نارٹھمبریا، ہمبر سے فورٹھ آف فورٹھ تک پھیلی ہوئی تھی، لولینڈز اسی سلطنت کا شمالی حصہ تھا، انگریزی فتح اور انگریزی آبادی یہاں بھی ویسی ہی مکمل تھی جیسی برطانیہ کے باقی حصے میں تھی، دریاؤں اور پہاڑیوں کے نام بیشک کلٹی زبان کے رہ گئے تھے مگر تمام ملک میں شہروں کے نام سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں اہل ٹیوٹن آباد تھے، لونگ اور ڈاڈنگ کے نام لونگسٹن اور ڈڈنگسٹن میں باقی ہیں، الفسٹن، والفسٹن، ڈفسٹن کے ناموں میں انگریزی الفن، ڈالفن اور ڈمنڈ کی یاد قائم ہے کہ

یہ لوگ ٹیوٹ اور ٹویڈ کے پار آباد ہوئے تھے، اس ناٹھبریا کی سرزمین کے شمال و مغرب میں مفتوحین کی سلطنتیں واقع تھیں۔ ڈربی شائر سے چوہیت تک بنجر و لدلوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا تھا، اس ”ویرانہ یا بیابان“ کے پار اہل برطانیہ نے کلائڈ اور ڈی کے درمیان دریا کنارے کی زمین کو اپنی جائے پناہ بنایا تھا۔ یہی حصہ قدیمی کبریا تھا، اس سلطنت کے خلاف ناٹھبریا کے حکمرانوں کی کوششیں برابر جاری ہیں اور چسٹر کی فتح نے اسے جنوب کی ویلز سلطنتوں سے جدا کر دیا۔ لیڈکا شائر، وسٹ مورلینڈ اور کبرلینڈ، آگرتھ ہی کے وقت میں مطیع ہو چکے تھے، اور سالوے اور کلاڈ کے درمیان کا غیر مفتوح حصہ بھی انگریزوں کا مطیع ہو گیا تھا اور بویدیں کبریا کا نام اس حصے پر محدود ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی کے اختتام پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کا غلبہ شمال کے رہنے والے کلٹی قبائل تک وسیع ہو جائے گا۔ کلاڈ اور فورٹھ سے شمال کے ضلع میں ابتداً زیادہ تر پکٹ آباد تھے، یہ لوگ خود اپنے کو کرڈتھنی کہتے تھے اور پکٹ ان کا لاطینی نام ہے۔ ان ہائلسٹرز (بالائی حصہ ملک کے باشندوں) کے لئے فورٹھ سے جنوب کا ملک ایک اجنبی ملک تھا، اور ان کے نامربوط وقائع میں صاف اندراجات موجود ہیں کہ ”پکٹ“ نے اپنی لوٹ مار میں ”سکسنی پر یورش کی“ مگر ناٹھبریا کے عروج کے زمانے میں وہ کم از کم سرحدوں پر

اس کے بادشاہوں کی کچھ نہ کچھ اطاعت قبول کرنے لگے تھے۔ اڈون نے ڈیونڈن پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، یہی قلعہ بعد کو اڈنبرا ہو گیا اور دریاے فورٹھ پر اس کا اثر پڑتا تھا اور اسی کے قریب ابرکارن میں ایک انگریزی مقتداے دین متین کیا گیا اور وہ پکٹ کا استقف کہلاتا تھا۔ ۶۸۲ اگفرتھمہ (جس کے تحت میں نارٹھمبریا کی قوت اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گئی تھی) اس غرض سے فورٹھ کے پار گیا کہ اس سیادت کے بجائے ان ضلعوں پر براہ راست اپنی حکومت قائم کر کے انگریزی فتوحات کا سلسلہ انجام کو پہنچا دے۔ اس کی فوج آگ لگاتی اور لوٹتی ہوئی دریا کے پار ہو گئی۔ اور گریمپنیز کی وادی سے ٹر کر نکلینسمیر کے میدان تک ۶۸۵ پہنچ گئی۔ یہاں شاہ بردوی، پکٹ کو کئے ہوئے ان کے انتظار میں موجود تھا۔ جنگ نہایت سخت ہوئی اور اس جنگ عظیم نے شمال کی تاریخ کا صفحہ الٹ دیا، تمام حملہ آور مارے گئے، خود اگفرتھمہ بھی مقتولوں میں تھا اور نارٹھمبریا کی قوت ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی۔ دوسری طرف اس فتح عظیم سے پکٹ کی سلطنت میں نئی جان پڑ گئی اور ما بعد کے سو برس میں مغرب، مشرق، جنوب میں اسے وسعت حاصل ہوتی رہی یہاں تک کہ فورٹھ اور کلائڈ کے شمال کے تمام ملک پر اس کا تسلط ہو گیا مگر پکٹ کی اس عظمت کے وقت مقدر میں تھا کہ پکٹ کا نام تک فنا

ہو جائے۔ صدیوں قبل انگریز برطانیہ کے جنوبی ساحل کو اسکٹلینڈ پریشان کر رہے تھے، اس زمانے میں اسکاٹ کا ایک قبیلہ (ملک اسکاٹ) جی ہوئی کشتیوں میں اینٹرم کی سیاہ چٹانوں سے چل کر جنوبی ارگائل کے پتھریلے ساحل پر وارد ہوا تھا اسکاٹ اس زمانے میں باشندگان آئرلینڈ کا نام تھا) یہاں ان لوگوں نے اسکٹلینڈ (ملک اسکاٹ) کے نام سے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر لی۔ یہ سلطنت لاک لین کے جنوب میں پہاڑوں اور غدیروں کے درمیان گمنامی کی حالت میں پڑی رہی کبھی وہ نارٹھمبریا کی سیادت قبول کر لیتی تھی، کبھی پکٹ کی یہاں تک کہ شاہان پکٹ کے صلبی سلسلے کے منقطع ہو جانے سے اسکٹلینڈ کا بادشاہ کنتھ میک الین (جو ان سے قریب ترین رشتہ رکھتا تھا) خالی تخت کا مالک ہو گیا اسکاٹ نسل کے یہ حکمران پچاس برس تک خود کو شاہان پکٹ ہی کہتے رہے، مگر دسویں صدی کے شروع ہوتے ہی پکٹ کا نام تک باقی نہ رہا، جس قبیلے نے مشترک تخت کے لئے اپنا سردار دیا تھا اسی نے مشترک ملک کے لئے اپنا نام بھی دیا اور وقائع نگاروں اور تاریخ نویسوں کے صفحات سے پکٹ لینڈ (ملک پکٹ) کا نام خارج ہو کر اس کے بجائے اسکٹلینڈ (ملک اسکاٹ) کا نام قائم ہو گیا۔

خود عوام میں اس تفسیر کے اثر پذیر ہونے کے لئے اور زیادہ زمانہ درکار ہوا اور ان بادشاہوں کے ساتھ قوم کا

حقیقی اتحاد ڈین کی لڑائیوں کے عام مصائب کی وجہ سے پیدا ہوا، برطانیہ کے جنوب کے مانند اس کے شمال میں بھی ڈین کے حلوں کے باعث سے سیاسی اتحاد پیدا ہو گیا تھا نہ صرف پکٹ اور اسکاٹ کامل طور پر ایک دوسرے میں مل گئے تھے بلکہ کبریٰ اور لولینڈ کے الحاق سے یہ بادشاہ اس تمام مملکت پر حکمراں ہو گئے تھے جسے اب ہم اسکاٹلینڈ کہتے ہیں۔ یہ اسحاق انگریز بادشاہوں کے نئے طرز عمل کی وجہ سے پیش آیا، شمالیوں کے ساتھ انگلستان کی مدتوں کی خاصیت کے بعد ان کا خیال یہ نہیں رہا تھا کہ فوراً کے پار کی سلطنت کو برباد کر دیں بلکہ اب وہ یہ چاہتے تھے کہ شمالیوں کے خلاف (جو اب تک کیتھنس اور آرکینز میں موجود تھے اور جن کے حلوں کے لئے اسکاٹلینڈ ایک قدرتی راستہ تھا) اس ملک کو سپر بنا دیں۔ معینا آرکینز اور کیتھنس کے ان شمالیوں کے مقابلے میں شاہان اسکاٹ بھی اپنے تخت کو صرف انگریزوں ہی کی مدد سے قائم رکھ سکتے تھے۔ غالباً ایک مشترک دشمن کی مشترک مخالفت ہی کی وجہ سے یہ ہوا کہ ماوراء فوراً کے اسکاٹ، نیز اسٹریٹھیلکلاڈ کے اہل ویلز نے قدروانی کی راہ سے انگریزی بادشاہ اڈورڈ اکبر کو اپنا ”باپ اور مالک“ بنانا پسند کیا، واقعات مابعد نے اس ”پسندیدگی“ کو جو کچھ بھی دزن دے دیا ہو مگر اس وقت تو اس کی اصلیت

اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی کہ مارٹھمبریا کے زمانہ عروج میں شمال کے قبائل پر جو ایک خیف سی انگریزی فوجیت قائم تھی وہ پھر تازہ ہو جائے، اور بالیقین اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں تھا کہ جانبین کو ایک دوسرے سے فوجی امداد کا حق حاصل ہو جائے، البتہ اس امداد کا پورا کرنا از خود معاہدے کے قوی تر فریق کے اختیار میں آگیا تھا اور جب خود معاہدہ فریق میں جنگ ہو پڑے تو اس قسم کا تعلق لازماً توٹ جاتا ہے۔ دراصل یہ تعلق کسی اعتبار سے زمانہ مابعد کے جاگیرداروں کی سی ماتحتی نہیں بلکہ ایک فوجی معاہدہ تھا، لیکن ان دونوں ملکوں کو باہم ملانیوالا رشتہ اگرچہ کمزور تھا، مگر اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کو ایک زیادہ قریبی رشتے نے بہت جلد اپنے انگریزی "حاکم اعلیٰ" سے مربوط کر دیا۔ اسٹریٹھلاند جس نے شکست مکٹنسمبر کے بعد انگریزوں کا جوا کندھے سے ڈال دیا تھا، اور بد کو اسکاٹ کی سیادت تسلیم کر لی تھی، اس نے اب خود مختاری حاصل کر لی تھی، مگر یہ خود مختاری محض عارضی ثابت ہوئی اور اس کے بعد ہی انگریزی بادشاہ اڈمنڈ نے اسے فتح کر لیا، اس نے یہ سرزمین میلکم شاہ اسکاٹلینڈ کو اس شرط سے دے دی تھی کہ وہ خشکی و تری دونوں میں اس کا "شریک کار" بن جائے۔ اس وقت سے یہ ملک اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کے سب سے بڑے لڑکے کی جاگیر ہو گیا۔ کچھ زمانے کے بعد ادگار یا کینوٹ

شاہ اسکاٹلینڈ
اسٹریٹھلاند کا
عطا ہونا۔

کے عہد میں تمام شمالی نارٹمبریا (جسے اب لوٹھین کہتے ہیں) شمالی نارٹمبریا کا عطا ہونا
 شاہان اسکاتلینڈ کو تفویض کر دی گئی، مگر اس امر کی تحقیق کرنا
 کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ یہ تفویض نظام جاگیر کے شرائط پر ہوئی
 تھی یا "سفرارش" کے ان کمزور شرائط پر جو فورٹھ سے جانب شمال
 کی اراضی کے لئے پہلے ہی سے موجود تھے۔ مگر شمال کی بہت بڑی
 انگریزی استعفیٰ یعنی سنٹ کتھرٹ کے دائرہ اثر کے جنوب کی
 طرف ہنٹلیٹ کی پہاڑیوں تک پہنچ جانے سے ظاہر ہوتا ہے
 کہ مفوضہ علاقہ کی سیاسی حالت میں نظام جاگیر کے اصول
 سے بہت زائد تغیر ہو گیا تھا +

ان تفویضات سے انگریز اور اسکاٹ باوشاہوں کے
 تعلق فیماں میں جو کچھ تغیر ہوا ہو، مگر اس قدر یقینی ہے کہ
 ان تفویضات سے انگلستان اور خود اپنے ملک کے ساتھ
 شاہان اسکاٹ کے تعلقات میں بہت نمایاں فرق پیدا ہو گیا
 تھا۔ لولینڈز کے حصول کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ بالآخر شاہان
 اسکاتلینڈ نے اپنے جنوبی ملک کے شہر ادنبرا کو اپنا مستقر
 بنا لیا اور یہاں جس انگریزی تمدن میں وہ گھرے ہوئے
 تھے اس کی وجہ سے دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نسلاً تو بیشک
 اسکاٹ رہے مگر عادات و اطوار میں بالکل انگریز ہو گئے۔
 بہت ہی جلد خود تاج انگلستان کے استحقاق کے لئے بھی
 اس طرح پر راہ کھل گئی کہ میکلم نے ادگار اٹھلنگ کی
 بہن مارگریٹ سے عقد کر لیا۔ انگلستان کے اندر ایک بہت بڑا

انگلستان
 اور شاہان
 اسکاتلینڈ

فریق ان کی اولاد کو قدیم شاہی نسل کا قائم مقام اور تخت کا
 حقدار سمجھتا تھا، ولیم کے شمال کو تباہ کر دینے سے یہ خطرہ
 اور بھی بڑھ گیا، کیونکہ نہ صرف انگریزوں کے نئے گروہ کے گروہ لوئینڈز
 میں جا کر آباد ہو گئے بلکہ اسکاٹلینڈ کا دربار شاہی بھی انگلستان
 کے پناہ گزین امرا سے بھر گیا، درحقیقت شاہان اسکاٹلینڈ کے
 دعاوی نے اس قدر خوفناک صورت اختیار کی کہ انگلستان
 کے نارمن بادشاہوں میں قابل ترین بادشاہ کو اسکاٹلینڈ کے
 متعلق اپنا طرز عمل بالکل بدلتا پڑا۔ فاتح اور ولیم احمد نے
 شاہان اسکاٹلینڈ کی دھکیوں کا جواب حملوں سے دیا جس کا
 خاتمہ بار بار چند روزہ تجدید اطاعت پر ہوتا رہا۔ مگر ہنری
 اول نے اسکاٹلینڈ کی مثلڈا کے ساتھ عقد کر کے نہ صرف
 ان کے پُر زور دعوؤں کو کمزور کر دیا بلکہ اس طرح پر
 ۱۱۰۰
 ہنری نے شاہان اسکاٹلینڈ کے سلسلے سے نارمن تخت کے
 تعلقات کو زیادہ قریب کر دیا۔ شاہ ڈیوڈ نے نہ صرف اپنے
 پیشروؤں کے خواب و خیال کو ترک کر کے اپنی بھانجی مثلڈا
 کے فریق کا سرگروہ بن کر اسٹفن سے مقابلہ کیا بلکہ ہنری
 کے برادر نسبتی ہونے کے اعتبار سے انگریزی دربار میں سب
 سے مقدم امیر بن گیا اور خود اپنی مملکت کے انتظام کو
 انگلستان کی مدد سے انگریزی طرز پر منضبط کرنیکی کوشش
 کی۔ جس طرح مارگریٹ کے عقد نے میلکم کو ایک کھلی
 سردار کے بجائے ایک انگریزی بادشاہ بنا دیا تھا، اسی طرح

ڈیوڈ
 ۱۱۵۳-۱۱۲

مثلاً کے عقد نے ڈیوڈ کو ایک نارمن امیر و ماتحت بادشاہ بنا دیا۔ اس کا دربار جنوب کے نارمن امرا سے بھر گیا تھا انہیں میں بیلیل اور بروس بھی تھے جو ازمنہ مابعد میں اسکاٹلینڈ کے اندر بڑے بڑے اہم کام انجام دینے والے تھے مگر اس نئے ملک میں ڈیوڈ ہی کے عہد میں پہلی بار انہیں جاگیریں ملی تھیں۔ انگریزی نمونہ پر ایک نظام جاگیر بھی ولینڈز میں جاری کیا گیا۔ شاہان اسکاٹلینڈ اور ان کے بیٹوں کو انگلستان میں امارت کے عطا کئے جانے سے دونوں ملکوں کے درمیان ایک اور تازہ تعلق پیدا ہو گیا، خواہ انہیں امارت کے لئے یا ولینڈ کے لئے یا تمام ملک کے لئے اظہار اطاعت وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا مگر انگریزی بیرونوں کی بغاوت کے دوران میں ولیم دی لائن (شیر) کے گرفتار ہو جانے سے ہنری ثانی کو خیال پیدا ہوا کہ انگریزی بادشاہ کے ساتھ اسکاٹلینڈ کا تعلق زیادہ تر مستحکم ہونا چاہئے۔ اپنی رہائی کے لئے ولیم اس امر پر رضی ہو گیا کہ ہنری اور اس کے وارثوں کے ماتحت بادشاہ کی حیثیت سے وہ اسکاٹلینڈ پر حکومت کرے، اس کے ساتھ ہی سلطنت اسکاٹلینڈ کے مقتدایان دین اور امرانے براہ راست ہنری کو اپنا آقا و مالک تسلیم کیا، اور اسکاٹلینڈ کے تمام معاملات میں انگریزی بادشاہ کی عدالت اعلیٰ میں مرنہ کا حق تسلیم کیا گیا، لیکن رچرڈ کے اسراف کی وجہ

سے اسکاتلینڈ نے بہت جلد اس قید و بند سے آزادی حاصل کر لی، رچرڈ نے اسے یہ اجازت دے دی کہ وہ اپنی ضبط شدہ آزادی کو دوبارہ خرید کرے۔ اور اس وقت سے قدیم حق کے مشکلات سے بچنے کے لئے قانونی مصاحبت کے پہلو نکلنے رہے، شاہان اسکاتلینڈ نے متواتر انگریزی بادشاہوں کی اطاعت کا اظہار کیا مگر اس اطاعت میں کچھ حقوق مستثنیٰ رہے اور نہایت دانشمندی سے انہیں غیر منضبط چھوڑ دیا گیا تھا۔ انگریزی بادشاہ اس اطاعت کو میں خیال کے ساتھ قبول کرتے تھے کہ وہ سلطنت کے مالک اعلیٰ تسلیم کئے جاتے ہیں اور دوسری جانب سے اس خیال کا نہ اقرار کیا جاتا تھا نہ انکار۔ اس طرح پر تقریباً سو برس تک دونوں ملکوں کے تعلقات صلح آمیز و دوستانہ رہے، اور معلوم ہوتا تھا کہ الگٹرنڈر سوم کی موت سے دونوں سلطنتوں میں زیادہ قریبی اتحاد پیدا ہو کر تعرضات کی ضرورت بھی باقی نہیں رہیگی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ الگٹرنڈر نے اپنی اکلوتی بیٹی کا عقد شاہ ناروے سے کر دیا تھا، اور ایک طولانی گفت و شنود کے بعد اسکاتلینڈ کی پارلیمنٹ نے الگٹرنڈر کی نواسی کا عقد اڈورڈ اول کے بیٹے سے کرنا منظور کیا تھا، مگر برہم کے معاہدہ عقد میں احتیاطاً یہ طے کر دیا گیا تھا کہ اسکاتلینڈ ایک جدا اور آزاد سلطنت رہے گا۔ اور اس کے

قوانین و رسوم بلا تغیر محفوظ رہیں گے، انگریزی بادشاہ کسی قسم کی فوجی امداد کا حقدار نہیں ہوگا۔ نہ اسکاٹلینڈ کا کوئی مراٹھ انگریزی عدالت میں جائیگا۔ مگر اسکاٹلینڈ کو آتے ہوئے اس لڑکی کا سمندر میں انتقال ہو گیا اور یہ تمام منصوبہ دفعتاً نقش بر آب ہو گیا۔ خالی شدہ تخت کے لئے یکے بعد دیگرے دعویداروں کے پیدا ہونے سے اڈورڈ کو سلطنت اسکاٹلینڈ کی طرف کچھ دوسرے ہی خیالات کے ساتھ متوجہ ہونا پڑا۔

تخت اسکاٹلینڈ کے تیرہ دعویداروں میں سے صرف فتح اول تین شخصوں کے دعوے قوی خیال کئے جا سکتے تھے۔ ۱۲۹۰-۱۲۹۶ ولیم (شیر) کے سلسلے کے منقطع ہو جانے سے جانشینی کا حق اس کے بھائی ڈیوڈ کی لڑکیوں کی طرف منتقل ہو گیا تھا، جان بیلیل (لارڈ کیلوے) کا دعوے ان میں سے سب سے بڑی لڑکی کی اولاد میں ہونے کی بنا پر تھا، رابرٹ بردس (لارڈ انڈیل) کا دعوے، دوسری لڑکی کے اور جان ہینگز (لارڈ ابرکیوٹی) کا دعوی تیسری لڑکی کی اولاد میں ہونے کے سبب تھا، اس نازک موقع پر شاہ ناروے، سنٹ ایندرود کے اسقف اعظم اور اسکاٹلینڈ کے سات امیروں Earls نے مارگریٹ کے انتقال کے قبل ہی اڈورڈ سے مداخلت کی التجا کی تھی۔ اور اس کے انتقال کے بعد مجلس تولیت اور دعویداران تخت

دونوں نے ملکہ جانشینی کو نارہیم کی ایک پارلیمنٹ میں اسی کے فیصلے پر چھوڑ دینا منظور کیا مگر اس مجلس مشورت کے افتتاح کے ساتھ ہی اڈورڈ نے جس قسم کی قطعی و حتمی سیادت کا دعویٰ کیا اہل اسکاتلینڈ کو اس کا خیال بھی نہیں تھا۔ اس کے دعوے کی تائید میں انگریزی خانقاہی وقائع کے اقتباسات پیش کئے گئے اور ایک انگریزی فوج نے آہستگی کے ساتھ بڑھنا شروع کر دیا۔ امرائے اسکاتلینڈ یکایک مشکل میں پھنس گئے، اور جو مہلت انہیں ملی اس سے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ ناچار انہوں نے اور تیرہ میں سے نو دعویداروں نے اڈورڈ کی براہ راست شاہی کو باضابطہ تسلیم کیا۔ امرا کو فی الحقیقت اس پستی منزلت کا اثر بہت محسوس نہ ہوا ہوگا، کیونکہ خاص خاص دعویداروں کے مانند وہ بھی زیادہ تر نارمن نسل کے تھے۔ دونوں ملکوں میں ان کی جاگیریں تھیں، اور انگریزی دربار سے انہیں اعزاز و وظائف کی توقع تھی۔ لیکن نارہیم کی پارلیمنٹ میں امرا کے ساتھ جو عام اراکین جمع ہوئے تھے وہ اڈورڈ کے دعوے کو تسلیم نہ کرا سکے۔ مگر اسکاتلینڈ میں ڈیوڈ نظام جاگیر کو رائج کر چکا تھا، اور اس وجہ سے عوام کا ابھی کچھ وزن نہیں تھا اس لئے ان کی مخالفت بے توجہی کے ساتھ نظر انداز کر دی گئی۔ اڈورڈ نے مالک اعلیٰ کے تمام حقوق فوراً ہی اختیار کر لئے۔ اس نے ملک پر اس طرح

قبضہ کر لیا جس طرح کسی متنازع فیہ جاگیر پر اس کا مالک اعلیٰ تہ تصفیہ قابض ہو جائے۔ سارے ملک میں اس کے اس کا حلف اٹھایا گیا، تمام قلعے اس کے حوالے کر دئے گئے۔ اور اساتذہ اور امرانے اپنے مالک اعلیٰ کی حیثیت سے براہ راست اس کی اطاعت کی قسم کھائی، اس طرح اسکاتلینڈ اسی انقیاد کی حالت میں آگیا جس کا تجربہ اسے ہنری دوم کے عہد میں ہو چکا تھا، مگر سخت کے مختلف دعووں کی بابت کامل بحث نے یہ ظاہر کر دیا کہ اڈورڈ نے اگرچہ اپنے یقین کردہ حق کو بتامہ حاصل کرنے میں تشدد سے کام لیا تھا مگر خود ملک کے ساتھ وہ انصاف کرنے کا خواہشمند تھا جن اشخاص کو اس نے دماوی تاج کی تحقیق کے لئے متعین کیا وہ زیادہ تر اسکاٹ ہی تھے۔ دعویداروں کے درمیان ملک کے تقسیم کر دینے کی تجویز اسکاتلینڈ کے قانون کے خلاف قرار دے کر مسترد کر دی گئی اور بالآخر بیلیل کے حق کو بہ حیثیت قائم مقام فریق اعلیٰ کے دوسرے پر ترجیح دی گئی۔

تمام قلعے فوراً اس نئے بادشاہ کے حوالہ کر دئے گئے۔ بیلیل نے اڈورڈ کی اطاعت اور سلطنت اسکاتلینڈ سے جن خدمات کا اسے (اڈورڈ کو) حق تھا ان کا کامل اعتراف کیا، ایک وقت تک اسن قائم رہا۔ فی الواقع اڈورڈ کی یہ خواہش نہیں معلوم ہوتی تھی کہ اپنا تسلط اور زیادہ کرے

اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اسکاٹ لینڈ ایک تابع سلطنت تھی تو بھی اس کی حیثیت تاج انگلستان کی ایک معمولی جاگیر کی سی نہیں ہو سکتی تھی، نظام جاگیر کے موافق ایک تابع بادشاہ اور اس کے شہنشاہ کے تعلقاً اور ایک بادشاہ اور اس کے عام ماتحت امرا کے تعلقات میں ہمیشہ امتیاز قائم رکھا گیا تھا، بیلین کے اظہارِ اطمینان کے بعد اڈورڈ نے برکھیم کے معاہدہ عقد کے موافق اسکاٹ لینڈ کے ساتھ ایک جاگیر کے روزانہ معاملات یعنی تولیت و عقد کے اختیارات سے اپنے قطع تعلق کا اعلان کر دیا تھا، مگر اسی قبیل کے سلطنت اسکاٹ لینڈ کے اور بھی بہت سے ناقابلِ بحث رواج تھے، مثلاً شاہ اسکاٹ لینڈ کبھی اس کا پابند نہیں کیا گیا کہ وہ انگریزی بیرونوں کی مجلس شوریٰ میں شریک ہو۔ انگریزی جنگ میں خدمات انجام دے، سلطنت اسکاٹ لینڈ کی طرف سے کوئی رقم انگلستان کو ادا کرے۔ ان حقوق کے متعلق کسی قسم کا اظہارِ اڈورڈ کی طرف سے نہیں ہوا تھا، مگر ایک زمانے تک ان پر عمل ہوتا رہا۔ معاملات عدالت میں خود مختار ہونے کا حق زیادہ تر مشکوک ہے کیونکہ دوسرے حقوق کی نسبت یہی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، یہ متیقن ہے کہ ولیم (شیر) کے وقت سے شاہ اسکاٹ لینڈ کی عدالت سے کوئی مراءفہ اس کے اس نئے حاکم اعلیٰ کی عدالت میں نہیں بھیجا گیا تھا اور معاہدہ عقد میں تو

عدالت اسکاتلینڈ کی آزادی صاف طور پر محفوظ رکھی گئی تھی، مگر جاگیروں کے آئین عدالت میں آخری مرافعہ کا حق ہی اقتدار شاہی کا معیار تھا۔ اڈورڈ نے اب اس حق کو عمل میں لانے کا عزم کیا بیلیل اولاً دب گیا، مگر بعد میں اس نے یہ عذر کیا کہ وہ اپنے بیرونوں اور رعایا کی ناراضگی کے باعث اس کی مخالفت پر مجبور ہے، اور اگرچہ ضابطہ کے لحاظ سے وہ دست منسٹر میں موجود تھا مگر بغیر اپنی مجلس شوریٰ کی صلاح کے ایک مرافعہ کے متعلق جواب دینے سے اس نے انکار کر دیا، فی الحقیقت اس کی نگاہ فرانس پر لگی ہوئی تھی، کیونکہ (جیسا کہ بعد کو معلوم ہوگا) فرانس اس وقت اڈورڈ کی کارروائیوں کو حاسدانہ نظر سے دیکھ رہا تھا، اور اسے جنگ پر مجبور کرنے کے لئے تیار تھا۔ اڈورڈ نے رواجی قانون کے خلاف دوسری کارروائی یہ کی کہ اسکاتلینڈ کے امرا کو اس بیرونی دشمن کے مقابلے میں اپنے ہمراہ رکاب چلنے کے لئے طلب کیا، مگر اس مطالبہ پر التفات نہیں کیا گیا، جب اڈورڈ نے دوبارہ حکم دیا تو ادا سے باضابطہ انکار کر دیا گیا اور اس کے بعد ہی فرانس سے خفیہ اتحاد ہو گیا، اور پوپ نے بیلیل کو ذماداری کے حلف سے جو اڈورڈ کے ساتھ اوس نے کیا تھا بری کر دیا۔

اڈورڈ اب بھی جنگ سے گریز کرتا تھا مگر جب

بیلین نے نیوکیس کی انگریزی پارلیمنٹ میں آنے سے انکار کر دیا، انگریزی فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ تباہ کر دیا گیا، اور اہل اسکاٹلینڈ نے کارلائل کا محاصرہ کر لیا، تو تصفیہ باہمی کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور فوراً ہی بروک پر بڑھنے کا حکم صادر ہو گیا، اس کے شہریوں کے طعن و طنز نے بادشاہ کو اور براہِ نیت کر دیا۔ مگر اس حصارِ چوبین کے توڑنے میں صرف ایک ناٹ کا نقصان ہوا اور تقریباً آٹھ ہزار باشندوں کی لاشوں کا پشتہ لگا دیا گیا، فلینڈرز کے چند تاجر مضبوطی کے ساتھ ٹاون ہال کو روکے ہوئے تھے، وہ اسی کے اندر زندہ جلا دئے گئے۔ یہ قتل عام اس وقت ختم ہوا جب تیسویں ایک جم غفیر نان مقدس لیکر بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور رحم کی درخواست کی۔ اس وقت اڈورڈ بے اختیار رونے لگا اور اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا، مگر شہر ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا، اور شمال کی یہ بڑی تجارت گاہ ایک معمولی بندرگاہ ہو کر رہ گئی۔ بروک میں اڈورڈ نے بیلین کی سرتابی کا حال سنا تو غور و تدبیر کے لہجہ میں چلا اٹھا کہ "اس بے وقوف نے یہ حرکت کی ہے۔ وہ ہمارے پاس نہیں آتا تو ہم خود اس کے پاس آتے ہیں"۔ لیکن یہ خوفناک قتل عام اپنا اثر دکھا چکا تھا، اڈورڈ کا کوچ ایک طرح کا شاندار جلوس ہو گیا تھا۔ اڈنبرا، اور پرتھ کے اپنے دروازے کھول دئے، بروک انگریزی فوج کے ساتھ

شریک ہو گیا اور بیلبل خود بھی مطیع ہو گیا اور بے جنگ و جدل وہ اپنے تخت سے انگریزی قید خانے میں پہنچ گیا۔ مگر اس مفتوح ملک کو اس سے زیادہ کوئی اور سزا نہیں دی گئی۔ اڈورڈ نے اس کے ساتھ محض ایک جاگیر کا سا معاملہ کیا اور بیلبل کی غلامی کے باعث حسب قانون اس جاگیر (ملک) کو ضبط کیا۔ ملک فی الواقع اپنے مالک اعلیٰ کے قبضے میں اب آ گیا اور ملک کے تمام اہل اور بیرن اور امرانے بروک کی پارلیمنٹ میں اڈورڈ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اطاعت کی قسم کھائی۔ وہ مستطیل مقدس پتھر جس پر زمانہ قدیم سے اسٹائلیڈ کے بادشاہوں کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوتی رہی ہے اور جس کی نسبت یہ انسان مشہور تھا کہ یعقوب کے پاس جب فرشتے آتے جاتے تھے اس وقت اس پتھر پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ اس پتھر کو اڈورڈ اسکون سے اٹھائے گیا اور وسٹ منسٹر میں تائب کے مزار کے پاس رکھ دیا۔ اڈورڈ کے حکم سے یہ پتھر ایک شاندار کرسی کے اندر رکھا گیا اور یہی کرسی اس وقت سے انگریزوں کا تخت شاہی ہو گئی +

خود بادشاہ کو یہ تمام کارروائی ایسی ہی معلوم ہوئی فتح دوم ہوگی گویا اس نے ویلز کو دوبارہ آسانی کے ساتھ فتح کر لیا ہے۔ اس کی پہلی کامیابی کے بعد جس قسم کے رحم اور انصاف کے ساتھ حکومت کا اظہار ہوا تھا ویسا ہی

اس دوسری کامیابی میں بھی ہوا، اس نئے ماتحت ملک کی حکومت ایک انگریزی مجلس تولیت کے صدر کی حیثیت سے وائرین (ایل سرے) کو تفویض کی گئی، جن لوگوں نے حملہ کو روکا تھا ان سب کو بلا تامل معافی دیدی گئی اور انتظام و امن عامہ کا حکم سختی کے ساتھ نافذ کیا گیا۔ مگر نئی حکومت کا انصاف اور عدم انصاف دونوں اس کیلئے ملک ثابت ہوئے، اسکاٹ لینڈ کے اوقات پر انگریزی قسیمیوں کے تقرر اور انگریزی بیرونوں کو سرحد پار جاگیریں عطا کئے جانے سے اہل اسکاٹ لینڈ کا غصہ پہلے ہی بھڑک اٹھا تھا، اب قانون کے نفاذ میں سختی اور آپس کے جھگڑوں اور مویشی چرانے کی روک تھام نے اس آگ کو اور بھی مشتعل کر دیا۔ شاہی خزانہ کی ناداری کی وجہ سے جو لوگ فوجوں سے برطرف کئے گئے انہوں نے باقیماندہ سپاہیوں کے ساتھ مل کر زیادتیاں شروع کر دیں اور اس طرح قومی منطوبیت کا احساس اور بھی بڑھ گیا، اپنے سرگرد ہوں کے اس ذلت کے ساتھ اطاعت قبول کر لینے سے عام لوگ خود آگے بڑھے۔ سو برس کے امن کے باوجود، ولینڈز کے کسان اور اس کے شہروں کے اہل حرفہ اب تک دستور سابق پر راسخ نار تھہریا والے انگریز تھے، وہ اڈورڈ کی سیادت پر کبھی رضامند نہیں ہوئے تھے، اور اجنبیوں کی اس شکرانہ حکومت کے

خلان ان کے خون میں جوش آگیا، ایک باغی ٹائٹ ویلمیس نے اپنی دور بینی سے یہ سمجھ لیا کہ بیجان قوم کی اسی دبی ہوئی آگ سے ملک کے خلاصی پانے کی امید ہو سکتی ہے، اور اس خیال کے ساتھ ہی اس نے انگریزی سپاہ کی دور افتادہ جماعتوں پر دلیرانہ یورشیں شروع کر دیں اور انجام کار تمام ملک کو بغاوت پر آمادہ کر دیا خود ویلس کے حالات زندگی اور اس کی طبیعت کے متعلق ہمیں بہت ہی کم بلکہ کچھ بھی علم نہیں ہے، اس کے دیوہیکل قد و قامت اور زور و قوت کے روایات بھی مشکوک اور غیر تاریخی ہیں، مگر ویلس کو اپنا قومی ہیرو انتخاب کرنے میں اسکاٹ قوم کی قوت امتیاز نے بہت ہی صحیح روش اختیار کی ہے، وہ پہلا شخص تھا جس نے قومی اور فطرتی حق کے طور پر آزادی کا دعویٰ کیا، اور امرا اور قیسیوں کے ناسید ہو جانے کی حالت میں خود قوم کو ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کیا، ویلس ستمبر ۱۲۹۷ء میں ایک فوج جمع کر کے شمال و جنوب کے راستہ میں بمقام اسٹرننگ انگریزی فوج کی آمد کے انتظار میں خیمہ زن ہو گیا، اس فوج میں زیادہ تر شمالیوں کے ساحلی اضلاع کے لوگ تھے، ان اضلاع میں اسی نسل کے لوگ آباد تھے جس نسل کے لوگ ولینڈز میں تھے اسکاٹ لینڈ کے اس سردار نے یہ کہہ کر کہ ہم صلح کرنیکے لئے

نہیں بلکہ اپنے ملک کو آزاد کرنے کے لئے آئے ہیں" جان
 جنگ اسٹرنک (وارین) کے تجاویز حقارت کے ساتھ مسترد کرا دئے اور
 فوراً ۱۶۹۰ء کے ایک موڑ پر پہاڑی کی بلندی پر اس نے
 کامل ہوشیاری کے ساتھ اپنا مورچہ تجویز کیا، دیا کو عبور
 کرنے کے لئے ایک ہی پل تھا اور وہ بس اتنا چوڑا
 تھا کہ اس پر دو سوار ایک ساتھ چل سکتے تھے۔ اور
 اگرچہ انگریزی فوج صبح سے گزر رہی تھی مگر دو پہر تک
 اس کا صرف آدھا لشکر پار اتر سکا تھا، کہ ویلس نے
 انہیں گھیر کر تھوڑی ہی دیر کے اندر اندر ان کے
 دوسرے ساقیوں کی نظروں کے سامنے انہیں کاٹ کر
 رکھ دیا۔ اہل سرے کے سرحد پار منہزم جانے سے ویلس
 اپنے آزاد کردہ ملک کا سردار ہو گیا، اور ایک وقت
 تک اس نے بہ حیثیت "محافظ ملک" بیلین کے نام
 سے حکومت کے کام انجام دئے۔ نارٹھمبر لینڈ پر ایک سخت
 غارتگرانہ ترکتازی کی ویلس نے جب قلعہ اسٹرنک کو
 مسخر کر لیا تو بالآخر ادورڈ کو بہ نفس نفیس میدان میں
 آنا پڑا، اس کوچ میں جس قدر فوج بادشاہی علم کے
 نیچے تھی اس کے قبل کبھی اتنی فوج اس کے ساتھ
 نہیں چلی تھی، ویلس مقابلے سے ہٹ گیا، مگر بادشاہ
 فریب سے اس پر یسٹیک جا پڑا اور فالکرک کے قریب
 اسے لڑنے پر مجبور کر دیا۔ اہل اسکالینڈ کی قریب قریب

تمام فوج پیادہ تھی، ویس نے اپنے نیزہ بازوں کو چار بڑے بڑے خالی حلقوں اور مربعوں میں ترتیب دیا، بیرونی صفیں گھٹنوں کے بل کھڑی تھیں اور اندرونی حلقے کے تیر انداز ان کی کمک پر تھے، سواروں کی مختصر جماعت عقب میں بہ حیثیت فوج محفوظ کے جمائی گئی تھی۔ یہ ترتیب واٹرلو کی سی ترتیب تھی، جنگ سنلیک کے بعد سے انگریزوں کی تاریخ میں ناقابل فتح برطانوی ”پیادہ سپاہ“ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کے سامنے سواروں کے رسالے مغلوب ہو جانے والے تھے۔ کچھ دیر کے لئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی کامیابی بھی واٹرلو کی سی کامیابی ہوگی، ”میں نے تمہارے لئے حلقہ تو بنا دیا ہے۔ بس اب ہو سکے تو کیل شروع کر دو۔“ ان پر لطف الفاظ میں اس محب وطن سردار نے گویا اپنی جان نخال کر رکھ دی تھی، اور اس کی قواعد دان صفوں نے اس کی درخواست کا بہت ہی خوب جواب دیا، اسقف ڈرہم انگریزی ہراول کا رہبر تھا وہ ان حلقہ بند صفوں کو دیکھ کر دانشمندی سے رک گیا مگر بے پروا ٹائٹ چلانے لگے کہ اسقف صاحب، آپ اپنے گرجا کو واپس جائے، لیکن بچیوں کی آہنی دیواروں سے ان سواروں کا ہکمرانا محض بیکار ثابت ہوا، انگریزی فوج پر خوف چھا گیا، اور اس کے معاونین کل کے کل میدان سے ہٹ گئے۔ مگر ویس کی سپہ سالاری کا بادشاہ نے جواب دیا،

اپنے تیر اندازوں کو سامنے کر کے اڈورڈ نے اہل اسکاتلینڈ کی صفوں میں رخنہ ڈال دیا اور اس کے بعد اس منززل صف پر اپنے سواروں کو طے کا حکم دیا۔ ایک آن واہ میں کام تمام ہو گیا، اور سوار ٹوٹی ہوئی صفوں کے اندر باہر دیوانہ وار دوڑتے پھرتے اور بے رحمی سے اپنے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ ہزاروں آدمیوں کا رن پڑا خود دیس محدودے چند رفیقوں کے ساتھ بہ شکل اپنی جان سلامت لیکر نکل گیا، اس شکست سے اگرچہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آزادی کی قوت نفا ہو گئی ہے، مگر فی الحقیقت دیس اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ اس نے اسکاتلینڈ میں جان ڈال دی تھی، اور فالکرک کی سی شکست سے بھی اسکاتلینڈ مفتوح نہ ہو سکا۔ اڈورڈ صرف اسی قدر زمین کا مالک تھا جس پر وہ کھڑا تھا، رسد کی کمی نے اسے مراجعت پر مجبور کر دیا اور دوسرے سال امرائے اسکاتلینڈ نے ایک مجلس تولیت قائم کر کے بروس اور کامن کے تحت یہ آزادی کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ اندرون ملک کے مشکلات اور بیرون ملک کے خطرات نے اڈورڈ کے ہاتھ باندھ دئے تھے ۱۳۰۰ بیرون کی جانب سے اپنے شکایات کے مرافعے اور جنگ کے گرانبار محصولات کی برطرفی کے لئے یوماً فیوماً دباؤ پڑتا جاتا تھا، فرانس کی طرف سے خطرہ بدستور موجود تھا، اور فرانس ۱۳۰۳ ہی کے اشارے سے پوپ بانیس ہشتم نے اسکاتلینڈ پر اپنے بڑے جاگیردار ہونیکا دعوتے پیش کر دیا، اس سے

بادشاہ کی تازہ پیش قدمی رک گئی۔ مگر حسن اتفاق سے فلپ لی بل اور پوپ کے درمیان ایک مناقشہ پیدا ہو گیا اور تمام مزاحمتیں رفع ہو جانے سے اڈورڈ کو موقع مل گیا کہ وہ بائیفیس کی پروا نہ کرے اور فرانس کو ایک ایسے معاہدے پر مجبور کر دے جس میں اسکاٹ لینڈ سے اس کو کچھ واسطہ نہ رہے۔ ~~اسکاٹ لینڈ~~ میں اس نے حملہ کی کارروائی ازسرنو شروع کی اور جب اس نے شمال کو کوچ کیا تو پھر امرانے ہتھیار ڈال دئے۔ کاہن نے سرکردگی مجلس تولیت کی حیثیت سے اس کی شاہی کا اعتراف کیا، اور اسٹرٹنگ کے قبضہ میں آجانے سے اسکاٹ لینڈ کی فتح مکمل ہو گئی۔ دونوں ملکوں کو نرمی و دانشمندی سے ایک کر دینے کے لئے اڈورڈ کے منصوبوں کے لئے یہ ظفریابی محض تمہید تھی، اس کارروائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تدبیر کیسا وسیع اور دور رس تھا، جن لوگوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا انہیں عام معافی دے دی گئی۔ ویلیس نے اڈورڈ کے رحم سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دیا، وہ گرفتار ہوا اور غداری، بے حرمتی، و قزاقی کے الزامات میں وِسٹ منسٹر میں اس پر موت کا حکم صادر ہو گیا، اس بڑے محب وطن کے سر پر مذاقاً برگ صنوبر کا ایک تاج رکھ کر اسے لندن کے پل پر آویزاں کر دیا گیا، لیکن ویلیس کے قتل کا اڈورڈ کے دامن رحم و کرم پر وصیبتا

رہ گیا، شاہانہ جرأت کے ساتھ اڈورڈ نے ملک کی حکومت امرائے اسکاٹلینڈ کی ایک مجلس کے سپرد کر دی، جن میں بہت سے ایسے تھے جنہیں جنگ میں معین ہونے کے باعث سے حال ہی میں معافی عطا ہوئی تھی اور اپنے ملک کی عام پارلیمنٹ میں اسکاٹلینڈ کے دس قائم مقاموں کو شریک کر کے اس نے گویا کراموں کی حکمت عملی پر تقدم حاصل کر لیا، ان قائم مقاموں کے انتخاب کے لئے مقام برتھ میں ایک جلسہ بنا کیا گیا، اس جلسے میں ایک وسیع انتظام عدالت کی ترتیب کی گئی، شاہ ڈیونڈ کے قوانین میں ترمیم کر کے انہیں کو جدید وضع قانون کی بنا ٹھہرایا گیا اور ملک کی عدالت کو چار اضلاع لوئین گیلوے ہائی لینڈ اور ملک مابین ہائی لینڈ و فورٹھ میں تقسیم کیا گیا، اور ان میں سے ہر ایک کے لئے دو جسیسیر مقرر کئے گئے جن میں سے ایک انگریز اور دوسرا اسکاٹ ہوتا تھا۔

جزو چہارم انگلستان کے شہر اور قصبے

لندن کی عام تاریخ کے لئے سلسلہ صحائف (رولز) میں لاجبر البس (Liber Albus) اور لاجبر کسٹومیبرم (Liber Custumarum) اس شہر کے

انقلابات کے لئے لائبریری اینگلس لیس (Liber de Antiquis Legibus)

تالیف مسٹر اسٹیلپن (برائے کیٹن سوسائٹی) اور ولیم لانگ بیرو کی شورش کے متعلق ولیم (ینورگ) کا قصہ دیکھنا چاہئے۔ مسٹراسن نے اپنے مضمون انگلستان کی تاریخ بلدی (۱۸۷۶ء) میں ریٹر اور اس کے ارل کے تعلقات کا مفید بیان کیا ہے۔ آرڈرکیشن کے مشترہ سلسلہ فرامین (Charter Rolls) بریڈی کی تصنیف "قصبات انگلشیہ" اور محض معاملات پارلیمنٹ پر اسٹفن اور میرودور کی ہسٹری آف بارز اینڈ کارپوریشنز (تاریخ قصبات و جماعات) (History of Boroughs and Corporations)

میں کاغذات و اسناد کا ایک بڑا ذخیرہ ملے گا۔ لیکن انگلستان کی قدیم بلدی تاریخ کے (کم از کم ایک پہلو) کے متعلق مکمل و عالمانہ بحث صرف ڈاکٹر برٹینو کے دیباچہ متضمن "آرڈیننسز آن انگلش گلدس (احکام متعلقہ جماعات تاجران انگلستان Ordinances of English

Gilds میں ملے گی جسے "جلس اشاعت کتب قدیم" نے شایع کیا ہے۔ قبل ازیں جن حالات کا نقشہ پیش نظر تھا، اور جن غیر ملکی فتوحات کے ظلم و خونریزی کا ذکر ہو رہا تھا ان سے گزر کر اب ہم انگلستان کی باامن زندگی اور اس کے دور ترقی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ان تین ادواروں کے زمانے میں انگلستان کے اندر دو طرح کے انقلاب ایسے ہوئے جن کے حالات مورخین نے تقریباً نظر انداز کر دئے ہیں مگر ان انقلابات نے چپکے چپکے انگریزی نظم معاشرت کی ساری ہیئت

ہل دی تھی۔ ان میں سے پہلا انقلاب مستاجر کاشتکاروں کے ایک طبقہ جدید کا پیدا ہونا تھا، اس کا ذکر ہم بعد میں کاشتکاروں کی اس شورش عظیم کے ضمن میں کریں گے جس میں واٹ ٹائلر کو نمود حاصل ہوئی، دوسرا انقلاب انگریزی شہروں اور قصبوں کے اندر اہل حرفت کی ترقی اور قدیم شہریوں سے کشمکش کے بعد ان کا قوت اور غلبہ حاصل کر لینا تھا، یہ انقلاب انگلستان کی قومی تاریخ کے اس عہد کا جس میں ہم اب داخل ہوئے ہیں سب سے زیادہ قابل ذکر واقعہ ہے۔

قدیم انگریزی قصبات
انگریزی قصبے اولاً محض قریے یا چند قریوں کا مجموعہ تھے ان کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہاں تجارت یا حفاظت باہمی کی غرض سے اور جگہ کی بہ نسبت لوگوں کی زیادہ گنجان آبادی ہوتی تھی۔ انگلستان کے قصبات کی یہی خصوصیت تھی جو بیک نظر انہیں اطالیہ اور پراونس کے ان شہروں سے ممتاز کرتی ہے جہاں گزشتہ رومی عہد کے بلدی تنظیمات قائم تھے، یہی خصوصیت انہیں جرمنی کے ان قصبات سے علیحدہ کرتی ہے جنہیں ہنری دی فاؤ (صیاد) نے خاص اسی غرض سے آباد کیا تھا کہ گرد و نواح کے جاگیرداروں کے ظلم و تعدی سے اہل حرفت کو محفوظ رکھے شمالی فرانہن کے شہروں سے ان میں یہ فرق تھا کہ فرانہن کے شہروں نے اپنے حدود کے جاگیرداروں کی زیادتیوں

ہنگ آکر سرکشی اختیار کی اور باشندوں نے کیوں کے نام سے اپنی ہیئتہ اجتماعی قائم کر لی۔ لیکن انگلستان میں روم کا اثر بالکل ہی نابود ہو چکا تھا اور جاگیرداروں کی زیادتیوں کو بادشاہوں نے بخوبی روک رکھا تھا۔ اس لئے ابتداً انگریزی قصبہ عموماً ملک کا محض ایک ٹکڑا ہوتا تھا اس کا نظم و نسق بالکل ویسا ہی ہوتا تھا جیسا اس کے قرب و جوار کے قریوں کا قصبہ سمولی گاؤں کی بہ نسبت غالباً زیادہ محفوظ جگہ تھی۔ اکثر اس کے گرد قریات کی جماعتی کے بجائے خندق یا پشتہ بنا ہوتا تھا مگر اس کا آئین حکومت بالکل وہی تھا جو ہر ایک جگہ کا تھا۔ اس کے اندر کے رہنے والوں کی ذمہ داریاں وہی تھیں جو آس پاس کے قریوں کے رہنے والوں کی تھیں یعنی وہ جماعتی یا خندق کی اچھی طرح مرمت کرتے رہیں۔ فوج میں ایک دستہ اور عدالت حلقہ اور عدالت ضلع میں ایک سرگروہ اور چار دیگر اشخاص کو بھیجیں۔ قصبے کی اندرونی حکومت گرد و نواح کے قریوں کے مانند خود اس کے آزاد اشخاص کے ہاتھ میں تھی جو "مجلس قصبہ" یا مجلس بندرگاہ میں جمع ہوتے تھے۔ مگر ڈین کی لڑائیوں اور اس قانونی ضرورت کی وجہ سے کہ ہر شخص کا ایک آقا کے تابع ہونا لازم ہے جو انقلاب معاشرت واقع ہوا اس کا اثر قصبات پر بھی ویسا ہی ہوا جیسا باقی تمام ملک پر پڑا تھا بعض قصبے

اپنے قرب و جوار کے بڑے بڑے امراءے دربار کے ہاتھوں میں چلے گئے اور زیادہ تر بادشاہ کی ملک خاص کے تحت میں آگئے۔ اس انقلاب کی نشانی ایک نیا عہدہ داری یعنی ”میر“ یا بادشاہ کا ناظم تھا، اب یہی ناظم تھیابے متنازع فیہ کو طلب کرتا اور فصل خصوصاً کرتا تھا، وہی شخص مالک قصبہ کے محاصل اور قصبہ کا سالانہ لگان وصول کرتا اور مالک کے جو حقوق خدمت اہل قصبہ پر ہیں اون کی نگرانی کرتا تھا، اس زمانہ کے لوگوں کو یہ خدمتیں حکومت محض کے مرادف معلوم ہوں گی مثلاً جب قصبہ لیٹر فٹاح کے ہاتھ سے نخل کر مختلف جاگیرداروں (ارلوں) کے قبضے میں آیا تو اس کے باشندوں کا یہ فرض قرار پایا کہ وہ اپنے مالک کے کھیت کاٹیں، اس کی چکی پیسیں اپنے آوارہ مویشی اسکے باڑے سے محصول دے کر چھڑائیں، گرد و نوح کا وسیع جنگل جاگیردار (ارل) کی ملک ہو گیا، اور یہ محض جاگیردار کی مرمت تھی کہ اس چھوٹے سے قصبے کے لوگ اپنے سور جنگل میں چھوڑ سکتے اور اپنے مویشی جنگل کی کھلی زمینوں پر چرا سکتے تھے۔ قصبہ کی عدالت و حکومت ہلک اس کے مالک کے ہاتھ میں تھی۔ وہی اس کے لئے گماشتہ مقرر کرتا، اپنے مستاجرین کے جرمانے اور ضبطیاں اور ان کے میلوں، اور بازاروں، اور راہداری کے محصول وصول کرتا تھا، مگر جب ایک بار یہ مطالبات ادا ہو جاتے اور

یہ خدمتیں انجام پاجائیں تو اہل قصبہ ہر طرح سے آزاد رہتے تھے۔ جس طرح از روئے رواج مالک کے حقوق متعین تھے اسی سختی کے ساتھ اہل قصبہ کے حقوق بھی متعین تھے۔ بیچہ گرفتاری سے ان کی ذات و جائداد دونوں محفوظ تھیں۔ وہ ہر قسم کے الزام کے لئے عدل و انصاف کا مطالبہ کر سکتے تھے اور انصاف اُن کا خواہ ان کے مالک کے ناظم ہی کے ہاتھ سے ہو، مگر وہ اہل قصبہ ہی کے سامنے اور انہیں کی منظوری سے عمل میں آتا تھا۔ قصبہ کے مینار سے جب گھنٹہ بجتا تو اہل قصبہ عام مجلس کے لئے جمع ہو جاتے تھے اور یہاں وہ اپنے معاملات میں آزادانہ بحث و تقریر کر سکتے تھے، ان کی مجلس ستجار اپنی ضیافت کے موقع پر تجارت کے انتظام کے لئے قوانین بناتی قصبہ پر جو نہیں واجب ہوتیں انہیں اہل قصبہ کے درمیان تقسیم کرتی۔ اور قصبہ کے دروازے اور دیوار کی ضروری مرمت پر نظر کرتی، فی الحقیقت یہ مجلس بہت کچھ وہی کام انجام دیتی جو اندونوں کی مجلس قصبہ انجام دیتی ہے۔ یہ حقوق نہ صرف رواجاً اول ہی سے محفوظ تھے بلکہ جس قدر زمانہ گزرتا جاتا تھا وہ برابر وسیع ہوتے جاتے تھے۔ جب کبھی ہمیں کسی انگریزی قصبہ کی اندرونی کیفیت نظر آجاتی ہے تو ہم ہر جگہ ایک ہی طرح سے پُر امن انقلاب اور ترقی دیکھتے ہیں۔ مثلاً خدمت گزار کی عدم تعمیل اور ترک کی وجہ سے غائب ہوتی جاتی تھی اور

اور نئے حقوق اور معافیان زر نقد کے عوض حاصل کی جاتی تھیں۔ قصبے کا مالک بادشاہ ہو یا کوئی بیرن، یا رئیس خانقاہ وہ سب عام طور پر مشرف اور تہدیت ہوتے تھے، کوئی امیر گرفتار ہو جاتا، کسی بادشاہ کو کوئی ہم پیش ہوتی یا کسی رئیس خانقاہ کو کوئی نیا گرجا بنانا ہوتا تو ان سب موقعوں پر کفایت شعار اہل قصبہ ہی سے روپیہ کی درخواست کی جاتی تھی، اور ایک ٹکڑے کاغذ کے عوض میں جس سے انہیں تجارت، عدالت، و حکومت کی آزادی ملتی ہو، وہ اپنے مالک کے خزانہ کو دوبارہ سمور کر دینے کے لئے آادہ رہتے تھے کہیں کوئی اتفاقیہ قصہ مل جاتا ہے تو اس سے آزادی کے اس طرح ترقی کرنے کی کچھ کچھ کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ لیٹر کے اہل قصبہ کی ایک خاص کوشش یہ تھی کہ مقدمات میں جوڑی کا قدیم انگریزی طریقہ دوبارہ جاری ہو جائے اس کی بجائے وہاں کے امیروں (ارلوں) نے غیر ملکی طریقہ ڈوئل (ایکیٹی) قائم کر دیا تھا۔ اس مقام کے ایک فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ایسا اتفاق پیش آیا کہ دو وارثانہ ٹکوس ولد ایکن اور جافری ولد ٹکوس میں کسی متنازعہ فیہ زمین کے متعلق جنگ ڈوئل ہوئی، وہ نو گھنٹے تک لڑتے رہے اور باری باری سے ایک دوسرے پر غالب آتے رہے پھر ان میں سے ایک شخص دوسرے سے دبتا ہوا ایک غار تک پہنچ گیا، وہ عین غار کے منہ پر کھڑا تھا اور قریباً

کہ اس میں گر پڑے کہ اس کے رشتہ دار نے اس سے کہا کہ ”غار سے ہٹ جاؤ ایسا نہ ہو کہ اس میں گر پڑو“ اس پر وہاں کے بیٹھنے والوں اور آس پاس کے لوگوں نے اتنا شور و غل مچایا کہ رئیس قصبہ نے بہت دور سے اپنے قلعے میں اس شور کو سنا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دو رشتہ دار کسی قطعہ زمین کے لئے لڑ رہے ہیں ایک ان میں سے بھاگتا ہوا کسی غار پر جا پہنچا اور جب وہ غار پر کھڑا تھا اور قریب تھا کہ اس میں گر پڑے تو دوسرے نے اسے متنبہ کر دیا۔ اس پر اہل قصبہ کو رحم آیا اور انہوں نے رئیس سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ اپنی اسٹریٹ کے ہر گھر پیچھے جس میں پچھتی ہو سالانہ تین پینی اس شرط سے دیں گے کہ چوبیس بیچ جو قدیم سے لیسٹر میں قائم ہیں وہ آئندہ ان کے آپس کے تمام تنازعات پر غور کر کے ان کا فیصلہ کر دیا کریں۔ انگلستان کے قصبات کی آزادی زیادہ تر اسی طرح محض زر نقد کے ذریعہ سے حاصل کی گئی لندن کے فرامین کے سوا قدیم ترین انگریزی فرامین اُس وقت کے ہیں جب ہنری اول کا خزانہ نارمن کی لڑائیوں میں خالی ہو گیا تھا اور آنجیوں نے اس کثرت سے جو شہروں اور قصبات کو آزادی عطا کی تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں اجرتی فوجوں کے مصارف کے لئے ہمیشہ روپے کی ضرورت رہتی تھی۔ بہر نوع تیرھویں صدی کے اختتام تک

آزادی کی یہ جدوجہد قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ بڑے بڑے
 قصبات نے اپنی قصبائی عدالتوں کے ذریعہ سے انصاف کا شیوع
 حکومت خود مختاری کے حقوق اور اپنی خاص تجارت کی
 نگرانی حاصل کر لی تھی اور ان کی آزادی اور فزاین میں ان
 چھوٹی چھوٹی جماعتوں کے لئے جو ابھی اپنی ہستی کے لئے جدوجہد
 کر رہی تھیں نمونے کا کام دیتے تھے۔ اور بہت بڑھاتے تھے
 اس بیرونی ترقی کے دوران ہی میں قصبات کی اندرونی
 حالت میں بھی ایک قسم کی نامعلوم و غیر محسوس ترقی ہو رہی
 تھی جس سے گرد و پیش کے مقابلہ میں قصبات کی حالت
 میں ایک خاص امتیاز پیدا ہو رہا تھا۔ قصبے کے قدیم حدود
 خندق یا حصار چوبین کے اندر اور باہر دونوں جگہ ابتدا سے
 آزادی کا معیار قبضہ اراضی تھا اور اسی قبضہ کی وجہ سے
 اہل قصبہ ہونے کا حق حاصل ہوتا تھا۔ غالباً ایک غیر ملکی
 شال انگلستان کی تاریخ بلدان کے اس اہم بحث کی تشریح
 کے لئے زیادہ مناسب ہوگی برٹولڈ (ڈیوک فریبرگ) نے
 فریبرگ (قصبہ آزاد) کے قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے
 اس کا طور یہ قرار دیا کہ تاجروں کے ایک گروہ کو جمع
 کیا اور اس نئے مقام کے تجویز شدہ بازار کے قریب ان
 میں سے ہر شخص کو زمین کے ایک ٹکڑے پر مالکانہ قبضہ
 عطا کیا۔ انگلستان میں قصبے میں کسی شخص کو جو قصبے کے
 اندر رہتا ہو اور اس کے پاس زمین نہ ہو قصبے کی اجتماعی

فرقہ گلد
(مجلس امن)

ہیئت میں کوئی دخل نہ تھا، حکومت اور ملک کے اغراض کے لئے قصبے کا مفہوم محض اس کے اندر رہنے والے مالکان ارضی کی جماعت تھی۔ قدیم حالات کے لحاظ سے اس میں کوئی خصوصیت یا نئی بات نہیں تھی۔ انگلستان کے قصبے کا نظام حکومت بعد کو خواہ کتنا ہی بدل گیا ہو مگر اولاً اس کا نظام حکومت وہی تھا جو عام ملک کا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جرمن نسلوں میں سوسائٹی کی بنا خاندان پر ہوتی تھی، خاندان ہی ایک دوسرے کے ساتھ ہو کر لڑتے اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو آباد ہوتے تھے، دوسری بنا قبیلہ تھا اور اس کے ارکان اپنے باہمی روابط کی وجہ سے ایک دوسرے کے افعال کے قانوناً جوابدہ ہوتے تھے جب نظم معاشرت کی پیچیدگیاں بڑھ گئیں اور اس کا جمود کم ہو گیا تو لازماً اس معمولی خاندانی بندشوں سے وہ باہر نکل گئی اور بظاہر انگلستان میں یہ خاندانی بندش اس وقت ٹوٹی جب ڈین کے حلوں اور امرا میں نظام جاگیر کی ترقی نے آزاد اشخاص کے لئے تنہا رہنا بہت ہی خطرناک کر دیا تھا، اس صورت میں آزاد اشخاص کے لئے صرف ایک ہی چارہ کار تھا کہ اپنے ہی مثل کے دوسرے آزاد اشخاص کے ساتھ مل کر پناہ لیں اور قبیلے کی قدیم برادری کے بجائے اپنے ہمسایوں کے خاطر خواہ اجتماع سے اپنے لئے امن و حفاظت کا بندوبست کریں۔ اس قسم کی

’نچلس امن‘ میں متحد ہونے کا میلان نویں اور دسویں صدی کے اندر تمام یورپ میں عام ہو گیا تھا، مگر بر اعظم میں ان ’نچلس امن‘ کے ساتھ سختی برتی گئی اور دبا دیا گیا۔ چارلس اعظم کے جانشینوں نے اس قسم کے متحدانہ اجتماع کے خلاف کوڑے مارنے، ناک کاٹنے، اور ملک بدر کرنے کی سزائیں جاری کی تھیں، شمالیوں کی یورشوں کے روکنے کو گال کے غریب کسانوں کے ایک معمولی اتحاد کو فرینک امرانے ’تلواروں سے فنا کیا۔ مگر انگلستان کے بادشاہوں کا انداز اس معاملے میں بالکل دوسرا تھا، وہ طریقہ جو زمانہ مابعد میں معاہدہ آزادانہ کملا یا اور جس کا منشا یہ تھا کہ ایک ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایے کی حفاظت کے لئے اپنی خوشی سے معاہدہ کرے، ’ڈین کی جنگوں کے بعد یہی طریقہ نظام معاشرت کی بنیاد قرار پا گیا۔ الفرڈ نے مجلس امن‘ کی مشترک ذمہ داری کو قبیلے کی ذمہ داری کے پہلو بہ پہلو تسلیم کیا، اور انگلستان نے احکام لندن میں ’نچلس امن‘ کو قصبہ کی معاشرت کا جزو لازمی قرار دیا۔ غرض قدیم انگریزی قصبات کی ’نچلس امن‘ بالکل انہیں ’نچلس امن‘ کے مثل تھیں جو زیادہ تر ملک کے نظام معاشرت کی بنیاد کا باعث ہوئیں۔ اب انہیں اتحاد و قفاداری کے لئے رشتہ قرابت کی شرط نہ تھی بلکہ بجائے اس کے قفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا تھا اور پہلے

عزیز و اقارب خاندان کے آتشخان کے گرد جمع ہوتے تھے اب بجائے اس کے قصبہ یا شہر کے ایوان عام میں ہر مہینے جمع ہوتے اور دعوتیں کھاتے تھے۔ اس نئے خاندان کے حدود کے اندر "مجلس امن" کی کوششیں یہی تھیں کہ جہاں تک ہو سکے مثل قدیم کے باہمی ذمہ داری کا قریبی تعلق پیدا کیا جائے۔ اس کا قانون کہتا تھا کہ "سب کی ایک سی حالت ہونا چاہئے" اس کا ہر رکن اپنے شرکائے مجلس سے اپنی اتفاقیہ نغزش کے مدارک کی توقع کر سکتا تھا۔ ظلم و زیادتی کی حالت میں وہ انہیں مدد کے لئے بلا سکتا تھا، اگر اس پر غلط الزام لگایا جاتا تو وہ لوگ عدالت میں اس کے گواہ صفائی کی حیثیت سے حاضر ہوتے تھے۔ اگر وہ غریب ہوتا تو دوسرے لوگ اس کی امداد کرتے تھے۔ اور جب وہ مرتا تو یہی لوگ اسے دفن کرتے تھے۔ دوسری جانب اطاعت قانون اور قیام امن کے لئے جس طرح وہ لوگ مجموعہ سلطنت کے ذمہ دار تھے، اسی طرح ان کا ہر فرد دوسرے لوگوں کا ذمہ دار تھا، ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر زیادتی کرنا مجلس کی عام جماعت پر زیادتی سمجھی جاتی اور اس کے لئے جرم کی سزا دی جاتی تھی۔ آخری چارہ کار اخراج تھا جس سے مجرم حقوق قانون سے محروم اور گروہ سے خارج ہو جاتا تھا۔ قصبہ و دیہات کی ان مجالس کے درمیان ایک فرق یہ تھا کہ قصبے میں قریبی ہمسائیگی کی وجہ سے ان میں لازماً

ایک ساتھ ترقی کرنے کا میلان پیدا ہو گیا تھا۔ اتھلسٹن کے زمانے میں لندن کی عام مجالس اپنے مشترک اغراض کو زیادہ قوت کے ساتھ چلانے کی غرض سے باہم متحد ہو کر ایک ہو گئی تھیں۔ اور بعد کے زمانے میں بروک کی مجالس کی یہ تجویز ملتی ہے کہ ”جہاں ایک ہی مقام میں پہلو بہ پہلو متعدد جماعتیں ہوں تو وہ سب مل کر ایک ہو سکتی اور اپنی ایک غرض قائم کر سکتی اور ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں قوی اور دلی محبت پیدا کر سکتی ہیں“ مگر یہ ظن غالب یہ کارروائی دیر طلب اور مشکل تھی، کیونکہ یہ برادریاں رسم و رواج مشرق میں لازماً ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں، اور اتحاد کے عمل میں آجانے کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ متمول اور امیرانہ مجالس ایک حد تک اپنی جداگانہ ہستی کو قائم کئے ہوئے تھیں۔ مثلاً لندن میں ایک مجلس ٹن تھی جو دیگر مجالس پر غالب معلوم ہوتی ہے، اس نے ایک مدت تک اپنی جداگانہ ملکیت قائم رکھی اور اس کا آلڈرن (صدر) تمام شہر کی مجلس اتحاد کا صدر ہو گیا، اسی طرح کینٹسبری میں امرے شاہی کی ایک مجلس تھی اور شہر کے بڑے بڑے عمدہ دار بالعموم اسی مجلس میں سے منتخب ہوتے تھے۔ لیکن یہ اتحاد کیسا ہی غیر مکمل کیوں نہ ہو جب ایک بار عمل میں آجاتا تو قصبہ محض برادریوں کے مجموعہ سے گزر کر ایک طاقت ور اور منظم جماعت بن جاتا تھا۔

مگر ہرجاعت کی خصوصیت اس کے مخصوص ابتدائی حالات سے قائم ہوتی تھی۔ انگلستان کے قصبات اولاً زیادہ تر زراعت پیشہ لوگوں کے اجتماع سے بنے تھے۔ لندن کے ابتدائی احکام میں تخصیص کے ساتھ اہل شہر کے مویشیوں کی واپسی کیلئے قانون بنایا گیا تھا، مگر ملک کے ترقی پذیر امن کا اقتضایہ تھا کہ صاحب زراعت یا چھوٹے چھوٹے زمیندار قصبوں سے الگ خود اپنے کھیتوں میں رہنے لگیں۔ مختلف طبقات اور تجارت کی ترقی نے خود قصبات پر بھی اثر ڈالا اور قصبے اور دیہات کا فرق زیادہ قطعی طور پر نمایاں ہونے لگا۔ مدینت کے اس نئے ارتقا میں لندن نے بنظر حالات وقت سب کی رہبری کی، اٹھاسٹین کے سے قدیم زمانے میں بھی لندن کا ہر ایک سوداگر جس نے اپنے طور پر تین بڑے بڑے بحری سفر کئے ہوں " امرائے دربار کے درجے میں شمار ہونے لگتا تھا، شہر کی "مجلس جنازراں" نے ہارتھا کینوٹ کے زمانے میں اتنی اہمیت حاصل کر لی تھی کہ بادشاہ کے انتخاب میں شریک ہو سکتی تھی اور اس کی خاص سڑک چپ سائڈ (جائے کاروبار) کے نام سے اس کی روز افزوں ترقی کو اب تک ظاہر کرتی ہے۔ لیکن فتح نارمن کے وقت تک تجارتی میلان عام ہو چکا تھا، متحدہ برادری کا نام اب تقریباً ہر جگہ "مجلس تجارت رکھا جانے لگا۔"

گرافٹ گلڈ اہل قصبہ کی حالت میں اس ترقی معاشرے نے ان (مجلس فرت) کے بلدی انتظامات پر بھی بہت اثر ڈالا "مجلس تجار" میں تبدیلی ہو جانے سے باشندوں کی اس جماعت نے جس سے قصبہ مراد ہوتا تھا اپنے قانون سازی کے اختیار کو اندرونی تجارت کی نگرانی پر بھی وسیع کر دیا تھا۔ ان کا خاص کام یہ ہو گیا کہ وہ بادشاہ سے یا اپنے دوسرے مالکوں سے زیادہ تر تاجرانہ رعایتیں سکھ سازی کے حقوق، بازاروں کے اجرا اور محصول راہداری سے آزادی کے پروانے حاصل کریں۔ اور خود اندرون شہر کے لئے وہ اشیا کی فروخت اور شناخت اور بازاروں کی نگرانی، اور قرضوں کے وصول کرنے کے لئے قواعد مرتب کریں۔ دولت و حرفت کی ترقی سے جب آبادی میں زیادتی ہوئی تو اس سے اور ایک اہم نتیجہ طور پذیر ہوا، نئے آباد ہونے والوں کا زیادہ حصہ چونکہ بھاگے ہوئے نیم غلاموں، غیر اراضی دار تاجروں اور بالعموم اہل حرفہ اور غریبوں اور اُن لوگوں پر مشتمل تھا جو اپنی خاندانی زمینوں کو کھو بیٹھے تھے اس لئے اپنے قصبہ کے انتظامی کاموں میں انہیں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ تجارت اور انتظام تجارت کا حق بہ شمول دیگر اختیارات ان زمینداروں کے ہاتھوں میں تھا جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں نیز "مجلس تجار" کے ارکان کی زیادتی متول کے باعث ان میں اور ان کے گرد کے بے سروسامان

عوام میں از خود ایک تازہ تفریق پیدا ہو گئی تھی، جس تئیر نے فلورنس میں سات بڑی تجارتوں کو چودہ چھوٹی تجارتوں سے جدا کر دیا تھا اور جس نے ساہوکاری، پارچہ بانی اور صبغی کو ان سات مخصوص پیشوں کے اندر بھی فوقیت دے دی تھی، اسی تئیر نے ایک حد تک انگریزی قصابات پر بھی اثر کیا، "مجلس تجارت" کے ارکان نے رفتہ رفتہ اپنی توجہ تجارت کے ان بڑے کاموں کی طرف منعطف کر دی جن میں زیادہ سرمایہ کی ضرورت تھی، اور معمولی سوداگری کا کم حیثیت کام اپنے غریب تر ہمسایوں کے لئے چھوڑ دیا۔ تقسیم محنت کی یہ ترقی تیرھویں صدی میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ بزاز، خیاط سے اور دباغ، قصاب سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ یہ تفریق اپنے نتیجہ کے لحاظ سے انگریزی قصابات کے نظام حکومت کے لئے نہایت ہی اہم ثابت ہوئی۔ جن تجارت پیشہ لوگوں کو زیادہ معمول اہل قصابات نے اپنے حلقہ سے خارج رکھا تھا انہوں نے باہم شریک ہو کر اہل حرفہ کی مجلسیں الگ بنالیں، اور یہ مجلسیں بہت جلد شہر کی قدیم "مجلس تجارت" کی خطرناک رقب بن گئیں۔ کسی تجارتی مجلس کی کامل رکنیت کے قبل سات برس کی ملازمت کی شرط لازمی تھی، ان کے ضوابط نہایت درجہ جزیات کے درپے رہتے تھے۔ کام کی نوعیت و حیثیت سختی کے ساتھ متعین تھی، کام کا وقت دن نکلنے سے شام کی گھنٹی بجنے تک مقرر تھا، اور کام

میں مقابلے کے خلاف سخت قاعدہ معین تھے۔ ان مجلسوں کے ہر جلسے میں اس کے اراکین "صندوقِ حرمت" کے گرد جمع ہوتے جس میں ان کی جماعت کے قواعد رکھے رہتے تھے۔ اور جب وہ صندوق کھولا جاتا تھا تو سب لوگ تنظیماً ٹوپی اتار کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ محافظ صندوق اور برادرانِ مجلس کی ایک معینہ تعداد کی ایک کارکن جماعت ہوتی تھی جو مجلس کے احکام نافذ کرتی، اپنے ارکان کے تمام کاموں کا معائنہ کرتی، نا جائز اوزار اور ناقص سامان کو ضبط کر لیتی تھی، عدول حکمی کی صورت میں جرمات کی سزا دی جاتی اور آخری چارہ کار اخراج تھا جس سے حق تجارت ہی جاتا رہتا تھا۔ اراکین کے چند دن سے ایک عام سرمایہ جمع کیا جاتا تھا، جس سے نہ صرف مجلس کے تجارتی اغراض سرانجام پاتے تھے، بلکہ یہ سرمایہ مساز پڑھانے والوں اور دعا کرنے والوں کے وظائف اور سرپرستی کے گرجے میں منقش گھڑیاں لگانے کے لئے بھی کافی ہوتا تھا، اس وقت بھی مجالس اہل حرفہ کے طفرے مقتدیانِ دین اور بادشاہوں کے طفروں کے پہلو بہ پہلو درخشاں نظر آتے ہیں۔ مگر یہ مجلسیں اس بلند رتبے پر بہت ہی آہستگی کے ساتھ مدارج مختلفہ کو طے کرتی ہوئی پہنچی تھیں، ان کی ہستی کے ابتدائی مراحل نہایت ہی دشوار تھے، کیونکہ کسی مجلس تجارت کے لئے کامیابی کے ساتھ

اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لئے مقدم ضرورت یہ تھی کہ تمام اہل حرفہ جن کا اس تجارت سے تعلق ہو اس میں شرکت کے لئے مجبور کئے جا سکیں اور دوسرے یہ کہ خود اس تجارت پر ایک حد تک قانونی نگرانی اسے حاصل ہو ان اغراض کے لئے شاہی فرمان کا ہونا لابد تھا اور انہیں فرامین کے حصول کے متعلق مجلسِ تجارت سے ان کی پہلی کشمکش شروع ہوئی، کیونکہ اس وقت تک ”مجلسِ تجارت“ ہی قصبات کے اندر ہر قسم کی تجارت کی بلا شرکت غیرے مالک و مختار تھی۔ ان مجالسِ تجارت میں جولاہوں کی مجلس نے سب سے پہلے ہنری اول کے عہد میں اپنے قیام کے لئے شاہی منظوری حاصل کی تھی لیکن وہ اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے جان کے عہد تک ”مجلسِ تجارت“ سے جدوجہد کرتی رہی تا آنکہ اہل لندن نے روپیہ دے کر جولاہوں کی مجلس کے توڑ دینے کی منظوری حاصل کر لی اور ایک زمانے کے لئے یہ مجلس ٹوٹ گئی۔ یہاں تک کہ خاندان لیکسٹر کے وقت میں ہم دیکھتے ہیں کہ شہر اکثر میں درزی اپنی ایک جماعت قائم کرنا چاہتے تھے مگر نہیں ہونے پائی۔ تاہم گیارھویں صدی سے یہ جماعتیں برابر بڑھتی گئیں اور تجارت کی نگرانی مجالسِ تجارت سے نکل کر ”مجالسِ حرفت“ کے قبضے میں آگئی۔

اس زمانے میں ”عوام“ یعنی قصبہ کے عام باشندوں کو عام و خاص جماعتیں

اور "خاص" یعنی چند سربرآوردہ اور قابو یافتہ اشخاص کے درمیان تجارت کے متعلق کشمکش جاری تھی مگر جب تجارت کے نظم و نسق سے گزر کر قصبے کی عام حکومت میں اس کشمکش کا اثر پڑنے لگا تو صورت معاملات بالکل دگرگوں ہو گئی اور اس سے تیرہویں اور چودھویں صدی کا عظیم الشان انقلاب تمدن ظہور پذیر ہوا۔ بڑا عظم میں اور خاص کر رائن کے کناروں پر قدیم اہل قصبہ کا غلبہ جیسا کامل تھا، کشمکش بھی ویسی ہی سخت ہوئی۔ کان میں اہل حرفہ بالکل ہی غلامی کی حالت کو پہنچ گئے تھے اور برہسلز کے سوداگر جب چاہیں ہر ایک بے حیثیت و بزدل منت پیشہ شخص کو بے آبرو کر سکتے تھے۔ ایک طبقے کی دوسرے طبقے پر اس طرح کے تمدنی جور و ستم کی وجہ سے جرمنی کے قصبوں میں ایک صدی تک خونریزی کا بازار گرم رہا۔ مگر انگلستان میں اس قسم کے جور و ستم کو قانون کے اثر عام نے روک دیا تھا، اور بیشتر یہ انقلاب بہت آسانی سے گزر گیا۔ حسب توقع سب سے طویل اور سب سے سخت مناقشہ لندن میں پیش آیا۔ کسی دوسری جگہ زمیندارانہ نظام حکومت نے ایسی مضبوط جڑ نہیں پکڑی تھی اور نہ کسی دوسری جگہ اراضی دار حکمران طبقہ نے دولت و اثر میں یہ وقعت و منزلت حاصل کی تھی۔ شہر مختلف حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر طبقہ ایک الڈرین (صدر) کے تحت حکومت میں ہوتا تھا اور یہ الڈرین حکمران جماعت

سے مقرر کیا جاتا تھا، بعض حلقوں میں تو فی الحقیقت یہ عہدہ
 موروثی سا ہو گیا تھا۔ مجلسِ تجار کے ”اکابر“ یا ”میرن“ ہی
 بلدی حکومت کے معاملات کے متعلق صلاح دے سکتے تھے اور وہی
 اپنی مرضی سے شہر کی آمدنی اور اس کے بار کو تقسیم یا
 تشخیص کرتے تھے۔ اسی صورت میں معاملات نے نہایت ہی
 تکلیف دہ قسم کی خرابیوں اور زیادتیوں کا راستہ کھول دیا اور
 معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں پر نامناسب تشخیص اور غیر ذمہ
 طبقات پر ناواقف بار ڈالنے سے جو اثر پڑا وہی اول اول
 سخت بددلی کا باعث ہوا۔ ولیم (دنی لانگ بیروڈ - درازیش)
 جو خود حکمران جماعت میں سے تھا ایک سازش کا سرغنہ بن گیا جسے
 خوف زدہ حکمرانوں نے اپنے وہم میں پچاس ہزار اہل حرفہ کی
 سازش سمجھی اس قدر ضرور تھا کہ ولیم کی ملامت لسانی اور
 مجلسِ شہر میں اکابر سے دلیرانہ مقابلہ کے باعث اسے نہایت ہردلعزیزی
 حاصل ہو گئی تھی اور اس کے گرد و کا جمع اسے ”غریبوں کا نجات دہندہ“
 کہہ کر پکارتا تھا۔ ہماری خوش قسمتی سے اس کی ایک تقریر ایک سننے والے کے ذریعہ سے محفوظ
 رہ گئی ہے۔ ازمنہ وسطی کی طرز کے موافق اس نے اول لاطینی میں
 ”کتاب مقدس“ کی یہ عبارت پڑھی کہ ”نجات دہندہ کے چشمے سے تم
 خوشی کے ساتھ پانی نکالو گے۔“ پھر اپنی تقریر شروع کی کہ ”میں
 غریبوں کا نجات دہندہ ہوں۔ اے امرا کے ستائے ہوئے غریبو! تم میرے چشمے سے خوشی کے ساتھ

صحت بخش تعلیم کا پانی حاصل کرو، کیونکہ تمہیں عوض ملنے کا وقت قریب آگیا ہے، میں پانی کو پانی سے جدا کر دوں گا۔ انسان ہی یہ پانی ہے اور میں مسکین اور دین دار جماعت کو مغرور اور بے دین جماعت سے علیحدہ کر دوں گا، میں مقبول کو مردود سے اس طرح علیحدہ کر دوں گا جیسے روشنی تاریکی سے علیحدہ ہوتی ہے۔“ مگر بادشاہ سے درخواستیں کر کے مقصد عامہ کے لئے شاہی غلیت حاصل کرنے میں اس کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ فلپ شاہ فرانس کی کثیر المصارف لڑائیوں کے واسطے رچرڈ کو متمول طبقات کی اعانت از بس ضروری تھی اور نائب السلطنت (یعنی اسقف اعظم ہیوبرٹ) نے ایک لمحہ کے پس و پیش کے بعد اس کی گرفتاری کے احکام جاری کر دئے پہلا سپاہی جو اسے پکڑنے کے لئے بڑھا اسے ولیم نے تیر سے مار کر گرا دیا۔ اور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ سنٹ میری لی کے برج میں پناہ گزیں ہو کر اپنے طرف داروں کو بغاوت کرنے پر ابھارتا رہا۔ لیکن ہیوبرٹ نے پہلے ہی شہر کو فوجوں سے بھر دیا تھا، اور اس مقدس جگہ کا کچھ پاس و لٹا نہ کیا اور بڑی دلیری اور نفرت کے ساتھ اس نے برج میں آگ لگا دی، جس سے ولیم مجبور ہو گیا اور اس نے اپنے تئیں حوالہ کر دیا۔ ایک شہری نے (جس کے باپ کو اس نے مار ڈالا تھا) باہر نکلتے ہی اس کے خنجر بھونک دیا، اور اس کی موت سے اس جھگڑے کا کم سے کم پچاس برس کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد جنگ بیرن کے شروع ہونے تک کوئی نئی عوام
تحریک رونما نہیں ہوئی مگر اس اثنا میں شہر میں غیظ و
کی آگ سلگتی رہی۔ غیر ذی اختیار اہل فرقہ امن قائم
رکھنے کے بہانے سے نجیہ ”مجالس امن“ میں متحد ہو گئے تھے
اور گاہ بگاہ عام غوغائی، غیر ملکی اور زیادہ متمول اہل شہر
کے مکانوں کو لوٹتے رہتے تھے، مگر مذکورہ بالا خانہ جنگی کے
شروع ہونے تک کھلی کھلی مخالفت دوبارہ نہیں ہوئی تھی
اب پھر علانیہ مخالفت ہونے لگی۔ اہل حرفہ ”مجالس شہر“ میں
بزور گھس گئے اور اعظم و اکابر شہر کو علیحدہ کر کے ”امن فریڈا
کو اپنا“ ”میر“ (رئیس شہر) منتخب کیا، اور اگرچہ اڈورڈ دوم
کے زمانے تک اختلافات میں کمی نہیں ہوئی، مگر ہم اس
انتخاب کو ”مجالس اہل حرفہ“ کی آخری فتح کا نشان سمجھ سکتے
ہیں، اس کے جانشین کے وقت میں بظاہر تمام مخالفت
ختم ہو گئی۔ ہر تجارت کو فرمان شاہی عطا کئے گئے۔ ان کے
قواعد و ضوابط رئیس شہر کی عدالت میں باضابطہ درج
ہونے لگے۔ اور ہر ایک کے لئے خاص وردیاں منتخب
کی گئیں، جس کی وجہ سے وہ ”وردی پوش جماعتیں“ کہلائی
اور اب تک یہ نام قائم ہے۔ زیادہ دولت مند شہریوں نے
جب دیکھا کہ ان کی قدیم طاقت ٹوٹ گئی ہے تو انہوں
نے ”مجالس سوداگراں“ میں حواصل ہو کر دوبارہ اثر حاصل
کر لیا، اور خود اڈورڈ سوم اس عام اثر میں پڑ کر مزاحاً

زرہ سازوں کی مجلس کا رکن بن گیا۔ یہ واقعہ اس وقت کا پتہ دیتا ہے جب انگلستان کے قصبوں کی حکومت حقیقتہً اس درجہ عوام کے ہاتھوں میں آگئی کہ اس سے پہلے کبھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی تھی۔ البتہ جب موجودہ زمانہ میں مینوسپل ریفارم ایکٹ (قانون اصلاح بلدیہ) کے قبل تک نافذ ہوا تو حالت ہی بدل گئی۔ یہ حکومت ایک محدود طبقہ امرا کے ہاتھوں سے نکل کر متوسط طبقوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی اور کون کہہ سکتا تھا کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب کہ خود ان مجالس میں امرا کی سی خوبو پیدا ہو جائے گی اور یہ بالکل ویسی ہی تنگ خیال جماعتیں بن جائیں گی جو ان سے پہلے تھیں اور جن کو انہوں نے معزول کیا تھا +

جزو پنجم

بادشاہ ویرن

۱۲۹۰ ۱۳۲۷

اسناد۔ اڈورڈ اول کے حالات مثل سابق۔ اڈورڈ دوم کے حالات کے لئے اس کے تین اہم ہمسر موجود ہیں۔ بادشاہ کی جانب داری میں ٹامس دی لامور ہے { لیڈن سوسائٹی کے اینگلیکا (انگلستان) و برٹینیکا (برطانیہ) وغیرہ (Anglica, Brittanica, etc) اسی ضمن میں ہیں } پیرنوں کی جانب فروکلو کا اینلز (اخبار (Annals) ہے (جسے مارٹن دی رولز

نے شایع کیا ہے) اور دوسرے مانزبری کے ایک ماہب کی سوانح عمری ہے جسے بہن نے طبع کیا ہے۔ مریٹھ کا مختصر وقائع بھی اسی زمانے کا ہے۔ ہیلم نے اپنی کتاب ڈل ایجز (ازمنہ وسطی) (Middle ages) میں دستور ملک کے پہلو کو خوب ہی روشن کیا ہے۔

اگر ہم اڈورڈ اول کی تخت نشینی کے وقت سے دوبارہ دستور انگلستان کی تاریخ کی طرف لوٹیں تو اس میں بھی قصبوں کی ترقی کی بہ نسبت کچھ کم حقیقی ترقی نظر نہیں آئیگی مگر اس ترقی کا سلسلہ ناموافق حوادث کے باعث جا بجا سے شکست ہو گیا "منشور" کی طویل جدوجہد اور سین کے اصلاحات اور خود اڈورڈ کے ابتدائی قوانین سے حکمران طاقت میں ایک بڑا تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ اڈورڈ کا بادشاہت کا خیال وہی تھا جو منصف مزاج اور مذہب پرست ہنری دوم کا تھا مگر اس کا انگلستان ہنری کے انگلستان سے ایسا ہی تھا جیسے اس کی پارلیمنٹ ہنری کی "مجلس اعظم" سے مختلف تھی۔

رابرٹ (گلوستر) نے اپنی ایک بھدی سی نظم میں اس زمانے کا سیاسی خیال یہ ظاہر کیا ہے کہ "جب خدا کی عطا سے امن قائم ہو گیا تو ذی اقتدار اشخاص کو قدیم قوانین کی بحالی کی طرف توجہ ہوئی چنانچہ عمدہ قوانین کے اجراء کے لئے بادشاہ نے منشور تیار کیا اور بخوشی خاطر یہ منشور عطا کیا" مگر منشور نے جو طاقت بادشاہ کے ہاتھ سے نکالی وہ عوام کے قبضے میں نہیں آئی بلکہ بیرونوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اہل زراعت و اہل حرفہ اگرچہ آزادی کے کسی خاص خطرے کے موقع پر

لہنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے لیکن ابھی تک حکومت کے عام کام میں دخل دینے کی خواہش ان میں نہیں پیدا ہوئی تھی وہ فروغِ صنعت و حرفت جو ہنری سوم ہی کے عہد میں پیدا ہو چکا تھا اور اس کے بیٹے کے عہد میں بڑے زوروں پر تھا، اس لئے طبقہ تجارت کی جانِ فغانی و کچپی کو بالکل ہی اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ زراعت کی طرف نظر کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اراضی شاطلات کی احاطہ بندی پھر بڑے بڑے مالکان اراضی کی طرف سے پٹہ کے طریقِ اجراء اور جائداروں کی تقسیم و تقسیم کی وجہ سے (جس میں اڈورڈ کے قانون نے خاص آسانی پیدا کر دی تھی) دیہات کے علاوہ اراضی میں آہستہ آہستہ متاجر کاشتکاروں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہو رہا تھا جس کی تمام ترقوت خود اپنی آزادانہ معاشرت کی ترقی میں نہایت منہمک تھی۔ وہی اسباب جنہوں نے آزادیِ بلدیہ کی ترقی اس قدر مشکل کر دی تھی شہروں کی دولت کے بڑھانے کا باعث ہوئے، ناروے اور شمالی جرمنی کے ہینس شہروں سے ہر طرح کا لین دین، فلینڈرز سے اون اور گیسکونی سے شراب کا کاروبار پہلے ہی سے جاری تھا، ان میں اب اطالیہ و ہسپانیہ کے ساتھ روز افزوں تجارت کا اضافہ ہو گیا۔ تاجران وینس کے بڑے بڑے اٹھل جہاز انگریزی ساحل پر آئے، فلورنس کے سوداگر جنوبی بندرگاہوں پر آباد ہو گئے۔ کیورس کے ساہوکار، یہودیوں کی سود خواری پر پہلے ہی ایک مہلک

ضرب لگا چکے تھے اب ان کے پیچھے پیچھے فلورنس اور لیو کا کے
 ساہوکار بھی آگئے۔ مگر ملک کی دولت اور اس کی صناعتی کا اظہار
 محض ایک سرمایہ دار طبقہ کے پیدا ہو جانے ہی سے نہیں ہوا بلکہ
 اس عہد کی ملکی و مذہبی عمارتوں کی کثرت سے بھی اس کا ثبوت
 ملتا ہے۔ مالک عیسوی کا فن تعمیر اڈورڈ کے اوائل عہد میں انتہا
 کی خوبصورتی کو پہنچ گیا تھا اڈورڈ ہی کے عہد کو دست منسٹر
 کے خانقاہی گرجے اور سالبری کے نادر کلیسا کی تخیل کا فخر حاصل
 ہوا۔ اس زمانے کے کسی انگریزی امیر کو اگر بے مثل (معاں) کہتے
 تو وہ اس پر ناز کرتا تھا۔ کوہستان آپس کے اُس پار جو
 فن تعمیر پیدا ہو رہا تھا اس کے کچھ آثار شاید اطالیہ کے ان
 مذہبی عمال کے ساتھ آگئے تھے جنہیں پوپ انگریزی گرجوں پر
 بزور متعین کر رہے تھے۔ خانقاہ دست منسٹر میں تائب کا مزار
 اس کا پیکچاری کا فرش، خانقاہ کی عبادتگاہ اور مجلس کے کمرے
 کے نقش و نگار ان طریقوں کی یاد دلاتے ہیں جو گٹسو کے
 اور اہل پسیا کے زیر اثر پیدا ہو رہا تھا »

طبقہ بیرن
 اور اس کی
 حکمرانی۔

لیکن گروہ تجار کی توجہ اگر حرفت و صنعت کی طرف
 اس قدر منقطع نہ بھی ہوتی تو بھی انہیں انتظام ملک میں
 براہ راست دخل دینے کا کچھ خیال ہی نہیں تھا اس زمانے
 کے خیالات کے موافق بادشاہ کی غفلت و کوتاہی کی حالت
 میں یہ کام (حکمرانی) لامحالہ طبقہ بیرن پر عاید ہوتا تھا آئین
 طور پر اب انگلستان میں امرا کی ایک حیثیت قائم ہو چکی تھی

کوئی بادشاہ ان کی منظوری بغیر نہ قوانین بنا سکتا تھا نہ
 محصول لگا سکتا تھا اور نہ کسی جنگ کا اعلان کر سکتا تھا طبعاً
 بیرن پر قوم کو بڑا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ انگلستان کے امرا اب
 وہ غیر ملکی درندے نہیں رہے تھے جن کے پنجہٴ ظلم سے رعایا
 کو بچانے کے لئے کسی نارمن حکمران کے قوی ہاتھوں کی ضرورت
 ہو۔ وہ اب ویسے ہی انگریز تھے جیسے ایک معمولی کسان
 یا تاجر۔ انہوں نے انگلستان کی آزادی اپنی تلوار کے زور سے
 حاصل کی تھی اور ان کے فرقہ کے روایات انہیں مجبور کرتے
 تھے کہ وہ خود کو اس آزادی کا فطری محافظ تصور کریں
 جس مسئلہ نے اب تک ملک کو پریشان کر رکھا تھا یعنی
 منشور کے موافق حکمرانی کا انتظام کس طرح ہو، وہ جنگ
 بیرن کے ختم ہونے کے بعد اس طرح حل کیا گیا کہ علی
 انتظامات ایک مستقل کمیٹی (مجلس) کے سپرد کئے گئے جسیں
 بڑے بڑے مقتدایان دین اور بیرن شامل تھے۔ یہی لوگ
 بادشاہ کے خاص خاص وزرا کے ساتھ سلطنت کے کارفرما
 قرار پائے اور یہی جماعت ”مجلس مستقل“ کے نام سے مشہور
 ہوئی۔ اور ہنری سوم کے انتقال سے لے کر اُس کے بیٹے
 کے واپس آنے تک جو طویل زمانہ گزرا اُس میں اس
 مجلس نے جس امن و سکون کے ساتھ حکومت کی اس سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ امرا کی یہ حکمرانی کس درجہ با اثر تھی۔
 اپنے اور تاج کے درمیان جس نئے تعلق کے پیدا کرنے کی

انہیں فکر تھی وہ اڈورڈ کی تخت نشینی کے اعلان سے نہایت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ نیا بادشاہ ”اپنے ہمسروں (امرا) کی رضامندی سے تخت نشین ہوا ہے“ نئی پارلیمنٹ کی حالت یہ تھی کہ شائر (ضلع) کے ناٹ زیادہ تر انہیں بیرونوں کے اثر سے منتخب ہوئے تھے اور شہروں کے قائم مقام بھی بیرونوں کی جنگ کی روایات پر اب تک ثابت قدم تھے۔ لامحالہ یہ دونوں گروہ بیرونوں کی پشت پناہی کرتے تھے۔ پارلیمنٹ کے اجلاس بکثرت ہونے لگے تھے جس سے مشورت باہمی فریقانہ انتظامات اور ایک واضح سیاسی بنیاد پر کام کرنے کا موقع ملتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اجرائے محمول کا اختیار بیرونوں کے قبضہ میں آ گیا تھا اور وہ اس نئی قوت کا دباؤ بادشاہ پر ڈال سکتے تھے، ان تمام امور نے بالآخر امرا کی حکومت کو ایسی قوی بنیاد پر قائم کر دیا کہ خود اڈورڈ کی انتہائی شوٹل سے بھی وہ ہل نہ سکی۔

اس زبردست اثر کے مقابلہ میں اول ہی سے بادشاہ کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور اس کے خیالات میں بر اعظم کے انقلاب سے بھی یہجان پیدا ہوا ہوگا کیونکہ آبنائے کے دوسری جانب شاہانِ فرانس جاگیردار بیرونوں کی طاقت کو پامال کر کے شاہی مطلق العنانی کی بنا قائم کر رہے تھے۔ تلج نے اس وقت تک امرا سے جو کچھ بھی حاصل کر لیا تھا۔ اڈورڈ نے بہت ہی حریصانہ طور پر اس کی نگہداشت

کی بہتری دوم کے طرز عمل کی تقلید میں اس نے اپنے عہد کے شروع ہوتے ہی اوس وقت کے تمام اقتدارات عدالت کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا اور اس کی اطلاع پر دورہ کرنے والے حکام کو یہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا کہ یہ اختیارات انہیں کن حقوق کی بنا پر حاصل ہیں۔ جو احکام ثبوت استحقاق کے لئے جاری ہوئے تھے ان کی بڑھی تھی اور تزییل کی گئی۔ ارل ویرن نے ایک زنگ آلود تلوار میان سے نکال کر حکام کے میز پر رکھ دی اور کہا کہ ”یہ سبے جناب میرا پروانہ“ ہمارے آبا د اجداد جب فاتح کے ساتھ یہاں آئے تھے تو انہوں نے تلوار کے زور سے اپنی زمین حاصل کی اور تلوار ہی کے زور سے ہم اسے قائم رکھیں گے مگر بادشاہ صرف بہتری دوم کی تجویز تک محدود رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مزید کوشش یہ کی کہ تمام زمینداروں کو ایک درجہ پر لا کر امرا کی قوت کو بے اثر کر دے چنانچہ ایک شاہی فرمان کے ذریعہ سے یہ حکم دیا گیا کہ تمام آزاد اراضی دار جن کی زمین کی مالیت بیس پاؤنڈ کی ہو خود بادشاہ کے ہاتھ منصب ٹائٹ حاصل کریں۔ مگر اصل یہ ہے کہ قوم میں ایک پیشرد گروہ کی حیثیت سے جس قدر طبقہ برین کا اثر بڑھتا گیا اسی قدر ان کے ہر فرد کا شخصی و خالص باغیہ دارانہ اثر اپنی جائداد پر سے گھٹتا گیا۔ ہر امیر خاندان کی تولیت و عقد کا اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں ہوا

شاہی جہوں کا دورہ، پہلوؤں کے اختیارات عدالت کا برابر رکھتے رہنا بل انڈیت کی وجہ سے ان کی فوجی قوت کو نقصان پہنچانے کے آپس کے مناقشات میں مجلس کی فوری مداخلت، یہ سب وہ استہیا تھے جن سے امرا یوں فیوفاً عام رعایا کی سطح کی طرف سترنل کرتے جاتے تھے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا، یہ ہیئت مجموعی اگرچہ انگریزی طبقہ امرا، جرمن یا فرانس کے سے جاگیردار امرا کے بالکل متماثل نہ تھا مگر پھر بھی ہر فوجی طبقہ میں زیادتی و بے قاعدگی کا ایک فطرتی میدان ہوا کرتا ہے، اور اوڈوڈ کے سے سنت انصاف پسند بادشاہ کے لئے بھی اتنے ہتھامہ رفع کر دینا مشکل تھا۔ ان جنگجو امرا میں انتظام قائم رکھنے کے لئے اسے اپنے تمام عہد میں اپنی پوری قوت سے کام لینا پڑا۔ گلوستر اور ہیرفرڈ کے سے بڑے بڑے ایئر خانگی جنگاں جاری رکھتے تھے۔ شرپ سٹائر میں ایئر انٹیل نے فلک فرازدارین سے جنگ کر کے جھکڑا چکا لیا۔ چھوٹے درجے کے اور نسبتاً غریب امرا کے لئے تاجروں کی دولت اور شاہراہوں سے گزرنیوالی اسباب کی سکاٹیوں کی لمبی لمبی قطاریں، بہت ہی لالچ دلائیوں عسکار تھے، ایک مرتبہ راجب اور کینن Cannon کی مصنوعی لڑائی کے کھیل کا بھیس بنا کر دیہات کے متوسط احساسات زمینداروں کا ایک گروہ بوسٹن کے سوداگروں کے بڑے میلے میں داخل ہو گیا رات ہوتے ہی ہر قبائلی گاہ میں آگ لگ گئی، سوداگر لوٹے گئے، قتل کئے گئے، اور لوٹ کا

مال ان جہازوں پر پہنچ گیا جو بندرگاہ میں اسی غرض سے تیار کھڑے تھے۔ اس مصیبت عام کے قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ لکھنے ہوئے سونے چاندی کے چشمے نالیوں سے بہ کر سمندر میں جا گئے تھے۔ انگلستان کا تمام روپیہ بھی مشکل سے اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے۔ "اڈورڈ کے عہد کے اختتام کے قریب تک "لٹھ بند" لوگوں کے یہ قانون شکن گروہ عام لوٹا سے بسر کرتے۔ دیہات کے امرا کو ان کی لڑائیوں میں مدد دیتے۔ اور بڑے بڑے تاجروں سے ڈرا دھمکا کر روپیہ اور سامان وصول کرتے تھے۔ لیکن بادشاہ میں بھی اتنی قوت تھی کہ امرا کو جرمانے اور قید کی سزا دے۔ ہوسٹن کے غارتگروں کے سردار کو پھانسی پر لٹکائے اور قانون خلاف ورزی کو سخت تشدد سے روکے۔ اڈورڈ کی تین برس کی

۱۱-۱۲۸۹ غیر حاضری میں، خود جج (جو فرد تر طبقہ بیرن سے مقرر کئے جاتے تھے) زیادتی و رشوت خواری سے ملوث پائے گئے۔ کامل تحقیقات کے بعد عدالت کی خرابیاں تسلیم کی گئیں اور ان میں ترمیم کی گئی۔ دو چیف جسٹس ملک بدر کر دیئے گئے اور ان کے ساتھ دوسرے جج قید ہوئے اور ان پر جرمانے کئے گئے ۴

اڈورڈ دوسرے سال ایک ایسی کارروائی ہوئی جس سے اڈورڈ کے اوریوود عہد حکومت پر ایک بڑا دھبہ لگ گیا۔ آنچویوں کے زمانہ میں یہود کے خلاف عام نفرت کی شدت بہت تیزی سے بڑھ گئی تھی

مگر ان کی شاہی حفاظت میں کسی قسم کا تزلزل نہیں آیا تھا۔ جن جن شہروں میں وہ رہتے تھے وہاں حدود شہر سے باہر ہنری دوم نے انہیں قبرستان بنانے کی اجازت دی تھی، چرچوں نے اہل یارک کو یہود کے ایک قتل عام کی بہت سخت سزا دی تھی، اور یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک مشترکہ عدالت ان کے معاہدات کے اندراج کے لئے قائم کی تھی۔ جان خود جو کچھ بھی ہو سکتا ان سے وصول کر لیتا تھا۔ یہاں تک ایک بار اس نے ان سے اتنی رقم وصول کی جو اس کی مملکت کے ایک سال کی آمد کے برابر ہو گئی مگر وہ اس کا روادار نہیں تھا کہ کوئی اور شخص یہودیوں کو نقصان پہنچائے۔ دوسرے عہد حکومت کی پریشانیوں میں بڑے سے اتنا نفع ہوا کہ شاہی حرص سے بھی متجاوز ہو گیا۔ اس عام پریشانی میں یہود اس قدر دولت مند ہو گئے تھے کہ انہوں نے جائیدادیں پیدا کر لیں اور صرف عام جذبات کے اشتعال نے اس قانونی فیصلہ کو روکا کہ وہ زمین کے آزادانہ مالک ہو جائیں۔ عیسائیوں کے جلوس جب یہودیوں کی آبادی کے پاس سے گزرتے تو وہ اپنے غرور اور آس پاس کی توہم پرستی سے نفرت کرنے کی وجہ سے ان پر آوازے کتے اور بعض وقت (جیسا کہ آکسفورڈ میں ہوا) ان پر واقعی حملہ کر بیٹھتے تھے۔ بہت سے وحشتناک قصے لوگوں میں شایع تھے کہ یہودی بچوں کو اپنے گھر میں مرا ہوا پایا گیا اسے

عوام نے خوش عقیدگی سے "سنٹ ہوف" کے نام سے ولی بنا دیا۔
 فرائز کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ عبرانی عملوں میں قیام کرنے اور
 یہودیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے تھے مگر عام غصہ
 کی موج ان نرم فرائزِ آشتی سے بہت بلند ہو چکی تھی۔
 جب بعض پیروان فرانسس نے ہنری سوم سے التجا کر کے
 ستر یہودیوں کی جان بچالی تو عوام نے غصہ کی وجہ سے
 ان "بھائیوں" کو خیرات دینے سے انکار کر دیا۔ جنگ بیرن
 کے دوران میں یہودیوں کی ایک آبادی کے بعد دوسری
 آبادی کا غارت ہونا عام نفرت کی علامت تھی۔ اس جنگ
 کے ختم ہونے کے بعد یہودیوں پر قانون کا زیادہ مضبوطی
 ستم ڈھایا گیا، ان کے حقوق کے محدود کرنے کے لئے پیم قانون
 نافذ ہونے لگے۔ جائداد غیر منقولہ کا قبضہ، عیسائی ملازمین کا
 رکھنا، اپنے سینوں پر دو سفید اونی پٹیاں لگائے بغیر جس سے
 ان کی قوم کی تمیز ہو، سڑکوں پر چلنا، ان کے لئے ممنوع قرار
 دیا گیا۔ نئے صوامع کے بنانے، عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے
 اور ان کا معاہدہ کرنے سے وہ روک دئے گئے۔ ان کی تجارت
 ۱۲۹۰ کیہوس کے ساہوکاروں کی رقابت کی وجہ سے پہلے ہی محدود
 ہو چکی تھی، لیکن جب یہ شاہی حکم نافذ ہوا کہ وہ سود لینا
 چھوڑ دیں ورنہ سزائے موت کے مستوجب ہونگے تو رہے سے
 اور بھی تباہ ہو گئے۔ آخر ظلم و جبر کی حد ہو گئی اور اس ذریعہ
 سے یہودیوں سے کچھ حاصل ہونا ناممکن ہو گیا۔ جنگ چھڑنے کے

قبل اڈورڈ کو روپیہ کی ضرورت تھی اور اس پر عام مذہبی جنگ
 اثر بھی پڑ چکا تھا اس لئے وہ اس امر پر آمادہ ہو گیا کہ پادری
 اور عوام اپنی آمدنی کا پندرھواں حصہ اُسے دے دیں تو وہ
 یہودیوں کو ملک سے نکال دیگا۔ سولہ ہزار یہودیوں نے تبدیل
 مذہب پر جلا وطنی کو ترجیح دی، مگر ان میں سے چند ہی سوال
 فرانس پر پہنچ سکے، بہتوں کی کشتیاں تباہ ہو گئیں بہت سے
 لوٹ لے گئے اور جہازوں کے اوپر سے سمندر میں پھینک دئے گئے
 ایک مالک جہاز نے اپنے جہاز کے دولتمند سوداگروں کو ایک
 زیتیلے ساحل پر اتار دیا اور کہا کہ اب سمندر سے بچنے کیلئے
 وہ کسی نئے موٹی کو بلائیں۔ اڈورڈ کے وقت سے کراہوں
 کے وقت تک ایک یہودی نے بھی جزیرہ انگلستان پر
 قدم نہیں رکھا +

یہودیوں کے اخراج کے بعد ان پر جو زیادتیاں پڑیں اڈورڈ
 ان کا الزام کسی طرح بھی اڈورڈ پر عاید نہیں ہو سکتا ^{اور} طبقہ برین
 کیونکہ اس نے نہ صرف ملک سے باہر جانوالوں کو اپنی
 دولت اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی تھی بلکہ جن
 لوگوں نے انہیں سمندر میں لوٹا تھا انہیں قتل کی سزا نہیں
 دیں، مگر خود اخراج ہی فی نفسہ کوئی کم نظم نہیں تھا شکر گزار
 پارلیمنٹ کی جانب سے پندرھویں حصہ کی امداد خزانہ شاہی
 کے نقصان کی نہایت حقیر تلافی تھی۔ اسکاٹلینڈ کی لڑائیوں
 میں پارلیمنٹ نے جو رقمی امداد دی تھی اس سے زیادہ صرف

ہو گیا، خزانہ بالکل خالی ہو گیا۔ گیسپنی میں فرانسیسیوں سے بڑی جنگ ہو رہی تھی اور اس کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی، اس کے ساتھ ہی بادشاہ اہل فلینڈرز کی اعانت سے فرانس کے شمال میں حملہ کر نیکے لئے اس سے بھی زیادہ مصائب تجویز کر رہا تھا، اسی سخت احتیاج نے اڈورڈ کو ظالمانہ و ۱۲۹۴ غاصبانہ حرکتوں پر مجبور کر دیا۔ اس کی پہلی ضرب کلیسا پر پڑی، وہ پادریوں سے ان کی نصف سالانہ آمدنی کا پہلے ہی مطالبہ کر چکا تھا، اور ان کے بیت و نعل پر وہ اس قدر برافروختہ ہوا کہ سنٹ پال کا ڈین جب عذر کرنے کھڑا ہوا تو وہ محض اس کی دشتناک صورت سے خوف زدہ ہو کر اس کے قدموں پر گر پڑا۔ بادشاہ کے وکیل نے مجلس مذہبی میں یہ کہا کہ ”جو شخص بادشاہ کے مطالبہ کا مخالف ہو وہ کھڑا ہو جائے تاکہ شاہی امن کے دشمنوں میں اس کا شمار کر لیا جائے“ ستم رسیدہ اہل کلیسا نے ایک ناقابل سماعت عذر یہ پیش کیا کہ ان کی امداد صرف روم کے لئے مخصوص ہے، اور مزید محصول سے انکار کی توجیہ میں پوپ بائیسس ہشتم کا ایک فرمان جتہ پیش کیا۔ اڈورڈ نے ان کے انکار کا جواب دیا کہ ۱۲۹۶ تمام گروہ کلیسا سے قانون کی حفاظت اٹھالی، شاہی عدالتیں ان کے لئے بند ہو گئیں اور جنہوں نے بادشاہ کی امداد سے انکار کیا تھا ان کے لئے حوصلہ انصاف کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ پادریوں کا عذر واقعی ضابطہ کی رو سے غلط تھا اور

قانونی حفاظت اٹھ جانے سے انہیں بہت جلد اطاعت پر مجبور ہونا پڑا۔ مگر ان کی امداد خالی خزانہ کے پُر کرنے میں کچھ زیادہ کام نہ آئی اور اس کے ساتھ ہی جنگ کا اثر برابر بڑھتا گیا۔ اڈورڈ بذاتِ خاص فلینڈرز میں جو مهم لیجانا چاہتا تھا اسکے لئے بے روک ٹوک روپیہ وصول کرنے کی نہایت ہی وسیع کارروائی کی ضرورت تھی۔ دیہاتوں کے متوسط اسحال طبقہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ نانٹ کا منصب حاصل کریں یا اس بیش بہا عزت سے مستثنیٰ ہونیکا معاوضہ دیں۔ صوبوں سے مویشی اور غلہ کی شرکت کا بوجہ مطالبہ کیا گیا اور ملک کی خاص پیداواروں کا محصول برآمد سابق کی بہ نسبت چھ گنا بڑھا دیا گیا۔ اڈورڈ نے اگرچہ کسی قطعی فرمان یا قانون کی خلاف ورزی نہیں کی مگر یہ معصوم ہوتا تھا کہ منشور اعظم اور جنگ بیرن کے تمام نتائج دفعتاً الٹ گئے ہیں مگر اس ضرب کا پڑنا ہی تھا کہ اڈورڈ نے خود اپنی مملکت کے اندر اپنے کو بے بس پایا، طبقہ بیرن مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور انگریزی امرا میں دو سب سے بڑے امیر ہوہن (ارل ہیر فرڈ) اور بیگاڈ (ارل نارفوک) اس مخالفت کے سرگروہ بن گئے۔ اس جنگ اور اس کے مصارف کے ۱۲۹۷ء

خلاف انہوں نے صرف اعتراض ہی پر بس نہیں کیا بلکہ عملاً یہ کیا کہ اڈورڈ جب خود فلینڈرز کو روانہ ہو گیا تو انہوں نے اس کے مددگار کی حیثیت سے گیسکنی میں فوج لیجانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے چیلہ یہ کیا کہ سوا بادشاہ کی ہمراہی کے

وہ غیر ملکی خدمت پر مجبور نہیں ہیں۔ بادشاہ نے بیکارڈ سے کہا کہ قسم ہے خدا کی کہ جناب ارل یا تو اب روانہ ہونا پڑیگا یا پھانسی پر چڑھنا پڑیگا۔ ارل نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ ”حضور عالی قسم ہے خدا کی نہ میں روانہ ہوں گا اور نہ پھانسی پر چڑھوں گا۔“

قبل ازیں کہ اس کی طلب کردہ پارلیمنٹ جمع ہو سکے اور ڈکو خود اپنی بے بسی معلوم ہوگئی اور بمقتضائے طبیعت اس کے خیال میں ایک فوری تغیر پیدا ہو گیا وہ ایوان دست منسٹ میں اپنی رعایا کے سامنے کھڑا ہوا اور جوش گریہ کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ آئنے لوگوں کا مال جائز قانونی مطالبہ کے بغیر لے لیا ہے۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ وہ ان کی وفاداری سے ایسی پر جوش التجا کر رہا ہے تو انہوں نے بادل ناخواستہ جنگ کے جاری رہنے کی منظوری تو دیدی مگر اس نازک مرحلہ سے یہ سبق ملا کہ شاہی طاقت کے مقابلے میں مزید طمانیت کی ضرورت ہے۔ اور ڈکو ابھی فلینڈرز میں مبتلائے کشمکش ہی تھا کہ مقتدرے اعظم وینچسی بھی مزید رقم کے وصول کے روکنے میں ارل کا اور باشندگان شہر لندن کا شریک ہو گیا یہاں تک کہ اور ڈکو نہ صرف بمقام گنت منشور کی تصدیق کرنی پڑتی۔ بلکہ اس میں ان جدید واقعات کا بھی اضافہ کیا گیا کہ ملک کی عام مرضی کے بغیر بادشاہ کو کسی قسم کا محصول عاید کرنا اختیار نہیں ہے۔ بیرونوں کے مطالبہ پر اس نے ۱۶۹۹ء میں اس تصدیق کی تجدید کی مگر ساتھ ہی یہ کوشش کی کہ ایک بہم فقرہ ”حقوق تاج کو محفوظ رکھتے ہوئے“ بڑھا دیا جائے۔ اس اضافے کی

کوشش سے بیرونوں کی بے اعتمادی حق بجانب ثابت ہو گئی دو سال
 بعد مسلح بیرونوں کے ایک جدید اجتماع نے اس سے فرمان جھگڑا کا ۱۳۰۱
 پورا عملدرآمد حاصل کیا۔ اس ذلت کی تلخی نے اسے بیتاب کر رکھا
 تھا۔ مال تجارت پر نئے محصولات عاید نہ کرنیکا اس نے جو وعدہ
 کیا تھا اسے بیکار کر دینے کی اس نے یہ صورت نکالی کہ تاجروں کے
 ہاتھ ناس خاص حقوق تجارت فروخت کرنے لگا اور جب اس نے

اپنے وعدوں سے بری کر دئے جانیکے لئے پوپ سے باضابطہ اجازت ۱۳۰۵
 حاصل کی تو اس کا منشا صاف ظاہر ہو گیا کہ جن امور کو وہ تسلیم
 کر چکا ہے انہیں وہ از سر نو معرض بحث میں لانا چاہتا ہے۔ مگر رابرٹ
 بروس کی بغاوت کی وجہ سے اسکا ٹیلنڈ سے خطرناک کشمکش شروع
 ہو گئی اور اس طرح اس کے ہاتھ بندھ گئے۔ اس اثنا میں باؤن

کا انتقال ہو گیا اور یہ مناقشہ اس کے نا اہل بیٹے کے ورثے میں آیا ۱۳۰۷

ادورڈ دوم اضلاًقاً نالائق ہو لیکن وہ اس دماغی قابلیت سے ادورڈ دوم

۱۳۰۷-۱۳۲۷

معراز تھا جو گویا اس کے خاندان میں موروثی چلی آ رہی تھی قطعی
 مقصد یہ تھا کہ طبقہ بیرن کے جوے کو اپنے کندھے سے اتار پھینکے
 اور اس مقصد کے حاصل کرنیکے لئے وہ ایک ایسے وزیر کا انتخاب
 کرنا چاہتا تھا جو کلیتہً تاج کے زیر اثر ہو۔ خود مختار نارمن اور
 انجونی حکومتوں کے دوروں میں "عبادتگاہ شاہی کے پادری" ذررا
 کا کام انجام دیا کرتے تھے مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ "مستقل مجلس"
 کے مفقہایان دین اور امرانے خاموشی کے ساتھ پھر ان عدول
 پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے باپ کے اقتحام عد کے قریب بیرون

کی جانب سے یہ مطالبہ ہوا تھا کہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کا
تقرر ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے مگر اڈورڈ نے اگرچہ نہایت سختی
کے ساتھ اس سے انکار کر دیا مگر عملاً بادشاہ کو وزراء کا انتخاب
مقتدیان دین اور امرا کے طبقے تک محدود رکھنا پڑتا تھا اور ذات
شاہی سے انہیں کیسا ہی قریبی تعلق کیوں نہ ہو یہ عہدہ دار ہمیشہ
ایک بڑی حد تک اپنے فرقہ کے جذبات کے شریک ہوتے تھے۔
نوجوان بادشاہ کی کوشش یہ تھی کہ اس تفسیر کو جو اس طرح
آہستہ آہستہ پیدا ہو گیا تھا پلٹ دے اور اپنے ہم عصر شاہان
فرانس کے مانند وزراء کا انتخاب بیچ حیثیت کے ایسے لوگوں میں
کریے جو ہر حالت میں بادشاہ کے محتاج ہوں اور اپنے مالک کی
حکمت عملی اور اغراض کے سوا اور کسی شے سے انہیں غرض نہ ہو
پائزگوسٹن، گنی کے کسی خاندان کا ایک غیر ملکی شخص تھا اور وہ
اڈورڈ اول کے عہد میں شہزادہ اڈورڈ کا دوست و ندیم تھا مگر سابق
عہد کے اختتام کے قریب وہ ان سازشوں میں ملوث ہونے کے
سبب جس سے باپ بیٹے کے درمیان تفرقہ پڑ گیا تھا ملک بدر
کر دیا گیا تھا۔ نئے بادشاہ کی سخت نشینی کے بعد ہی وہ فوراً واپس
بلایا گیا اور اسے ارل کارنوال کا لقب دے کر تمام انتظامات
ملکی کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ گوسٹن اگرچہ ایک خوش طبع، نرم
مزاج اور مسرف شخص تھا مگر اپنے ابتدائی کاموں میں اس نے
جنوب فرانس کے باشندوں کے مانند چالاکی و جرأت ظاہر کی تھی
۱۳۰۴ کے وزراء برطرف کر دئے گئے، سخت نشینی کے وقت عہدوں کی تقسیم

میں قدامت و وراثت کے حقوق کا مطلق لحاظ نہیں کیا گیا۔ ساتھ ہی اس کے طنز آمیز فقروں اور تمدن نے مغرور بیرونوں کے آتش غیظ کو اور بھڑکا دیا۔ بادشاہ کا یہ مورد عنایت شخص سپہگری میں قائم تھا اور اس کے نیزے نے مخالفین کو مصنوعی مقابلوں کے وقت بار بار گھوڑوں سے گرا دیا تھا۔ وہ اپنی بیباک طباعی کی وجہ سے دربار میں لوگوں کے نئے نئے حقارت آمیز نام تجویز کیا کرتا تھا۔ اس نے ارل لینکیسٹر کا نام ”ایکٹر“ (نقال) پمبروک کا ”یہودی“ اور واروک کا نام ”کالا کتا“ رکھا تھا۔ مگر یہ تمام طعن و تشنیع بیرونوں کے آہنی گرز کی ضرب سے ریزہ ریزہ ہو گئی۔ چند ماہ کے اقتدار کے بعد جب پارلیمنٹ نے اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا تو اسے منظور کر نیکیے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ اور وہ باضابطہ ملک سے ۱۳۰۸ء خارج کر دیا گیا۔ اگلے سال اسکاتلینڈ کی جنگ کے لئے اڈورڈ کو روپیہ صرف اس طرح حاصل ہو سکا کہ اس نے ان حقوق سے دست برداری کی جنہیں اس کے باپ نے قائم کرنا چاہا تھا یعنی یہ کہ تاجروں پر صرف انہیں کی منظوری سے محصول درآمد لگایا جائے۔ جب اڈورڈ کراؤچ بیک کا بیٹا ارل لینکیسٹر بیرونوں کا گروہ ہو گیا تو ان کا استقلال اور بڑھ گیا۔ لینکیسٹر کے رعب و اثر کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ پارلیمنٹ کے اختتام پر جب اڈورڈ نے گیوسٹن کو واپس بلا لیا تو لینکیسٹر شاہی مجلس سے چلا گیا اور ۱۳۱۳ء میں پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں یہ تجویز ہوئی کہ ملک کے انتظامات ایک برس کے لئے اکیس ”مختصین“ کی ایک

جماعت کے حوالہ کر دئے جائیں +

ان آئین تنظیمین نے ایک طویل طویل فرد احکام تیار کی اور اسکالٹینڈ کی بیکار جنگ سے واپس آنے کے بعد یہ فرد اڈورڈ کے سامنے پیش ہوئی۔ اس طویل اور اہم قانون کی رو سے گوسٹن جلاوطن کیا گیا، دوسرے میشر بھی مجلس شوریٰ سے نکال دئے گئے، اور فلورنس کے ساہوکار بھی (جن کے قرضوں نے اڈورڈ کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ بیرونوں کا مقابلہ کر سکیں ملک سے خارج کر دئے گئے۔ اڈورڈ اول کے جاری کردہ میرٹھری (پرٹ) کے محصولات خلاف قانون قرار دئے گئے اور یہ طے پایا کہ پارلیمنٹ ہر سال طلب کی جائے کرے، بشرط ضرورت شاہی عمدہ دار جو ابہری کے لئے پارلیمنٹ میں بلائے جاسکیں، سلطنت کے بڑے بڑے عمدہ دار بیرونوں کے مشورے اور منظوری سے مقرر کئے جائیں اور اپنے عمدے کے لئے پارلیمنٹ میں حلف اٹھائیں۔ بادشاہ اگر جنگ کا اعلان کرنا چاہے یا خود ملک سے باہر جانا چاہے تو اس کے واسطے بھی بیرونوں کی منظوری لازم ہو۔ ان احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبقہ بیرون اس وقت تک پارلیمنٹ کو ملک کے ہر سہ طبقات کی نمائندہ ہونے کے بجائے محض امرا کی ایک سیاسی جماعت سمجھتا تھا، نیچے درجے کے پادریوں کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ ”عوام“ محض محصول دہندہ سمجھے جاتے تھے جن کا ابھی تک صرف اتنا ہی کام تھا کہ شکایات کی عرضداشت پیش کریں

ڈارڈ اور ویٹرز
(امرا کے تنظیمین)
۱۳۱۱

اور روپیہ کی منظوری دیں۔ مگر اس نامکمل شکل میں بھی لینٹ ایک طرح پر ملک کی حقیقی نائب تھی اور ایک طویل اور سخت کشمکش کے بعد اڈورڈ کو مجبوراً یہ ”احکام“ منظور کرنے پڑے۔ گوسٹن کی جلا وطنی بیرونوں کے غلبہ کی علامت تھی، چند ماہ بعد اس کے واپس بلا لینے سے مناقشہ پھر تازہ ہو گیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ گوسٹن اسکار ہاؤس میں گرفتار ہو گیا، ”کالے کتے“ (یعنی واروک) نے قسم کھائی تھی کہ یہ موردِ عتاب اس کے دانتوں کا مزہ چکھے گا اور گوسٹن اگرچہ ارل لینکسٹر کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے ”نرم دل مالک“ سے رحم کی درخواست کی مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ ہوا اور خلافت شرطِ وعدہ بلیک ہل پر اسے قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ کا جوش غم ایسا ہی ۱۳۱۲ بے نتیجہ تھا جیسے اس کے انتقام کی دھمکیاں، فاتحین کی ایک مصنوعی اطاعت نے شاہی ذلت کی انتہا کر دی، اور جب بیرن ایوان وِسٹ منسٹر میں اڈورڈ کے سامنے معافی مانگنے کیلئے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے تو صاف کھل گیا کہ شاہی طاقت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ لیکن اگرچہ اڈورڈ طبقہ بیرن پر فتح حاصل کرنے میں ناکام رہا تاہم وہ ”احکام“ پر عمل کرنے میں اغراض کر کے تمام ملک کو ابتری میں ڈال سکتا تھا۔ گوسٹن کی موت کے بعد کے چھ برس تاریخ انگلستان کا تاریک ترین زمانہ سمجھنا چاہئے۔ بادشاہ اور بیرونوں کے اختلاف کے دوران میں ہر قسم کے نظم و نسق کے کلیتہً معطل ہو جانے سے جو تکلیف

رو نما ہوئی ان میں متواتر مصیبت ناک قحطوں سے اور اضافہ ہو گیا۔ بینکرن کی مخلوبیت اور شمال میں اسکاٹ کے تاخت و تاراج سے انگلستان کو وہ شرمساری نصیب ہوئی کہ کبھی اس سے پہلے ایسی صورت پیش نہیں آئی تھی۔ آخر کار رابرٹ بردس کے بروک پر قبضہ کر لینے سے اڈورڈ کو مجبور ہو کر دینا پڑا، ضوابط و قواعد حسب ضابطہ قبول کر لئے گئے عام معافی عطا کی گئی اور فزوق بیرن سے تعلق رکھنے والے امرا میں سے چند اشخاص کا سلطنت کے اعلیٰ عمدہ داروں میں اضافہ کیا گیا۔

ڈسپنسر

لنکن، لیٹر، ڈابی اور لینکیسٹر چار ولایتوں کے یکجائی ارل ہونے کے علاوہ ارل لینکیسٹر شاہی خاندان سے بھی تعلق رکھتا تھا کیونکہ خود بادشاہ کی طرح وہ بھی ہنری سوم کا پوتا تھا۔ انہیں امتیازات نے اسے بیرونوں کا سرتاج بنا دیا تھا، اور اڈورڈ کے ساتھ اس طویل مناقشہ کی وجہ سے کچھ دنوں اسے ملک میں اعلیٰ طاقت حاصل ہو گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق اس کی اعلیٰ حیثیت سے بہت پست تھا، خود حکمرانی کے ناقابل ہونے کے باعث وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ بادشاہ اب جن نئے مشیروں کی طرف مائل تھا انہیں حسد کی نظر سے دیکھے۔ یہ نئے مشیر معمر و نوجوان ہیوف لی اور ڈسپنسر تھے۔ بادشاہ نے صوبہ گلیبارن کی مالکہ سے نو عمر ڈسپنسر کا عقد کر کے اسے صوبہ کا مالک بنا دیا۔ اس کا

عروج اس قدر ہوا کہ عام طور پر لوگ اس سے حسد کرنے لگے اور اسے بزور شمشیر ملک سے نکلوا دینے میں لینکیسٹر کو زیادہ مشکل پیش نہیں آئی مگر عام ہمدردی جو پہلے سے زلزلیں میں تھی اسی کا رخ پھر گیا اور جب حالت اس حد کو پہنچ گئی کہ لیڈی بیڈلسیر نے ملکہ کی توہین کی اور اُسے قصر لیڈس میں داخل ہونے تک نہ دیا تو عوام الناس بادشاہ سے ہمدردی کرنے لگے۔ جب اڈورڈ نے اس اہانت کے بدلہ لینے میں غیر متوقع مستعدی ظاہر کی تو اس کی قوت اور بڑھ گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ڈسپنسر کو واپس بلا لیا اور جب لینکیسٹر نے اسے دوبارہ جلاوطن کرنے کے لئے بیرون کو جمع کیا تو اس کے فریق کی کمزوری اس سے ظاہر ہو گئی کہ اُس نے اسکاٹ لینڈ سے غدارانہ سازش کی اور شاہی فوج کے بڑھتے ہی فوراً شمال کی طرف پسا ہو گیا۔ بارابرج میں اس کی فوجیں نرغے میں اگر منتشر ہو گئیں اور خود گرفتار ہو کر پاسفرکیٹ میں اڈورڈ کے سامنے لایا گیا۔ اس پر بناوت کا جرم عاید ہوا اور اس کے لئے قتل کا حکم صادر کیا گیا۔ لینکیسٹر جب ایک بے لگام ٹٹو پر سوار قتلگاہ میں پہنچا تو اس نے چلا کر کہا کہ ”اے آسمان کے بادشاہ مجھ پر رحم کر کیونکہ میرے دنیاوی بادشاہ نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اسکے بعد اس کے طرفداروں میں کچھ اور لوگ بھی قتل ہوئے اور باقی قید کرے گئے۔ اور یارک کی ایک پارلیمنٹ نے ڈسپنسر کے

خلاف کارروائیوں کو مسترد اور بیرونوں کے "ضوابط و قواعد" کو
 مسموع کر دیا۔ لیکن اسی پارلیمنٹ اور شاید شاہ پرستوں کی
 فاتحانہ قوت کی وجہ سے بھی اس مشہور قاعدہ کی بنیاد پڑی
 کہ تمام قوانین متعلقہ جائداد شاہی و ملک و قوم حسب دستور
 بادشاہ کی جانب سے پارلیمنٹ میں پیش ہو کر مستدیان دین
 اولوں بیرونوں اور عوام ملک کی مرضی سے منظور اور نافذ
 ہونگے۔ اس قابل یادگار قاعدے کے انداز سے معلوم ہوتا ہے
 کہ عام احساس میں یہ فوری تلامظ اس وجہ سے پیدا ہوا تھا
 کہ طبقہ بیرن نے تنہا وضع قوانین کا تمام کام اپنے ہاتھ میں
 رکھ چھوڑا تھا۔ مگر ڈسپنسر کی سخت اسکاٹلینڈ کی جدید مہم میں
 قطعی ناکامی اور تیرہ برس کے لئے بروس کے ساتھ ذلت آمیز
 ۱۳۲۲ عارضی صلح نے بہت ہی جلد بادشاہ کو عارضی ہردلعزیزی سے
 محروم کر دیا اور یہی امور اس ناکام عہد کی تباہی اور
 خاتمہ کا باعث ہوئے۔ ایک تدبیر یہ سوچی گئی تھی کہ ملکہ (جو
 شاہ فرانس کی ہمیشہ تھی) اپنے وطن کو جائے اور باہمی ایک
 ایسا معاہدہ کراوے کہ ان دونوں ملکوں میں جو جنگ پر
 تلے ہوئے تھے صلح و آشتی ہو جائے۔ نیز اس کا لڑکا جسکی
 عمر صرف بارہ برس کی تھی اس غرض سے اس کے پیچھے پیچھے
 پہنچا کہ اپنے باپ کی طرف سے جو کہ کیسٹنی اور اکوٹین کا
 بھی امیر تھا شاہ فرانس کی اطاعت کا اظہار کرے۔ لیکن
 وہاں پہنچکر ماں بیٹے دونوں نے اڈورڈ کے دربار میں واپس

آنے سے انکار کر دیا۔ تہدید و التجا کسی سے بھی کام نہ چلا اور
 ملکہ کا تعلق بیرونوں کی ایک خفیہ سازش سے اس وقت ظاہر
 ہوا جب آرول میں اس کے اترنے پر مقتدائے اعظم اور
 امرا ہجرت تمام اس کے جھنڈے کے نیچے پہنچ گئے۔ جب سب نے
 بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور باشندگان لندن نے بھی اس کی
 درخواست امداد کو مسترد کر دیا تو وہ ڈسپنسر کو ساتھ لے کر
 باستیجیل مغرب کی طرف بھاگا اور جزیرہ لنڈی میں پناہ
 لینے کے لئے کشتی میں سوار ہو گیا، مگر مخالف ہوانے مفروزین
 کو پھر ساحل ویلز پر لا ڈالا اور یہاں وہ نئے ازل لینکسٹر
 کے ہاتھ میں پڑ گئے۔ ڈسپنسر فوراً ہی ایک پچاس فٹ
 اونچی سولی پر لٹکا دیا گیا، اور بادشاہ اس وقت تک کیلئے
 کنلورٹھ میں زیر نگرانی رکھا گیا جب تک اس کی ~~پہچان~~
 کا فیصلہ پارلیمنٹ نہ کر دے جو اس غرض سے دسترسٹر
 میں طلب کی گئی تھی۔ جو امرا جمع ہوئے تھے انہوں نے
 بخوف و خطر انگریزی آزادی کے آئینی دستور کو از سر نو تازہ
 کیا اور ناقابل حکومت بادشاہ کو معزول کر دینا اپنا حق
 قرار دیا۔ ایک آواز بھی اڈورڈ کی طرفداری میں بلند نہیں
 ہوئی اور جب زور و شور کے ساتھ نو عمر شاہزادے کی
 شاہی کا اعلان ہوا اور پارلیمنٹ سے باہر کے مجمع میں وہ
 بادشاہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا تو صرف چار مقتدایان
 دین نے اعتراض کیا: اس انقلاب نے بہت جلد ایک

اڈورڈ کی

معزولی
۱۳۲۷

قانونی مسودہ کی صورت اختیار کی جس میں مقید بادشاہ پر
 کاہلی، ناقابلیت، اسکاٹ لینڈ کے ضائع کرنے، اپنے حلفِ تخت
 نشینی کے توڑنے اور کلیسا و طبقہ بیرن پر ظلم کرینیکا الزام
 لگایا گیا تھا اور اس کی منظوری پر یہ قرار دیا کہ اڈورڈ
 کا عہد حکومت ختم اور تاج اس کے بیٹے اڈورڈ (ونڈسرا)
 کی طرف منتقل ہو گیا۔ پارلیمنٹ کا ایک وفد کنلور تھو کو
 روانہ ہوا تاکہ معزول بادشاہ سے خود اس کی معزولی کی
 منظوری حاصل کرے، اڈورڈ اس وقت ایک سادہ ساہ
 جمبہ پہنے ہوئے تھا، وہ اپنے مقدر پر راضی ہو گیا، سر ولیم ٹرسل
 نے فوراً ہی اس سے ایسے الفاظ میں خطاب کیا جن سے
 بہتر الفاظ میں پارلیمنٹ کی کارروائی کی اصلی کیفیت نہیں
 ظاہر کی جاسکتی تھی۔ اس نے کہا کہ "میں ولیم ٹرسل اربوں
 بیروں اور دوسرے اشخاص کے وکیل کی حیثیت سے جنہیں
 ایسا کرنے کا کامل اختیار حاصل ہے اور جن کے نام میرے
 وکالت نامے میں مندرج ہیں آپ کی یعنی اڈورڈ سابق شاہ
 انگلستان کی اطاعت و وفاداری کا اظہار کرتا اور اس عطا
 و وفاداری کو واپس کر کے از روئے قانون و رواج کے
 ان لوگوں کو اس ذمہ داری سے بری اور آزاد کرتا ہوں،
 اور ان کی جانب سے میں یہ معذرت پیش کرتا ہوں کہ
 آئندہ وہ آپ کی کسی قسم کی اطاعت و وفاداری کے پابند
 نہ ہونگے اور نہ بہ حیثیت بادشاہ کے آپ کے کسی حق کو

تسلیم کریں گے بلکہ آئندہ وہ بغیر کسی طرح کے شاہی اعزاز کے آپ کو محض ایک عام شخص سمجھینگے۔ ان پر زور الفاظ کے بعد ایک نمایاں کام یہ ہوا کہ سر ٹامس بلاؤنٹ داروغہ شاہی نے اپنا منصبی عصا توڑ ڈالا، حالانکہ یہ رسم صرف بادشاہ کے مرنے پر ہوا کرتی تھی، اس کے ساتھ ہی اس نے تمام شاہی ملازموں کو خدمت سے بری کر دیا۔ آخر ماہ ستمبر میں قصر برکے کے اندر خود بادشاہ ہی کا کام تمام کر دیا گیا۔ *

جزو ششم

اسکاٹ لینڈ کی جنگ آزادی

۱۳۰۶ — ۱۳۲۲

اسناد :- ہمس انگریزی دفاع غار اور تینوں اڈورڈوں کے زمانے کے بڑی کاغذات، اس جزو کے خاص اسناد ہیں۔ جان نے اپنی کتاب "بروس" میں اپنے مدوح کے کارناموں کا ایک افسانہ وار ذخیرہ جمع کر دیا ہے مگر تاریخی حیثیت سے وہ بیکار محض ہیں جدید مصنفین میں سٹر برٹن نے اس زمانے کے حالات بہتریں طریقے سے لکھے ہیں۔

شاہان انگلستان اور طبقہ پیرن کی آئینی جدوجہد کے دوران اسکاٹ لینڈ کا
میں شمال کی جنگ و جدل پوری سختی کے ساتھ جاری رہی مگر اس
انحراف

آئینی جدوجہد کو صاف طور پر سمجھنے کے خیال سے ہم نے اس مجاہدِ عظیم کے بیان کو آخر پر ملتوی رکھا تھا۔

پرتہ کی مجلس کے بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکاٹلینڈ کی ۱۳۰۵

فتح اور اس کا بندوبست مکمل ہو گیا ہے، درحقیقت اڈورڈ اول مقام کارلائل میں دونوں قوموں کی ایک مشترکہ پارٹی

کے اجتماع کی تیاری کر رہا تھا کہ یکایک مفوض ملک، دعویٰ دار تخت بروس کے پوتے رابرٹ بروس کی سرکردگی میں پھر

آباد، جنگ ہو گیا۔ بروس کا نارمن خاندان یارکشائر کے بیرونوں میں شامل تھا، مگر ازواج باہمی کے ذریعہ سے وہ سکر

اور اینڈیل کے ارل بھی ہو گئے تھے۔ بلیلیل اور ویلیس کے مناقشے میں دعویٰ دار تخت بروس اور اس کے بیٹے دونوں

نے انگریزوں کی حمایت میں کسی قدر استقامت دکھائی تھی خود رابرٹ نے انگریزی دربار میں تربیت پائی تھی اور اس کے

بادشاہ کی بہت بڑی نظر عنایت تھی۔ بلیلیل کی کنارہ کشی سے اس کے دعاوی میں ایک تازہ قوت آگئی تھی، لیکن جب

استغف سنٹ اڈورڈ سے اس کی سازش کا حال معلوم ہوا تو اڈورڈ کا بغض اس قدر بڑھ گیا کہ رابرٹ اپنی جان

کے خوف سے سرحد کے باہر بھاگ گیا۔ بمقام ڈیمفریز فرائر ایض کے گرجا میں کامن (لارڈ بیڈی فاک) سے اس کا ۱۳۰۶

آہنا سامنا ہو گیا، اس نے کامن پر اپنے منصوبوں کے افشا کا الزام لگایا، اور جانین سے کسی قدر گرم گفتگو کے بعد

رابرٹ نے خبر مار کر کاسن کو زمین پر گرا دیا۔ یہ ایسی زیادتی تھی جس کی معافی نہیں ہو سکتی تھی، اور رابرٹ بروس نے محض اپنی حفاظت جاں کی خاطر چھ ہفتے کے اندر ہی اندر خانقاہ اسکون میں اپنے بادشاہ ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ اس خبر کی اشاعت نے اسکاتلینڈ کو پھر ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کر دیا، جس سے آڈورڈ کو اپنے اس دشمن صعب سے ایک جدید مقابلے کے لئے آنا پڑا، مگر کاسن کے قتل سے بادشاہ کی طبیعت میں سنت بیرجی پیدا ہو گئی تھی۔ جتنے لوگوں کا اس جرم سے تعلق تھا ان سب کو قتل کی دھمکی دی، اور کاؤنٹس بیوکن کو جس نے بروس کے سر پر تلج رکھا تھا ایک پنجرے یا یوں کہئے کہ ایک کھلے کمرے میں جو اسی غرض سے بروک کے ایک برج پر بنایا گیا تھا، بند کر کے چھوڑ دیا۔ ایک بڑی دعوت میں جو اس کے بیٹے کے ٹائٹ بنائے جانے کی تقریب میں ہوئی تھی اُس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بقیہ ایام خود قاتل سے انتقام لینے میں صرف کرے گا۔ بادشاہ نے جس وقت یہ قسم کھائی ہے، بروس اُس وقت اپنی جان بچانیکے لئے مغربی جزائر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس نے بادشاہ ہونیکے وقت اپنی بیوی سے کہا کہ ”اس وقت سے تو اسکاتلینڈ کی ملکہ اور میں اس کا بادشاہ ہوں“ میری بروس نے اس کا یہ جواب دیا کہ ”مجھے تو یہ بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے“ یہ کھیل بہت جلد تلخ حقیقت سے مبدل ہو گیا۔ ایرڈی پٹس

کے تحت میں ایک مختصر سی فوج نے اُن بے ترتیب سپاہیوں کو بھگا دیا جو نئے بادشاہ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ بروس فرار ہو گیا اور اس کے ساتھی گرفتار ہو گئے۔ اس کے امرا کا بہت بُرا حشر ہوا اور یکے بعد دیگرے سب قتل کئے گئے۔ ارل اتھول نے بادشاہ سے قرابت داری کا عذر پیش کیا تو اڈورڈ نے کہا ”بیشک یہ دوسروں سے ممتاز ہے۔ اسے زیادہ اونچی سولی پر لٹکایا جائے“ انگریزی ججوں کے سامنے ناٹس اور قیس پہلو بہ پہلو بندھے کھڑے رہتے تھے رابرٹ بروس کی بیوی اور بیٹی دونوں قید خانے میں ڈال دی گئیں۔ بروس نے خود شاہزادہ اڈورڈ سے اپنی حوالگی کی استدعا کی مگر اس استدعا کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ بڑھے بادشاہ کا جوش غضب اور بھڑک اٹھا۔ اس نے بگڑ کر کہا کہ ”کس میں اتنی جرأت ہے کہ وہ ہمارے علم کے بغیر باغیوں سے معاملت کرے“

۱۳۰۶ اور اپنے بستر مرض سے اٹھ کر وہ اس فتح کی تکمیل کے لئے خود فوج لیکر شمال کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر موت اُسے تاک چکی تھی اور عین اسکاٹ لینڈ کے سامنے پہنچ کر یہ بڑھا بادشاہ شکار اہل ہو گیا +

رابرٹ بروس اڈورڈ کی موت سے اس مہم میں کچھ زیادہ خلل نہیں پڑا صرف تھوڑے دنوں کے لئے اس کی فوج کے شمال کی طرف نہ بڑھ سکی۔ ارل پمبروک اسی فوج کو لیکر سرحد پار ہوا اور بلا جنگ و جدل ملک کا مالک ہو گیا۔

اب بروس کی زندگی ایک نا امید سر فروش شخص کی سی تھی۔ ہالینڈ کے سردار بھی (جن کے قلعوں میں اس نے پناہ لی تھی) اس کے سخت مخالف تھے۔ کیونکہ وہ ان کے دشمنوں (یعنی اہل لولینڈ) کا بھی بادشاہ ہونے کا دعویدار تھا، اس مصیبت ہی نے کامن کے قاتل کو قوم کا ایک اعلیٰ رہبر بنا دیا۔ بروس ایک قوی و با رعب، صاحب جرات و نرم مزاج شخص تھا، اس نے اپنی زندگی کی سختیوں کو ہمت و امید کے ساتھ برداشت کیا اور مایوسی کو پاس نہ پھٹکنے دیا اس کے نام سے جو افسانے مشہور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی وہ ہالینڈ کے دروں میں اپنے تعاقب کرنے والے کتوں کو روکتا ہے۔ کبھی وحشی قبیلوں کے مقابلے میں تنہا کسی راستہ کو بچاتا ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس کے محدودے چند ہمراہی اپنی غذا کے لئے میدان لگتی اور ماہی گیری پر مجبور ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی دشمنوں کے تعاقب کی وجہ سے منتشر ہو کر جانوروں کے بھٹوں میں پناہ لیتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ خود بروس کو اپنی زرہ پہنکر ننگے پیر چاروں ہاتھ پاؤں سے چٹانوں پر چلنا پڑا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ تیرہ و تار آسمان صاف ہوتا گیا، اڈورڈ اور اس کے بیرون کے درمیان جس قدر تنازعہ سخت ہوتا گیا اسی قدر اسکالینڈ پر انگریزوں کی گرفت دھیلی پڑتی گئی۔ اسکالینڈ کے قصوں کا محبوب ترین شخص چیمبرگلس

ہے۔ جب لولینڈ کے بیرن دوبارہ جمع ہوئے تو ان میں سب سے پہلے یہی شخص بروس کے پاس پہنچا۔ اور اسکی بہت و جرات نے بروس کے حمایتیوں کے دل بڑھا دئے ایک بار وہ خود اپنے مکان پر (جو ایک انگریز کو دے دیا گیا تھا) اچانک جا پڑا، نئے مالک کے لئے جو کھانا تیار ہوا تھا اُسے کھایا، قیدیوں کو قتل کیا، اور ان کی لاشوں کو دروازہ قلعے کے سامنے لاکر لکڑیوں کی ٹال پر پھینک دیا، پھر شراب کے خموں میں چھید کر دیا تاکہ شراب ان کے خون میں مل جائے اور بالآخر مکان اور ایندھن سب میں آگ لگا دی۔ اگرچہ اس آزادی کے حاصل کرنے میں بڑی جوانمردی سے کام لیا گیا مگر اس کے ساتھ خوفناک خو خواری بھی شریک تھی تاہم ملک کی نئی زندگی میں برابر ترقی ہوتی جاتی تھی۔ اہل بوکین جو انگریزی فوج سے مل گیا تھا اس کی شکست کے بعد کامیابی کا رخ صاف طور پر پھر گیا۔ اڈنبرا، راکسبرک، پرتھ اور اسکاتلینڈ کے بیشتر قلعے ایک ایک کر کے شاہ رابرٹ بروس کے ہاتھ آتے گئے۔ پادریوں نے مجتمع ہو کر اسے اپنا جائز مالک تسلیم کیا، اور بتدریج وہ اسکاچ بیرن بھی جو اب تک انگریزوں کے جانبدار تھے خائف ہو کر مطیع ہوتے گئے۔ آخر بروس کو ۱۳۱۳ اس قدر قوت حاصل ہو گئی کہ اس نے اسٹریٹنگ کا محاصرہ کر لیا، اسکاتلینڈ کے قلعوں میں یہی سب سے آخری اور

اہم قلعہ تھا جو اڈورڈ کے تصرف میں رہ گیا تھا ۔

اسٹرانگ کو فی الحقیقت اسکاٹلینڈ کی کئی سمجھنا چاہئے ، اور اس کے خطرے میں آجانے سے انگلستان کو اپنے خانگی جھگڑے چھوڑ کر سخت کوشش کے ساتھ اس کی واپسی کی طرف متوجہ ہونا پڑا ، اڈورڈ جس فوج عظیم کے ساتھ شمال کو روانہ ہوا تھا اس میں تیس ہزار سوار تھے اور ان کی مدد کے لئے آئرلینڈ اور ویلز سے وحشی غارتگروں کا ایک ٹڈی دل جمع کیا گیا ۔ اس بڑھتے ہوئے طوفان کے روکنے کے لئے بروس نے جو فوج جمع کی تھی وہ تقریباً کل کی کل پیدل فوج تھی ۔ یہ فوج اسٹرانگ سے جانب جنوب ایک چھوٹے سے چشے بینک برن کے قریب بلند زین پر نیمہ زن ہوئی ۔ اسی چشے کے نام سے اس جنگ کا نام بھی جنگ بینک برن ہو گیا ۔ فالکرک کی طرح پھر جنگ آوری کے دو مختلف طریقے ایک دوسرے کے مقابل ہوئے ۔ کیونکہ ویلیس کے مانند رابرٹ نے بھی نیزہ بازوں کے گنجان مربع یا حلقے ترتیب دئے تھے ۔ انگریزوں نے اسٹرانگ کے بچانے کی کوشش کی ، لیکن وہ شروع ہی میں دل برداشتہ ہو گئے ۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ بروس اور ہنری ڈی بوہن نے بروس پر اس وقت یکایک حملہ کیا تھا جب وہ اطمینان کے ساتھ اپنی فوج کے سامنے سوار ہو کر پھر رہا تھا ۔ رابرٹ ایک چھوٹے سے ٹو پر سوار تھا اور

بینک برن
۲۳ جون ۱۲۹۶ء

اس کے ہاتھ میں صرف ایک ہلکا نیزہ تھا لیکن اپنے مخالف کے نیزے کو بچا کر اس نے اس کے سر پر اس زور کی ضرب لگائی کہ نیزہ کا دستہ ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ جنگ شروع ہونے پر انگریزی تیرانداز سامنے آئے کہ اہل اسکاٹ لینڈ کے حلقوں کو توڑ دیں۔ مگر ان کی پشت پر کوئی مددگار نہ تھا اور رابرٹ بروس کے مٹھی بھر سواروں نے (جنہیں اس نے اسی غرض سے محفوظ رکھا تھا) آسانی سے انہیں منتشر کر دیا۔ اس کے بعد مسلح جماعت نے اسکاٹ لینڈ کی صف اول پر حملہ کیا مگر جس راستہ سے ہو کر انہیں گزرنا تھا اس کی تنگی کی وجہ سے حملے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی اور فریق ثانی کی پُر استقامت مدافعت نے بہت ہی جلد ان نائنٹوں میں پہلے ڈال دی۔ اسکاٹ لینڈ کا ایک شخص مسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ ”شریر گھوڑے بڑھے اور پھر بڑی طرح پلٹ گئے“ اس ناکامیابی کے موقع پر شاگرد پیشوں کی ایک جماعت کو دور سے دیکھ کر انگریز غلطی سے انہیں دشمن کی فوج معادون سمجھے اور معاً انگریزی فوج میں اضطراب پرا ہو گیا۔ اس بھاگڑ میں انہیں اپنے سر پر کی خبر نہ ہی ہزاروں عمدہ سوار بہت جلد ان گڈھوں میں جا پڑے جو بروس نے اپنے بانیں بازو کی حفاظت کے لئے کھدوائے تھے اور ہزاروں ہی وحشت زدہ سرحد کی طرف بھاگ نکلے لیکن تھوڑے ہی ایسے خوش قسمت تھے جو سرحد تک

پہنچ سکے۔ خود اڈورڈ پانچویں سرداروں کی جماعت کے ساتھ
ڈنبار اور سمندر کی طرف فرار ہو گیا، مگر اس کے طبقہ ٹائٹ
کے بہترین اشخاص فاتحین کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے۔ اور
اہل آئرلینڈ اور پیدلوں کو بھاگتے وقت دیہات کے لوگوں
نے بیرحمی سے ساٹ ڈالا۔ صدیوں بعد تک انگریزی لشکر کا
کی گراں بہا لوٹ کا اثر لولینڈز کے تمام خانقاہوں کے
خزائن اور فرد تحائف سے ظاہر ہوتا رہا۔

اگرچہ یہ نقصان نہایت ہی سخت تھا مگر پھر بھی انگلستان اسکاٹ لینڈ کے دوے
اس درجہ پست نہیں ہوا تھا کہ تاج اسکاٹ لینڈ کے دوے
کو یک ظلم ترک کر دے۔ دوسری جانب بروس کو بھی
ایسی ضد تھی کہ جب تک اس کا شاہی خطاب تسلیم
نہ کیا جائے وہ کسی قسم کی گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا
تھا اور اپنے جنوبی مالک پر دو بارہ برابر قبضہ کرنا جاری
تھا۔ بروک بھی حوالگی پر مجبور ہو گیا اور اس کے واپس
لینے کی مایوسانہ کوشش کے باوجود بروس کا قبضہ برقرار
رہا۔ اس کے ساتھ ہی ڈگلس کے تحت میں اہل سرحد ۱۳۱۸
کی وحشیانہ یورشوں نے نار تھمبر لینڈ کو تباہ کر دیا تھا دوبارہ
بادشاہ اور ہرٹوں کا مناقشہ باہمی ملتوی کیا گیا تاکہ ایک
بہت بڑی انگریزی فوج شمال کو بھیجی جاسکے مگر بروس ۱۳۱۹
مقابلہ سے بچتا رہا یہاں تک کہ حملہ آور برباد ویراں
لولینڈز میں فاتحہ کشی سے تباہ ہو کر مراجعت پر مجبور ہو گیا ۱۲۰۳

اس ناکامی سے انگلستان کو جبراً و قہراً تیرہ برس کے لئے ایک عارضی صلح کی ذلت گوارا کرنا پڑی۔ اس صلح کی مراسلت میں بروس کے لئے بادشاہ کا خطاب استعمال کیا گیا تھا، مگر یہ عارضی صلح اڈورڈ کی معزولی پر قانوناً ختم ہو گئی۔ دونوں جانب فوجیں جمع ہوئیں اور سابق شاہ جان کا بیٹا اڈورڈ بلیل انگریزی دربار میں ماتحت شاہ اسکاتلینڈ کی حیثیت سے حاضر ہوا۔ جزام کی وجہ سے رابرٹ بذات خود میدان میں نہیں آسکا مگر اس امانت نے اسے اس قدر برا بیگنہ کیا کہ ڈگلس اور ریڈلف کے تحت میں اس نے اپنی غارتگر سپاہ کو سرحد پار پہنچا دیا۔ ایک چشم دید شاہد نے اس حمل کی افواج اسکاتلینڈ کی یہ کیفیت ہمارے سامنے پیش کی ہے کہ اس فوج میں چار ہزار زرہ پوش تھے جن میں نائٹ اور اسکوائر دونوں تھے۔ یہ لوگ اچھے گھوڑوں پر سوار تھے ان کے علاوہ بیس ہزار جرمی و جفاکش سپاہی تھے یہ بھی اپنے ملک کے طریقے کے موافق مسلح تھے، اور چھوٹے چھوٹے ٹیٹوں پر سوار تھے جنہیں نہ باندھنے کی ضرورت ہے نہ خبر گیری کی حاجت، بلکہ دن کے سفر کے بعد فوراً ہی بنہ زاروں اور میدانوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ کسی قسم کی گاڑیاں نہیں لاتے کیونکہ انہیں مارٹر کے پہاڑوں پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ نیز وہ روٹی اور شراب

کی قسم سے کسی طرح کا سامان خوراک ساتھ لیکر نہیں چلتے کیونکہ جنگ کے وقت ان کا ضبط و صبر اس درجہ کا ہوتا ہے کہ وہ مدت تک نیم پخت گوشت پر بغیر روٹی کے اور دریا کے پانی پر بغیر شراب کے بسر کر سکتے ہیں اس لئے انہیں دیگیوں اور برتنوں کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ مویشیوں کا گوشت انہیں کی کھال میں رکھ کر پکا لیتے ہیں اور چونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ جس ملک پر وہ حملے کے لئے جا رہے ہیں اس میں انہیں مویشی بکتر مل جائیں گے، اس لئے وہ کسی قسم کے مویشی بھی اپنے ساتھ نہیں لاتے، ہر شخص اپنے زین کے لٹکن میں دھاتا کا ایک چوڑا برتن اور زین کے پیچھے جو کے آٹے کا ایک تھیلا رکھ لیتا ہے، جب وہ نیم پخت گوشت بہت کھا چکے ہیں اور ان کا معدہ کمزور اور خالی معلوم ہوتا ہے تو وہ اس رکابی کو آگ پر رکھ دیتے ہیں آٹے کو پانی سے گوندھتے ہیں اور جب رکابی گرم ہو جاتی ہے تو اس پلٹین کی ایک باریک تکیا اس پر ڈال دیتے ہیں اور اسی کو کھا کر اپنا معدہ گرم کر لیتے ہیں، اسلئے کوئی تعب نہیں کہ وہ دوسرے سپاہیوں کی بہ نسبت زیادہ دور تک کوچ کرتے ہیں۔ ایسے دشمن کے مقابلہ میں انگریزی فوج جو اپنے نو عمر بادشاہ کے تحت میں سرحد کی حفاظت کے لئے روانہ ہوئی تھی بالکل بے بس تھی۔ ایک

موقع پر سرحد کے وسیع ویرانے میں یہ فوج راستہ بھول گئی دوسرے موقع پر دشمن کے تمام نشانات ہی ناپید تھے اور فوج اسکاٹ کے جانے قیام کا پتہ دینے والے کے لئے منصب ٹاٹ اور سو مارک کے انعام کا وعدہ کیا گیا۔ مگر جب وہ ملے تو ویر کے عقب میں جد نیکے باعث ان پر حملہ کرنا ناممکن تھا، مگر ڈگلس نے انگریزی لشکرگاہ پر ایک دلیرانہ یورش کر دی اور ہوشیاری سے مراجعت کر کے اپنی فوج سے منقطع ہونے سے بھی بچ نکلا۔ انگریزی سپاہ مایوسانہ طور پر ٹوٹ گئی اور نارٹھمبر لینڈ پر جدید نجات و تاراج نے انگریزی دربار کو درخواست صلح پر مجبور کر دیا۔ نارٹھمبتن کے معاہدے میں اسکاٹ لینڈ کی آزادی کا باقاعدہ اعتراف کرنا پڑا، اور بروس کو اس کا بادشاہ تسلیم کیا گیا، مگر اس کشمکش سے انگلستان کے غرور کو ایسی آٹھیں لگی تھی کہ وہ اپنی شکست کو آسانی سے برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس معاہدے کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ معاہدہ کرنے والے برسراقتدار نہ رہے۔ علاوہ اسکے دوسری وجہ ان کے برسرا حکومت نہ رہنے کی یہ ہوئی کہ راجہ ریمیر جو ان سب کا سرکردہ تھا بہت مغرور تھا اور اس نے تمام دیگر امرا کو انتظام سلطنت سے بیدخل کر رکھا تھا۔ راجہ کی قوت کو متزلزل کرنے کی پہلی کوششیں نامامد رہیں، اس کے خلاف ارل لیننگٹرن نے ایک جتھا بنایا تھا

گر وہ بغیر کسی نتیجے کے ٹوٹ گیا۔ اور قبل ازیں کہ بادشاہ خود اس کشمکش میں مداخلت کرے اس کا بیچا ارل کینٹ قتل گاہ میں پہنچ چکا تھا۔ قصر نائٹنگیم جس چٹان پر واقع ہے اس کے ایک خفیہ راستہ کے ذریعے سے اڈورڈ نے اپنے سپاہی قلعے کے اندر پہنچا دئے اور اسی سپاہ کے ساتھ مکہ مجلس میں داخل ہو کر مارٹیم کو خود اپنے ہاتھ سے گرفتار کیا اور یہ مجلس اس کا کام تمام کر کے انتظامات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کی پہلی فکر یہ تھی کہ سابق حکومت کی برہمی رفع ہو کر تمام ملک میں پوری طرح امن و امان ہو جائے اور فرانس سے صلح کر کے شمال میں الواعزمی دکھانے کے لئے اسے آزادی مل جائے۔

فی الحقیقت اب یہ معلوم ہوا کہ قسمت نے پھر انگریزوں کی جانب پلٹا دکھایا ہے، معاہدہ نائٹنگیم کے ایک ہی برس کے بعد بروس کے انتقال سے ایک آٹھ برس کا بچہ تخت اسکاتلینڈ کا وارث ہو گیا، اور ملک کی اندرونی مشکلات کے باعث خانگی مناقشات برپا ہو گئے۔ سرحد کے دونوں جانب کے بڑے بیرونوں کو سابق کی صلح سے بہت نقصان پہنچا تھا، کیونکہ اسکاتلینڈ کے بہت سے خاندانوں کی انگلستان میں بڑی بڑی جائیدادیں تھیں اور اسی طرح انگریزی امرا کی جائیدادیں اسکاتلینڈ میں تھیں، اور اگرچہ معاہدے میں ان کے حقوق کا انتظام کیا گیا تھا

مگر واقعاً ان کا عمل درآمد معطل رہا۔ اس نئے بندوبست پر بیرونوں کی ایسی بے اطمینانی کی وجہ سے تخت اسکاتلینڈ پر قابض ہو جانے میں اڈورڈ بیلیل کو فوری کامیابی حاصل ہو گئی۔ باوجود شاہ اڈورڈ کی ممانعت کے وہ امر کی ایک جماعت کو لیکر (جنہیں شمال میں جاؤاد کے دعوے تھے) انگلستان سے روانہ ہو کر سواہل فائف پر جا اترا اور پرتھ کے قریب حملہ آور فوج کو شدید نقصان کے ساتھ پسپا کر کے اسکون میں تاج اپنے سر پر رکھا اور

۱۳۳۲ ڈیوڈ بروس بے یار و مدگار فرانس بھاگ گیا اس دیر

کارروائی میں اڈورڈ نے علانیہ کسی قسم کی مدد نہیں کی تھی مگر موقع کی نزاکت نے اس کی طمع کو بھڑکایا اور اس نے بیلیل سے انگریزی اقتدار شاہی کے اعتراف کا مطالبہ کیا۔ بیلیل نے بھی اسے قبول کر لیا، مگر یہ اعتراف

خود بیلیل کے حق میں مملکت ثابت ہوا، وہ اپنی مملکت سے خارج کر دیا گیا اور انگریزی حملے کو روکنے کے لئے بروک میں (جسے اس نے اڈورڈ کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کیا تھا)

ایک زبردست فوج سمین کر دی گئی۔ بہت جلد اس شہر کا محاصرہ ہو گیا مگر شیر مملکت یعنی مشہور جینر ڈگلس کے بھائی کے تحت میں شہر کی مدد کے لئے ایک اسکاج فوج روانہ

۱۳۳۳

ہوئی۔ ایک انگریزی محافظ فوج پہاڑی ہلڈن کے مضبوط موقع پر قائم تھی۔ اہل اسکاتلینڈ نے اس فوج پر حملہ کر دیا

مگر انگریزی تیر اندازوں نے اپنی گذشتہ شہرت کو قائم رکھا
یہی تیر انداز تھے جن کی وجہ سے میدان کریمسی انگریزوں
کے ہاتھ آیا تھا۔ اہل اسکاٹ لینڈ انگریزی صف کے سامنے
کی دلدلوں میں پھنکر رہ گئے۔ اور تیروں کی بوچھاڑ نے
انہیں چھلنی کر دیا، اور وہ بالکل تباہ ہو کر منتشر ہو گئے۔ یہاں
جنگ نے بروک کی قسمت کا فیصلہ کر دیا اور اس وقت سے
یہ شہر فتوحات اڈورڈ کے ایک جزو کے طور پر انگریزی
بادشاہوں کے تصرف میں رہا۔ یہ شہر اگرچہ ملک کا ایک
ٹکڑا تھا مگر قانوناً وہ ہمیشہ زمانہ سابق کی طرح پورے
ملک کا قائم مقام سمجھا جاتا رہا۔ اسکاٹ لینڈ کی طرح
یہاں بھی ایک چانسلر (صاحب دیوان) چیمبرلین (ناظر
تشریفات) اور سلطنت کے دوسرے عمدہ دار ہوا کرتے تھے۔
اور پارلیمنٹ کے بعض قوانین کا یہ مخصوص عنوان کہ یہ قانون
انگلستان اور شہر بروک واقع ٹویڈ کے لئے ہے، اب تک
اس کی مختص حیثیت کو یاد دلاتا ہے۔ فاتحین نے بلییل کو
پھر تخت نشین کر دیا اور اس نے ان کے معاوضہ امداد
کے طور پر لولینڈز کو باضابطہ فاتحین کے حوالہ کر دیا۔
اڈورڈ نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس پر وہ تین برس
تک قائم رہا، جنوبی اسکاٹ لینڈ پر اس نے اپنا قبضہ قائم
رکھا اور خاندان بروس کے ہوا خواہوں کی مسلسل جاننازا
کوششوں کے مقابلے میں اپنے ماتحت، بادشاہ بلییل کو

نہات میں برابر امداد دیتا رہا۔ اس کے استقلال کا نتیجہ
 کامیابی کی حد پر پہنچ چکا تھا کہ فرانس سے جنگ چھڑ جانے
 سے انگلستان کی قوت آبنائے کے دوسری جانب مصروف
 ہو گئی اور اسکاتلینڈ کو بیچ جانے کا موقع مل گیا۔ جب وطن
 جماعت پھر مجتمع ہو گئی۔ بیلجیئم کا کوئی معاون و مددگار
 نہیں رہا اور بالآخر وہ اڈورڈ کے دربار میں چلا گیا۔
 ڈیوڈ بروس پھر اپنی سلطنت میں واپس آیا اور اس نے
 ولینڈز کے اہم قلعوں کو دوبارہ فتح کر لیا، فی الحقیقت
 اسکاتلینڈ کی آزادی مستحکم ہو گئی تھی۔ فتح اور حب وطن کی
 جنگ کے بجائے اب یہ کشمکش دو کینہ توڑ ہمسایوں کے
 خفیف سناقتے کی صورت میں بدل گئی اور انگلستان و فرانس
 کی زیادہ وسیع سرحد آرائی کا ایک معمولی جزو بن گئی۔

